خطباتِ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج ۔ گوجرانوالہ ۔ پاکستان

خطباتِ صدارت

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
فاروق گنج • گوجرانوالہ • پاکستان

خطباتِ صدارت

شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اجلاسہائے منعقدہ

سیوہارہ ۔ رنگپور ۔ دہلی ۔ کوکناڈا

علی گڑھ ۔ جونپور ۔ لاہور ۔ سہارنپور

بمبئی ۔ حیدرآباد دکن ۔ سورت

میں حضرتؒ نے پیش فرمائے

ناشر

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

طبع اوّل

نام کتاب ——— خطباتِ صدارت

خطبات ——— شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مطبع ——— فائن بکس پرنٹرز لاہور

تاریخِ طباعت ——— شوال المکرم ۱۴۱۰ھ مئی ۱۹۹۰ء

تعداد طبع ——— گیارہ سو (۱۱۰۰)

طابع و ناشر ——— ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

قیمت ——— -/۱۱۰ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

۲۔ انجمن اسلامیہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ

۳۔ مکتبہ حنفیہ گلی ڈاک خانہ والی اردو بازار گوجرانوالہ

فہرست مضامین خطباتِ صدارت شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

از حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

تیرھویں صدی کے اواخر میں یعنی ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مڈل تک اپنے والد گرامی کے پاس ہی حاصل کی۔ قرآن کریم اور ابتدائی فارسی کی تعلیم والد محترم کے علاوہ اپنی والدہ محترمہ سے بھی حاصل کی پھر ۱۳۰۹ھ تا ۱۶ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد گرامی سید حبیب اللہؒ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت سے پہلے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت بھی کر لی۔ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے تربیت حاصل کی۔ دیوبند سے رخصت ہوتے وقت مولانا شیخ الہندؒ نے تاکیدی وصیت فرمائی تھی کہ تعلیم کا سلسلہ ترک نہ کرنا خواہ ایک یا دو ہی طالب علم کیوں نہ ہوں پڑھانا ضرور۔ آپ کے والد محترم سید حبیب اللہؒ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے مرید و مجاز تھے اور خود بھی بڑی نسبت کے مالک تھے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کی علمی و عملی عظمت حضرت مدنیؒ کے ہی دم قدم سے قائم رہی تا دم واپسین آپ نے جس ہمت و استقلال اور عزم راسخ سے دین، علم ملک و ملت کی خدمت جس ایثار قربانی اور جرأت و شجاعت کے ساتھ انجام دی ہے مولانا شیخ الہندؒ کے بعد اس کی نظیر آخری دور میں نظر نہیں آتی۔ آپ کوہ استقامت تھے اور ہمت و شجاعت کے پہاڑ تھے۔ احقر کے سامنے ایک دفعہ ملک لال خان مرحوم نے بیان کیا تھا کہ حج کے موقع پر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے میری ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی تو آپ نے مجھے وہ دیوار دکھلائی تھی کہ اس دیوار کے سامنے مجھے کھڑا کر دیا تھا جب کہ مولانا شیخ الہندؒ اس وقت

رُو پوش تھے مجھے کہا گیا کہ بتلاؤ کہ مولانا شیخ الہندؒ کہاں ہیں، ورنہ تم کو یہاں ہی شوٹ کر دیا جائیگا
مولانا مدنیؒ اس کے لیے بالکل تیار تھے کہ گولی کھالیں اور جان بحق ہو جائیں۔ لیکن اس اثناء
میں مولانا شیخ الہندؒ کو کسی طرح پتہ چلا تو وہ خود رُوپوشی سے باہر آگئے۔ اپنے شیخ کی وصیت
کے مطابق تمام دیگر امور ضروریہ کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس تربیت و تلقین تبلیغ وارشاد
جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء کو آپ نے
اپنی حیاتِ مبارکہ میں آخری سبق بخاری شریف جلد اوّل سے پڑھایا۔ اور ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ
مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم و عمل زہد و تقویٰ، رُشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا۔
آپ کے خاندانی حالات کی تفصیل آپ نے خود نقش حیات میں بیان فرمادی ہے جو
سب سے زیادہ مستند چیز ہے۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد رسائل و کتب میں بھی آپ کے ذاتی
اور عائلی حالات مختلف حضرات نے بیان کیے ہیں اور الجمعیۃ " کا مدنی نمبر اسی سلسلہ میں بہت
ہی بہتر ہے اس میں آپ کے متعلق بہت سی معلومات آگئی ہیں۔ آپ کے برادرانِ گرامی حضرت
مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ، مولانا سید احمد صاحبؒ، مولانا جمیل احمد صاحبؒ اور سب
سے چھوٹے مولانا محمود احمد صاحبؒ تھے۔ اور دیگر حالاتِ خاندانی۔ آپ کی اولاد میں سے تین
صاحبزادگانِ گرامی حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ، حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہ، حضرت مولانا
اسجد مدنی مدظلہ عالم باعمل ہیں۔ اطال اللہ حیاتہم و متع المسلمین بطول حیاتہم۔
آپ نے قرآنِ کریم مالٹا کی اسارت کے زمانہ میں حفظ کیا تھا۔ اسارت کے زمانہ
میں اپنے شیخ کی خدمت کا حق ادا کرتے رہے۔ پھر شیخ کے ساتھ ہی ہندوستان واپس آئے
تعلیمی و تبلیغی شغل کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی سرگرم حصہ لیا اور اس اثناء میں قید و بند
کی صعوبتیں بھی اُٹھاتے رہے۔ پھر تقریباً ۱۹۲۷ء میں مرکز علم دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث و
صدر المدرسین کے منصب عظیم پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۷ء تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔
۱۹۴۰ء سے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت بھی آپ کے ذمہ ڈال دی گئی۔ آخر تک اس کو نبھاتے رہے
۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۱ھ تک جب زیادہ آپ کا وقت مدینہ طیبہ میں بسر ہوا تھا۔ اس دوران
میں ہر علم و فن کی کتب آپ نے پڑھائی تھیں۔ اور مالٹا سے واپسی پر کلکتہ میں مولانا ابوالکلام

کے دارالعلوم میں بھی آپ شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تعلیمی خصوصیات کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ حافظہ بہت قوی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ تاریخی واقعات کی یادداشت تو بے مثال تھی۔ علم حدیث کا درس اس شان سے دیتے تھے کہ فن حدیث کے تمام ماله وما یتعلق به سب امور زیر نظر ہوتے تھے۔ صرفی نحوی علم کلام کے مباحث فقہ و اصول وغیرہ کے ضروری امور اور لغت و معانی رجال حدیث پر کلام پھر مذاہب فقہاءؒ اور ان کے دلائل اور پھر خاص طور پر امام الائمہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا رجحان اس طرح بیان فرماتے تھے کہ تمام شکوک و شبہات کا گرد و غبار صاف ہو جاتا تھا۔ دو گھنٹے ترمذی شریف اور ایک گھنٹہ بخاری شریف جلد اول صبح کے وقت پڑھاتے تھے اور رات کے وقت بخاری جلد ثانی پڑھاتے تھے۔ رات کے وقت خود ہی عبارت پڑھتے تھے یعنی تحدیث کے طریق پر پڑھاتے تھے جب خود خطبہ مسنونہ کے بعد بخاری کی تحدیث کرتے تھے اور اس کی تشریح فرماتے تھے تو عجیب روحانی ماحول نصیب ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے قلوب زنجیروں کے ساتھ عالم بالا میں جکڑے ہوئے ہیں اور اختتام سبق پر دل میں بہت افسوس ہوتا تھا کہ کاش یہ مجلس اور دراز ہوتی۔ جو علماء و طلباء شریک درس ہوتے تھے۔ اپنے شکوک و شبہات' اعتراضات پرچیوں پر لکھ بھیجتے تھے۔ آپ ان کو پڑھ کر ہر ایک سوال کا جواب دیتے تھے۔ کسی معترض کی تلخ کلامی یا غلط تحریر پڑھ کر کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

آپ کا جسم مبارک مضبوط اور گٹھا ہوا تھا، قد درمیانہ تھا، رنگ گندم گون تھا۔ سیاسیات میں بھرپور حصہ لیا۔ اور انگریزی سامراج سے ٹکرلی اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جب جوان تھے تو مجاہد مرد غازی اور جوان سپہ سالار کی طرح کام کیا اور آخری عمر میں بوڑھا جرنیل۔ طبیعت میں انتہائی درجہ کی سادگی، عجز و انکسار، تصنع سے نفرت تھی۔ نماز و صیام، تلاوت و تراویح اور عبادت میں کمال درجہ کا خشوع و خضوع ہوتا تھا۔ زہد و تقویٰ، اتباع شریعت اور راہِ سنت پر استقامت کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی، خدمتِ خلق اور جود و سخا بہت زیادہ تھی۔ جفاکشی، بہادری، شجاعت، جرأت و ہمت محنت و مجاہدہ اس قدر تھا کہ بڑے بڑوں کا پتا پانی ہوتا۔ آپ کے حالات کردیکھ ظرافت بھی بہت زیادہ تھی۔ خشیت من اللہ کے ساتھ تعلق باللہ میں نہایت قوی الرابطہ تھے۔

دین میں صلابت و پختگی تھی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ میں راسخ تھے اشدھم فی امراللہ کا کمال مشاہدہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا ملک کی آزادی اور ملت کی بہتری کے لیے جدوجہد میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اساتذہ واکابر کے ساتھ حسن ظن اور کمال درجہ کی عقیدت رکھتے تھے ایشیا میں انگریز اور برطانوی سامراج کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ حدود اسلام کا بہت خیال کرتے تھے مسلم قوم کی بہت ہمدردی آپ کے سینہ مبارک میں بھری ہوئی تھی۔ دیار اسلام کی حفاظت کا ہر وقت خیال دامن گیر رہتا تھا۔ خلوص و دیانتداری شک و شبہ سے بالا تھی۔ آپ کے حاسدین و نقاد بھی بہت تھے۔ جو اپنی مشوم اغراض کی بنا پر آپ سے کد وکینہ رکھتے تھے۔ لیکن آپ کے تلامذہ، مریدین، خلفاء و معتقدین بھی بے حد و بے شمار تھے۔ طلبا کے ساتھ آپ کا سلوک مثالی ہوتا تھا طلبا کو آپ اپنی اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ ارشاد و بیعت تلقین و رُوحانی تربیت کے اعتبار سے آپ یقیناً ایک مُرشد برحق اور عظیم مربی تھے۔ بحیثیت مدرس اور معلم ہونے کے ایک مشفق اُستاد تھے۔ عوام اور ہم نشینوں کے غمگسار رفیق تھے۔ یادِ خدا و فکر آخرت بے اندازہ تھا۔ شعر و شاعری کے انتخاب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ مطالعہ کتب و اخبارات ضرور بر ضرور کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ تقسیم برصغیر کے بعد بھارت میں مسلمانوں کے لیے ایک سہارا تھے۔ مختلف السنہ مثلاً عربی فارسی اُردو، ہندی، ترکی وغیرہ پر عبور رکھتے تھے۔ آپ کا وعظ و نصیحت بہت مؤثر ہوتا تھا۔ گو کہ آپ دُھواں دھار تقریر کرنے والے خطیب نہیں تھے۔ سادگی اور علمی وقار و رزانت کے ساتھ اور دلائل حقائق اور تاریخی شواہد کے ساتھ ایسا مدلل خطاب فرماتے تھے کہ سب لوگوں کے دلنشین ہو جاتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ہمارے دور کے سب سے بڑے باخدا انسان تھے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ اہل علم میں بہت احتیاط کرنے والے علماء میں سے تھے اس لیے آپ کی بیان کردہ تحریرات یا تقریر و بیان میں بہت ہی شاذ بات کوئی ایسی ہوگی جس سے رجوع کی ضرورت پڑے۔ رسوخ فی العلم کمال درجہ کا تھا۔ سلسلہ ولی اللٰہی کی عظیم یادگار تھے۔ آپ نے عہد شباب میں سلوک و تصوف کی تربیت حاصل کرنے کے لیے متقدمین بزرگانِ دین کی طرح ریاضتیں کی تھیں رُوحانیت و نسبت میں بہت بلند تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا تھا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ، مولانا نانوتویؒ، مولانا شیخ الہندؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تربیت جس طرح سید الطائفہ حضرت

مولانا حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے کی تھی اسی طرح حضرت مدنیؒ کی تربیت بھی حاجی صاحبؒ نے براہِ راست فرمائی تھی۔ آپ بہت قوی النسبۃ تھے اپنے معمولات و اوراد کو پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ سفر و حضر میں اپنے معمولات جاری رکھتے تھے۔ آپ زہد و تقویٰ کے ساتھ ایسے موصوف تھے کہ ہر قسم کے لوگوں سے میل جول ملاقات کرنے اور ان کی خدمات انجام دینے کے باوجود کسی طرح اپنے طریق کار سے غافل نہیں رہتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔ اس کی مخلوق پر تاکہ کوئی عذر نہ کر سکے کہ میں ناساعد ماحول میں کام نہیں کر سکا۔

حضرت شیخ مدنیؒ بھی انتہائی ناساعد حالات میں رہتے تھے۔ وہ کس طرح اس معیار پر پورے اترے۔ آپ نے بے شمار سفر کیے۔ اللہ کی رضا و خدمتِ خلق کیلئے ہوائی جہاز ریل گاڑی موٹر تانگہ، طوفان میل سے کھڑکھڑا میل تک۔ تانگہ بگی سے بس گاڑی تک اور پیدل بھی بہت سے مواقع میں، دلدل و باد و باران کے وقت بھی مسافتیں تہہ کر کے دُور دراز دیہات تک پہنچ کر فریضہ تبلیغ ادا کیا، سیاسی کام کیا، ملی اللّٰھی پروگرام کو آگے بڑھایا۔ ساتھیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مدارس دینیہ اور جماعاتِ اہلِ حق کی سرپرستی فرمائی۔ احقر کی عمر جب شعور و آگہی تک پہنچی تو سب سے پہلے ۱۹۳۷ء میں آپ کا نام سُنا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ۱۹۳۸ء کے آخر میں آپ کی زیارت نصیب کی۔ آپ ایک قومی اجتماع میں جہانیاں منڈی ضلع ملتان تشریف لائے تھے آپ تین دن جہانیاں منڈی میں ٹھہرے تھے۔ راقم الحروف ان دنوں مدرسہ رحمانیہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان میں ملا حسن اور شرح جامی کا طالب علم تھا۔ علاقہ کے اکثر علماء کرام آپ کی زیارت و ملاقات اور آپ سے فیض حاصل کرنے کے لیے وہاں آئے تھے۔ آپ کی تقریر بھی سُنی اور درسِ قرآن بھی، اور آپ کی خدمت کرنے کا موقع بھی ملا۔ جب آپ علماء کرام کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے تشریف فرما ہوئے تو احقر کو دستی پنکھا چلانے کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ کیونکہ بجلی وہاں نہیں آئی تھی۔ آپ نے بہت تھوڑا سا کھانا کھایا۔ اور اپنے ظریفانہ کلام سے علماء کرام و حاضرین کو محظوظ کر رہے تھے۔

جب آپ جہانیاں منڈی تشریف لائے تھے تو آپ کے ساتھ لدھیانہ کے مولانا مفتی محمد نعیم صاحبؒ اور آپ کے خادمِ خاص مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ تھے۔ اسٹیشن پر آپ کا استقبال اس طرح ہوا تھا کہ کانگرس کے رضا کار الگ تھے اور مجلس احرار

کے رضاکار الگ تھے۔ اور مسلم لیگ کے بھی تقریباً دو ہزار رضاکار اپنے سالار کے ماتحت استقبال کے لیے موجود تھے۔ یہ منظر احقر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کانگرس و مسلم لیگ میں وہ بُعد جو ۱۹۴۰ء کے بعد پیدا ہوا وہ اس وقت نہیں تھا۔ آپ کو پہلی بار دیکھنے کے بعد دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کا تلمذ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری کر دی۔ ۱۳۶۰ھ اور ۱۳۶۱ھ میں سال کا اکثر حصہ آپ کے پاس بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پھر بیعت و نسبت بھی آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کی تقریریں لاہور، ملتان، دیوبند، حیدر آباد میں سُننی نصیب ہوئیں۔ آپ کے پیچھے جمعہ اور نمازیں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دارالعلوم کی مسجد میں عصر کی نماز کے بعد یا قبل آپ علم عقائد کے بارے میں اور بعض مشکل اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں کچھ بیان فرماتے تھے۔ اساتذہ اور طلبا سب ہی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے رُعب بھی بہت رکھا تھا۔ یہ رُعب جبارانہ قسم کا نہ تھا، بلکہ ہیبتِ الٰہی اور زہد و تقویٰ کی بنا پر تھا۔ جب آپ اپنی نظر مبارک اِدھر پھیرتے تھے تو رعب کی وجہ سے دیکھنے والوں کی نظر نیچے گر جاتی تھی۔ اشتاقه فاذا بدا اطرقت من اجلاله کا منظر ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی تصانیف

۱۔ نقشِ حیات ، دو جلد
۲۔ مکتوبات ، چار جلد
۳۔ الشہاب الثاقب ،
۴۔ تعلیمی ہند
۵۔ اسیر مالٹا
۶۔ خطباتِ صدارت
۷۔ متحدہ قومیت اور اسلام
۸۔ کشفِ حقیقت

۹۔ ایمان و عمل
۱۰۔ مودودی دستور و عقائد کی حقیقت
۱۱۔ سلاسلِ طیبہ

نقشِ حیات تو آپ بیتی ہے لیکن شیخ الاسلامؒ نے اپنے حالات تو بہت تھوڑے ذکر کیے ہیں۔ اپنے شیخ حضرت مولینا شیخ الہندؒ کے حالات اور ان کی تحریک اور اس کے رجال کا تذکرہ بہت زیادہ ہے۔ اور انگریز کے چار صد سالہ عروج پھر زوال کی داستان اور انگریزوں کی چالبازیاں مکاریاں اور برصغیر کے باشندوں پر بے حد مظالم اور بے رحمی کے مستند حالات اور اور تمام دنیا میں مسلمانوں کی سلطنتوں کو تہہ و بالا کرنا۔ اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن مذہب اور سیاست سب کو برباد کر کے رکھ دینا۔ اس بے رحم اور سفاک قوم کی انسان دشمنی کی پوری کارگزاری آپ کو اس کتاب میں ملے گی۔

مکتوبات شیخ الاسلام: یہ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحی مدظلہ کے مرتب کردہ ہیں چار جلدوں میں
پہلی جلد میں ۱۶۲ مکاتیب ہیں۔
دوسری جلد میں ۱۴۰ مکاتیب ہیں۔
تیسری جلد میں ۱۰۷ مکاتیب ہیں۔
چوتھی جلد میں ۱۷۳ مکاتیب ہیں۔

مکاتیب اگرچہ انتہائی روا روی اور سفر و حضر بے چینی و اضطراب کی حالت میں لکھے گئے ہیں لیکن ان میں علم و تاریخ سیاست اور اجتماعیت کے بہت سے بے شمار علوم و حقائق سلوک و تصوف اور ذکر و اذکار اور علوم باطنی کے بہت سے خزانے جمع ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب کے بعد اس قدر مفید اور گرانقدر مکاتیب کا ذخیرہ اور کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ یہ مکاتیب کچھ تھوڑے سے عربی زبان میں ہیں اور زیادہ ذخیرہ اردو میں ہے جو ولولہ اور بے ساختگی ان مکاتیب میں نظر آتی ہے وہ دلجمعی اور سکون سے لکھی ہوئی تحریروں سے زیادہ ہے اور جہاں تک افادیت کا تعلق ہے۔ تو جو لوگ اجتماعی مسائل سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا شکوک و شبہات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں یا دینی نقطہ نگاہ سے سیاسی و پولیٹیکل معاملات

میں رہنمائی چاہتے ہیں ان کے لیے یہ مکاتیب تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ اور خود غرض معاند مفاد پرست لوگوں کے لیے یہ بے اثر ہوں گے کیونکہ :

ع مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر !

یہ مکاتیب بڑے سے بڑے آدمیوں سے لے کر معمولی افراد تک لکھے گئے ہیں۔ ان مکاتیب کے مخاطبین حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور صدر مملکت سے لے کر ادنیٰ درجے کے طلبا تک بھی ہیں، عوام بھی ہیں جماعتوں کے سربراہ بھی۔ پولیٹکل معاملات کے بارے میں اور فقہی مسائل کے جوابات، تفسیری نکات، علمِ تصوف و سلوک کے بہت سے مسائل اور عقائد و اعمال کے متعلق ذاتی مشوروں سے لے کر بڑے بڑے جماعتی امور تک ہر قسم کی باتیں اشکالات و پیچیدگیوں کے حل، ترغیبات و ترہیبات بالخصوص برطانوی سامراج کے اتار چڑھاؤ کے متعلق تو بہت سا مواد اور تاریخی حقائق ان مکاتیب میں ملیں گے۔ انگریز قوم کے ظلم و ستم کے واقعات جو مشاہدہ میں آئے۔ ظن غالب سے بڑھ کر یقینی درجہ تک جن کا وقوع ہوا ہے۔ ان کے بارے میں صحیح معلومات ناظرین کرام و قارئین عظام کو ان مکاتیب شریفہ میں معلوم ہوں گے۔

الشہابُ الثاقب ! حضرت شیخ الاسلامؒ کا متوسط درجہ کا رسالہ ہے جس میں اہلِ بدعت کے سردار مولوی احمد رضا خان بریلوی کی اہلِ حق اور اہلِ دیوبند پر اُچھالی ہوئی گندگی اور کذب بیانی افترا اور بے جا دروغ گوئی کا منہ توڑ جواب ہے اور پھر شیخ اس وقت عالمِ شباب میں تھے اور حق کے اظہار کیلئے یہ تلخی گوارا کی جاتی ہے کیونکہ یہ روایت قل الحق وان کان مرا اس کے لیے کافی ہے۔

تعلیمی ہند : حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں آپ نے برِصغیر (پاک و ہند) کے تعلیمی حالات پر بحث کی ہے۔ اور انگریز کے دور سے قبل اس ملک کی تعلیمی حالات اور انگریز کے تسلط کے بعد اہلِ ملک کو کس طرح انگریز نے تعلیم سے محروم رکھ کر ظلم و ستم کیا۔ قدیم تعلیمی اداروں کو ختم کر دیا۔ اپنے مذہب کے تعلیمی ادارے قائم کر کے اپنے مطلب کے لوگ دفتری نظام چلانے والے کلرک قسم کے لوگ تیار کیے زبان تبدیل کر دی۔ انگلش سرکاری

زبان بناکر فارسی اور قدیم زبانوں کو یکسر پامال کر دیا۔ اور جدید تعلیم خاص طبقات تک محدود ہوکر رہ گئی۔ اور عوام اس کے تحصیل سے عاجز ہو گئے۔ پھر جس قدر مدارس اور تعلیمی مراکز انگریز کے دُور سے قبل تھے بعد میں اس کا عشر عشیر بھی نہ رہا۔ تمام ماقبل و مابعد کے ادوار کے تعلیمی حالات و تناسب کو نقشوں کی شکل میں حضرت نے سمجھایا ہے۔ اس دُور کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حضرت نے درج کیے ہیں۔

اسیر مالٹا : حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے شیخ کے ساتھ اسارت مالٹا کا زمانہ گزارا ہے۔ اس رسالہ میں شیخ الہندؒ کے مختصر حالات اور اسارت کے اسباب اور کوائف اور جو جو مصائب اور تکالیف اس سلسلہ میں پیش آئیں ان کا احوال نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ترکی حکومت اور خلافت کا زوال اور انگریز قوم کی عیاریاں اور دھوکہ بازیاں اور ظلم و ستم اور سفاکیوں کا حال اور اسلام کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑنے کے انگریز کے ناپاک عزائم کا ذکر بھی اس رسالہ میں ملے گا۔ شیخ الہندؒ کے خدّام اور رفقا کے مختصر کوائف بھی اس میں پیش کیے گئے ہیں۔

متحدہ قومیت اور اسلام : بھی حضرت مدنیؒ کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کی غلط فہمیوں کا ردّ اور بعض دیگر خود غرض مفاد پرست اور انگریز نواز لوگوں کا دین، ملت اور قومیت کے آپس کے فرق کو نظر انداز کر دینا اور اس طرح جمعیۃ علماء ہند کے اہل حق علما کے خلاف پروپیگنڈا کرنا انگریز کو خوش کرنے کے لیے علما کی تجہیل و تحمیق کرنا الغرض قومیت اور ملت کے بارے میں اور دین وطن کے متعلق شیخ نے ایسی وضاحت فرمادی ہے کہ اگر کوئی انصاف سے کام لینے والا ہو گا تو وہ غلط فہمی کا شکار نہیں ہو گا۔ اور مغربیت نواز مستشرقین کے تلامذہ اور انگریز پرست ہمیشہ اہل حق کے خلاف گرد و غبار اُڑاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اس بارگاہ تک پہنچ جائیں جہاں ہر چیز کا قطعی آخری اور صحیح فیصلہ ہو گا۔

دین، مذہب، ملت، وطن اور قومیت کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس بارے میں کوئی شک و شبہ یا تردد ہوتا۔ لیکن برطانوی سامراج کے مہروں نے ہر ایک چیز کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا اور ہر چیز کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صحیح اور غلط سب قسم کی باتوں کو گڈمڈ کر دیا۔ دین اور ملت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایک ہی رہا ہے۔ عہد آدم علیہ السلام سے تا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

البتہ شرائع و مذاہب الگ الگ رہے ہیں۔ وطن اور قومیت ایک اضافی چیز رہی ہے مگر لوم
واوطان کا اختلاف السنہ اور معاشرت کا اختلاف آب و ہوا، گرم و سرد، صحرا و دشت، جنگل و
بیابان کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا فطری اور نیچرل بات ہے۔ اگر اعتدال ہے
تو کسی قسم کا ٹکراؤ یا تخالف پیدا ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ لیکن جب اعتدال نہ رہے تو ہر ایک
امر دوسرے کے ساتھ ٹکراتا ہے۔ فساد و فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً السنہ دنیا میں انسانی تمدن
کی ترقی کی علامت ہے لیکن اگر ان میں ضد و عناد پیدا ہو جائے تو پھر جنگ و جدل ہو گا۔
آب و ہوا، خوراک وغیرہ کے اختلاف کی وجہ سے رنگت کا اختلاف بھی قدرتی ہے لیکن اگر تزی
اور تفوق کا سلسلہ قائم ہو جائے تو یہی جنگ و جدل کا باعث بن سکتا ہے۔ دین و مذہب
بھی ایک فطری جذبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن امیزش کے وقت فطری اور غیر فطری سب چیزیں
باہم خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ اور ضد و عناد تعصب یہ سب باتیں اس میں مل جاتی ہیں وحدت انسانی
کو قائم رکھتے ہوئے ذیلی شعوب و قبائل اقوام و خاندان ایک فطری عمل ہے۔ تمام شرائع الٰہیہ کے
مطابق تمام انسان ایک وحدت سے منسلک ہیں لیکن شاخ در شاخ ہونے کی بنا پر اور مفادات
و اغراض کے جُدا جُدا ہونے کی وجہ سے آپس میں چپقلش اور تخالف و تضاد اور ضرب و حرب
تک نوبت پہنچتی ہے۔ انسان کی نوعی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنی اصل کو فراموش نہ کرے اور
اپنے مرتبہ اور مقام کو پہچانے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ لوگ جہل مرکب کا شکار ہو کر غلط اعتقادات و
افکار کو اپنے اذہان میں جما لیتے ہیں۔ اور ان میں اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ دوسری جانب کی
کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں غیر طبعی امور شروع ہو جاتے ہیں
چنانچہ کائنات میں اقوام کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک قوم جن کا بھی
پتہ چلتا ہے۔ اگر دوسرے لوگ انکار کریں تو کریں لیکن اہل ایمان و اسلام تو اس سے کبھی بھی
انکار نہیں کر سکتے۔ جنات میں سے آگے ابلیس کی بھی ایک قوم ہے۔ ان کے بالمقابل انسان بشر
اور آدمی ایک قوم ہے۔ پھر آدمیوں میں آگے فرقے اور تقسیم سے مختلف اقوام بنتی چلی جاتی ہیں۔
قدیم اقوام کا تذکرہ جو تاریخ کے حوالہ سے ملتا ہے۔ مصری قوم، آشوری قوم، کلدانی قوم، اور اس قسم
کی بہت سی اقوام کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ قومیں شرائع و ادیان کے اعتبار سے

اور کچھ نسلی اعتبار سے کچھ بادشاہی سلطنت کے اعتبار سے شمار ہوتی ہیں۔ کچھ السنہ کے اعتبار
سے مثلاً عربی قوم فارسی اور عجمی قوم، حبشی قوم، زرتشتی قوم، صابی قوم، مشرک قوم مومن قوم، لیکن جب
سے ملوکیت اور شاہیت کا سلسلہ کمزور ہوا ہے اور جمہوریتوں اور دیگر امور کا غلبہ ہوا ہے۔ اس
وقت سے عام طور پر جنسیت اور قومیت مرزبوم کے ساتھ اور اوطان کے ساتھ زیادہ شمار ہونے
لگی ہیں۔ آج کل بالعموم تمام دیگر امور سے الگ اس چیز کا ہی غلبہ ہے اور اسی پر عمل بھی لوگوں کا پایا
جاتا ہے۔ آج دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں ہوگا جس میں وطنی قومیت کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو۔ خواہ
ان کی زبان، مذہب و معاشرت رنگت کچھ بھی ہو۔ لیکن قومیت باعتبار وطن کے ہی پائی جاتی
ہے۔ اس سے کوئی ذی ہوش انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اس میں دین و شریعت کے اعتبار سے
کوئی خرابی نہیں البتہ اس وطنی قومیت کو کوئی عقیدہ اور دین کا مرتبہ دینے لگ جائے تو پھر اس
میں خرابی پیدا ہوگی۔ اسی قسم کی خرابیوں کو انبیا علیہم السلام نے اپنی شرائع میں دُور کرنے کی تعلیم
دی ہے اور تمام امور کو فطری حالت میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جہاں تک فساد و بگاڑ کا تعلق ہے
اس میں صرف وطنیت ہی نہیں بلکہ مال، زبان، رنگت، اقتدار، چودھراہٹ اور دیگر امور
بھی ہیں، جہاں تک نفس قوم کا تعلق ہے خواہ وہ نسل کے اعتبار سے ہو زبان و رنگت کے
اعتبار یا ملک و وطن کے اعتبار سے ہو۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں البتہ خرابی
عوارضات کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ آج کل قومیں تمام
اوطان کی سان پر چڑھی ہوئی ہیں۔ امریکی، چینی، روسی، ہندی، عربی، ایرانی، طورانی، مصری، عراقی،
شامی، افغانی، پاکستانی، برمی وغیرہ۔ ایک مملکت یا خطۂ ارض مختلف السنہ و مذاہب و مختلف
ادیان و مسالک رکھنے والے لوگ ایک قوم بن جاتے ہیں۔ اور ان کا تقابل دوسرے اوطان والوں
کے مقابلہ میں کرنا پڑتا ہے۔ اگر دین، ایمان، توحید کا انکار نہ ہو تو ہر قسم کی قومیت اسلام میں برداشت
ہوگی۔ تمام دنیا میں وطنی قومیت کے باوجود مختلف مذاہب و ادیان اور مختلف السنہ و مختلف قسم
کی معاشرتیں چلتی رہتی ہیں۔ ان سب کو مٹا کر ایک کر دینا غیر فطری عمل ہوگا اس میں ایک اعتبار
سے وحدت ہے۔ اور ہمیں اعتبار سے اختلاف، لیکن ہے یہ سب نیچرل۔ مسلمانوں کو تمام
وطنی قومیتوں میں رہتے ہوئے اپنا کام کرنا ہوگا۔ دوسرے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ تمام عالم میں

مسلمانوں کی ۲۰ یا ۲۱٪ آبادی تمام اوطان و اقوام میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان سب کو تمام اعتبارات سے ایک کر دینا ممکن نہیں اگر ایسا کریں گے تو تباہ کن ہوگا۔ قرآنِ کریم میں بھی اقوام کا اطلاق مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔ بادشاہوں کی نسبت سے قوم فرعون، قوم تبع، نبی کی نسبت سے جیسا کہ قوم نوح قوم عاد، قوم صالح، قوم شعیب، قوم یونس، قوم لوط۔ اور اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے بھی قوم کا اطلاق ہوا ہے۔ قوما کافرین، قوما ظالمین، قوما فاسقین، قوما عادین، کبھی قومیں پیشوں اور اکساب کے اعتبار سے شمار کی جاتی ہیں۔ موچی، درزی، بافندہ جولاہے رنگریز، دھوبی کمہار، لوہار، ترکھان وغیرہ۔ مغربی قومیت یا مشرقی قومیت کو کوئی مسلمان بطور عقیدہ کے نہیں اختیار کر سکتا۔ لیکن بطور رہائش پذیری یا دیگر مجبوریوں کی وجہ سے اختیار کرنے میں کوئی بُرائی بھی نہیں جب تک اس قومیت میں انکار خدا انکار دین یا انکار آخرت شریک نہ ہو۔ کسی قسم کی قومیت یا نیشنلٹی (NATIONALITY) اختیار کی جا سکتی ہے۔ اگر مسلمان کسی بھی قومیت کو سوائے اسلام کے اختیار نہ کر سکتا ہو۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی ملک میں رہ سکے۔ اسلام میں اتنی لچک ضرور پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو غیر مذاہب وغیرہ اقوام کے ساتھ معاملات کی اور عہد و پیمان اور معیشت کے امور میں شرکت کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ میثاق مدینہ کی یہی حقیقت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم قریش مہاجرین، انصار، یہود معاہد اور غیر مسلم اور غیر معاہد دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں ان کو ایک جماعت اور ایک قوم شمار کیا۔ وان یہود بنی عوف امۃ مع المؤمنین للیہود دینہم وللمسلمین دینہم۔ اور اسی طرح امام ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ بین المؤمنین والمسلمین من قریش واھل یثرب ومن تبعہم فلحق بہم وجاھد معہم انہم امۃ واحدۃ دون الناس۔ حضرت مدنیؒ کی یہ تحریر اس سلسلہ پر خوب روشنی ڈالتی ہے۔ "اگر مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے اور مذہب اس کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اسلام میں اتنی لچک ہے ہی نہیں کہ وہ کسی علاقہ اور رابطے کی وجہ سے کسی حالت اور کسی زمانے میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ قومیت متحدہ پیدا کر سکے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ یہ اُمت متحدہ کیسے بنائی؟ اور تمام دیگر اقوام سے علیحدہ ہو کر مسلمان اور یہود شروط مذکورہ

عہد نامہ کی بنا پر کیسے ایک اُمت بن گئے۔ اور پھر اس میں یہ تصریح کر دی گئی کہ ہر ایک اپنے دین میں آزاد ہو گا۔ مسلمان اپنے دین پر رہیں گے اور یہود اپنے دین پر، اور پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اس میں ایک اُمت قرار دیتے ہوئے (من المؤمنین) کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ قوم باوجود ہر ایک کے اپنے اپنے دین میں آزاد ہونے کے، مومنین ہی کی اُمت شمار ہو گی۔ (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۶۶)

لیکن مولانا مودودی لکھتے ہیں :

" اسی مقصد کے لیے وردھا اسکیم بنائی گئی ہے۔ اور یہی مقصد ودیا مندر اسکیم کا ہے، جیسا کہ دونوں اسکیموں میں صاف صاف لکھ بھی دیا گیا ہے۔ مگر مولانا نے ان اسکیموں اور ان کے نصاب کو نہیں دیکھا۔ اسی قومیت کا صور برسوں سے پنڈت جواہر لال پھونک رہے ہیں مگر ان کی بھی کوئی تحریر و تقریر مولانا کی سماعت و بصارت تک پہنچنے کا موقع نہ پا سکی۔ یہی چیز کانگریس کا ایک ایک ذمہ دار آدمی کہہ رہا ہے، لکھ رہا ہے، اور اس کے لیے ان حاکمانہ طاقتوں سے کام لے رہا ہے جو نئے دستور نے عطا کی ہیں، مگر نہ مولانا کے کان ان باتوں کو سنتے ہیں اور نہ اُن کی آنکھیں ان چیزوں کو دیکھتی ہیں۔ اسی چیز کے لیے ان تمام اجتماعی ہیئتوں اور مجلسوں سے کام لیا جا رہا ہے جن کی فہرست مولانا بار بار گنایا کرتے ہیں، اور یہ مجالس محض اس وجہ سے اس کام میں ان کی مددگار بن گئی ہیں کہ ان کا دائرہ عمل ان تمام معاملات پر چھایا ہوا ہے جن کو آپ "تہذیب" "کلچر" "پرسنل لاء" وغیرہ ناموں سے یاد فرماتے ہیں۔ مگر یہ عمل جو ہر آن ہندوستان کے ہر حصہ میں ہو رہا ہے، اس کی بھی کسی جنبش کو مولانا کے حواسِ خمسہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی اس پورے مواد میں سے صرف ایک ہی دستاویز ان تک پہنچی ہے جس کا نام "بنیادی حقوق" ہے اور بس اسی کے اعتماد پر مولانا اس "متحدہ قومیت" کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے تشبیہ دینے کی جراءت فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ان بنیادی حقوق کی حیثیت ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ اور مغربی ڈپلومیسی کی ایسی چالوں کا رشتہ رسولِ پاکؐ کے عمل سے جوڑنے کی جسارت ہم جیسے گناہ گاروں کے بس کی تو بات نہیں۔ ہاں جن کے پاس تقویٰ کا زادِ راہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ ایسی جسارتیں کرنے پر بھی بخشے جانے کی اُمید رکھتے ہیں، انہیں اختیار ہے کہ جو چاہے کہیں اور جو چاہیں لکھیں ! " (مسئلہ قومیت صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۱)

یہ مودودی صاحب کی پوری عبارت ہم نے نقل کردی ہے۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ اس شخص نے کس قدر تکبر و غرور کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اگر مولانا حسین احمد مدنیؒ نے متحدہ قومیت کے ثبوت کے لیے بطور مثال حضور علیہ السلام کے میثاق مدینہ کو پیش کیا ہے تو یہ بات مودودی صاحب کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ اس جسارت پر بخشے جانے کی اُمید بھی نہیں کی جا سکتی۔ گویا کہ اس بات پر مولانا کو ابدی جہنمی قرار دیا۔ اور تمسخر کیا کہ ان کے پاس تقویٰ کا زادِ راہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ اسی جرم و جسارت پر بھی بخشے جانے کی اُمید رکھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

"بناً فاسد علی الفاسد : پھر مولانا اس متحدہ قومیت کے جواز میں ایک اور دلیل پیش فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے :" ہم روزانہ مفادہائے مشترکہ کے لیے ہیئات اجتماعیہ بناتے ہیں اور ان میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ ان کی ممبری اور شرکت کے لیے انتہائی جد وجہد کرتے ہیں ...... ٹاؤن ایریا، نوٹیفائیڈ ایریا، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلات، اسمبلیاں، ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، اور اس قسم کی سینکڑوں ایسوسی ایشنیں اور انجمنیں ہیں جو کہ انہی اصولوں اور قواعد سے عبارت ہیں جو کہ خاص مقصد کے ماتحت ہیئتِ اجتماعیہ کے لیے بنائے گئے ہیں تعجب ہے کہ ان میں حصہ لینا اور مکمل یا غیر مکمل جد وجہد کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جاتا مگر اسی قسم کی کوئی انجمن اگر آزادی ملک اور برطانوی اقتدار کے خلاف قائم ہو تو وہ حرام، خلافِ دیانت، خلافِ تعلیمات اسلامیہ اور خلافِ عقل و دانش وغیرہ ہو جاتی ہے۔" (صفحہ ۴۱)

یہ بناً فاسد علی الفاسد ہے۔ ایک گناہ کو جائز فرض کرکے اس کی حجت پر مولانا اسی قسم کے دوسرے گناہ کو جائز ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ دونوں میں ایک ہی علتِ حرمت پائی جاتی ہے اور مقیس و مقیس علیہ دونوں ناجائز ہیں تا وقتیکہ یہ علت ان سے دُور نہ ہو۔ علمائے کرام مجھے معاف فرمائیں، مَیں صاف کہتا ہوں کہ ان کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے۔ اس لیے کہ ان کی تحلیل و تحریم حقیقت نفس الامری کے ادراک پر تو مبنی ہے نہیں، محض گاندھی جی کی جُنبش لب کے ساتھ ان کا فتویٰ گردش کیا کرتا ہے۔" (مسئلہ قومیت ص۹۴ تا ص۹۵)

مودودی صاحب نے مختلف مشترک مفادات کی انجمنیں اور اداروں کی شرکت کو ہی ناجائز

قرار دیا ہے۔ اور ان پر کانگریس کی شرکت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اور پھر علما کی تضحیک کی ہے کہ کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال قرار دینا ایک کھیل بن گیا ہے ان کی تحلیل وتحریم نفس الامر پر مبنی نہیں بلکہ محض گاندھی جی کی جُنبش لب کے ساتھ ان کا فتویٰ گردش کرتا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ علماء حق پر یہ الزام تراشی اور اتہام کہ وہ اجتماعی اور دینی امور میں اللہ تعالیٰ اس کے نبی اور شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ گاندھی جی کے کہنے پر فتویٰ دیتے ہیں اس سے زیادہ شرمناک الزام بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ وہ کونسا مسئلہ ہے جس میں علماء نے ایسا کیا ہے؟ محض دروغ گوئی ہے جہاں تک انگریز کے خلاف جدوجہد کرنے کے سلسلہ میں کانگریس کی شرکت کا مسئلہ ہے۔ وہ تو مولانا گنگوہیؒ، مولانا شیخ الہندؒ اور مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ جیسے بڑے بڑے علماء اکابر نے فتویٰ دیا ہے۔ اس میں سارا زور مولانا حسین احمد مدنیؒ پر ڈالنا کس قدر بددیانتی اور محض بہتان ہے۔

افسوس ناک بے خبری : مولانا ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: " (متحدہ وطنی قومیت) کی مخالفت کا فتویٰ صرف اس بناء پر کہ وطنیت کا مفہوم مغرب کی اصطلاح میں آج ایسے اصولوں پر اطلاق کیا جاتا ہے جو کہ ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یکسر مخالف مذہب بلا اسی مفہوم مصطلح سے مخصوص ہوگا۔ مگر یہ مفہوم نہ عام طور پر لوگوں کے ذہن نشین ہے اور نہ اس کا کوئی مسلمان دیانت دار قائل ہو سکتا ہے۔ اور نہ ایسے مفہوم کی اس وقت تحریک ہے۔ کانگریس اور اس کے کارکن اس کے محرک نہیں ہیں اور نہ اس کو ہم ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں" (ص۱۲)

اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی پامال چیز پھر سامنے لائی گئی ہے جس کی حقیقت ایک سے زیادہ مرتبہ کھلی جا چکی ہے، یعنی "بنیادی حقوق کا اعلان" اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "خود کانگریس بھی جس متحدہ قومیت کو ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں چاہتی جس سے اہلِ ہند کے مذاہب یا ان کے کلچر و تہذیب اور پرسنل لاء پر کسی قسم کا ضرررساں اثر پڑے۔ وہ فقط انہی امور کو درست کرنا اور سلجھانا چاہتی ہے جو کہ مشترکہ مفاد اور ضروریاتِ ملکیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کو پردیسی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے کر عام باشندگانِ ہند کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ عموماً یہ امور وہی ہیں جو کہ نوٹیفائڈ ایریا، میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ

بورڈوں، کونسلوں اسمبلیوں وغیرہ میں داخلی اور خارجی حیثیات سے طے کیے جاتے ہیں۔ ان میں کسی قوم یا مذہب میں جذب ہو جانا ملحوظ نظر نہیں ہے۔" (صفحہ ۵۰) یہ تحریر ایک روشن نمونہ ہے اس امر کا کہ اس نازک وقت میں کیسی سطح بینی اور سہل انگاری کے ساتھ مسلمانوں کی پیشوائی کی جارہی ہے۔ جن مسائل پر آٹھ کروڑ مسلمانوں کے صلاح و فساد کا انحصار ہے، جن میں ایک ذراسی تحریک بھی ان آئندہ صورتِ اجتماعی و اخلاقی کو بگاڑ کر کچھ سے کچھ کر سکتی ہے، اُن کے تصفیہ کو ایسا ہلکا اور آسان کام سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے لیے اتنے مطالعہ اور غور و خوض اور تدبّر کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی جس کا اہتمام ایک فرد واحد کو طلاق اور وراثت کا کوئی جزئی مسئلہ بتانے میں کیا جاتا ہے۔ عبارت کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ مولانا نہ تو قومیّت کے اصطلاحی مفہوم کو جانتے ہیں، نہ کانگریس کے مقصد و مدعا کو سمجھتے ہیں، نہ بنیادی حقوق کے معنی پر انہوں نے غور کیا ہے، نہ ان کو خبر ہے کہ جن اجتماعی مجلسوں کا وہ بار بار اس قدر سادگی کے ساتھ ذکر فرما رہے ہیں، ان کے حدودِ اختیار و عمل موجودہ دستور کے تحت کن کن راہوں سے اس دائرے میں نفوذ کرتے ہیں جس کو تہذیب و تمدّن اور عقائد و اخلاق کا دائرہ کہا جاتا ہے۔ حد یہ ہے ــــــ اور یہ بات میں خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں ــــ کہ مولانا بایں ہمہ علم و فضل کلچر، تہذیب، پرسنل لا وغیرہ الفاظ بھی جس طرح استعمال کر رہے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کے معنی و مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ میری یہ صاف گوئی ان حضرات کو یقیناً بہت بُری معلوم ہوگی جو رجال کو حق سے پہچاننے کی بجائے حق کو رجال سے پہچاننے کے خوگر ہیں، اور اس کے جواب میں چند اور گالیاں سُننے کے لیے میں نے اپنے آپ کو پہلے ہی تیار کر لیا ہے مگر میں جب دیکھتا ہوں کہ مذہبی پیشوائی سندِ مقدس سے مسلمانوں کی غلط رہنمائی کی جارہی ہے، ان کو حقائق کی بجائے اوہام کے پیچھے چلایا جارہا ہے، اور خندقوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہِ مستقیم بنا کر انہیں اس کی طرف دھکیلا جارہا ہے، تو میں کسی طرح اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ کوشش بھی کروں تو میرے اندر اس پر صبر کی طاقت نہیں ہے، لہٰذا مجھے اس پر راضی ہو جانا چاہیئے کہ جو کوئی میری صاف گوئی پر ناراض ہوتا ہو تو ہو جائے۔ (مسئلہ قومیت صفحہ ۹۸ تا ۱۰۱)

مسائل اجتماعی ہوں یا انفرادی، دینی ہوں یا سیاسی ان میں بحث کرنا اور راجح مرجوح یا صحیح

اور غلط کی نشاندہی کرنا کوئی بُری بات نہیں۔ علماء کے اندر یہ سلسلہ ہمیشہ رہا ہے لیکن مودودی صاحب کا ظلم و ستم ملاحظہ فرمائیں کہ وہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں کہتے ہیں ان کو کلچر، تہذیب، پرسنل کا معنیٰ و مفہوم بھی معلوم نہیں۔ اس کے معنیٰ و مفہوم سے ناآشنا ہیں۔

ایمان و عمل : ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت مدنیؒ کی تحریر ہے اور اس میں مودودی صاحب کے غلط مسلک یعنی معتزلہ اور خوارج کا مسلک جس میں عمل میں کمزور یا تارک عمل کو یہ لوگ دائرہ ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔ یہی مسلک مودودی صاحب نے اپنے بعض رسائل و فتاویٰ میں اختیار کیا ہے اس کا رد اس رسالہ میں کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب نے غصہ میں آکر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ پر الزام تراشی اور اُول فُول بھی کیا ہے۔ اس بارے میں مودودی صاحب کی تلبیسات اور غلط تاویلات کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اور مودودی صاحب نے بے عمل مسلمانوں کو قطعاً اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ اور ان کو مسلمان سمجھنے والے کو قرآن سے جاہل بھی کہا ہے اور ایسے لوگوں کے دعویٰ ایمان کو بے کار اور جھوٹا قرار دیا ہے۔ یہ بات چونکہ اصولاً غلط تھی اور تمام اہل سنت والجماعت کے مکاتیب فکر کے علماء، فقہاء، محدثین کے مسلک کے خلاف تھی۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں تصریح کی ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے۔" ان اھل التوحید لا یخلدون فی النار" ایمان اور توحید کو ماننے والے ہمیشہ کافروں کی طرح دوزخ میں نہیں رہیں گے ان کی نجات ہوگی۔ اس لیے حضرت مدنیؒ نے اپنی اس تحریر میں اس بات کو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ اور فقہاء کرام کی تصریحات سے بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مسلک غلط ہے اور گمراہ کن ہے اس سلسلہ میں تمام شکوک و شبہات کو بھی رفع کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب کی بے شمار غلطیوں کی طرح یہ بھی ایک بڑی غلطی ہے۔ مودودی صاحب نے جس طرح بندوق کے شکار کو بغیر ذبح کیے ہوئے جائز قرار دیا تھا۔ جمہور علماء اس کے خلاف ہیں۔ اور طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کو روزے میں جائز قرار دیا اور ایلاء بغیر قسم بھی واقع ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء مشتبہات میں سے ہے اور یہ کانا دجال وغیرہ افسانے ہیں۔ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اور یونس علیہ السلام فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں کر گئے تھے اور آدم علیہ السلام اطاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں گر گئے تھے۔ اور نوح علیہ السلام میں جذبہ جاہلیت تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام خواہشات

نفسانیہ میں مبتلا تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام راہ میں شرک کی آلودگی سے مبرا نہیں تھے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد توحید میں پختہ ہوئے العیاذ باللہ۔ اس قسم کے دیگر بھی بہت سے مسائل اور عقائد ہیں جن میں مودودی صاحب نے اپنی ادیبانہ تحریروں سے بڑے بڑے کرتب و کمال ظاہر کیے ہیں خدا اس قسم کی گمراہی سے بچائے!

مودودی دستور و عقائد کی حقیقت: یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے اس کا مقدمہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے لکھا ہے اس مختصر تحریر میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا دستور جس غلط اصول پر مبنی ہے اس کا رد کیا ہے کہ یہ اصول نصوص قرآنیہ، سُنّتِ رسولؐ اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے مسلمہ عقیدہ و مسلک کے خلاف ہے۔ مودودی صاحب نے اس دستور کی ص۲۶ میں یہ اصول وضع کیا ہے "رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔" اس شرانگیز اصول سے پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معیارِ حق ہونا بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام-۹۱) نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ تمام نبی اور رسول ہادی اور راہنما ہیں۔ اور معیارِ حق ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کا معیارِ حق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ کیونکہ ناجی لوگوں کے لیے معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کو ٹھہرایا ہے۔" ما انا علیہ واصحابی" اور قرآنی نص فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (بقرہ آیت ۱۳۷) اگر یہود و نصاریٰ اور دیگر لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اور اسی طرح وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ اس الناس سے مراد یقیناً ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہ ہی ہیں اور السابقون الاولون بھی اسی پر شاہد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ان اللہ۔ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ (ترمذی ج۲ ص۲۰۹) جس کی زبان اور قلب میں اللہ تعالیٰ نے حق رکھ دیا ہے کیا وہ معیارِ حق نہیں؟ معیارِ حق کا معنیٰ معصوم تو سلف میں کسی نے بھی سوائے انبیاء علیہم السلام کسی کو نہیں ٹھہرایا۔ مودودی صاحب کے اس غلط اصول کی پوری طرح تردید آپ کو اس مختصر سے کتابچہ میں پورے دلائل کے ساتھ معلوم

ہوجائے گی۔ ایک دفعہ مولانا شمس الحق افغانیؒ نے ذکر کیا تھا کہ مودودی جماعت کے اصحاب نے میرے پاس یہ دستور بھیجا تھا کہ میں اس کی تصدیق کردوں۔ اور اس پر تقریظ لکھ دوں۔ تو میں نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ لیکن تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ میں اس کی تصدیق کردیتا ہوں۔ اور وہ ترمیم یہ ہے " کہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے " بشرطیکہ ناقد منتقد سے بالا ہو یا کم از کم اس کے ساتھ مساوی ہو۔" مولانا نے فرمایا کہ مودودی صاحب کے پیروکار اس پر راضی نہ ہوتے اور خاموشی سے چلے گئے!

سلاسل طیبہ : حضرت مدنیؒ سلاسل اربعہ میں بیعت فرماتے تھے۔ جس طرح حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اگرچہ ان تمام اکابر پر نسبت چشتیہ کا غلبہ تھا لیکن بیعت چاروں سلاسل میں فرماتے تھے اس مختصر رسالہ میں چند نصائح و کچھ معمولات اور اذکار و اشغال کے علاوہ سلاسل ضرور یہ بھی درج فرمادی ہیں جن کو معلوم کرنے سے مریدین و معتقدین کو بڑا فائدہ ہوتا ہے اور یہ تسکینِ قلب و طمانینت نفس کا باعث ہوتے ہیں۔ بعض اوقات جب تک سلسلہ معلوم نہ ہو پوری طرح سکون نہیں ملتا۔

کشفِ حقیقت : بھی حضرت مدنیؒ کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جو آپ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں بعض الزام تراشیوں کا جواب دیا گیا ہے۔

خطباتِ صدارت : حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیصلہ کن جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے۔ افسوس کہ اب تک یہ یکجا نہیں تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کی کارگزاریں کے مدنظر بعض محترم ہستیوں نے ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے اکابر کے خطبات یکجا مل جاتے ہیں۔ حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات اگر ایک جگہ مجموعہ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے۔ ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا۔ لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب

نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے وہ جمع کر دیئے۔ کچھ خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے! سرِدست یہ گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

نمبر شمار	تفصیل	تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	مقام	تفصیل طباعت
۱۔	خطبۂ صدارت	۱۳۳۹	فروری ۱۹۲۱ء	سیوہارہ	مولینا محمد مبین صاحبؒ خطیب دیوبند اور مولینا عزیز گلؒ کی زیر سرپرستی مولانا المہدی حسن عثمانیؒ کی زیرِ نگرانی ہندوستان پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپ کر تقسیم ہوا۔
۲۔	خطبۂ صدارت	۱۳۳۹	مارچ ۱۹۲۱ء	بیماگنج نگوہا	″ ″ ″ ″
۳۔	″ ″	″	اگست ۱۹۲۱	دہلی	″ ″ ″ ″
۴۔	″ ″	۱۳۴۲	۱۹۲۳	کوکناڈا	جمعیۃ علماء ہند
۵۔	″ ″	۱۳۵۵	۱۹۳۷	علی گڑھ	ماہنامہ بینات ۱۳۸۵ھ بمطابق اگست ۱۹۶۵ء جلد ۶ شمارہ ۲ سے نقل کیا ہے۔
۶۔	″ ″	۱۳۵۹	۱۹۴۰	جونپور	کتاب جمعیۃ علماء ہند سے نقل کیا ہے
۷۔	خُطبۂ صدارت	۱۳۶۱	۱۹۴۲	لاہور	کتاب جمعیۃ علماء ہند سے نقل کیا ہے۔
۸۔	″ ″	۱۳۶۴	۱۹۴۵	سہارنپور	مولانا عبدالحلیم الصدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند نے انصاری پریس دہلی سے طبع کرا کے دفتر جمعیۃ علماء ہند سے شائع کیا۔
۹۔	″ ″	۱۳۶۷	۱۹۴۸	بمبئی	مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی
۱۰۔	″ ″	۱۳۷۰	۱۹۵۱	حیدرآباد دکن	مکتبہ ملیہ سرکلر روڈ لاہور نے گیلانی پریس لاہور سے چھپوایا
۱۱۔	″ ″	۱۳۷۶	۱۹۵۶	سورت	مولوی دوست محمد نزد مسجد مولانا خدا بخش صاحب
۱۲۔	صدر مصر جمہوریہ کو پیغام	″	″	″	جامع مسجد بیرون دہلی دروازہ ملتان شہر نے شائع کیا۔

جس سن اور جس مقام میں یہ خطبات حضرت نے پڑھے تھے اور پھر اشاعت کی تفصیل درج ہے۔ان کے علاوہ کچھ دیگر خطبات بھی ہیں۔لیکن وہ ابھی تک ہمیں حاصل نہیں ہو سکے۔

ناظرین کرام! ان خطبات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اگر تعاون فرمائیں گے تو انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں وہ بھی اس مجموعہ کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ان خطبات میں ۱۹۲۱ء، ۱۹۵۶ء کے عرصہ میں برصغیر بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم جو جو تغیرات انقلابات وحوادث پیش آتے رہتے تھے اور مسلم قوم کے لیے جو مشکلات سامنے آتی رہی ہیں۔ان تمام کے بارے قرآن وحدیث فقہ اسلامی اور تاریخ کے تسلسل کے مطابق جو جو حل اور مصائب کو رفع کرنے کی تدابیر علماء حق کے نزدیک صحیح تھیں۔ان کو پیش کر کے تمام اہل اسلام کی صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔ان خطبات میں آپ قرآن کریم کی آیات سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء اُمت کے فیصلے،سیاست کے تقاضے،وقت کی ضروریات اور ذہنی اُلجھنوں اور قلبی پریشانیوں سب کے رفع کرنے بارے میں ہدایت وراہنمائی کے اصول و دلائل پائیں گے۔مستقبل میں دینی تبلیغی اور سیاسی کام کرنے والوں کے لیے بڑی روشنی حاصل ہوگی۔احقر عرض کرتا ہے کہ ان خطبات کی پوری اہمیت اس وقت معلوم ہوگی جب ناظرین کرام ان کو خود پڑھیں گے۔علماء حق نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اور کن پیچیدہ اور مشکل اوقات میں قوم کو صحیح راہ دکھائی ہے۔ان خطبات میں دو خطبے ایسے ہیں کہ احقر خود ان کا عینی شاہد ہے سہارنپور کا خطبہ اور حیدر آباد دکن کا خطبہ خود اپنے کانوں سے حرفاً حرفاً حضرت شیخؒ کی زبان مبارک سے سُنے تھے۔باقی خطبات کا ماخذ محل ومقام بھی ذکر کر دیا ہے۔ان خطبات میں جا بجا انگریز کی غلامی کے کالے اور بدترین دَور کے مظالم جو اس قوم نے برصغیر کے لوگوں اور دیگر اقوام کو محکوم بنانے کے لیے روا رکھے اور انگریز کی سازشیں اور علماء حق کے وہ جراتمندانہ کارنامے جو انگریز کے استبداد کے مقابلہ میں ظاہر ہوئے۔ان کی بروقت راہنمائی کی صحیح تصویر آپ کو ان خطبات میں ملے گی۔ان کتب کے علاوہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بہت سے مضامین اور تحریریں ہیں جو مختلف رسائل میں اخبارات میں وقتاً فوقتاً طبع ہوتی رہی ہیں۔حضرت شیخ الہندؒ کے تراجم ابواب بخاری کا ایک رسالہ بھی حضرت شیخ الاسلامؒ نے ہی مرتب کر کے شائع کرایا تھا جو علم حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے بہت مفید ہے

حضرت شیخ الاسلامؒ کی اپنی تقریریں جو بخاری و ترمذی کی آپ کے مختلف تلامذہ وغیرہ نے طبع کرائی ہیں وہ بعض عربی میں ہیں اور بعض اُردو میں لیکن وہ سماعی اور املائی ہیں۔ خود حضرت کے قلم سے نہیں۔ حضرتؒ انتہائی مصروف انسان تھے۔ تصنیف و تالیف کے لیے جس سکون کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اپنے ذاتی معمولات کو پُورا کرنے کے ساتھ تعلیم و تدریس جمعیۃ علماء ہند۔ اور دیگر جماعتی و اجتماعی معاملات تبلیغی کانفرنسیں مختلف تقریبات احباب و حلقہ معتقدین کے شدید تقاضے اسفار پر اسفار اور ہر طبقہ کے رجال و افراد سے براہ راست میل جول اور تمام متعلقین کے امور کو پورا کرنا یہ تمام باتیں یقیناً شیخ الاسلامؒ کی ہمت اور الٰہی توفیق کے نتیجہ میں انجام پائی تھیں۔ کسی عام یا خاص انسان کے بس کا روگ نہیں۔ وما ذٰلك الا بتوفيق الله۔

و اٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله تعالىٰ
علىٰ خير خلقه محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعين
برحمتك يا ارحم الرّٰحمين

احقر
عبد الحمید
خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ (پنجاب)
پاکستان
۲۶ شعبان ۱۴۱۰ھ - ۲۴ مارچ ۱۹۹۰ء

تاریخی

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے سالانہ اجلاس میں

—— مؤرخہ ——

۱۲ر جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۱ر فروری ۱۹۲۱ء

—— بمقام ——

سیوہارہ

پیش فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ
ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت
اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ
ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

بزرگانِ قوم و برادرانِ اسلام!

یہ میری زندگی کا پہلا موقع ہے جس میں مجھ کو قوم کی بزرگ ہستیوں اور مقدس نفوس نے ایک مذہبی اور سیاسی عظیم الشان اجتماع کی نہایت بوجھل اور ذمہ دار صدارت کی عزت بخشی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، میری ہیچمدانی و کم مائیگی مجھ کو کسی طرح اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں اس قسم کے خطرات کو کبھی دل میں جگہ دیتا۔ جیسے کہ میرا زاویۂ خمول اور صحرائے ضعف رائی میں گم گشتہ ہونا بزرگانِ قوم کو بھی کبھی مشورہ نہیں دیتا تھا کہ مجھ کو اس لائق خیال بھی فرمائیں۔

مگر آپ حضرات کی ذرّہ پروری، حُسنِ ظن، عزت افزائی، عادتِ کرم و احسان نے میری نالائقی و بے بضاعتی کے پلے در پلے پیش کردہ عرائض پر کان نہ دھرنے کے لئے آپ کو مجبور کیا اور مجھ کم مایہ کو گم نامی کی تیرہ و تاریک راتوں سے نکال کر اس ہوشربا خدمت کے انجام دینے

کے لیے کھینچ لائی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حسب قول مشہور حتٰی موت الکبراء کا منظر اس وقت درپیش ہے۔

شیخ الہند کا ماتم

میں نہایت درد و الم سے اس حسرت افزا واقعہ کو یاد کرتا ہوں اور یہ طرز عمل آپ حضرات کا اس ناچیز کے ساتھ بھی اس کا بخوبی شاہد ہے کہ رب العالمین جل مجدہٗ کا حقیقی سایہ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ کا واقعی منظر یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ کا سچا مصداق، اسلاف مرحومین کا حقیقی یادگار، عالم اسلام اور مسلمانانِ ہند کا بے لوث خیر خواہ امتی ھالکالمطر لا یدری اولھم خیر ام آخرھم کا بے شبہ مظہر من یجدد لھم الدین کا اصل نمونہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم و مغفور کا وہ پیارا لعل جس کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "مولوی محمود حسن کو کم نہ سمجھو وہ اپنے زمانہ کا شیخ ہوگا۔" مولانا نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا وہ لاڈلا جس کی منہ بھر بھر تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ "مولوی محمود حسن علم کا کھلا (ڈ)ا ہے۔" محی الطریقۃ والشریعۃ، ملاذ اہل الشہود والحقیقۃ، مولانا و سیدنا فی الدارین حضرت شیخ الہند مولانا مولوی محمود حسن صاحب حنفی العثمانی قدس اللہ سرہ العزیز، ہماری سرپرستی سے عالم ظاہر میں منہ موڑتا ہوا وصالِ حقیقی کی تمنا میں ہم ضعفا کو حالتِ یتیمی و بیچارگی میں چھوڑ گیا۔ ہم بے کسوں کی غمخواری اور بے بسوں کی مددگاری کا ظاہری وسیلہ قطع کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۔

حضرات یہی وہ سبب ہے جس نے آپ بزرگانِ قوم کو مجھ جیسے ناکارہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی اجازت دی اور یہی وہ وجہ ہے جس کی بنا پر آپ کو ذرہ نوازی کا خیال پیدا ہوا ورنہ میری استعداد و قابلیت، کسی طرح قوم کو اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ ایسے خیال کو بھی دل میں گزرنے دے ۔

خلت الدیار فسدت غیر مسوّد   ومن الشقاء تفردی بالسود دِ

اگرچہ مجھ جیسے شخص کو اپنی گمنامی میں بسر اوقات کرنا سخت ضروری تھا اور ایسے سٹیجوں پر آنے اور اپنی بڑی ذمہ داریوں سے احتراز کرنا نہایت الزم تھا اور اسی وجہ سے گذشتہ زندگانی میں نے نہایت سادگی سے گزاری مگر حسبِ قولِ اسلاف "امتثال الامر خیرٌ من سلوك الادب" نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپ بزرگوں کے حکم سے کسی طرح روگردانی نہ کروں۔ اِدھر یہ بھی خیال گزرا کہ وہ امور جن کو میں قوم اور وطن کے لیے بہترین اعمال حسب وقائع حاضرہ دیکھ رہا ہوں اور وہ مضامین جو کہ ان دنوں باعتبار تجارب و احکام اسلامیہ میرے دماغ میں گونج رہے ہیں۔ آپ حضرات پر اُن کو اس ذریعہ سے پیش کرنے کا عمدہ موقع ہاتھ آتا ہے۔ سرِ تسلیم آپ کے سامنے خم کر دوں۔

اس وقت یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ فصاحت و بلاغت کی دشوار گزار اور پیچدار گھاٹیوں سے چونکہ میں محض ناواقف ہوں۔ اِدھر رائے صائب اور تجارب کے میدان میں بھی نہایت عاجز و ضعیف، اس لیے عرض کرنے میں جو جو غلطیاں ہوں، اُن کو نظر انداز فرمائیں۔

میں نہایت اخلاص اور صمیم قلب سے آپ حضرات کی عزت بخشی اور بندہ نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض رساں ہوں کہ ذرا گوجہ سے میری معروضات کو سنتے ہوئے راہِ عمل میں قدم اٹھانے کی کوشش فرمائیں۔ شخصیات اور تنازعاتِ نفسانیہ کو عموماً اور ایسے وقت میں خصوصاً پس پُشت ڈال دینا ہی ضروری ہے۔ کثرتِ قیل و قال وغیرہ میں فرصت و وقت کو کھو دینا نہایت غیر مناسب امر ہے۔

حضرات! ہم کو اس وقت میں مختلف ایسے واقعات درپیش ہیں جن کی بناء پر ہر قلب میں تڑپ، ہر آنکھ میں بیداری، ہر رگ خون میں گرمی، ہر قدم میں تیزی کی ضرورت ہے۔ یہی وہ واقعات ہیں جنھوں نے عالمِ اسلامی اور خطۂ مشرق میں سخت بے چینی پھیلا دی ہے۔ انسانی دنیا کے احساس کرنے والے دل اور سمجھنے والے دماغ نہایت پریشان ہیں۔ غیرت اور

حمیت والی جانیں ماہئ بے آب ہو رہی ہیں۔ بولنے والی زبانیں متاثر ہونے والے جگر مُجمل نار ہیں۔

(۱) خلافت کا مسئلہ کوئی نیا اور کمزور مسئلہ نہیں ہے جس کو لاابالی پن سے ٹال دیا جائے اور اس کی طرف دل و دماغ زبان و قلم قوت مادی اور روحی کو متوجہ نہ کیا جائے اگرنص قرآنی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ خلافت کے ادیانِ سابقہ اور از منہ قدیمہ میں جاری اور معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہوا اُمّتِ محمدیہ میں بھی مثل سابق جاری رکھنے کا وعدہ خداوندی بتلا رہی ہے، تو اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا جنازۂ نبوی کو چھوڑ کر سب سے پہلے مسئلہ خلافت کی طرف متوجہ ہونا اس کی اہمیت کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے فقہائے کرام فرما رہے ہیں "ونصبہ رای الخلیفۃ) من اہم الواجبات (درمختار) خلیفہ قائم کرنا فرائض میں سب سے مہتم بالشان امر ہے)۔

مولانا علی قاریؒ فرماتے ہیں "یہی وجہ تمام خلفاء میں اس امر کی رہی کہ جب کوئی خلیفہ انتقال کرتا تھا۔ تو اس کی تجہیز و تکفین سے پہلے دوسرے خلیفہ کی بیعت اور اقامت ہو جاتی تھی شرعی نصوص اور کتب فقہیہ کی بنا پر جب کہ تمام اُمّت کے اہم ترواجبات میں سے خلافت کا قائم کرنا ہے تو اس کی حفاظت اور اقتدار کا باقی رکھنا اور اس کے لیے ممکن سے ممکن کوشش کرنا بھی اعلیٰ درجاتِ واجبات سے ہوگا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما (رواہ مسلم) (یعنی جب کہ دو خلیفوں کے لیے بیعت لی جاوے تو آخری خلیفہ کو قتل کر ڈالو) جس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ اوّل کی خلافت کی حفاظت کے لیے دوسرے مسلمان خلیفہ کا خون صرف مباح ہی نہیں بلکہ واجب الاراقہ ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم

او یفرق جماعتکم فاقتلوہ (رواہ مسلم) (یعنی اگر تم لوگ ایک خلیفہ کی اطاعت پر متفق ہو اور کوئی دوسرا شخص آکر تم کو اس سے جُدا کرنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہے تو اس کو قتل کر ڈالو)۔

قواعدِ فقہیہ مقررہ میں سے ہے کہ جو امر ابتداءً واجب ہوتا ہے اس کی بقاء کی کوشش کرنی اس سے بھی زیادہ ضروری ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اوامر اقامتِ خلافت و حفاظتِ اقتدارِ خلیفہ تمام اُمّت پر وارد کیے گئے ہیں اس لیے سب کا فرض ہوگا کہ ممکن درجہ کوشش سے تقصیر نہ کریں خصوصاً جب کہ اعدائے اسلام ہدمِ خلافت سے نفسِ اسلام کو ضرر پہنچا رہے ہوں۔

بقاءِ خلافت

اس مقام پر یہ کہنا کہ خلافت فقط تیس برس تک رہی اس کے احکام اس مدّت کے بعد منقطع ہو گئے اور اس مضمون کی تقویت کے لیے حدیث الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ ثم یکون ملکا عضوضاً (میرے بعد خلافت تیس برس تک ہوگی اس کے بعد بادشاہت حریصانہ ہوگی) کا ذکر کرنا فاحش خطا اور صریح غلط فہمی سے خالی نہ ہوگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش وفی روایۃ لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعۃ او یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش (رواہ الشیخان واصحاب السنن) (یعنی ان بارہ خلیفوں تک جو کہ قریش ہی میں سے ہوں گے۔ اسلام نہایت قوت پر رہے گا اور ایک روایت میں ہے، یہ دین اپنے کمال پر ثابت رہے گا۔ تا آنکہ قیامت قائم ہو یا اہلِ اسلام پر قریش میں سے خلیفہ ہو جائیں۔)

یہ احادیث ایک چمکدار روشنی ہیں جن سے گذشتہ حدیث میں سے شبہ کی تاریکی بالکل دور ہو جاتی ہے۔ حسبِ تصریح حفاظِ حدیث کہ بعض طرق روایاتِ سابقہ میں خلافۃ النبوۃ من بعدی ثلثون سنۃ وارد ہوا ہے۔ روایتِ سابقہ میں ایسی خلافتِ راشدہ اور خلافت

علی منہاج النبوۃ مراد ہے کہ جس کو نبوت کے رنگ سے ازسرتاپا رنگین اور اس کے اعمال و اقوال سے بالکل مطابق اور قدم بہ قدم کہہ سکتے ہوں۔ ایسی خلافتِ کاملہ تیس برس تک متصلاً باقی رہی۔ اس کے بعد نہ وہ اتصال رہا اور نہ وہ رنگ باقی رہا اور نہ وہ کمال۔

کتبِ شریعت کی ورق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کے خلیفہ ہونے کے بارہ میں صحیح اور صریح مختلف طرق سے روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک خلافتِ اسلامیہ باقی رہے گی۔

دشمنانِ اسلام کی بدخواہی اور زیغ کنی کی وجہ سے ایسا صدمہ کبھی نہ پہنچ سکے گا کہ ابدالآباد کے لیے یہ آفتابِ ہدایت گہن میں آجائے۔ جہاں اسلام تاریکی کی راتوں میں گمنام و نابود ہوجائے۔

جنابِ فخرِ کائنات علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اسی کی تقویت کرتا ہے قال کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما هلك نبیٌّ خلفه نبی وانه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعة الاول اعطوهم حقهم فان الله سائلهم (رواہ الشیخان واصحاب السنن) (یعنی بنی اسرائیل کے سیاسی امور اور ان کی دنیوی اور دینی اصلاحات کے متولی انبیاء ہوتے تھے جب کوئی نبی وفات پا جاتا تھا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا تھا۔ بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ہاں عنقریب خلفاء ہوں گے اور بہت سے ہوں گے۔

صحابہ نے فرمایا کہ پھر آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ترتیب وار ہر ایک کی بیعت کی وفاداری کرو، تم ان کے حقوق ادا کرو، وہ اگر تمہارے حقوق ادا کرنے میں کمی کریں گے تو اللہ ان سے حساب اور سوال کرے گا)

حدیث مذکور کے سیاق اور سباق کے کلمات بخوبی دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سلسلۂ خلافت حفاظتِ اسلام اور مسلمین کے لیے مثل بنی اسرائیل جاری رہے گا اور اس میں عادل اور غیر عادل جامع شروط وغیرہ سبھی قسم کے خلفاء ہوں گے۔ ہم پر ہر ایک کے حقوق کی محافظت علی حسب الاستطاعت ضروری ہوگی۔

علاوہ احادیث سابقہ حدیث کیف انتم وائمۃ من بعدی یستاثرون بھذا الفئی الحدیث (رواہ مسلم) (تم کیا کرو گے اُن آئمہ (خلفاء) کے ساتھ جو کہ مخصوص کرلیں گے اپنے لیے ان اموال کو جو کہ کفار سے بغیر محاربہ اور جنگ کے وصول کیے جاتے ہیں) بھی اسی کی تقویت کر رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی عنہ کو ابوالخلفاء فرمانا بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لبثار خلافت پر بعد از تیس برس نص صریح ہے۔

خلافت عربیہ نے اپنی سطوت و شوکت اور عزتِ اسلام و قوتِ دیانت کو شرق سے غرب تک پھیلا دیا تھا اور کم و بیش ہر خلیفہ نے تقویتِ اسلام میں ہمدردی اور دلچسپی لی، مگر جب کہ اقامتِ دین میں سُستی اور حفاظتِ اسلام میں کاہلی کرنے لگے۔ عیش و راحت پسندی میں شب و روز گزرنے لگے، رعایا کے حقوق اور مظلوموں کی رعایتیں نیست و نابود ہونے لگیں، باغ عدل و انصاف میں ظلم کی بادِ صرصر چلنے لگی، خلقِ خداوندی جن کو عیال اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ان کی خبر گیری کے سبزہ زاروں پر بے اعتنائی کی برف باری کی شدت ہونے لگی تو فطرتِ الٰہی کے اٹل قانون نے حسب وعدہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الاٰیۃ دوسری طرف پلٹا کھایا اور حسب تصریح نبوی ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین (رواہ بخاری) (یہ امر خلافت و امارتِ قریش میں رہے گا۔ اُن سے جب کوئی دشمنی کرے گا۔ خداوند کریم اس کو منہ کے بل اوندھا کر دے گا۔ جب کہ وہ دینِ اسلام کو قائم کرتے رہیں گے) عرب اور قریش سے نکل گیا اور اس قوم کے سر پر تاج زریں ہو کر چمکا جس نے فقط اپنی سطوت ہی سے اس دین کی حمایت کا بیڑا نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اپنے خون سے بھی ہر نونہالِ اسلام کو سینچا وہ اس دشوار گزار گھاٹی میں گھٹنے ٹیک کر سدِ سکندری میں بیٹھی جہاں سے یورش یاجوج و ماجوج ہمیشہ آکر فساد و مظالم کے سیلاب بہاتے تھے۔ اُس نے حمایتِ اسلام میں فقط اپنی جانوں کو ہی ضائع نہیں کیا، بلکہ اہل و عیال عزت و مال کی قربانیاں کرنے کو بھی ہمیشہ فرض عین شمار کرتی رہی۔

غازی عثمان کا وصیّت نامہ

میں اس وقت غازی عثمان مؤسس خلافتِ ترکیہ قدس اللہ سرہ العزیز کے اُن کلمات کو یاد دلاتا ہوں جو کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بڑے صاحبزادے ولی عہد غازی آدرخان مرحوم ومغفور کو لکھے تھے اور وہ وصیت نامہ اب تک اس سلطنت میں محفوظ چلا آتا ہے وہ فرماتے ہیں "بیٹا شریعت کے عادلانہ قانون کے سوا کسی قانون کی ہوس نہ کرنا علماً کی رعایت کرنا۔اہلِ علم کو اپنی مملکت میں کھینچ لانا جس طرح میں محض اعلاء کلمہ خداوندی کی غرض سے جہاد کرتا ہوا مظفر ومنصور رہا تو بھی میری پیروی کرنا۔ملک گیری اور فرمانروائی ہماا قصد نہیں رعایا میں عدل وانصاف اور خبرگیری جاری رکھنا۔بغیر عادل بادشاہ کے لیے بادشاہی محض افسانہ ہے (انتہی مختصراً) یہ وصیت نامہ میرے پاس ترکی زبان میں محفوظ ہے۔

کیا آپ ان کلمات میں اس سچی خلافتِ راشدہ اور نیابتِ نبویہ کی خوشبو واضح اور جلی طور پر مشاہدہ نہیں کرتے، کیا یہ سلاطین آلِ عثمان اس قولِ نبوی کے مصداق نہیں ہیں انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ (رواہ الشیخان) خلیفہ فقط ڈھال ہے جس کی آڑ لے کر جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ای ھو کالساتر لانہ یمنع العلاقہ من اذی المسلمین ویمنع الناس بعضھم من بعض وحمی بیضۃ الاسلام ویتقیہ الناس ویخافون سطوتہ ویقاتل معہ الکفار والبغاۃ والخوارج وسائر من اھل الفساد و ینصر علیھم۔(امام مثل دیوار کے ہے دشمنوں کی مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے منع کرتا ہے اور آپس میں لوگوں کو تعدی اور ظلم کرنے سے روکتا ہے۔اسلام کی شوکت کی حمایت کرتا ہے۔لوگ اس سے بچتے اور اس کی سطوت سے ڈرتے ہیں اس کے ساتھ ہو کر کافروں اور باغیوں اور خوارج اور اہلِ فساد سے قتال کیا جاتا اور غلبہ حاصل کیا جاتا ہے) پھر ٹرکی تواریخ کی ورق گردانی کیجیے۔ساتویں صدی سے لے کر آج تک سفید سمندروں سے ایشیائی بحروں کی کس

نے حفاظت کی۔ کس نے یورپین وحشی خونخواروں کی سنگینوں کے لیے اپنی چھاتیوں کو چھلنی بنایا۔ کس نے آسٹریا کی دارالسلطنت اور ایطالیہ کے پایۂ تخت اور پولونیہ کے میدانوں میں اپنے خونوں سے ندیاں بہائیں؟ کس نے روما کے عظیم الشان گرجاؤں اور حدود جرمنی اور مجارستان کے عظیم الشان پہاڑوں کو اللہ اکبر کے نعروں سے لرزایا۔ کس نے ہنگری، بوسینیا، ہرسک رومانیہ وغیرہ کے شہروں اور آبادیوں میں میناروں سے اذانِ اسلامی کے خوشگوار اور دلچسپ لہجوں سے کانوں کو سرمست کیا۔ کس نے شقی شاہ ایرانی کے بے دردانہ مظالم سے اہلِ سنت والجماعت کی حفاظت کی۔ کس نے چراکسہ اور موآل کے مظالم سے مصر کو، اور اہلِ نجد کی غالبانہ تعدیات سے حجاز کو آرمینیہ قفقاسیہ وغیرہ کی مستبد احکامِ تشدد سے ان سرزمینوں کو محفوظ کیا۔ کس نے اسلام کی ہیبت اور محمدی بجلی کی کڑک سے سنگدل بادشاہانِ یورپ کے کلیجہ کو کپکپایا۔ کس نے یورپ کے بلکہ اس سے زائد حصہ میں اسلامی جھنڈے اور ہلالی پھریرے اڑاتے ہوئے دول عظمیٰ یورپ کی گردنیں خم کرادیں۔ کس نے احکامِ اسلامی کی حفاظت کے لیے باقاعدہ مجالس افتاء و دفاترِ مشیخۃ الاسلامیہ مدارس وغیرہ دارالقضاء جنگی شفاخانے طرق رسد رسانی وغیرہ کھول کر عالم اسلام کے دینی باغوں کو سرسبز و شاداب کیا۔

ترکوں کے مفاخر

میں اس مختصر وقت میں خلفاء عثمانیہ کی تفصیلی تاریخ آپ حضرات پر پیش کرنا نہیں چاہتا اور نہ وقت اس کی مساعدت کر سکتا ہے، مگر میں برائے یاد دہانی ان چند جملوں کو آپ کے سامنے پیش کر کے ترغیب دینا چاہتا ہوں کہ آپ تفصیلی تواریخ سلاطین آلِ عثمان کا مطالعہ فرما کر اُن کی اسلامی خدمتوں پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ انہوں نے اسلامی خدمات میں کس طرح ایثار اور قربانی جانبازی اور بہادری سے کام لیا ہے، مگر اس کا ضرور لحاظ رہے کہ وہ تواریخ کسی یورپین کی یا ان کی تحریروں کا ترجمہ نہ ہوں۔ آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ اہلِ یورپ کے نزدیک ترکوں کا گناہ ایسا نہیں جو کسی طرح بھی ان کی نظروں میں مغفور ہو سکے کیونکہ وہ ہمیشہ یورپ

کے اندرونی ممالک میں اسلام کے پھیلانے والے اور سچے دین کے ان اطراف میں تشہیر کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یورپ کی پیش قدمیوں کو اس وقت روکا ہے جب کہ تمام مشرق اور اسلام میں کوئی قوت باقی نہ تھی۔ انہوں نے یورپ کی وحشی قوموں کو اس وقت ضعیف کیا ہے جب کہ عالم اسلام میں ہر طرف کمزوری اور مسکنت کی آندھی چل رہی تھی، انہوں نے صلیبی فرزندوں کو قبرص و شام ہی سے نہیں بلکہ کل ایشیا اور جزائرایشیا سے محروم کر دیا۔

ترکوں کی خاص سعادت

حضرات یہی وہ سعادتِ ازلی تھی جس کو قلم خداوندی نے اس قوم کے مفاخر میں تاریخ کائنات کے صفحات میں درج فرما کر اپنے سچے رسول کی زبانی "اترکوا الترک ماترکوکم" کے مبارک الفاظ کہلوائے تھے یعنی اس قوم مبارک دمیمون سے آخری ایام میں ایک عظیم الشان خدمتِ دین خداوندی لینی ہے لہٰذا تم ان سے کوئی تعرض اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے تعرض نہ کرے، دنیا میں سینکڑوں اقوامِ کفار کی ہیں اور ان سبھوں نے اسلام کو صدمات پہنچانے میں کبھی دریغ نہیں کیا، مگر ایسے الفاظ کسی قوم کے بارے میں بارگاہِ نبوت سے نہیں پائے جاتے جسب ارشاد حضرت شمس الاسلام والمسلمین، قدس اللہ سرہ العزیز ان الفاظ کو فتنہ تتار پر حمل کرنا مناسب نہیں بلکہ اسی قوم ترک کی منقبت اور خدمتِ اسلام کی طرف اشارہ سمجھنا ضروری ہے اور یہی شانِ نبوت کے لیے انسب ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا فرمانا کہ "و مثل قوت و شوکت و دولتِ اسلام کہ تا پانصد سال بدستِ عربان اند و تا پانصد سال دیگر بدستِ ترکان و من بعد از دستِ ہر دو برآمدہ و ہنود و فرنگ مداخلت نمودند و اسلام را ضعیف ساختند" (سورہ معارج) (یعنی دینِ محمدی کی خدمت تقویت و شوکت پانچ سو برس عرب کے اور دوسرے پانچ سو برس ترک کے ہاتھوں کرائی گئی) اس کا قوی موید ہے۔

ترکی خدمات و سطوتوں نے مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ جملہ اقوامِ دنیا پر اپنی خلافت کا سکہ جمایا تھا جس پر آج تک قوانینِ دول اور اجانب کے تاریخی کارنامے شاہد ہیں۔ اسی وجہ سے

خود برطانیہ نے ۱۸۵۸ء میں سلطان عبدالحمید خان رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام ترکی سے اہلِ ہند کے لیے فرمان منگایا تھا۔ کیا تعجب کی بات نہیں کہ جس حکومت نے برطانیہ کی تقویت کی ہو آج اس کے شیرازہ کو وحشیانہ طریقہ سے بکھیرا جا رہا ہے۔

یہاں پر بعض سادہ لوح مدعیانِ شریعت "حدیث الائمۃ من قریش" پیش کرتے ہوئے اجماعِ صحابہؓ و اہلِ کلام سے ابطالِ خلافتِ عثمانیہ میں کوشش کرتے ہیں، مگر ماہرین علم دین اور محققین فقہ پر مخفی نہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موثوق روایتیں جن کو امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں ذکر فرمایا ہے۔ مثل معاذ بن جبلؓ اور سالم مولی حذیفہؓ غیر قرشیوں کے لیے امامتِ عامہ کا استحقاق ظاہر کرتی ہوئیں قطعیتِ اجماعِ صحابہؓ میں اسی طرح تردد پیدا کر رہی ہیں جیسے امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر اشعری متکلم کا خلافِ اجماعِ اہلِ کلام میں زلزلہ ڈال رہا ہے زمانۂ خلیفۂ اوّل میں اس حدیث کو صحابہؓ کا قبول کر لینا اس اجماع پر قطعی دلیل نہیں ہو سکتا کہ قرشیتِ خلافت کی ایسی شرط ہے جس کے بغیر انعقادِ خلافتِ شرعیہ ممکن نہیں ہو سکتا۔

شرطِ قرشیت کی بحث

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آخری زمانہ میں خلیفہ ہونا اور قحطانی کا بادشاہ ہونا احادیثِ صحیحہ میں مروی ہے۔ قحطانی کی بادشاہت ہی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا ہے اور حدیثِ قریش سے اس کو رد کرنا چاہا ہے مگر علماءِ حدیث اور ائمۂ اہلِ سنت اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کو اگر خبر پر حمل کیا جائے تو بمعنی کمالِ استحقاق اور زیادتِ اہلیت لینا ضروری ہوگا کیونکہ عرب قریش ہی کو اس لائق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ فرماتے ہیں۔ "لن تعرف العرب ھذا الامر الا فی قریش" عرب اس امامت کا استحقاق بجز قریش کے دوسرے میں نہیں جانیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ والامانۃ

فی الاذان (رواہ الترمذی) (ملک قریش میں اور قضا انصار میں اور اذان حبشہ میں) اور امانت ازد میں ہے) یہاں پر ضروری ہے کہ جس طرح استحقاقِ قضا انصار کے لیے اور استحقاقِ اذان حبشہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قریش کے لیے استحقاق ملوکیت کا اقرار کیا جائے جس سے دوسروں کی ملوکیت کا انکار نہیں نکلتا۔ جیسے کہ سوائے انصار کے دوسروں کی قضا کا انکار نہیں، اس لیے علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔" اقول و فیه اشعار بان الخلق لا یانفون عن متابعتهم وان قابلیة المتبوعیة مجبولة فی جبلتهم فینبغی ان لا یخرج عنهم امر الخلافة لئلا یترتب علیه المخالفة "(میں کہتا ہوں کہ اس حدیث (الناس تبع آہ) میں اشارہ ہے اس امر پر کہ لوگ قریش کی تابعداری سے نفرت نہ کریں گے اور پیشوا اور خلیفہ ہونے کی قابلیت ان کی سرشت میں رکھی گئی ہے، اس لیے لائق ہے کہ ان سے خلافت کا امر نکالا نہ جائے تاکہ اس پر مخالفتیں نہ پیدا ہوں) اور اگر اس خبر کو اپنے معنے ہی میں لیا جائے یعنی نفس امامت حنفاً قریش کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں تو یہ پیشین گوئی جناب رسول علیہ السلام کی ایک خاص زمانہ تک کے لیے ہے چنانچہ خود علامہ سیوطی اور علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ اس کی تصریح فرما رہے ہیں اور جب کہ لفظ "ما اقاموا الدین" خود بخاری کی روایت میں موجود ہے تو پھر اس تخصیص کی بھی ضرورت نہیں جب تک قریش نے حقوق کی واجبہ رعایت کی خداوند کریم نے ان میں بادشاہت اور خلافت رکھی اس کے بعد چھین لی۔

بہت سے علماء حدیث و فقہ رحمہما اللہ تعالیٰ اس حدیث کو خبر بمعنی امر فرما رہے ہیں جس کی توجہ فقط اس خلیفہ کی جانب ہوگی جس کو امت نے بمشورہ خلیفہ بنایا ہو یا خلیفہ سابق نے اس کو بطورِ ولی عہد خلیفہ کیا ہو، لیکن اگر کوئی شخص اپنی قوت اور سطوت سے خلیفہ ہو جائے تو اس کے لیے قرشیت وغیرہ شرط نہیں، ایسے امام کی اطاعت اور اس کی اعانت اجتماعِ کلمہ اور نفوذِ تصرفات کے بعد اسی طرح واجب رہے گی جیسے کہ امام جامع الشرائط کی تھی۔ جملہ کتب مطولہ فقہیہ اس کی تصریح فرما رہی ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

ہم اس مقام پر یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض نا واقف لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت کی اعانت اور اس کے اقتدار کے قائم رکھنے کی کوشش فقط ان لوگوں پر ضروری ہے جو اس سے منتفع ہو رہے ہوں اور خلیفہ کی قلمرو میں سکونت پذیر ہوں۔ ہم اہل ہند اور دیگر اسلامی ممالک کے رہنے والوں پر اس کا کوئی حق نہیں اور نہ ہم پر کوئی فریضہ شرعیہ عائد ہوتا ہے بخصوصاً اس وجہ سے کہ ہم دوسری حکومتوں کے ذمی رعایا ہیں اس بے اصل شبہ کی طرف اگرچہ توجہ کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ لیکن چونکہ عام اہل اسلام کو اصحاب اغراض دھوکے میں ڈال رہے ہیں لہذا مختصراً عرض کرتا ہوں۔ خلافت عثمانیہ کی وجہ سے جملہ مسلمانان عالم پر جو منافع ہیں ان سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جن کو کچھ بھی قوانین و معاہدات و دول یورپین پالیسیوں کی اطلاع ہے جنہوں نے تواریخ عثمانیہ پر اطلاع حاصل کی ہے۔ بحر ابیض کے غیر ترکی جزائر کے رہنے والے اور یونانی اور سرویہ مانٹی نگرو ہرسک، مجارستان، بلغاریہ، رومانیہ، پولونیا، بحر اسود کے اطراف و جوانب کے سکان اہل اسلام سے پوچھیے کہ ترکی قوت کے وقت ان کی پشت کیسی قوی تھی اور جس قدر اُس کو ضعف ہوتا جاتا ہے ان کی حالت کیسی ردی ہوتی جا رہی ہے۔ جو جو ملک کہ کبھی ترکی کے زیر تسلط نہیں آئے وہاں پر بھی حقوق اسلام کی محافظت کے لیے کونسلیں آئمہ مقابر وغیرہ اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ مالٹا، لندن، پیرس وغیرہ وغیرہ میں جملہ مسلمانوں کے لیے امام وغیرہ رہتا ہے جو کہ عام مسلمانوں کا دینی محافظ ہوتا ہے اگر ترکی کو دیگر مسلمانوں کے حقوق میں کوئی استحقاق نہ تھا اور کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا تھا، تو کیوں اتحادیوں نے دوسری رعایا مسلمانوں سے قطع علاقہ کی شرط اس صلح میں لگائی جن لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہے اور وہاں کے احوال سے مطلع ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تمام عیسائی حکومتوں میں ترکی کے اقتدار کی وجہ سے عالم اسلامی کی بہت سی مراعات تھیں اور ہیں اور وہ ہمیشہ اس امر سے خائف رہیں کہ اگر ہم مسلمان رعایا پر اعلانیہ ظلم کریں گے تو ترکی اپنی عیسائی رعایا پر بھی ظلم کرے گا۔ علاوہ اس کے صدائے احتجاج

بلند کرتا ہوا مجالس و دول عظمٰی تک آواز پہنچا کر ہماری بدنامی کا بھی سبب ہوگا اور بسا اوقات اس کے علفار سے ہم کو لڑائی کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ اس قسم کے عیسائی حسب شہادت تواریخ وہ خونخوار بھیڑیے ہیں کہ یہود کے دلوں کے زخم اور صلیبیوں کے ظلم اور وحشت ناک شدائد سے یروشلم اور فلسطین، سواحل سوریہ، واناطولیہ میں خون سے بہنے والی گلیاں، اسپین جبل الطارق پرتگال، سسلی، مالٹا، کریٹ، متدونیہ کے کھنڈر اب تک دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں۔

مالٹا کا ایک واقعہ

مجھ سے ان مسلمانوں نے جو مالٹا میں اخیر جنگ میں نظر بند ہو کر بحر ابیض کے جزائر جنیبہ وغیرہ سے آئے تھے خود بیان کیا کہ ابتدائی جنگ میں عیسائی ہم پر نہایت سخت مظالم اور طرح طرح کی توہینیں کرتے تھے بخصوصاً ان جزائر اور سواحل میں جو کہ زیر اثر یونان تھیں۔ ٹرکی ٹوپی پہن کر یا اسلامی وردی سے مزین ہو کر سڑکوں پر نکلنا تو قیامت کا سامنا تھا بے خطا زخمی کر دینا ادنیٰ درجہ کا کھیل تھا۔ بارہا مسلمان لاشیں گلی کوچوں میں پائی جاتی تھیں اور قاتل کی کوئی تلاش اور سراغرسانی نہ ہوتی تھی، مگر جب کہ جرمنی اور ٹرکی کی فتوحات شروع ہوئیں اور دردانیال سے اتحادی نامراد واپس آئے تو حالت بالکل بدل گئی۔

مجھ سے میرے ایک دوست ڈاکٹر نے مالٹا میں بیان کیا کہ مصر میں ایک میم نے اپنے مسلمان نوکر سے کسی بات پر یہ کہا کہ اگر تمہارا یہ سلطان نہ ہوتا تو ہم تم سب مسلمانوں کو کتے سے بھی بدتر سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ یہ خیال کہ ٹرکی کا با اقتدار عالم میں باقی رہنا مسلمانانِ عالم کو کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا رہا ہے اور اس کی وجہ سے مذہب اسلام کی کچھ بھی حفاظت نہیں ہوتی؟ دوپہر کے وقت آفتاب کے انکار سے بھی زیادہ مستبعد ہے بخصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے مقاماتِ مقدسہ اسلامیہ کے احسانات اور حفظ احترام میں بہ نسبت خلفاء عباسیہ و بنی امیہ بہت بڑا حصہ لیا اور حتی الوسع اسلامی دنیا کی مراعات میں کوشش کی۔ ٹرکی تاریخ میں ان مظالم کی نظیریں آپ بہت کم پائیں گے، بلکہ نہ پائیں گے جن کا وقوع خلفائے عرب

کے زمانہ میں اسلامی دنیا پر ہوا ہے۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیں کہ اس نے ہم ہندوستانیوں کو کوئی بھی نفع نہیں پہنچایا۔ تب بھی تو ہم پر اپنا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث سابق میں گزر چکا ہے کہ اعطوھم حقھم الخ ان کے حقوق کو ادا کرو اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کے ادا و واجبات کا سوال کرے گا۔

گورنمنٹ سے معاہدہ کی بحث

معاہدات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کو ذمی کہہ کر سبکدوش کر لینا نہایت بے انصافی کی بات ہے جیسے کہ "اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ" سے استدلال کرنا بھی خالی از بے انصافی نہ ہوگا۔

اوّلاً نفسِ معاہدات کے تحقیق میں کلام ہے فصلِ خصومات اور اتباع قوانین سے استدلال اس مقام پر خالی از ضعف نہیں، جمہوریت و متھوریت جس نے دائرۂ اسارت (قید) سے بھی نیچے گرا دیا ہے کیا کچھ نہیں کرا سکتی۔

ثانیاً۔ خلافت اور اس کی تائید امور دینیہ میں سے ہے جس کی آزادی حسب تصریحات گورنمنٹ اور حسب اقرار مدعیانِ حمایتِ گورنمنٹ من کل الوجوہ مسلّم ہے۔ پھر یہ معاہدہ میں کیونکر داخل ہوئی۔

ثالثاً۔ ان محارب حربیوں سے معاہدہ اور ذمہ بصورتِ حاضرہ ہو سکتا ہے یا نہیں مصنف بیان القرآن[1] سورہ برأۃ میں فرماتے ہیں:۔ "فی الروح عن الجصاص ان الکفار اذا استولوا علی المسلمین واجروا احکامھم بالامر والنھی فلا ذمۃ لھم" روح البیان میں جصاص سے نقل کیا ہے کہ کفار اگر مسلمانوں پر غالب آجائیں اور اپنے احکام کو امر اور نہی کے ساتھ جاری کریں تو ان کا عہد کچھ نہیں۔ اس کے بعد اگرچہ مؤلف علام نے

---

[1] حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ۱۲ (محمد مبین)

جرح فرمائی ہے مگر وہ نہایت ضعیف ہے۔

والثاً۔ یہ حکم آیۃ مذکور مسلمانانِ دارالاسلام کے لیے ہے کہ ان میں اور جملہ اہل ایمان میں علاقہ موالات ہے حسب نص "وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ" مگر ان مومنین میں سے جو دارالحرب میں سکون پذیر ہیں اور ہجرت کر کے دارالاسلام کی طرف نہیں آتے۔ ان میں اور تم میں علاقہ موالات منقطع ہے اس لیے کہ بوجہ اقامت دارالکفر والحرب انہوں نے حربی احکام کا بھی کچھ رنگ پکڑا ہے، جیسے ذمی اسلامی رنگ سے کسی قدر خوش رنگ ہو گئے ہیں۔ البتہ بوجہ اسلام ان کی ضرورت اور استمداد کے وقت میں مدد کرنی چاہیئے، مگر اس قوم پر ان کی مدد کرو جن کے ساتھ تمہارے عہود و مواثیق ہیں۔ کیونکہ یہ بھی بوجہ عہود و مواثیق کسی قدر اسلامی رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں۔ اس سے اہل ہند کے لیے حکم نکالنا برعکس اور قیاس مع الفارق ہے۔

خامساً وہ عہود و مواثیق کیا اب بھی باقی رہیں گے جب کہ اس جنگِ عمومی میں مقاماتِ مقدسہ کی نسبت عہد شکنی صریح طور پر کی گئی۔ جدہ پر گولہ باری ہوئی، مکہ میں گولہ باری ہوئی، طائف میں کی گئی، مدینہ منورہ میں کی گئی، بیت المقدس پر قبضہ کیا گیا، کاظمین، نجف اشرف، کربلا، بغداد شریف وغیرہ پر تسلط جمایا گیا۔ خلافت کے بارہ میں سلطانِ ٹرکی کے اقتدار اور ملک کے حق میں صریح وعدوں کی خلاف ورزی ہوئی۔ عربوں کے استقلال کی بابت جو جو اعلانات تھے، اُن کے خلاف جو کچھ معاملات ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔

اتحادِ اسلامی

دوسرا امر شرعی جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جملہ اہل توحید میں ایسا رشتہ قائم کر دیا ہے جو کہ تمام مصنوعی علائق سے بالاتر اور جملہ طرق تحالف میں قوی تر ہے۔ اگر نص قرآنی "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" تمام روئے زمین کے مسلمان بغیر امتیاز کالے اور گورے اور ایشیائی، افریقی، یورپین، امریکی وغیرہ کے بھائی بھائی ہیں، گو

حسب تصریح احادیث صحیحہ ان المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو دشمن کے پنجہ میں چھوڑے) اور ما من امرء مسلم یخذل امرءً مسلماً فی موضع ینتھک فیہ حرمتہ و ینتقص فیہ من عرضہ الا خذلہ اللہ تعالیٰ فی موطن یحب فیہ نصرتہ وما من امرء مسلم ینصر مسلماً فی موضع ینتقص فیہ من عرضہ و ینتھک فیہ من حرمتہ الا نصرہ اللہ فی موطن یحب فیہ نصرتہ (رواہ ابوداؤد) (جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد نہ کرے۔ جہاں اس کی بے عزتی کی جاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو تو خدا اس کی ایسی جگہ مدد نہ کرے گا۔ جہاں پر وہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے گا۔ جہاں اس کی بے عزتی کی جاتی ہو اور بے آبروئی ہوتی ہو تو خدا اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں پر وہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً" (رواہ الشیخان) (ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے بنے ہوئے گھر کی طرح ایک دوسرے کی تقویت کرتا ہے۔

مدافعت کا وقت

ایک مسلمان کا دوسرے کی حسب لیاقت اعانت اور مدد کرنا فرض اور اس کو بغیر یار و مددگار چھوڑ دینا حرام ہوگا اور جب کہ تمام عالم اسلامی مثل ایک جسم کے ہے۔ اگر ایک عضو میں ذرا بھی تکلیف ہو جاتی ہے تو تمام اعضاء میں بے قراری اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور تمام وجوہ و راحات یک قلم متروک ہو جاتی ہیں اَلْمُؤْمِنُوْنَ فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی عضو تداعی لہٗ سائر الجسد بالسھر (رواہ الشیخان) تو کسی طرح مقتضائے دیانت و شریعت نہ ہوگا کہ عالم اسلامی کے کسی گوشہ کے باشندوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں۔ ان کے جان و مال عزت و آبرو برباد کیے جاتے ہوں۔ اور دوسری جانب کے مسلمان کان میں تیل ڈال کر بیٹھی

جنبہ سوتے رہیں اور مقدرت واستطاعت کے موافق بھی حرکت کرنے سے غفلت شعاری اختیار کریں نہ وہ عنداللہ وعندالرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سبکدوش ہو سکتے ہیں اور نہ وہ عامہ خلائق اور قومی اور مذہبی مجالس میں مُنہ دکھانے کی قابلیت رکھ سکتے ہیں۔ البتہ اگر انہوں نے اپنی طاقت اور قوت کے مطابق جان توڑ کوشش کی تو خواہ اس کا کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے معذرت کے قابل ہو سکیں گے۔ اسی وجہ سے فقہاء تصریح فرما رہے ہیں وفرض عین ان ھجم العدو ای علی من یقرب من العدو فان عجزوا او تکاسلوا فعلی من یلیھم حتی یفترض علی ھذا التدریج علی کل المسلمین شرقاً وغرباً (در مختار و شامی) (حسبِ استطاعت ہر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کافروں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی ہو یعنی اُن مسلمانوں پر جو اُس جگہ کے ارد گرد بستے ہوں اور اگر وہ قدرت مقابلہ کی نہ رکھتے ہوں یا انہوں نے کاہلی کی تو ان کے قرب و نواح کے بسنے والوں پر فرض ہو گا اور اسی طرح آہستہ آہستہ مشرق اور مغرب کے تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جائے گا۔)

وفی البزازیۃ مسلمۃ سبیت بالمشرق وجب علی اھل المغرب تخلیصھا من الاسر الخ (شامیہ) (اگر کوئی عورت مشرق اسیر کی جائے تو اہلِ مغرب پر واجب ہے کہ اس کو قید سے چھڑائیں۔)

دردناک مظالم اور مسلمانوں کے فرائض

حکومتِ ٹرکی کے ذمہ دار افسروں سے ہم نے خود کانوں سے سُنا کہ دولتِ عثمانیہ اس وقت جب کہ وہ احتیاطی طرز پر اپنا انتظام کیے ہوئے بالکل علیحدہ تھی روسی اتحادی جنگی بیڑہ نے بحیرۂ اسود کے بعض سواحل پر بمبارڈ اور ہجوم کر کے دولتِ عثمانیہ کو اعلانِ جنگ پر مجبور کیا اور یہی مضمون ٹرکی حکومت کے اعلانات اور خود شیخ الاسلام خیری آفندی کے فتویٰ میں شائع کیا گیا تھا۔ الغرض نفیرِ عام کا تحقق اور مسلمانانِ ٹرکی کا مدافعانہ حملہ جملہ اہلِ اسلام پر شرکت کو تدریجاً فرض بتلا رہا ہے۔ پھر اہل و عیال، بچوں، عورتوں، لڑکیوں وغیرہ کو عراق، حجاز، یمن، شام وغیرہ میں

اسیر کرکے دوسرے ملکوں میں بھیج دینا تمام مسلمانانِ عالم کی گردنوں کو حکم فرضیت کے بار سے گراں بار بنا رہا ہے خود مکہ معظمہ اور جدہ اور طائف سے کئی سو عورتیں بچے لڑکیاں اسیر کی گئیں اس کے بعد التوائے جنگ کے بعد سمرنا، اناطولیہ، اوالیہ، استنبول، تراکیہ، شرقیہ، تھریس وغیرہ میں کس قدر شرمناک مظالم کیے گئے اور کس طرح مسلمانوں کا خون ناحق مفت بہایا گیا۔ اسیروں کو قتل کیا گیا، عورتوں کی پردہ دری، معصوم بچوں کی جانستانی کی گئی۔ دار و دیار کو خاکستر کیا گیا۔ نقود و مویشی وغیرہ پر قسم قسم کی دستبرد کی ہوئی۔ یہ امور ایسے ہیں کہ صفحاتِ عالم میں وحشی سے وحشی اقوام میں بھی ان کی نظریں کم ملتی ہیں مگر یہ یورپ کی تہذیب، مغربی اقوام کا تمدن عیسائی مذہب کا وہ رحم آمیز اور مشفقانہ برتاؤ ہے جس کو آج سرستانِ شرابِ برطانی لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى" الآیۃ کا راگ نہایت خوشگوار لہجہ سے گاتے ہیں۔ مسیحی دنیا کے بیہم سابقہ مظالم سے دریافت کیجیے۔ تواریخ عالم کو دیکھیے خود اس زمانہ میں مظلومینِ سمرنا کو دیکھیے یا اس ڈیپوٹیشن کی رپورٹ سے دریافت کیجیے جو مظالم سمرنا کی تحقیق کے لیے بھیجا گیا تھا اور جس کو مغربی تمدن نے صریح اعلان سے روکتے ہوئے نہایت نرم لہجہ میں قطع و برید کے بعد شائع کیا تھا یا خود مسٹر لائڈ جارج کی اُس تقریر سے دریافت کیجیے جو انہوں نے پارلیمنٹ کے سوال یونانیوں کے مظالم پر اظہار نفرت و ناراضگی کے لیے فرمائی تھی یا خود اُبدین کے برباد شدہ کھنڈروں سے دریافت کیجیے، تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ وہاں اتحادیوں کے آہنی مگر متعصب پنجوں نے مسلمانانِ ٹرکی اور ان کے نازک ہاتھوں اور گردنوں سے کیا معاملہ کیا ہے۔ کیا جرمنی، آسٹرین، بلغاری بعد التوائے جنگ اسیر بنا کر پکڑے گئے۔ کیا ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ کیا ان کے افسران و ذمہ دار وزراء اور جرنیلوں کو زیرِ حراست اور مالٹا وغیرہ کے قید خانوں میں ڈالا گیا۔ کیا ان کے شہروں میں خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ کیا ان کے وہ شہر جن میں ان کی قوم بستی تھی۔ ان کے قبضہ و اقتدار سے نکالے گئے۔ کیا ان کے وہ ممالک جن میں ان کی قومی آبادیاں بکثرت تھیں، آبادی کم کرنے کے لیے مٹائی گئیں۔ کیا ان پر مظالم ہائے گوناگوں کی بارشیں برسائی گئیں۔

یہ وہ واقعات ہیں کہ خود یورپین اخبار اور دنیاوی واقعات اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ واپس آنے والی ہندوستانی سپاہ سے اگر آپ دریافت فرمائیں تب تو آپ کو ان سب کا اندازہ پتہ چل سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا لَتَجِدَنَّ الخ فقط ایک گروہ خاص اور زمانۂ خاص کے لیے وارد ہوئی تھی اس سے عموم کا ارادہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے

جزیرۃ العرب کا واقعہ

تیسرا امر جس کو میں آپ پر پیش کرنا چاہتا ہوں، جزیرۃ العرب کا وہ واقعہ ہے جس نے زمانۂ نبوی کی آخری وصیت پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ وہ واقعۂ جانگداز ہے جس کی نظیر آغازِ اسلام سے آج تک نہیں ملتی۔ حرمین شریفین اور اراضی مقدسہ میں سب کچھ ہوا، مگر اجنبی کا اقتدار ان کا اثر کبھی نہیں قائم ہوا — کافروں کی فوجیں وہاں نہیں لڑیں۔ دشمنانِ اسلام نے وہاں خانہ بربادی نہیں کی، وہاں کے مسلمان کفار کے پنجے میں دبوچے نہیں گئے۔ وہاں کی عورتیں بچے لڑکیاں کافروں کے ہاتھوں میں اسیر نہیں ہوئیں، مگر یہی وہ لڑائی ہے جس نے جملہ بدعہدیوں اور روباہ بازیوں کے ساتھ مسلمانوں کو وہ دن دکھایا جس کا کبھی کسی مسلمان کو گمان بھی نہ گزرا تھا۔ برطانی فوجوں نے جدہ میں، مکہ معظمہ میں، طائف میں، اطرافِ مدینہ میں گولہ باری کی، ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے برطانوی افسروں نے مدینہ منورہ پر گولے پھینکے اور اب تک شریف حسین مالک حجاز سے جو کچھ کرا دیا جاتا ہے اور جن احکام کا نفوذ ہوتا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کا تعلق عالم انسانی سے بحیثیت تدین اور مذہب ہے اور ان کی خصوصیت ہمارے پیارے وطن کے خارجی ممالک سے بہت زیادہ ہے اب ذرا اپنے وطن اور ملک پر آنکھ اٹھائیے اور تواریخ قدیمہ پر گہری نظر ڈالیے اور پھر اپنی قدیمی اور موجودہ حالتوں پر تقابل کیجیے۔

ہمارا وطنِ ہند

یہی وہ ہندوستان ہے جو اطرافِ عالم کو اپنی صناعتوں اور تجارتوں سے مالامال کرتا

تھا وہ دوسروں سے مستغنی اور دوسرے اس کے محتاج تھے۔ ابتدائے دنیا سے لے کر ستّو برس پہلے تک ہندوستان کی تاریخ ہر حیثیت سے نہایت روشن و زرّین نظر آتی ہے۔ وہ فقط انسانیت ہی کا معدن نہ تھا۔ بلکہ تمدنی شعبوں کی شاخیں بھی یہاں سے پھیلیں۔ وہ تمدن آج تک آسمان پر ایک ایسا روشن ستارہ نظر آتا ہے جس کی نظیر مغرب میں تو درکنار مشرق کے کسی خطّہ میں بھی نظر نہیں آتی۔ ہندوستان اس وقت متمدن تھا جب کہ سارا عالم وحشی تھا۔ وہ عالم و فاضل تھا جب کہ طبقاتِ زمین میں جہل کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ سیر تھا جب کہ ساری دنیا بھوکی تھی۔ علم ہندسہ اور حساب جو کہ ترقی اور تمدن کا اکیلا مدار ہے کیا اسی کا جملہ عالم کو عطیہ نہیں ہے؟ علمِ حکمت (ویدک) اور نجوم، کیا اس کا مایۂ ناز نہیں ہے؟ علمِ سیاست ملوک کیا اُس کا وہ خزانہ نہیں ہے؟ جس کے لیے بادشاہانِ فارس مدتوں سرگرداں رہے ہیں۔ علمِ موسیقی حکمت صناعی میں کیا اُس کا جھنڈا تمام ملکوں کے جھنڈوں سے سربلند نہیں رہا؟ روحانی علوم میں کیا وہ اپنے گرد و نواح کے ملکوں کا پیشرو نہیں تھا؟ اسلام کا چمکدار اور نہایت روشن آفتاب جب کہ ہندوستان پر پرتو افگن ہوا تو اُس نے ہندوستان کے قدیمی کمالات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی بلکہ عرب و عجم اور روم و ترک کے اِن کمالات کا اضافہ کر دیا جن کی ہوا ہندوستان کو اس وقت تک نہ لگی تھی۔ ہندوستان فطری طور پر نہایت سمجھدار دماغ نہایت ذکی طبیعت، نہایت گہری فکر نہایت شعور والا قلب، نہایت صبر والا جسم رکھنے والا ملک بتایا گیا تھا۔ اس کا اعتدال ہوائی اس کے تفاخر کا گواہ اور اس کا مرکزی ہونا اس کی فوقیت کا شاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدتوں تک یورپ نے اس طرف اپنی ہمتوں کو متوجہ کیا اور سالہا سال تک ہزاروں قسم کی اِس فکر میں مصائب جھیلیں۔ وہ کون سا بادشاہ ہے جس کی عنانِ خواہش اس ملک کی طرف اس کے قدرتی کمالات کی وجہ سے متوجہ نہیں رہی اور وہ کون سی قوم ہے جس نے ہندوستان کے فرطِ عشق و محبت میں اس کے حُسن خداداد کی بنا پر داغ رنج و الم نہیں کھائے۔ کون سی چیز دنیا میں موجود ہے کہ ہمارا پیارا وطن اُس کا گنجینہ نہ ہو اور کون سا وہ کمال ہے جو دیگر اقوام میں اقامت پذیر ہوا ہو اور ہندوستانی قومیں اُس سے عاجز رہی ہوں۔ شاہانِ ہند کا اپنے آپ کو شاہجہاں

ملقب کرنا اور مورخین کا اس کو ربع مسکون قرار دینا آخر کس بنا پر ہے۔ فطرت نے جیسے کہ اس
اوارا سٹر جیسی مادی چوٹی روئے زمین کے جملہ پہاڑوں سے بلند تر عطا فرمائی۔ اسی طرح
اس کو روحانی اور اخلاقی کمالات کے وہ دریائے ذخار اور زرخیزی اور جغرافی محاسن
کے ایسے وسیع سبزہ زار عطا کیے کہ کوئی ملک اور کوئی اقلیم اس کے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتی۔
ہندوستان کے ہر ہر ذرّہ اور ہر ہر پتہ سے اس کے تفوق کی دلیلیں اور اس کے کمالات
کے شواہد ملتے ہیں جن کو مؤرخین عالم لکھتے لکھتے عاجز ہو گئے۔

ہندوستان کی کایا پلٹ گئی

وہ ایک اکیلا ملک ہے کہ وحشت اور درندگی کے بدنما دھبہ سے اپنے دامن
کو ہمیشہ پاک وصاف دکھلا سکتا ہے وہ تنہا ایسی تاریخ رکھتا ہے جو کہ اس کے تمام گذشتہ عمر میں
تمدن کے چمکنے والے آفتاب کی صاف او تیز روشنی ڈال رہی ہے مگر افسوس کہ بدقسمتی سے اس آخری
صدی میں اس کا نہ گہنے والا آفتاب زرد ہو گیا اور نہ چھپنے والا ستارہ اس طرح غروب ہو گیا
کہ یورپ کی تہذیب اور مغربی انصاف نے اس کو ایک ایسے گہرے گڑھے تاریک گڑھے میں
دھکیل دیا جس کی گہرائی اور تاریکی کی کوئی حد و نہایت نہیں، برطانیہ کے مسیحا صفت ڈاکٹروں
نے اس کو بزعم خود ایسی زندہ کرنے والی دوائیں دیں کہ قیامت آجائے، مگر اس کو حرکت کرنا
تو درکنار چھینک کی بھی طاقت نہیں رہی۔ کل کی جملہ وحشی اقوام آج تخت آزادی پر جلوہ افروز
ہو کر داد زندگی دے رہی ہیں، مگر ہندوستان میں آزادی کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔
بڑے بڑے انگریزی ڈاکٹر ۱۸۵۸ء میں بلکہ اس سے پہلے سے اس کا نہایت جانفشانی
سے معالجہ کرتے ہوئے اس کو صحیح وسالم کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ شفایاب ہونے ہی پر نہیں آتا
اس کو ہر طرح بیدار کرتے ہیں مگر وہ کروٹ ہی نہیں بدلتا۔ وہ ملک جن کو ابتدائے آفرینش دنیا
سے آج تک آزادی کی جھلک اور خود مختاری کی جھک بھی نہ پہنچی تھی آج وہ کوس لِمَنِ الْمُلْكُ
الْيَوْم بجا رہے ہیں۔ وہ قومیں جن کے جہل، وحشت، درندگی، دنائت طبع، رذالت اخلاق

وغیرہ پر آج تک مشرقی اور مغربی تاریخیں اور ہزارہا وقائع شہادت دے رہے ہیں۔ وہ خود مختاری اور استقلال کے مستحق اور لائق بتائے جاتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کی سیادت کا جائز کہنا۔ یورپ کی نظروں میں غیر قابل عفو گناہ ہے، مگر وہ ہندوستان جس نے ابتدائے دنیا سے آج تک اپنا ذاتی فرمانروا ہونا اور مستقل نظم ونسق بناتے ہوئے اقوامِ عالم کا استاد ہونا صفحاتِ تاریخ میں ثابت کر دیا ہو۔ اس کو غلامی اور دریوزہ گری کی سخت سے سخت آہنی زنجیروں میں جکڑنا عین تہذیب و عدالت ہے۔ اس کے لیے خیال آزادی گناہ، لفظ استقلال حرام، اظہارِ استحقاق حریت، گناہِ کبیرہ اور کوشش خود مختاری بدترین بغاوت ہے۔ وہ اگر کسی زنجیرِ غلامی کے حلقہ کی وسعت کا خواب بھی دیکھ لے یا اس کی توسیع کی خواہش ظاہر کرے تو سزائے قید بامشقت یا پھانسی کا مستحق قرار دیا جائے۔

حضرات، یہ ہے یورپ کی اصلاح اس کی اقوامِ ضعیفہ کی آزادپسندی اس کی انسانیت کی ماہیت۔ اس کی اقوامِ عالم کی ہمدردی۔ اس کی بنی نوعِ انسانی کی حقیقت۔

ہندوستان کے مصائب

وہ ہندوستان جو کچھ دنوں پہلے فقط اپنے ملک کو ہی نہیں بلکہ سینکڑوں ملکوں کو جاہلئے گوناگوں سے مزین کرتا تھا۔ اس کی تجارتِ پارچہ ایشیائی۔ افریقی اور یوروپین ممالک میں بڑے زور وشور سے جاری تھی۔ آج وہ ایسا محتاج دریوزہ گر یوروپین حکمت عملیوں اور مغربی اصلاحی اسکیموں کے ذریعہ سے بنادیا گیا ہے کہ فقط سوتی کپڑوں کے لیے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ اس کو انگلینڈ بھیجنا پڑتا ہے۔ وہ ہندوستان جو کہ اپنی پیداوار سے اپنے بچوں کی وسیع پیمانہ پر پرورش کرتا ہوا دوسرے ممالک کو بھی پالتا تھا، آج اس کے بچوں کو روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل ہو گیا ہے روزانہ قحط کا دور دورہ ہے۔ کروڑوں ہندوستانی نژاد بھوک کی وجہ سے غیر ممالک میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں نہ ان کا کوئی وہاں پرساں ہے۔ نہ خبرگیراں۔ آج ہندوستان کی بدولت مغربی قومیں اونچے اونچے محلوں اور نرم سے نرم گدّوں پر آرام کر رہی ہیں، مگر ہندوستان کے بچوں کو صرف

چارپائیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ آج یورو پین اُمتیں ترٔبتہٗ مزیّن کپڑوں آٹھ آٹھ نو نو وقت ہندوستان کے اموال سے روزانہ پیٹ بھرتی ہیں، مگر ہندوستان کی اولاد کے بدن پر نہ چیتھڑا ہے نہ جیب میں دمڑی۔ ایک وقت اگر سوکھی روٹی نصیب ہوئی تو دوسرے وقت فاقہ کی تیاری ہے۔ وہ ہندوستان جس میں غیر قومیں اپنا خون بہاتی تھیں آج اس کے پوتوں کا بے حساب خون غیر قوموں کے فوائد کے لیے ہر ہر ملک میں بہایا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس میں گنجینۂ زر مال رہتا تھا۔ آج وہ گنجینۂ فقر ومسکنت ہے۔ وہ ہندوستان جو اپنی آبادی، قومی، ملکی، صناعتی، علمی اخلاقی جملہ حیثیتوں سے استحقاقِ خود مختاری سب سے اوّل رکھتا تھا۔ آج اس کی غلامی کے شکنجہ اور زیادہ سخت کرنے کے لیے ابدالآباد تک کی فکریں کی جارہی ہیں۔ جبرالٹر، مالٹا، عدن وغیرہ پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ بحری سیادت اور بحری حکومت اپنے لیے مخصوص کی جاتی ہے۔ مصر کو دبایا جاتا ہے۔ عراق دبوچا جاتا ہے۔ فلسطین شکار کیا جاتا ہے۔ ایران ذبح کیا جاتا ہے۔ خلافتِ ٹرکی کا شیرازہ بکھیرا جاتا ہے۔ ممالک سوڈانیہ وعربیہ کی قوت پاش پاش کی جاتی ہے۔ یہ کس وجہ سے؟ فقط بنی نوع انسانی کی خیر خواہی۔ امم ضعیفہ کی آزادی، عالم میں اصلاح اور صلاح، امن وامان پسندی، عدل وانصاف گستری کی بنا پر ہی سب کچھ کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی خون کا انعام

اے ہندوستان! تیرے ننھے منّے لاکھوں بچوں کا خون فرانس کے میدانوں میں اطالیہ کے پہاڑوں میں، سالونیکا کے مرغزاروں میں، درۂ دانیال کے چٹانوں میں، صحرائے سینا اور سوریہ وسوریہ کے ریگستانوں میں، عدن اور یمن کے سنگلاخوں میں، عراق وایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں میں، مشرقی ومغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں میں، ایشیائے کوچک اور قفقازیہ کے برفستانوں میں، بحراسود اور ابیض اور احمر کے سواحل میں بہائم کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ان پر گولی اور گولوں کی بارش ہوتی ہے۔ مصائب کے شکار ہوتے ہوئے کروڑوں جاں بلب ہو رہے ہیں، مگر تجھ کو اس کے بدلے میں کیا ملتا ہے۔ فقط یہی کہ تیری بچیوں کا بیوہ ہونا، تیری

اولاد کا یتیم و برباد ہونا تجھ پر طوقِ غلامی کا کسا ہونا۔ رولٹ بل کا پاس ہونا، کورٹ مارشل لاء کا جاری ہونا۔ پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا۔ جلیانوالہ باغ میں مشین گنوں کا منہ برسانا تیری اولاد اطفال پر مظالم و عصمت دری و بے آبروئی کی بوچھاڑ کرنا، تیری رہی سہی آزادی کو سلب کرنا، تجھ پر طرح طرح کے ٹیکسوں کا عائد کرنا، تجھ کو قسم قسم کی بغاوت کے نئے نئے پھندوں میں پھنسانا، تجھ کو اقوامِ عالم میں بدنام کرنا تیری دکھ کی کہانیوں پر کان نہ دھرنا۔ تیری شکایات پر ظالموں اور جابروں کے بجائے سزائے تحسین کرنا اور آفرین دینا۔ ان کی امداد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مصائب کی وجہ

اے حضرات آخر یہ ہر قسم کے پہاڑ ہم پر کیوں ٹوٹے ہیں، کبھی بھی آپ نے اپنے اذہان کو اس طرف متوجہ کیا۔ کبھی بھی آپ نے اس پر غور فرمایا۔ اگر ذرا بھی آپ توجہ فرمائے تو یہ سب کچھ ہماری نا اتفاقی اور لاامرات کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم ساڑھے تینتیس کروڑ مرد و زن، چھوٹے بڑے ہندو و مسلمان ایک ہو جائیں، تو بڑی سے بڑی قوت ہم پر ظلم و شدائد کی بارش نہیں برسا سکتی۔ گولیاں اور توپ کے گولے تو درکنار بجلی جیسی قوی چیز بھی اس رنگ کے تودہ میں نفوذ نہیں کر سکتی، جس کے ضعیف و ناچیز ذرات مجتمع ہو کر ایک دوسرے پر جان نثاری کر رہے ہوں۔ ہم اس کو اتفاق میں مذہبی مداخلتوں کی ہرگز ضرورت نہیں اور نہ یہ کوئی عاقل متدین گوارا کر سکتا ہے۔ ہم کو محض ملکی اور سیاسی اُمور میں ایک کو دوسرے پر جان نثاری کرنے کی حاجت ہے۔ ہمارے سامنے اس کی سینکڑوں نظیریں موجود ہیں۔ دُور نہ جائیے فقط یورپ کو دیکھ لیجیے۔ آج لندن، فرانس، روس، یونان وغیرہ میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے ہیں اور دونوں میں مذہبی حیثیت سے قدیمی ایسی عداوت ہے جو کہ ہندو مسلمانوں کی مخالفت سے سینکڑوں درجہ زائد ہے جو جو مظالم عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان تواریخ مذہبی حیثیت سے دکھلا رہی ہیں۔ اُس کا عشرِ عشیر بھی ان دونوں فریق میں کبھی وجود میں نہیں آیا، مگر آج وہ سب سیاسی امور میں ایک قالب و جان ہیں۔ عیسائی اگرچہ کوئی پروٹسٹنٹ کوئی کیتھولک

کوئی ارتو رکھی وغیرہ وغیرہ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مذہبی حیثیت سے سخت مخالف اور زمانۂ سابق میں نہایت فظیع وشنایع وقائع ان میں واقع ہو چکے ہیں، مگر پھر سیاسی امور میں، وطنی مصالح میں ملکی ضروریات میں، قومی منافع میں سب کے سب باہم شیر وشکر ہیں، جیسا کہ فدائے قوم ووطن مسٹر گاندھی جی اور مولانا شوکت علی صاحب وغیرہ لیڈرانِ قوم اور علمانے جمعیتہ علمار کے سالانہ اجلاسِ دہلی میں تقریر کی تھی کہ ہم مذہبی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو بھی اس اتفاق میں داخل کرنا اور چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ہر فریق اپنے مذہب میں پورا آزاد ہے۔ ہندو دھرم اپنی جگہ پر ہندو ہو کر اور مسلمان دھرم اپنی جگہ پر مسلمان رہ کر ہندوستانیت کی حیثیت سے جان توڑ کوشش اور کامل اتفاق کر کے اپنے حقوق اور آزادی کی فکریں کریں اور پوری جان نثاری سے کام کریں۔ ایسا ہی جملہ رہنمایانِ قوم کا خیال ہے اور تمام قوم کو اس پر عامل ہونا ضروری ہے۔ اس جگہ دشمن اور راس کے ہوا خواہوں کی پوری کوشش ہوگی کہ ایسے مذہبی امور کو درمیان میں لاکر اپنی سابق پالیسی کے موافق شیرازۂ اتفاق کو بکھیر دیں، مانان کوآپریشن کی تجاویز کو باطل کر دیں، مگر اس پر کان نہ دھرنا چاہیے اور سمجھ بوجھ کر آگے قدم بڑھانا اور استقلال وثباتِ قدمی اختیار کرنا چاہیے۔

میں جہاں تک خیال کرتا ہوں نااتفاقی کی مضرتیں اور اتفاق کی ضرورتیں دینی اور دنیاوی ہر دو پہلو سے تمام پبلک سمجھ چکی ہے، بلکہ اس کا معائنہ کر رہی ہے۔ یہ ایک ایسا بسیط اور ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کی توضیح کی حاجت اور اثبات واستدلال کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مضبوط رسّا جس سے آپ بڑے سے بڑے ہاتھی کو باندھ سکتے ہیں اور قوی سے قوی جہاز کا لنگر ڈال کر اس کو روک سکتے ہیں۔ اگر اس کے دھاگے بکھیر دیے جائیں تو چند منٹ میں ایک ذرا سا بچہ اس کو نیست ونابود کر سکتا ہے۔

نااتفاقی کی نحوست

ہماری سابقہ نااتفاقیوں کی نحوستیں ہم کو ہی ان جملہ مصائب میں فقط پھنسانے والی نہیں

ہیں بلکہ دوسری مشرقی قوموں کی آزادی بھی سلب کرنے والی ہیں اور انہیں نحوستوں کا ثمرہ یہ بھی ہے کہ آج ہندوستان کی قومیں ہندوستان میں نہیں بلکہ تمام ملکوں میں نہایت ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور مجمع اقوام میں سب سے زیادہ کمزور اور بےحمیت ثابت ہوئی ہیں۔ کوئی قوم ایشیائی یا افریقی ایسی نہیں کہ جنہوں نے رابطۂ اتحاد و مودت کے لیے اب اپنے دلوں میں ہندوستان کو جگہ دینا گوارا کر رکھا ہو۔ بہت سی یورپین اقوام بھی مثل دیگر اقوام کے نہایت لبغض و غضب کی نظر سے ہند کی طرف دیکھ رہی ہیں۔

دوسرا امر جو کہ باعث ان جملہ مصائب و شدائد کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں وہ موالات ہے جس کو تعلقات دوستی اور تناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اس کو شرکت عمل وغیرہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جملہ اُن ہستیوں پر یہ امر واضح ہے جنہوں نے تواریخ عالم پر نظر ڈالی ہے کہ ہندوستان کی آزادی سلب ہونے اور اس کی ہر طرح ذلتوں میں گر جانے کا اصلی راز یہی ہے۔ ہندوستانی نفوس نے ابتدا سے ہمیشہ گورنمنٹ کو ہر قسم کی مدد پہنچا کر وفاداری اور نمک حلالی کا دم بھرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی اور دوسری قوموں کو بھی ہلاک کیا اور اسی وجہ سے برطانیہ روز افزوں قیدیں اور سخت سے سخت قانون نکالتی ہوئی مذہبی اور سیاسی جملہ آزادیاں سلب کر رہی ہے اور زندگانی کے تصور و محلات کو ڈھاتی ہوئی عدم کے مقبروں میں ہم کو دفن کرتی جا رہی ہے۔ تعجب ہے کہ جو قوم ہمارے نمک سے آج پرورش پا رہی ہو اور پھر ہماری نمک حرامی کرتے ہوئے ہر طرح سے ہم کو قعر ذلت میں ڈال رہی ہے اس کی بھی نمک حرامی حرام ہو، حالانکہ وہ نمک بھی ہمارا ہی ہے۔ افسوس! افسوس!!! افسوس!!!

مذہبی آزادی کے لیے ہندوستان کی آزادی ضروری ہے

ہم نہایت تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی فہم و فراست پر جو آج دینی آزادی کا گیت گا رہے ہیں اور قصداً یا غلط فہمیوں کی بناء پر پبلک کو دھوکا دے رہے ہیں کیا وہ مذہب اسلام

جس نے حکمتِ نظری وعملی اور سیاستِ مدنیۃ تدبیر منزل تہذیب الاخلاق وغیرہ وغیرہ سب کو جمع کرتے ہوئے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا ڈنکا بجایا ہو کیا وہ مذہب جو کہ عالم انسانی کی جسماً وروحاً حالی اور استقبالی زندگانی کی محافظت اور کفالت کر رہا ہو۔ کیا وہ مذہب جس نے روابط خالق مع المخلوق کی ویسی ہی نگرانی کی ہو۔ جیسے کہ روابط خلق مع الخالق کی۔ کیا وہ مذہب جس نے اصول خلافت اور قوانین جہانداری کی اسی طرح بنیاد ڈالی ہو جیسے کہ ولایت اور تصوف کی۔ کیا وہ دین جو کہ امن وامان صلح وآشتی وغیرہ قائم کرنے کا اسی طرح حامی ہو جیسے کہ عبادات بدنیۃ اور مالیہ اور اعتقادیات قلبیہ ومشاہدات روحیہ کا۔ کیا وہ دین جو کہ مادی ترقیات کا اسی طرح معلم ہو جیسے کہ روحی معارج کا۔ کیا اس میں فقط نماز اور روزہ حج اور مساجد قربانی اور صدقات ہی عبادت ہوگا۔ کیا اس کے شعائر میں احکام تجارات معاملات تعزیرات فصل خصومات عشور وخراجات حدود ومناکحات سیر اور غزوات وغیرہ وغیرہ داخل نہیں۔ پھر بتلائیے کہ ان جملہ اشیاء میں کون سے شعائر اسلامی قوانین پر جاری ہیں۔ کیا علی الاعلان ان سب امور میں خلاف ما انزل اللہ حکم نہیں کیا جاتا ہے۔ علی الاعلان رنڈی خانے شراب خانے قانوناً کھلے ہوئے ہیں۔ مرتد بنانے کے لیے مشن اسکول اور مذہبی مدارس وغیرہ قائم ہیں ہندوستان کے خراج میں سے لاکھوں روپیہ اس میں صرف کیا جاتا ہے جو زوجہ بطوع ورضا خود اپنے زوج سے ناراض ہو کر خواہ کسی وجہ سے عدالت میں نالش کرے قانون اس کو آزادی دیتا ہے اور حکومت تفریق کرا دیتی ہے۔ جو شخص عورت یا مرد باختیار خود مرتد ہو جائے اُس پر اُس کے اعزہ اقرباء خاوند وغیرہ کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ کورس میں وہ فنون اور ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن سے عقائد مذہبی پر سخت سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ پولیس فوج اور فوجداری وصول لگان حفظ صحت ٹیکس وغیرہ وغیرہ کے قوانین عموماً مخالف شریعت نافذ ہو رہے ہیں۔ سود کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ وکالت کاری کے عموماً قواعد معاملات دین سے علیحدہ ہیں۔

پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح کہا جاتا ہے کہ شعائر مذہبیہ میں پوری آزادی دی گئی

ہے۔ اس کے ساتھ یہ سوال بھی ہے کہ وہ آزادی جو کہ دینے سے حاصل ہوئی۔ آیا وہ شرعاً آزادی شمار ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حالانکہ آزادی دینے والے کو ہر وقت قوت و مقدرت ہے کہ جب چاہے وہ اس آزادی کو سلب کرلے اور یہی وجہ ہے کہ جس مذہبی آزادی کو وہ اپنی سیاست کے مخالف سمجھتی ہے سلب کرلیتی ہے اور جس وقت میں کوئی آزادی اسے مخالف مصلحت معلوم ہوتی ہے بند کر دیتی ہے۔ چنانچہ واقعاتِ پنجاب وغیرہ اس کے شواہد ہیں۔

جن امور میں وہ آزادی دیتی بھی ہے وہ اسلامی قوت و شوکت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے نزدیک اس کو ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا سمجھتے ہوئے دیتی ہے۔ دیکھیے کیا خلافت کا مسئلہ مذہبی مسئلہ نہ تھا۔ کیا مسلمانانِ ترک کی مالی اعانت مجروحینِ اتراک کی خبر گیری، ضعفاء اور مساکین کی بتعاونِ ہلال احمر فریاد رسی، کیا اماکنہ مقدسہ کی حرمت وغیرہ مذہبی امور نہ تھے۔ کیوں اس میں آزادی نہ دی گئی اور مسٹر مشیر حسین قدوائی نے جب ایک وفد ان مظلومینِ ترک کی خبر گیری کے لیے مثل جرمن و آسٹریا وغیرہ کے بلانا چاہا تو منع کیے گئے اور تینتیس کروڑ ہندوستانیوں کی متفقہ آواز کو مسترد کر دیا گیا۔ وفد کی اہانت کی گئی۔ ایک بات بھی نہ مانی گئی۔

اماکنِ مقدسہ کیونکر آزاد ہوں

اماکنہ مقدسہ وغیرہ کی نسبت خطا مسلمانوں پر رکھنا صریح غلط بیانی اور دھوکا دہی ہے۔ وہ ورغلائے گئے ہیں اور ایک قاعدہ سے مجبور کیے گئے ہیں۔ چنانچہ خود کرنیل لارنس ڈیلی ایکسپریس ۲۸ فروری ۱۹۲۰ء میں کہہ رہے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں شاہ حجاز کو ہم نے اتحادیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا فرماتے ہیں کہ:۔

"۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو وزیر ہند کا یہ تار وائسرائے کے پاس آیا۔ موجودہ حالت میں گیلی پولی کے اندر ہماری حالت اور ہماری امیدیں بہت ہی مشکوک ہیں۔ عرب مذبذب ہوکے جا رہے ہیں اور اگر ہم ان کو بڑا لالچ دیں گے تو وہ یقیناً ترکوں سے جا ملیں گے۔ اس لیے ہم کو مشرق میں بڑی کامیابی کی ضرورت ہے۔ یہ تجویز ہوئی

... ہے کہ ہم بغداد پر قبضہ کرلیں اور عراقوں کو اطمینان دلادیں کہ ہم لوگ اُن کے لیے ایک ایسی حکومت کے حامی ہیں جو ترکوں سے بالکل آزاد ہو۔"

کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ ہماری جانوں اور مالوں کی پوری حامی اور محافظ ہے۔ بے شک یہ واقعی بات ہے خدا جانے کتنے کروڑ ہندوستانی جانیں مختلف مقامات میں اس جنگ میں اور گذشتہ تقریباً ۵۰ برس ہیرون ہند جنگوں میں برطانی سبز باغوں میں عیش وآرام کر رہی ہیں۔ اگر ان جانوں کا پورا اندازہ کیا جائے تو یقیناً گذشتہ صدیوں میں بھی اس قدر جانیں عالم بالا کو جانے والی نہ ملیں گی، جتنی کہ دور برطانی اور امن وصلح کی قائم کرنے والی گورنمنٹ کے زمانہ میں اُس سبز باغ میں گئی ہیں اور اگر اس پر اس صدی کے قحط اور گرانی سے تلف ہو جانے والی جانوں کو بھی ملا لیا جائے تو شاید قرنہا قرن میں بھی اتنی قربانیاں مشکل سے ملیں گی۔

جان کی حفاظت کیونکر ہو

اس کو چھوڑیے ہر سال اخبارون وغیرہ میں بہت سے واقعات سپید ہاتھوں سے سیاہ جانوں کے ضائع ہونے کے اعلان ہوتے رہتے ہیں مگر کہیں بھی کوئی گورا جسم پھانسی کی رنگین رسیوں میں لٹکتا ہوا پایا گیا۔ بخصوصاً اس چالیس پچاس برس کے عرصہ میں عموماً مقتول کے جگر کی خطا ہوتی ہے یا اس کو ضیق النفس کا عارضہ ہوتا ہے۔ صاحب بہادر کو جنون کا عارضہ ہوتا ہے مدعی کو سو دو سو روپیہ دے دیا جاتا ہے اور دھمکی بھی دی جاتی ہے۔

ہندوستانی اموال کی حفاظت تو حقیقت میں جس طرح ہوتی ہے نہ کسی قوم نے پہلے کی اور نہ کسی قوم اور بادشاہ کو سوجھی۔ فیصدی پچاس تو خزانۂ شاہی میں بطور لگان لیا گیا اور فیصدی سترہ حفظ صحت، تعلیم صفائی وغیرہ مدمیں لیا گیا۔ پھر انکم ٹیکس ہاؤس ٹیکس کورٹ فیس وار فیس میں پوری مقدار لی گئی جس کا مجموعہ تقریباً فیصدی اسّی پہنچتا ہے۔ اب باقی ماندہ بیس پور ہیں تجارتوں ڈاک، ریل تار روزانہ چندوں نذرانوں ڈالیوں کی نذر ہوتا ہوا جو کچھ بچا تھا وہ لوٹوں پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہے ہندوستانی مال کی حفاظت۔ اب ان

سب امور کو اگر بالائے طاق رکھ دیں تو بارہا اعلان ہو چکا ہے کہ مختلف ملکوں میں حکام نے نماز سے اس طرح روکا ہے کہ یا تو استعفا دینا پڑا ہے یا نماز چھوڑ دینی پڑی۔ ایسے واقعات ہم نے خود لوگوں سے سُنے اور اخباروں میں بارہا دیکھے ہیں۔ مسجدوں کی آزادی کی نسبت بہت لاف ماری جاتی ہے۔ مگر ذرا تحقیق کے لیے اطراف وجوانب میں نکلیے اور دیکھیے کہ کس قدر اطراف وجوانب ہند میں مسجدیں شہید کی جا چکی ہیں۔ متولیوں کو لالچ دے کر ان کو دھمکا کر جبر وتعدی کے ذریعہ سے کیا کیا واقعات نہیں ہوئے ہیں اور یہ کوئی نئے واقعات نہیں ہیں۔ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتویٰ ص۱۶ جلد اول میں فرنگی مظالم کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:

"مساجد را بے تکلف ہدم مے نمایند۔"

دور نہ جائیے خود دہلی سے پوچھ لیجیے کہ کس قدر مسجدیں وہاں ہدم کی گئی ہیں اور طرف کیوں توجہ فرماتے ہیں خود جامع مسجد دہلی سے پوچھیے کہ تیرا کیا واقعہ جانگداز ہے۔ قلعہ کے قریب کی مسجد میں قانوناً کیوں نماز سے ممانعت ہے۔

مصائب کا سرچشمہ

حضرات بات بہت دور جا پڑی بغرض یہ ہے کہ جو کچھ مصائب وآلام ہمارے سیاسی اور مذہبی امور پر پڑے ہیں وہ اسی سوالات کا نتیجہ ہے۔ ہم نے خود دورانِ جنگ میں اور اس سے پہلے زمانوں میں جان اور مال سے شرکت اور مدد کر کے اپنے پیروں میں بھی کلہاڑا مارا اور دوسری قوموں کو بھی برباد کیا۔ پھر کاش ہمارا دنیاوی ہی نقصان ہوتا۔ ہم دونوں فریقوں ہندو مسلمان دونوں کے مذہب پر بھی نہایت گہرا اور بدنما اثر پڑا جس کی وجہ سے کئی کروڑ ہندو مسلمان عیسائی بنائے گئے اور کروڑوں کی مذہبیت خوشنما اور دینی احساسات میں سخت فرق آگیا۔ وہ بظاہر ہندو یا مسلمان ہیں۔ مگر حقیقت میں ایک بھی نہیں۔ مغربی زہریلے تمدن نے ہماری نسلوں کے اخلاقِ شرقیہ پر پانی پھیر دیا۔ مادی احساسات نے روحانی توجہات کو بالکل نیست ونابود کر دیا۔ ہم کو علوم دیے گئے مگر وہی کہ جن سے غیر قوموں کی غلامی کریں۔ ہم کو اخلاق بتائے گئے

مگر وہی کے جن سے یورپ کے سامنے دست بستہ جی حضور کہتے ہوئے سرنگوں رہیں ہم کو صنعتیں بتلائی گئیں، مگر وہی کہ جنسے مغربی اشخاص اور مقاصد کی خدمتیں کر سکیں۔ ہم کو فلسفہ اور حکمت سکھلایا گیا، مگر وہی کہ جس سے ہم اپنے دماغ کو ضعیف کرتے رہیں۔ اپنے اسلاف کے خیالات پر حمق اور جہل کی آندھیاں بہائیں۔ ہم کو فوجی حرکات سکھائی گئیں، مگر اسی قدر کہ ایک گورے افسر کے زیر دست رہ کر تنگ دو کر سکیں۔ ہم کو آزادی بتائی گئی مگر اسی قدر کہ مذہب کو جنون اور قدامت کو پاگل سمجھیں۔ ہم کو تاریخ پڑھائی گئی مگر اسی قدر کہ ہم اپنے پرانے بادشاہوں اور راجاؤں کو عیش پسند، نامرد، جاہل، وحشی، غافل جانیں۔

مصائب کا خاتمہ کیونکر ہو

اے حضرات جو کچھ عراق میں ہوا، سوریا میں کھلا، استنبول میں پھلا۔ حجاز میں پھولا۔ فرانس جرمن وغیرہ میں ثمردار ہوا، ہماری غفلت، ہماری اعانت، ہماری بے وجہ وفاداری، ہماری خلاف حقیقت غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں بھی جو کچھ پیش آیا خواہ وہ جلیانوالہ باغ میں تھا یا پنجاب کے دیگر علاقوں میں خواہ وہ کلکتہ کی سڑکوں اور مساجد میں ہوا ہو، یا دہلی اور بمبئی کے بازاروں پر۔ وہ سب ہماری ہی کم توجہی کا ثمرہ ہے۔ ہم نے حکومت کو اس غرور پر پہنچایا ہے کہ وہ آج کسی آواز پر کان نہیں دھرتی اور کبر و عظمت کے نشہ میں اس قدر چور چور ہے کہ اس کو ہماری طرف منہ پھیرنا ذلت اور رسوائی معلوم ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے عوام اور پادریوں پر مذہبی جنون اس قدر غالب ہے کہ مسلمانوں کے لیے وہ صدائے قرآنی کا باقی رہنا اور کسی مسجد کا استنبول میں قائم رہنا بڑے سے بڑا جرم سمجھتے ہیں۔ ان پر قومی تعصب کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ وہ ہندوستان جو ان کو مالی جانی ہر طرح کی مددوں سے پال رہا ہے۔ اس کو کتے سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے ہیں اور ان کی ہر طرح تذلیل و توہین کرتے ہیں ہمارا ملک، ہمارا وطن، ہمارا مال، ہماری فوج، اور پھر ہم ہی ذلیل و خوار، ضعیف و ناتوان۔ ہمارے ہی حقوق روزانہ سلب کیے جاویں، ہم ہی ہر طرح مجبور کیے جاویں، ہم پر ہی سخت سے سخت قانون نافذ کیے جاویں

پھر آخر اس کا علاج کیا ہے اور آئندہ کے لیے صورتِ فلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔ غلامی کا طوق اور رحمی حضور کی بیڑیاں کس طرح سے نکل سکتی ہیں۔ ظالم کو حق کے سامنے کس طرح دو زانو بٹھا سکتے ہیں۔ اس پر غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر اس مرض کے علاج میں اب بھی سُستی کی جاوے گی، تو رہی سہی رمق بھی جاتی رہے گی اور موت کے سوا کوئی راہ نہ ہمارے لیے ہے اور نہ ہماری آئندہ نسلوں کے لیے ہو سکتی ہے۔

ہم اس کُلی کو فقط ایک فرد میں منحصر پاتے ہیں وہ یہ کہ حکومت مستقلہ حاصل کی جاوے جس کو سوراج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماسوا تجارت نے جملہ راستے بند کر دیے۔ جب تک وہ نہ حاصل ہوں۔ ہم کو نہ اپنے آپ کو اور آئندہ نسلوں کو زندہ خیال کرنا چاہیے اور دوسری ایشائی اور افریقی قوموں کی محافظت کرنا ناممکن سمجھنا چاہیئے۔

سوراج کے لیے ترکِ موالات ضروری ہے

مگر ایسی بڑی اور متعصب حکومت کو (جو اگرچہ وہ زبان سے وعدہ آزادی کرتی رہی ہو مگر طرزِ عمل اور گذشتہ وحالیہ تجارب بالکل اس کے غلط ہونے کے شاہد ہیں) سوائے ترکِ موالات اور قطع علائق کے تناصر ومشارکت پر کسی طرح ہم مجبور نہیں کر سکتے۔ جس کی تعلیم شریعتِ نبویہ بھی علی اکمل الوجوہ فرما رہی ہے۔ اسلام جس میں سیاست شریعت میں داخل کر دی گئی ہے اس کو فرض اور ضروری کہہ رہا ہے۔ لہٰذا عالمِ اسلام پر یہ فریضہ شرعیہ بھی اسی طرح کا ہو۔ جیسے کہ فریضہ سیاسیہ تھا۔ یہی وہ طریقہ ہے کہ نہایت امن اور شائستگی کے ساتھ آپ مقصد کو پہنچ سکیں گے۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے کہ کمال صلح شوری کے ساتھ بغیر فتنہ وشورش آپ اپنے اور آئندہ نسلوں کے حقوق کو زندہ کر سکیں گے۔ یہی وہ شاہراہ ہے کہ بلا جنگ وجدال آپ مغرور سروں اور متکبر قلبوں کے گھٹنوں کو حقانیت کی دیوی کے سامنے جھکا سکیں گے۔ یہی وہ آفتاب ہے کہ بغیر لوٹ مار و دار و گیر کے، آپ اپنے ملک اور قوم کو روشن کر سکیں گے۔

ایک شبہ کا جواب

یہاں پر شرعی حیثیت سے یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر ترکِ موالات فریضہ شرعیہ ہے تو جملہ کفار و فساق سے ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ تفرقہ کیا جاوے۔ مزید برآں اس کے خلاف پر بعض صحابہؓ اور زمانۂ سعادت کے اعمال سے جرح بھی کی جاتی ہے۔ مگر یہ شبہ نہایت ضعیف ہے۔ کفار مختلف قسم پر منقسم ہیں۔ حربی محارب حربی مسالم۔ حربی مستامن۔ ان سب قسموں کے احکام شرع نے ایک طرز کے نہیں فرمائے۔ محارب حربی وہ کافر ہیں کہ پیکار کر رہے ہوں یا برسرِ پیکار ہوں ہر طرح اذیت و ضرر ان سے پہنچ رہا ہو یا پہنچانے کے عازم ہوں۔ اسلام کے جانی دشمن ہونے کے قولی اور عملی شواہد موجود ہوں۔ ان سے سخت سے سخت ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہو یا پہنچ رہا ہو۔ ایسے کافروں سے جملہ تعلقات مودت اور مناصرت و مدارات وغیرہ سب کے سب حرام اور ان کا قطع کرنا فرض ہے اور جو ایسے نہیں ہیں ان کے احکام میں خود نص قرآنی یعنی لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ الآیۃ اور اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ الآیۃ وغیرہ سے توسیع دی گئی ہے۔ ہندو بھی اگر حربی تسلیم کیے جاسکتے ہیں تو مسالم ہیں اور ان کے اکثر احکام اہل ذمہ جیسے ہیں۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں علیٰ ہٰذا القیاس یہاں پر ان نصوص سے بھی استدلال درست نہیں جن میں غیر اہل حرب سے معاملات کا ذکر ہو یا وہ معاملات از جنسِ تعلقات مودت و مناصرت نہ ہوں یا اُن کا قبل از آیات ترکِ موالات اور فرضیت جہاد و نزول ہوا ہو یا ایسے حربیوں سے تعلق رکھتا ہو جو دشمنِ اسلام اور دین سے بدظن اور اس کی اہانت کرنے والے نہ ہوں۔

اعتذار

چونکہ وقت بہت گزر گیا ہے اور عرض کرنے میں طول زیادہ ہوگیا۔ لہٰذا میں آپ حضرات سے بعد التجا عرض کرتا ہوں کہ عملی میدان میں قدم رکھیے اور کوشش کا جامہ پہنیے۔ تجاویز

ترکِ موالات کو عمل میں لائیے۔ خود کو زندہ کیجئے اور آئندہ اپنی نسلوں کو بھی زندہ بنائیے خود بھی آزاد ہو جئے اور اپنے مشرقی دوسرے بھائیوں کو آزاد کرائیے۔ ایشیائی قومیں سب ایک ہیں ان کی پوری ہمدردی ضروری ہے۔ نہایت امن اور عافیت کے ساتھ قدم آگے رکھیئے۔ سودیشی کی تجویز کو کامیاب فرمایئے اور یہ کہ قوم کو اپنی سعی میں خاص ہستیوں پر موقوف نہ چاہیئے۔

حضرات! میں لیکچرار نہیں، واعظ نہیں، منشی نہیں، مقرر نہیں، سیاسی نہیں، میری عرض میں جو کچھ غلطیاں واقع ہوئی ہوں خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی ان کو براہِ کرم معاف فرمائیں اور اگر کوئی خطا میرے فہم و خیال میں آپ کو محسوس ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے تاکہ میں سمجھ کر اُس سے رجوع کر دوں۔

دعاء

اب میں پھر آپ کو اتفاق اور اتحاد کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور شخصی اور نفسانی منازعات کے ترک اور چھوڑنے کی نصیحت کرتا ہوا رخصت ہوتا ہوں۔ خداوندکریم ہم میں سچا اور خالص اتفاق پیدا کرے اور ہماری قوم اور وطن کو بصیرت والی آنکھیں دیتا ہوا آزاد کرائے۔ اے خدائی اکرم الاکرمین اسلام اور ہندوستان کا بول بالا کر، ان میں اتفاق اور اتحاد عطا فرما۔ ہمارے وطن اور جملہ اسلام کو اغیار کے شکنجوں سے آزاد کر، اور وطن کے ہر ہر فرد میں پورا پورا احساس اور اخلاص عطا فرما۔

اے خدائے قدوس تو ہی کمزوروں کا مدد کرنے والا ہے۔ تو ہی بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامیوں سے چھڑانے والا ہے، تو ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کو نمرود کے پنجہ سے نکالنے والا ہے۔ تو ہی شداد بے داد اور جباروں کو ہلاک کر کے اپنے کمزور بندوں کو آزاد کرانے والا ہے۔ ہمارے مذہبی اور دینی بھائیوں کو فراعنہ اور متکبرین کے پنجوں سے چھڑا اور حق اور انصاف سے روگردانی کرنے والے دشمنانِ اسلام اور اعدائے مشرق کی گردنوں کو توڑ دے آمین۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ آمین خادمِ ملک و ملت حسین احمد غفرلہ

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

انجمن علمائے بنگال کے اجلاس میں

مؤرخہ

۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۵ مارچ ۱۹۲۱ء

بمقام

بھیاگنج ۔ رنگپور ۔ (بنگال)

پیش فرمایا

الحمدُ للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل
علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من
یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان
سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ
وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

علمائے کرام! بزرگانِ قوم، برادرانِ ملت و وطن! میری بے بضاعتی و فروتنی مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی معروضات پیش کرنے سے پہلے آپ حضرات کے اس گراں بہا اور جلیل القدر اعزازِ صدارت کا تہ دل سے شکر گزار ہوکر سرِ منت پذیری اور گردنِ احسان مندی آپ کے سامنے خم کردوں اور ہر ممکن طریقہ سے آپ بزرگانِ قوم کی مدح ثنا میں رطب اللسان ہونا ضروری سمجھوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی مذہبی گراں بوجھل ذمہ داری اور ایسے عظیم الشان سیاسی اعزاز کی قابلیت کا کوئی درجہ مجھ میں موجود نہیں، فقط آپ بزرگانِ قوم و وطن کے حسنِ ظن اور ذرہ نوازی نے مجھ بے بضاعت کو سرفراز کرنے کے لیے یہ صورت اختیار فرمائی ہے۔

میں کیسے ہی فصیح و بلیغ اور کتنے ہی دقیق و رفیع کلمات اس مقام میں استعمال کروں مگر

میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے جلیل القدر احسان سے کس طرح سبکدوش ہو سکوں گا اور نہ اس مقام میں زیادہ گفتگو مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے نہایت مختصر الفاظ میں آپ حضرات کی منت و احسان کا اقرار کرتے ہوئے عرض رساں ہوں کہ جن اہم اور ضروری مقاصد کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ان پر ذرا کان لگایئے اور پھر دل میں درد، دیدہ میں بیداری، پیروں میں تیز گامی، ہاتھوں میں سرعتِ عمل، سینہ میں سوزش پیدا کیجئے۔ نہایت ادب سے میری التجا ہے کہ آپ میرے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ پر نہ جائیں۔ میں فصاحت و بلاغت کے پیچدار راستوں اور دشوار گھاٹیوں سے محض ناواقف ہوں۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ اس درد کا احساس فرمائیں جس نے کمزور زبان سے مضامینِ ذیل ان پریشان کلمات سے ادا کرائے ہیں۔

حضرات! اب وہ وقت نہیں رہا کہ محض جلسے کیے جائیں، مجمع بنائے جائیں، پنڈالیں مزین ہوں، فصیح اور بلیغ تقریریں سُنی اور سنائی جائیں، لیکچراروں کی طراریوں اور خطیبوں کی گرج سے پنڈال گونج اُٹھے، اور پھر ٹھنڈے دل سے ہر شخص اپنے اپنے گھر جا کر میٹھی نیند سو رہے۔

حضرات آج وہ وقت آپڑا ہے جس کی برقِ جہاں سوز نے خرمنِ اسلام ہی کو نہیں بلکہ دنیائے مشرق کے بڑے حصہ کو خاکستر بنا دیا ہے اور باقی ماندہ کو تہ و بالا کر دینے کی ہمہ تن تیاری کر رہی ہے۔ گرداب بلا نے فقط محمدی ہی کشتی کو نہیں بلکہ ایشیائی اور افریقی جملہ جہازوں کو بھی اپنے بھنور میں اس طرح گھیر لیا ہے کہ ملاحوں کے چھکے چھوٹ گئے، خلاصیوں کے ہاتھ پیر سرد ہو گئے، رہنماؤں کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ زمانہ کی تاریکی، گھٹاؤں کی ظلمت، موجوں کی کثرت اور بادِ مخالف کی شدت نے جہاز رانوں کو مایوسی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

اے علماء کرام! اور اے رہروانِ قافلۂ اسلام! کیا اب بھی آپ کو ان غرق کُن تھپیڑوں کا احساس نہیں؟ کیا ایسی صواعق محرقہ بھی آپ کو بیدار نہیں کر سکتیں۔ کیا اس سے بھی کسی شدید اور مہلک بگولے کا آپ کو انتظار ہے۔ ذرا آنکھیں کھولیے، دائیں اور بائیں نگاہیں دوڑائیے خوابِ خرگوش سے بیدار ہو جیئے، دیکھیے وحشی بھیڑیوں نے عالم میں کیا ادھم مچا رکھا ہے۔ کس طرح سفاک قومیں عالمِ اسلام اور دنیائے ایشیا و افریقہ کا خون نہایت بیدردی سے پی رہی ہیں۔

عرشِ خلافت متزلزل ہوگیا۔ آفتابِ مقاماتِ مقدسہ گہن میں آگیا۔ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرح کے مصائب کی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے۔ آپ ہیں کہ انہیں نفسانی جھگڑوں میں سرشار انہیں فروعی اختلافات میں مدہوش، انہیں قدیمی نزاعات اور خیالی مخاصمت میں روز و شب مست۔

آپ کو خبر بھی ہے کہ افرادِ امت اور ان ضعفاءِ ملت کی جملہ بہبودیوں کی ذمہ داریاں آپ ہی سے سربستہ ہیں۔ اگر فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (اور کیوں نہیں نکلتی ہر فرقہ سے ایک جماعت تاکہ دین سیکھے اور سمجھے اور پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو ڈرائے) مسائل کے سیکھنے اور سمجھنے کے وجوب کی خبر دیتے ہوئے قوم کو ہر مہلک طرزِ عمل اور ہر زہریلی چیزوں سے بچانا اور ڈرانا آپ کا فرضِ منصبی ہونا بتلا رہی ہے تو آیت وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الآیۃ (چاہیئے کہ تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت پائی جائے جو کہ بھلائی کی طرف قوم کو بلاتی رہے اور اچھی چیزوں کا حکم کرے بُری چیزوں سے بچائے) ہر خوشگوار مفید قوم عمل اور ہر باعثِ نجاح دنجات کام کی طرف بلانا بھی آپ کا ضروری و لازمی وظیفہ باآوازِ دہل کہہ رہی ہے۔ اگر حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم الحدیث (علماء وارث انبیاء کے ہیں انبیاء نے اپنے وارثوں کے لیے روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا فقط علم چھوڑا ہے) آپ کو حضرت خاتم النبیین جامع سیاست شریعت علیہ السلام کا جانشین بتا رہی ہے تو دوسرے طریقہ پر یہ بھی کہہ رہی ہے کہ قوم کی فکر اور امت کے اعمال میں درجہ بدرجہ آپ کو سرگرداں اور شب و روز اُفتاں وخیزاں رہنا بھی لازم ہے آپ کبھی وارثِ نبوت نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے مورث حضراتِ انبیاء کی طرح قوم کی بہبودی کی فکروں میں اپنی نیند کو اُچاٹ، اپنی راحت کو سلام، اپنی طمع اور خواہش کو برباد اپنی زندگی کو وقف نہ کر دیں۔

کیا آپ کے کانوں کے کھٹکھٹانے کو حطلاو واللہ لتامرن بالمعروف وتنھون

عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق قصراً او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم یلعنکم کما لعنھم (خدا کی قسم ہرگز تم معذور نہ سمجھے جاؤ گے اور نہ عذاب سے بری ہو سکو گے یا تو بھلی باتوں کا حکم دے کر لوگوں کو اس کی طرف بلاؤ۔ بُری باتوں سے بچاؤ۔ ظالم کے ہاتھوں کو پکڑلو۔ اس کو بھی حق پر دست اندازی کرنے سے روکو۔ اس کو حق کی حدود سے آگے بڑھنے نہ دو ورنہ خدا کے تعالیٰ تمہارے دلوں کو انہیں ظالموں کے دلوں جیسا کرتا ہوا تم پر بھی لعنت کی بارش انہیں کی طرح برسائے گا) کافی نہیں! اٹھیے اور اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کے مصداق بنیئے اور عتاب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ الآیۃ۔ (اے ایمان والو تم کو کیا ہوگیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اٹھو اور اللہ کے راستہ پر چل پڑو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہوجاتے ہو کیا تم کو آخرت کی پُرلطف زندگی کے بدلہ میں دنیاوی بے مزہ عیش بھلا معلوم ہونے لگا ہے۔ جان لو کہ دنیاوی عیش آخری زندگی کے سامنے بہت ہی تھوڑا ہے اس سے بچئے اور بچائیے۔

انہیں ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے علماء ہند نے ہر ہر شہر اور ہر ہر صوبہ سے متفق ہو کر ایک جمعیتِ علماء قائم کی ہے تاکہ پبلک کے علماء ہمیشہ اس میں جمع ہو کر مسلمانوں اور اسلام کے متعلق ہر زمانہ کے حادثات پر غور و فکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی بہبودی اور خیر اندیشی کا طرزِ عمل اختیار کریں اور پھر اس کی شاخیں ہر صوبہ میں اور ہر صوبہ کی جمعیت علماء کی شاخیں ہر ضلع میں قائم ہوں جو کہ مسلمانوں کی تمامی اور مذہبی ضرورتوں پر غور و خوض کرتے ہوئے ان کی بھلائی اور اصلاح کی ہر طرح کوشش کریں۔

(۱) مقدس پیشواؤ! محمدی گلہ کے خوش انجام چرواہو یہ وقت فرضیت اور استحباب رخصت اور عزیمت موالاۃ اور متعلقات کی لاطائل بحثوں میں ضائع کرنے کا نہیں۔ قرآن شریف کی واضح آیتوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنانِ دین کے ساتھ مقدس

منزل سے کارناموں کو آگے رکھتے ہوئے قدم بڑھایئے۔

میں آپ حضرات پر اپنی معروضات پیش کرتا ہوا خصوصاً اس وجہ سے نہایت شرماتا ہوں کہ آپ کے سامنے کچھ بھی عرض کرنا "حکمت بلقمان آموختن" اور گونہ آب شیریں بفرات بُردن" ہے، لیکن بحکم ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ عرض کرنے سے باز رہنا بھی کسی طرح جائز نہیں سمجھتا کہ مسئلہ خلافت مذہب اسلام میں کوئی نیا اور کمزور مسئلہ نہیں ہے اگر یہ آیت وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً الآية۔ اس مسئلہ کی اہمیت اور اقدمیت کی خبر دیتی ہوئی غلط فہمیوں پر زجر و توبیخ اور بوجہ عناد و ادائے حقوقِ خلافت میں کوتاہی کرنے والوں کے راندۂ درگاہِ خداوندی اور مطرود و ملعون ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

امت محمدیہ میں مثل زمانہائے سابقہ خلافت کے بقاء، دین حق کے رکھنے والے اقتدارات خوف اور ضعف کے ازالہ امن اور قوت کے دے دینے کا مکمل بتلاتی ہوئی دوسرے طریقہ پر وجوہ اقتدار کو خلافت میں شرط اور لازم بتلا رہی ہے۔

صاحب درمختار ابتدائے باب الامامۃ میں امامت کبریٰ اور صغریٰ کی تقسیم کرتے ہوئے ونصبہ ای الامام والخلیفۃ من اھم الواجبات فرما رہے ہیں جس سے امت اسلامیہ پر سب سے اہم ترین فریضہ خلافت کا قائم کرنا معلوم ہو رہا ہے۔ شرح مواقف شرح مقاصد اور دیگر کتب کلام اور فقہ میں ایسی ہی عبارتیں موجود ہیں آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں جب کہ ابتدائے امر خلافت اس قدر اہم اور وقیع ہوگا تو اس کے باقی رکھنے، حفظ اور اقتدار کی کوشش کرنے کی ضرورت کس درجہ ہوگی۔

نوافل کا بعد شروع پورا کرنا جب کہ واجب ہو جاتا ہے تو اہم الواجبات کا جو حال۔

ہونا چاہیئے۔ ہر عاقل خود ہی اندازہ کر سکتا ہے اسی لیے تو سرورِ کائنات علیہ السلام فرما رہے ہیں اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاٰخر منہما (رواہ الشیخان) (جب کہ دو خلیفوں کے لیے عہد و پیمان لیے جاتے ہیں تو پچھلے کو قتل کر ڈالو) ذرا غور فرمائیے، خلیفہ اوّل کے بقاءِ اقتدار کے لیے یہاں پر فقط اسلامی حرام خون کو حلال ہی نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ واجب الاراقۃ فرمایا گیا ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں صحاح میں موجود ہیں۔ جس کو بخوفِ طوالت ذکر نہیں کیا جاتا۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ یہ فریضہ تو یہ ہر حالت اور ہر ملک میں فرضِ عین ہی رہے گا نہیں نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ مل کر شامل اور عام ہو تا رہے گا۔ اگر دوسری مسلم قومیں اس کام کو انجام دے لیں گی تو شرقاً و غرباً تمام مسلمان سبکدوش ہو سکیں گے۔ ورنہ ہر ایک مسلمان کی گردن کو بوجھ ثقیل بوجہ توڑتا رہے گا جو شخص حسبِ طاقت اس میں حصّہ عمل سے جان چرائے گا۔ قیامت میں نہایت دکھ دینے والے عذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت زیادہ شرمندگی کا مستحق ہو گا۔

حضرت سرورِ کائنات فخرِ عالم علیہ السلام کی وفات پر بعد صدمات کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو فکر دامن گیر ہوئی وہ بھی خلافت کی فکر اور اس کی چارہ جوئی تھی۔ وہ صحابہ جن کے مناقب فقط قرآن ہی میں نہیں بلکہ انجیل، توریت، زبور میں بھی نہایت باوقعت الفاظ سے ذکر کیے گئے ہیں، وہ اسلام جس کے محافظ فقط مسلمان ہی نہیں بلکہ بنصِ قرآنی خود خداوندِ عالم اس کا پاسبان ہے۔ وہ جماعت جو بنصِ نبوی کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی تھی۔ جنازۂ حضرت فخرِ عالم علیہ السلام کو تخت پر بلا تجہیز و تکفین چھوڑتی ہوئی خلافت کے قائم کرنے میں جان توڑ کوشش کر رہی ہے۔ اگر بفرضِ جملہ فرائض میں اعلیٰ اور اقدم نہ تھا تو کیوں ایسا ظہور میں آیا۔

حسب نصِ نبوی الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ ثم یکون ملکا عضوضا دفی آخر خلافۃ النبوۃ من بعدی ثلثون سنۃ (خلافتِ راشدہ میرے بعد ۳۰ برس تک رہے گی۔ اس کے بعد حریصانہ بادشاہت ہو جائے گی، خلافتِ کاملہ جو کہ

از سرتاپا نبوت کے رنگوں سے پوری طرح رنگین ہے۔ رسالت کی شعاعوں سے اُس کا ہر بُن مو جگمگاتا ہوا تھا۔ سلسبیلِ پیغمبری اس کے ہر رگ و پے میں رچی ہوئی تھی۔ ابتدائی طریقہ پر ۳۰ برس رہاتی رہی۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا زمانہ اختتام کو پہنچا تو اس نے دوسری رنگت اختیار کی جس میں نہ وہ کمالِ رنگینی تھا اور نہ وہ اتصال اس میں کچھ بادشاہت کی تاریکیوں کے دھبے نمودار ہونے لگے۔ وہ چکا چوند کرنے والی بجلی ہو کر چمکتی رہی، تو کبھی خواہشات اور مطامعِ دنیاوی کی گھٹاؤں میں روشنی بھی ہوتی رہی۔ اگرچہ اس کی تیز شعاعوں نے جو رو جفا کی تاریکیوں پر کبھی جھاڑو پھیر دی تو کبھی کبھی وہ ایسے جھنور میں پھنس کر تہ آب بھی ہوتی رہی۔ اسی طرز پر اُن بارہ خلفاؤں نے عالمِ اسلام کے روشن کرنے کی خدمت پوری فرمائی جن کو شیخین وغیرہ اس روایت میں ذکر فرما رہے ہیں۔ لا یزال ھٰذا الدّین عزیزاً یکون علیہم اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش (یہ دین اس وقت تک شوکت اور دبدبہ میں پرورش پاتا رہے گا جب تک کہ قریش سے اس میں بارہ خلیفہ ہو جائیں) اپنی چمکدار اور رنگین خلافت کا آفتاب آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذریعہ سے تمام عالم کو روشن کرے گا جس کے بعد اس کا مکان نہایت چٹیل اور کانٹے دار نظر آتا ہے۔ یہ شرف بے بہا حسب وعدہ ابراہیمی اور حسبِ ارشادِ قرآنی جناب باری عز وجل نے قریش کو اس وقت تک عطا فرمایا جب تک وہ اپنے آقا کے سچے دین کی خدمت میں سرگرم رہے۔ مگر جب کاہلی اور تن پروری کی تیرہ تاریک راتوں میں شریعت کی روشن مشعل کو چھوڑ بیٹھے اور خواہشاتِ نفسانی اور لذائذ جسمانی کے گڑھوں اور گہری خندقوں میں ٹھوکریں کھانے لگے عیال اللہ یعنی خلقِ خداوندی کی حاجتوں سے غافل بن بیٹھے تو حسبِ روایت بخاری ان ھٰذا الامر فی قریش ما اقاموا الدّین (یہ قریش ہی میں اس وقت تک رہے گا۔ جب تک کہ وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔ وہ ستارۂ بادشاہی اور آفتابِ نیابتِ نبوی قریش ہی نہیں بلکہ جملہ عرب سے بیزار ہو کر پھر ایسی قوم کے سر پر آ چمکا جن کو سعادتِ ازلی نے گویا اسی کام کے لیے بنایا تھا اور اشاراتِ نبوت سے کئی صدیوں پیشتر ہی اترکوا الترک ما ترکوکم کے معزز

خطاب سے ان کی قدر افزائی فرمائی تھی جس سے اُن کی سعادتِ ازلی کی تلمیع نہایت روشن طریقہ پر ہو رہی ہے اس قوم نے ایشیائے کوچک وغیرہ کے فقط ان حصوں ہی سے دشمنانِ اسلام کو نہیں نکالا جو کہ پہلے اسلامی ممالک تھے اور پھر دشمنوں نے غاصبانہ قبضہ کرتے ہوئے اُن کو اپنے وحشیانہ سلوک کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا بلکہ آہستہ آہستہ اُن کے عملوں اور مظالم نے تمام دنیائے اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے اصل ممالک میں بھی داخل ہوئے اور ایسی کوئی شاہراہ یا گھاٹی ان بھیڑیوں کے لیے نہ چھوڑی جن سے وہ گمراہ ہو کر اسلام کی بکریوں پر اپنے دانتوں کو تیز کر سکیں۔ انہوں نے اپنے خون کو پانی کی طرح بہایا، مگر اسلام پر صدمہ نہ آنے دیا۔ اپنی جانوں کو گرد باد کر کے اڑا دیا، مگر اسلامی شوکت اور دبدبہ کے بال کو بیکانہ ہونے دیا۔ مسلمانوں نے اپنی چھاتیوں کو مسیحی وحشیوں کی سنگینوں سے چھلنی بنا دیا، مگر کلمہ گویان کی عزت وحرمت کو نہ جانے دیا۔ مسلمانانِ عالم کو بے فکری کی نیند میں سولایا۔ انہوں نے اپنی حور وش، پری چہرہ، خوبصورت نازک اندام، نوجوان بیویوں کو بے یار و غمگسار رانڈ کر دیا، مگر اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہ ہونے دیا جن گھاٹیوں سے صلیبی وحشیوں کے سیلاب ہمیشہ سے آتے رہتے تھے۔ وہاں سدِّ سکندری بن کر بیٹھ گئے۔ اسی کو اپنا پایۂ تخت اور تمام قوتوں کا مرکز بنالیا۔ اسلامی پھریرے کو اڑاتے ہوئے نصف یا اس سے زائد حصۂ یورپ میں اللہ اکبر کا غلغلہ مچا دیا۔ غازیانِ ترک ہی وہ ہیں جنہوں نے وائنا، ہنگری، مجارستان، پولینیا کے میدانوں میں تکبیر کے نعروں سے مسیحی بھوتوں کے ہوش وحواس گم کر دیے تھے۔ مجاہدینِ ترک وہ قوم ہیں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی سچی اور ہیبت ناک آوازوں سے یورپ کے عفاریت کے سنگین سے سنگین دلوں کو کپکپایا ہے۔ مخلصانِ ترک ہی وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اسلامی سرخ جھنڈوں کو آسٹریا، بوسنیا یونان، رومانیہ، سرویہ، مانٹی نگرو وغیرہ کے بلند قلعوں اور فلک نما پہاڑوں کی ہوا پر اڑایا ہے۔ مومنانِ ترک ہی وہ سچے عاشق اور شیدائے محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے خون بہاتے ہوئے باندویا، البانیا، اٹالیا، ہرسک وغیرہ کے کوہساروں کو اپنے شیرانہ نعروں سے لرزایا ہے۔ ابھی ابھی کی بات ہے کہ یورپ میں اگر ماں بچے کو رونے سے چپ

کرآتی تھی تو کہتی تھی کہ چُپ وہ دیکھ ترک آ گئے۔

حضرات یہی وہ گناہ ہے جس کو یورپ ترکوں کے لیے کسی طرح قابلِ معافی نہیں سمجھتا۔ وہ فقط ترکوں کی قوت و شوکت کے زائل ہونے سے اپنی آنکھوں اور دلوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکتا بلکہ خواہش مند ہے کہ دنیا میں کسی ترکی ہستی کا وجود اور نمود ہی نہیں رہے۔ آخر بلغاریہ وغیرہ بھی ترک نسل سے ہی ہیں، مگر کسی یورپین کو ان سے عداوت نہیں بلکہ بجائے عداوت ان سے ہر طرح کی ہمدردی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ترکوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا مگر مسلمانانِ عالم کو میٹھی نیند سولایا۔ انہوں نے اپنی جان و مال عزت و آبرو کو برباد کیا، مگر صلیبیوں کے وحشی کارناموں سے مسلمانوں کو بچاتے رہے ان کا ضعیف ہونا تھا کہ چاروں طرف سے یورپین بھیڑیئے عالمِ اسلام ہی پر نہیں بلکہ اسلامی دنیا پر بھی پل پڑے۔ نہ افریقہ ان کی وحشتوں سے رہ سکا نہ ایشیا، نہ ممالکِ اسلامیہ یورو پیہ و جزائر و بحار، آخر کار نوبت با ینجا رسید کہ آج ہر قوم اور ہر مذہب یورپین نظروں میں مسلمانوں سے قومی عزت دار نظر آنے لگا۔ غرض کہ اگر عرب نے حسبِ تصریح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سورۂ معارج چھٹی صدی تک پانچ سو سال عزت و شوکت اسلام کی پاسبانی کی تھی اور شوکت و دبدبۂ خلافت کے محافظ اور حامئ آئینِ نبوت ہوئے تھے تو انہیں کی تصریح کے موافق ساتویں صدی سے دوسری پنج صد سالہ میں قوت اور عظمتِ اسلام کی حمایت ان تاجداروں سے ظہور میں آئی۔ اس لیے وہ بیشک و بلا شبہ شایانِ خلافت اور مستحقین جانشینی ہیں۔

ابتداء خلفائے عباسیہ مصریہ نے شاہانِ ترک کو سلطانِ روم کا لقب عطا فرمایا اور پھر عہدِ سلطان سلیم یاوز مرحوم و مغفور میں جملہ تبرکات نبویہ اور حرمین شریفین کی کنجیاں وغیرہ دیتے ہوئے ان کو ملقب بخلافت کیا۔ مشرق سے مغرب تک کے مسلمان اور غیر مسلم قومیں اب تک ان کی خلافت کی مقر رہی ہیں اور معاہدات دول میں ہمیشہ اس کا اعتبار ہوتا رہا۔ آپ اگر بنی اُمیّہ اور بنی العباس کی تاریخوں سے خلفائے آلِ عثمان (اتراک) کی تاریخوں کا مقابلہ فرمائیں گے، تو

سلاطینِ آلِ عثمان کے دامنوں کو بہت سے اُن عیب دار دھبوں سے پاک و صاف پائیں گے جن سے بنی اُمیہ اور بنی العباس کے دامن آلودہ ہیں۔ مزید برآں ان کے تاجوں میں جانبازی اور اسلام پروری امکنہ مقدسہ کے احترامات کے لیے چمکدار اور بے بہا لعل بھی بہت سے ملیں گے۔ جس کا ان کے تاجوں میں پتہ بھی نہیں تھا۔ ہاں اور مسلمانانِ ہند کی تاریخوں کی ورق گردانی کیجیے، وہ بھی ہمیشہ خلافتِ عربیہ اور اس کے بعد خلافتِ ترکیہ کے معتقد اور نام لیوا پائے جاتے ہیں۔ آج جب کہ یورپ کے غیر منصفانہ رویہ سے سریرِ خلافت تزلزل میں آ گیا ہو تو کیا مسلمانانِ ہند پر مذہبی حیثیت سے فرض نہ ہو گا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے ان کی مدد کریں اور آئندہ سے ایسے طرزِ عمل کی فکریں کریں جن سے اُس میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہو اور نہ اُن کے ہندوستانی بھائی اُن کے زوال کے طرز میں حصہ لے سکیں اور نہ ان کے کمائے ہوئے مال سے خلافت ذبح کی جا سکے۔ نہ ان کی آواز بقاء و اقتدار خلافت میں اس قدر کمزور ثابت ہو سکے جو اب تک ہوئی یا اب تک ہوتی رہی ہے۔

(۲) میرے مقدس مذہبی پیشواؤ! آپ کو معلوم ہو گا کہ حسبِ ارشاد قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ الآیۃ۔ (اللہ کے راستوں میں اُن لوگوں سے قتال کرو جو کہ تم سے قتال کرتے ہیں) اور بوجہ دیگر آیات و احادیث جملہ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ مقرر ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے کسی شہر پر اگر دشمنانِ اسلام ہجوم کریں، تو ارد گرد کے جملہ مسلمانوں اور بلا استثناء عورت مرد بچے بڑے سب پر فرضِ عین ہو جاتا ہے کہ دشمنوں کو دفع کریں اور مسلمانوں کے ملک، مال، جاہ، عزت اور جان کی محافظت کریں۔ ارد گرد کے رہنے والوں میں قدرت نہ ہو یا وہ کاہلی برتیں، تو ان کے گرد و نواح پر اسی طرح ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ مشرق سے مغرب تک یہ فریضہ پھیل جاتا ہے اور ہر شخص پر اس کی قوت اور استطاعت کے بموجب کوشش اور سعی بلیغ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

پھر کیا آپ ایسے وقت میں جب کہ تھریس، سمرنا، اوالیہ، اناطولیہ، سوریہ، عراق وغیرہ میں عالمِ اسلامی پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ شرعی حیثیت سے کسی طرح اپنے آپ کو سبکدوش ثابت کر سکتے ہیں اور کیا کسی طرح آپ پر حلال ہو سکتا ہے کہ گھر بیٹھے میٹھی نیند سویا کریں۔ خدا کے یہاں کیا جواب ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مُنہ دکھاؤ گے۔ آخر جتنی طاقت

ہو اتنی تو حرکت تو کیجئے۔

درمختار فتح القدیر، باب الجہاد کا مطالعہ کیجئے اور نفیر عام کے مفہوم پر غور کیجئے، احادیث نبوی کے الفاظ پر روشنی ڈالیے۔

(۳) میرے پیارے مذہبی دوستو کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شامی باب الجہاد میں ہے و عن البزازیۃ سبیت مسلمۃ بالمشرق وجب علی اھل المغرب تخلیصھا من الاسر الخ (اگر کوئی مسلمان عورت مشرق میں اسیر کی گئی تو تمام مسلمانوں پر شرقاً اور غرباً اس کا چھڑانا فرض ہو جاتا ہے) پھر کیا اس جنگ میں مسلمان عورت اور بچے عراق، حجاز، سوریہ وغیرہ سے اسیر نہیں کیے گئے۔ خود مکہ معظمہ، جدہ، طائف وغیرہ سے کئی سو عورتیں اور بچے اور لڑکیاں اسیر کی گئیں اور اختتام جنگ تک مصر وغیرہ میں زیر اسارت مخصوص قید خانوں میں رکھی گئیں۔ آپ نے اس فریضہ سے غلامی کی نسبت گذشتہ اور آئندہ زمانہ میں کیا غور و فکر کیا ہے۔

(۴) میرے مقدس پیشواؤ! آپ کو معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم اقتدار کے جزیرۂ عرب میں نہ باقی رکھنے کی آخری وصیت فرمائی تھی۔ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (رواہ مسلم) (یہود اور مسیحی قوموں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو) اسی معنی میں مختلف الفاظ سے روائتیں صحاح میں موجود ہیں۔ پھر کیا آپ کو کسی طرح جائز ہو سکے گا کہ وہاں پہ یورپین اقتدار کا عظیم الشان اثر ہو، اور آپ سونٹھ کی ناس لے کر گھروں کے کونوں میں پڑے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر کس طرح منہ دکھائیں گے۔

شریف مکہ کی ہستی

شریف حسین وہاں پر مثل نواب حیدر آباد و راجگانِ مالوہ ایک محکوم حکمران ہے، بلکہ ان نوابوں اور راجاؤں سے بھی کمزور اور بے دست و پا ہے۔ ان کے ملک میں تو اس قدر مال اور غلہ بھی ہے جس سے وہ اپنی بسر اوقات کر سکتے ہیں، مگر شریف کے ملک میں نہ اموال ہیں اور نہ غلہ کی اس قدر پیدائش کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنی اور اپنی رعایا کی زندگی کا تکفل کر سکے، بلکہ اگر

برطانیہ اپنی داد و دہش بند کرے تو زندگی بھی دشوار ہو جائے۔ ان دنوں تو وہاں کی حالت یہ ہے کہ عہدہ داروں کو دو دو تین تین ماہ کی تنخواہ نہیں ملتی، گرانی نہایت سخت ہے۔ پھر کیا وہ کٹھ پتلی کے بادشاہ سے زیادہ وقعت رکھ سکتا ہے۔

(۵) آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہوگا کہ جو کچھ عالمِ اسلام پر بیرونجات میں خصوصاً خلافت پر واقع ہوا وہ ہمارے اور تمہارے ہی ہاتھوں کا نتیجہ ہے۔

مسلمانوں نے اسلام کے ساتھ کیا کیا؟

ہماری ہی فوجوں نے وہاں مسلمانوں پر گولیاں چلائیں، توپوں کو برسایا، مشین گنوں کو پھرایا، خندقیں کھودیں، مسلمانوں کو لوٹا، گھروں کو برباد کیا، دشمنانِ دین کو ہر طرح امداد دی کیا آپ خیال کرسکتے ہیں کہ ہم کسی طرح اس کے عذابِ الیم سے نجات پا سکتے ہیں؟ ہاں اگر آئندہ کے لیے انتظام کرتے ہوئے سچے دل سے اعتقاداً اور عملاً توبہ کا اظہار کریں تو البتہ کچھ امیدیں ہوسکتی ہیں۔ کیا علماء پر ہمیشہ سے عموماً اور وقتِ جنگ میں خصوصاً فرض نہ تھا کہ وہ عام پبلک پر ظاہر کرتے ہوئے گوشہ گوشہ گاؤں گاؤں تبلیغ کردیں کہ ایسی نوکری تم کو حلال نہیں اگر حلال سمجھوگے اور مسلمانوں کو قتل کروگے تو ایمان جاتا رہے گا، کافر مروگے، دوزخ کے ہمیشہ کے لیے کندے بنوگے، کیا ہم کو اپنے ضعف کا عذر خدا کے یہاں سرخرو کرسکے گا۔ آخر افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر (سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہا جاوے) کس دن اور کس وقت کے لیے تھا۔ جب حسبِ زعم خود گورنمنٹ ہم کو مذہبی آزادی پوری طرح سے مل رہی ہے تو پھر ایسی تبلیغ قانوناً ممنوع نہ ہونا چاہیئے۔

مخالفینِ ترکِ موالات سے سوال

مسائلِ حاضرہ کی مخالفت کرنے والے اپنی اپنی تالیفوں اور تحریروں کی بارش کرتے ہوئے خیر خواہی کا دھوکہ دے رہے ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو کیوں نہ ان متفقہ مسائل کو اسی طرح

دھواں دھار بارش تالیفات سے پھیلاتے رہے۔ کیا اس بھرتی کے وقت میں چندہ اور قرضِ جنگ کے زمانہ میں ان کا کوئی رسالہ یا اشتہار ان حرام چیزوں سے روکنے کا دنیا میں پایا جاتا ہے؟

(۶) اے میرے معزز رہنماؤ! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جناب سرورِ کائنات علیہ السلام فرماتے ہیں من حمل علینا السلاح فلیس منا (رواہ فی الصحاح) (جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے (مسلمان) نہیں) پھر وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ (جس شخص نے قصداً کسی مسلمان کو قتل کیا تو اس کی جزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ جل شانہ کا غصہ اور لعنت ہو گی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت درد دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔)

اے حضرات کیا آپ پر حسبِ ہدایت مذکورہ سابقہ اور حسبِ قولِ نبوی الدین النصیحۃ الحدیث تمام مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی فرض نہ تھی کہ ان کو عذابِ خداوندی سے بچائیں۔ اور ان کے ایمان اور دین کی محافظت کرنے کے لیے ہر زمانہ میں فکریں کریں۔

(۷) میرے عزیز بھائیو! اس جنگ میں جب کہ مسلمانوں کا خون بہایا جاتا تھا مقدس مقامات کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ خلافت کی رہی سہی شوکت برباد ہو رہی تھی اور اسلامی ممالک چھینے جا رہے تھے۔ آپ کے ملک اور بھائیوں سے کروڑوں روپیہ چندہ جنگ میں لیا گیا اور اسلام کی بربادی مشرق کی خرابی انسانی دنیا کی خاکستری، تہذیب و تمدن کی سوختگی میں صرف ہوا، کیا آپ کا فرضِ منصبی اس وقت سے اب تک یہی سکوت تھا۔ کیا یہ چندہ دینا مذہبی حیثیت سے حرام نہ تھا۔ اس مقام پر بعض جہلا کا اس جنگ کو سیاسی قرار دینا اور فوجوں کے بھرتی ہونے اور لڑنے کو جائز رکھنا، چندوں کا دینا دلانا محض ناواقفیت اور حماقت پر دلالت کرتا ہے۔

اسلام اور کفر میں جو جنگ ہو خواہ مدافعانہ ہو یا جارحانہ اسلامی نقطۂ نظر سے اعلاء کلمۃ اللہ اور مذہبی ہونے سے خالی نہیں رہ سکتی اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود صدر اعظم برطانیہ لائڈ جارج اس جنگ کو مذہبی اور صلیبی قرار دیتے ہوئے، ان مفتیوں کے چہروں کو دنیا اور آخرت میں سیاہ کر رہا ہے۔ بالفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

" جنرل ایلن بی کا نام بحیثیت ایک ایسے شاندار سپہ سالار کے ہمیشہ مشہور رہے گا جس نے آخری اور سب سے فاتحانہ صلیبی جنگ لڑی اور فتح پائی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اپنی قابلیت سے اُس مہم کو نہایت شاندار خاتمہ پر پہنچایا جس نے صدیوں تک شجاعانِ یورپ کو مصروفِ کارکر رکھا تھا۔ اب ہم بھول گئے کہ یورپ کی تمام فوجی طاقت پُشت ہا پُشت تک اس مقصد کی خاطر بے سود صرف ہوتی رہی تھی اور ایک انگریزی فوج نے جنرل ایلن بی کی ماتحتی میں اس کو حاصل کر لیا۔"

کیا اب بھی سیاسی جنگ کا فتویٰ دینے والے اور اس بنا پر اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرنے والے خدا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل اور منہ بھر بھر کر اسلامی دعوؤں کے مدعی بن سکتے ہیں اور اپنی اور قوم کی خیراندیشی سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

(۸) اے مذہبی مقدس حضرات آپ کو معلوم ہے کہ قرآن بآوازِ دُہل کہہ رہا ہے۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (جیسے دشمنانِ اسلام اہلِ شرک جتھے باندھ کر تم سے لڑتے ہیں اور سب متفق ہو جاتے ہیں۔ تم بھی جتھے باندھ کر مجتمع ہو کر ان سے لڑو)

آج آرمینیوں، یونانیوں، سرویوں، مانٹی نگریوں وغیرہ کی مدد کے لیے تمام صلیبی دنیا باستثنار چند اسلام کو برباد کر رہی ہے اور سب ایک کلمہ ہو کر خلافت کی جڑ کھود رہے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو کسی جگہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ مظلوم اور بیکس مسلمان بھائیوں کا ایسے نازک وقت میں ساتھ چھوڑ دیں اور امکانی طریقہ سے بھی مدد نہ کریں، اے حضرات آیتِ مذکورہ کے مفہوم پر غور کرتے ہوئے غیرتِ اسلامی اور حمیتِ مذہبی کو کام میں لایئے اور خلافتِ مظلومہ اور اپنے بھائی مسلمانانِ روم و ترک کے یتیم بچوں، رانڈ عورتوں، بے خانماں بڈھوں اور بڑھیوں، جن کی عزت ملک و مال، قوت و شوکت وغیرہ وغیرہ سب دشمنوں نے برباد کر دیا ہے۔ ان کی مدد کے لیے کھڑے ہو جایئے اور دوسروں کو بھی آمادہ کیجیے۔

حضرات یہ ہیں وہ مذہبی سوالات جن کی طرف ممالکِ خارجیہ اور حمایتِ اسلام بلاد کی بنا پر آپ کو توجہ کرنا ازحد ضروری ہے اور جو طریقہ اس باب میں اپنی قوم کی بہبودی اور

خیراندیشی کا ممکن ہوسکے اس میں پیش قدمی کرنا سب سے اوّلین فرض ہے۔

قوم اور علماء قوم نے اِس حالتِ زار کا احساس کرتے ہوئے ہر ممکن طریقہ کو عمل میں لانا چاہا اور بتیس کروڑ کی ایک متفقہ آواز بلند کرائی۔ ان عہود اور وعدوں کے ایفاء کی درخواست کی۔ جو اثناء جنگ میں کئے گئے مطالبات کے لیے لنڈن وفد بھیجا مگر سب عہود اور پیمانات توڑ دیے گئے۔ تمام ملک کی متفقہ آواز ٹھکرا دی گئی۔ وفد کی ہر طرح اہانت و تذلیل کی گئی (عہود کی تفصیل سے آپ کو اس شبہ کا بھی جواب مل جائے گا کہ ہم کو گورنمنٹ کی ذمہ داری کی وجہ سے کسی قسم کی آواز مخالف منشاء گورنمنٹ نکالنی جائز نہیں۔ ادھر ذرا اپنے پیارے وطن کی طرف آنکھ اٹھایئے۔ گھر سے نکلیے، دیکھیے عالم میں کیا ہو رہا ہے۔

اے حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ قرآن نہایت بلند آواز سے تمام اسلامی دنیا کو کافروں کے پاس اپنے جھگڑوں کے لے جانے اور ان سے فیصلہ کی خواستگاری سے منع کر رہا ہے۔ ایسے اشخاص کو شیطان کا متبع اور منافقین کے الفاظ سے یاد کرتا ہوا ایمان کی حدود سے نکل جانے کی دھمکی نہایت سخت الفاظ میں دے رہا ہے، سورۂ نساء میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا. وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (اے محمد علیہ السلام کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ اپنے مقدمات کو شیطان (کفار) کے پاس فیصلہ کے لیے لے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کو حکم ہے کہ شیطان (کفار) کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف آؤ تو تم منافقین کو پہلوتہی کرتے دیکھو گے۔)

دوسری جگہ فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا

شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

(پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں آپ سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شریعت سے) فیصلہ نہ کرا دیں۔ اور پھر اس تصفیہ کے بعد اپنے دلوں میں تنگی نہ پاتے ہوئے پوری طرح مطمئن ہو جائیں)

کیا آپ ان آیات وغیرہ کے نفیر عام الفاظ پر غور فرما کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج ہندوستان میں جب کہ ہر جگہ قوانین خلاف شرع اور مخالفِ ما انزل اللہ ہیں اور حکام اس پر اعلانیہ حکم کر رہے ہیں۔ کہیں مسلمان کو اپنے جھگڑے عدالتوں میں لے جانا جائز ہیں اور کیا ایسی تجویز کی صورتوں میں ایمان کی سلامتی پوری طرح باقی رہ سکتی ہے۔ پھر مسلمانانِ ہند کے اس گرداب بلا سے نکالنے کی آپ نے کوئی فکر کی یا نہیں۔

اس وقت میں میں آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ قوانین کے خلافِ شرع اور حکام کے غیر مسلم حاکم بغیر ما انزل اللہ ہونے کے علاوہ رشوتوں کی گرم بازاریوں، وکلاء و مختاروں کی جعل سازوں، ان کے جھوٹ اور ظلم، مکر اور فریب کی تعلیموں اور گواہوں کی دروغ بیانیوں، پولیس اور اہل کاروں کی بیجا تشاحتوں، ظالم گورنمنٹ کے مختلف ٹیکسوں، حکام کی تواریخ ظلم وغیرہ کی تعبیروں۔ پھر قانون کی پیچیدگیوں کی وجہ سے ایک حاکم سے دوسرے بڑے حاکموں کے پاس اپیلوں وغیرہ کی قباحتوں اور دیگر مصائب کو بھی آپ پس انداز نہ کریں گے، جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کہاں تک عدالت گستری اور رعا کی خوش حالی اور ترقی کا موجودہ گورنمنٹ ذمہ لے رہی ہے اور ہماری دیانت کے حفظ کا جھنڈا کس قدر بلندی پر نصب ہے۔

اس مقام پر میں آپ کی خدمت میں یہ بھی پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ شعائر اسلامی اور امور مذہبی جس کی آزادی کا ذمہ گورنمنٹ برطانیہ نے ابتدا سے اپنے ذمہ لیا تھا اور ۱۸۵۸ء میں کوئن وکٹوریہ نے نہایت شاندار اور وسیع الفاظ میں اس کی کفالت کی تھی اور اپنے جملہ حکام کو اس کی خاص طور سے ہدایت کی تھی اور گورنمنٹ کے اعلانات میں بارہا ایسے کلمات آچکے ہیں۔ کیا یہ واقعی امر ہے یا فقط الفاظ ہی الفاظ ہیں، جس کے کوئی معنے نہیں ہیں۔ ہم جہاں تک اس پر

غور کرتے ہیں ہم کو واقعاتِ حاضرہ اور ماضیہ روزِ روشن کی طرح بتلا رہے ہیں کہ یہ دعویٰ واقعیت کا کوئی حصہ نہیں رکھتا۔ خلافت کا مسئلہ مذہبی ہونا کوئی مخفی امر نہیں، پھر گورنمنٹ کی مداخلت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ صلح ٹرکی کی نمبر ۱۳۹ کو ملاحظہ فرمائیے، خلیفہ کے بیرونی ممالک کے مسلمانوں کے تعلقات کے قطع کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اس کے اقتدار فوجی، مالی، ملکی کو دستبرد کیا گیا ہے کیا خلافت بغیر اس اقتدار کے باقی رہ سکتی ہے اور کیا مذہبی نقطۂ نظر سے بغیر اقتدار کامل خلیفہ کو خلیفہ کہہ سکیں گے، اس سے درگزر ہے۔ جتنے مسائل میں آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں سب ہی دینی اور مذہبی امور ہیں اور سب میں جس قدر مداخلت ہو رہی ہے آپ پر ظاہر و باہر ہے۔ خدامِ خلافت پے در پے قید کیے جا رہے ہیں۔ بے وجہ ان پر واقعہ الزام بغاوت لگایا جا رہا ہے۔ تشدّدات جاری ہیں اور برابر بے گناہوں پر ہوں گے اس کو بھی چھوڑ لیے عشر و خراج کے قوانین، باج و مالگذاری کے احکام، ان کے مصاریف کے قواعد، تعزیرات حدود، معاملات، تجارات، شرکتیں، شفعہ، قضا، وغیرہ وغیرہ کے تفصیلی ضوابط کون سے مذہبی امور پر مبنی ہیں۔؟

منشیات یعنی شراب، افیون، گانجہ، بھنگ وغیرہ کی ترقی کی خود گورنمنٹ کوشاں ہے، جن سے مذہبی صدمہ کے علاوہ اخلاق پر اس قدر زہریلا اثر پہنچتا ہے۔ وہ چیز جس کو متمدن قومیں امریکہ وغیرہ اپنے ملک میں داخل ہونے کی ممانعت کرتی ہوئی سخت قانون پاس کر دیں اور یہاں اس کی ٹھیکیدار خود گورنمنٹ بنتی ہے اور پہرہ دینے روکنے پر گرفتار کرتی ہے اور تقریباً بائیس کروڑ روپیہ اس کے منافع سے حاصل کرتی ہے۔ پھر آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ اس امر کی وجہ سے رعایا کی ترقی ہوگی یا ان کا انحطاط اور کیا ایسی گورنمنٹ رعیت کی بہی خواہ اور ان کی مذہبی ذمہ دار بن سکتی ہے

محتسب گر مے خورد معذور دار دومست را

جب حکومت ہی ہندوستان کو تباہ اور برباد کرے تو اس کا کیا علاج۔ اپنی آمدنی کے واسطے کیا کیا صورتیں عمل میں لائی جائیں گی۔ صوبہ بہار کے ممبروں کی تقریروں کو ذرا ملاحظہ فرمائیے اور ظلم و عدوان کو دیکھیے۔ اُدھر جائیے تو رنڈی خانے علانیہ کھلے ہوئے ہیں اگر کوئی سیاست میں کلمۃ الخیر نکالے تو اس کے لیے سی آئی ڈی مسلط ہے مگر رشوت ستانوں

کے لیے پولیس کے مقدمہ بنانے والوں کے لیے جعل سازی اور مکر و فریب سکھلانے والے وکلاء بیرسٹروں کے لیے خلافِ حق فیصلہ کرنے والوں اور خلافِ قانون رعایا پر مقدمہ چلانے والوں کے لیے کوئی پرسانِ حال نہیں۔ علانیہ طور پر بے دھڑک ہر کچہری اور عدالت اور دفتر وغیرہ میں دن دہاڑے یہ معاملات ہوتے رہتے ہیں، مگر کوئی سی آئی ڈی نہ خبر دیتا ہے، نہ گورنمنٹ اس کی خبر گیری کرتی ہے۔ ایسی حالتیں ظاہر و باہر دیکھ کر کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کا ذمہ اللہ اور رسول علیہ السلام کے نزدیک اس سکوت پر بری ہو سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ آپ کا فرض ہوگا کہ ہر ممکن کوشش کو میدانِ عمل میں لائیں۔ جو سمجھیں دوسروں کو سمجھائیں اور ان شناعتوں سے بچنے اور بچانے کی صورتیں نکالیں۔

جانی آزادی

غالباً آپ کو بہت سے لوگ ایسا بھی سبز باغ دکھلاتے ہوں گے کہ ہندوستان میں جانی آزادی کامل طور پر حاصل ہے اور گورنمنٹ نے امن و امان کا وہ طریقہ جاری کیا ہے جو کبھی پہلے زمانوں اور گذشتہ راجوں میں نہیں ہوا تھا، مگر جب آپ غور کریں گے تو یہ محض دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ ہندوستانی خون جس قدر اس اخیر صدی میں یعنی انگریزی راج میں بہایا گیا ہے گذشتہ چند صدیوں میں بھی وہ مقدار نہیں مل سکتی اور پھر وہ بھی بے فائدہ جس میں ہندوستان کو محض نقصان ہی نقصان پہنچا ہے۔

تقریباً بائیس یا پچیس جنگ ہیں جو کہ اندر اور بیرونِ ہند اس زمانہ میں واقع ہوئیں جن میں نہایت بے دردی کے ساتھ ہندوستانی خون کی ندیاں بہائی گئیں ہیں۔ خواہ وہ کابل کی متعدد جنگیں ہوں یا حدود کے وقائع، بلوچستان کے کارزار ہوں یا مصر اور سوڈان کی لڑائیاں سومالی لینڈ، افریقہ مشرقی، چین، برہما، نیپال، مرہٹہ، سکھوں وغیرہ کی متعدد لڑائیاں تو تھیں ہی، صرف اسی جنگِ عمومی کے ضائعات کے شمار میں آپ ہندوستانی خون کو کئی صدیوں کے خون سے بہت پائیں گے۔ یہ جانیں فقط ایک میدان میں ضائع نہیں ہوئیں، افریقہ مشرقی اور

مغرب کی جرمن نوآبادیوں میں سینا، فلسطین، سویز، سوریہ، عراق، یمن، سالونیکا، اٹالیا، فرانس مصر، اناطول، قفقاز وغیرہ میں عموماً ہندوستانی خون بہایا گیا ہے۔ جس کی کثرت کو جب آپ ہجومانہ حرکت اور مشین گنوں، بڑی بڑی توپوں اور میسٹرز بندوقوں وغیرہ کا مقابلہ خیال فرمائیں گے، بخوبی سمجھ سکیں گے۔

اہلِ بصیرت فقط ہندوستانیوں کے ضائعات کا اس جنگ میں ستر اسی لاکھ سے کم کا کسی طرح اندازہ نہیں لگاتے۔ پھر اس پر اگر ان ضائعات کو بھی اضافہ کر لیں، جو جنرل ڈائر اور اور دیگر مشفقینِ برطانیہ کی عنایتوں سے ہندوستان، پنجاب، کانپور، دہلی، کلکتہ وغیرہ میں واقع ہوتے، تو اس کی حد و انتہا ہی نہیں رہتی، ذرا ایمان داری سے سوچ کر اندازہ کیجئے۔

مزید برآں قحط اور گرسنگی سے جو ضایعات آئے دن ہوتی رہتی ہیں جن کی مقدار لاکھوں سے بدرجہا زائد ہے۔ وہ کیا برطانیہ ہی کے مراحم اور خسروانہ الطاف کا نتیجہ نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ شاہی زمانہ میں بلکہ تقریباً ستر اسی برس پہلے تک غلہ چالیس پچاس سیر سے زائد فروخت ہوتا تھا جملہ اشیاء نہایت ارزاں تھیں اور آج گرانی وہ حالت ہے کہ ہندوستانیوں کو دو وقت پیٹ بھرنا دشوار ہو گیا ہے۔ لاکھوں آدمی بھوک کے مارے ہوئے دوسرے ملکوں میں چلے جاتے ہیں اور لاکھوں وسطِ ہند سے پریشان روزی ہو کر سواحل کی طرف چلے جاتے ہیں۔ آج تین چار سیر کا غلہ ہو گیا ہے۔ مگر سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانۂ قحط میں آج کل کے حساب سے گندم فی روپیہ دو من ۲۲ سیر فروخت ہوتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ)

جن رجواڑوں نے اپنے یہاں کا غلہ باہر نکلنے سے روک رکھا ہے۔ وہاں کی ارزانی کو آپ خود ہی ملاحظہ کر لیں، کشمیر، افغانستان، وغیرہ میں اسی وجہ سے ہر طرح کی ارزانی ہے ہندوستان کی کاشت اور پیداوار کی رپورٹ کو اگر آپ ملاحظہ کریں، یا خود کاشت شدہ زمینوں پر نظر ڈالیں اور زمانۂ سابقہ کی تاریخ کی بھی ورق گردانی کریں تو آپ بخوبی سمجھ سکیں گے کہ زمانۂ حال میں ہندوستان کی کاشت اور پیداوار زمانۂ سابقہ کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے، مگر بھاؤ اور نرخ کی حالت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اسی کثرت کاشت کی وجہ سے مویشی کی کمی اور ان میں

سخت ضعف پیدا ہو گیا ہے۔

ہجوم افکار اور شدتِ گرانی نے سائنسی قواعد کے مطابق ہندوستانی اعضائے رئیسہ پر نہایت زہریلا اثر ڈالا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ نسلیں نہایت ہی کمزور اور قلیل ہوتی جا رہی ہیں۔ آئندہ کا خدا ہی مالک و محافظ ہے۔

پھر اس پر لگان کی زیادتی، بندوبست کی شدت، ٹیکسوں کی کثرت، چندوں کی بارش نے ہندوستانی جانوں پر عجیب وغریب اثر ڈال رکھا ہے۔

میں نہایت تعجب سے یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں گورنمنٹ برطانیہ کے عہدِ حکومت میں جس قدر طاعون، وبا، انفلوئنزا وغیرہ عام بیماریوں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ سابق بادشاہوں اور راجاؤں کے عہد میں اس سے دوچند وسہ چند زمانہ تک بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اس لیے کیا یہ عدد بھی برطانیہ کے نامۂ اعمال میں درج نہ کیا جائے گا۔ ضرور ضرور بالضرور آپ کو یاد ہوگا اور اگر نہ ہو تو تاریخ ۱۸۵۸ء موجود ہے، دیکھ لیجیے کہ کوئن وکٹوریہ نے ۱۸۵۸ء میں اعلان کیا تھا کہ وہ اور شاہان برطانیہ ہندوستانی رعایا کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو اپنی جملہ رعایا کے ساتھ رکھتے ہیں اور رکھیں گے، مگر واقع میں اس پر عملدرآمد ہے یا نہیں، میں اس وقت دوسری باتوں کی طرف آپ کو متوجہ نہیں کرتا ہوں، فقط یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر سال بہت سی ہندوستانی جانیں گورے ہاتھوں سے ضائع ہوتی رہتی ہیں جن میں سے اکثر تو اخفار کے بادیہ میں دبا دی جاتی ہیں، اگر کبھی کبھی کچھ ظاہر بھی ہو پڑتی ہیں۔ پھر کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ کتنے انگریز اس صدی میں ہندوستانی کے قتل کی سزا میں پھانسی دیئے گئے ہیں۔ جہاں تک خیال کرتا ہوں اس کا جواب سوائے نفی کے اثبات کو ہرگز نہ پیش کر سکیں گے ایک یا دو نظریں بھی آپ کو نہ مل سکیں گی۔ پھر کیا امن کے یہی معنے ہیں، مساوات اسی کا نام ہے، رعایا پروری اسی کو کہتے ہیں، تہذیب وتمدن اسی سے عبارت ہے، ہندوستان اور کانپور کی خیر خواہی اور بہبودی جس کا منہ بھر بھر کے ہر اعلان اور عہد نامہ میں اعلان کیا جاتا ہے ایسی ہے۔ جنرل ڈائر وغیرہ کی کیفیتِ عملی آفتاب کی طرح روشن ہو چکی ہے۔ پھر کیوں نہیں مجرموں

کو سزا دی جاتی ؟ کیوں ان کی پاسداری اور عزت ہے۔ ان کی پنشنیں مقرر کی جا رہی ہیں۔ ان کے لیے چندے ہو رہے ہیں اور دل کھول کر اُن کے واسطے روپیہ جمع کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے وہ انصاف جس پر ناز کیا جاتا ہے۔

مالی حالت

اے حضرات علمائے کرام جیسے کہ آپ کا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہب اور جان کی حفاظت میں اپنے تن اور من کو صرف کریں اور ہر ممکن طریق سے اس میں کوشاں رہیں۔ اسی طرح آپ کا فرضِ منصبی ہے کہ مسلمانوں کے مال اور آبرو کی بھی حفاظت میں پوری طرح حصہ لیں، اگر "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ نَفْسِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ" نفس مسلمہ کے واجب الاحترام ہونے پر دلالت کرتا ہے تو "من قتل دون عرضه فهو شهيد" اس کے مال اور آبرو کے واجب الاحترام ہونے پر دلالت کرتا ہے، اگر ایک جگہ فرمایا گیا ہے "وان حرمة ماله كحرمة دمه" (مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون کے احترام جیسا ہے، تو دوسری جگہ وارد ہے۔ الا ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هٰذا فی بلدکم هٰذا فی شهرکم هٰذا (خبردار ہو جاؤ تمہارے خون اور مال اور آبرو سب کی سب اسی طرح تم پر حرام ہیں جیسا کہ حج کا دن حرم محترم میں ذی الحج کے مہینے میں)

اس مقام میں احادیث و آیات بہت زیادہ وارد ہیں اور اسی وجہ سے فقہائے کرام ایک درہم کے نقصان کے وقت نماز توڑنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ پھر آپ ذرا خیال فرمائیں کہ ہندوستان کی مالی حالت خصوصاً مسلمانوں کی کس طرح برباد کر دی گئی ہے۔ لگان فیصدی پچاس بلکہ بعض جگہ اسی تک لیا جاتا ہے تعلیمات حفظِ صحت صفائی وغیرہ کے لیے فیصدی سترہ لیا جاتا ہے، مزید برآں انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، کورٹ فیس وغیرہ کی بھرمار ایسی ہوتی رہتی ہے کہ مجموعہ تقریباً فیصدی اسی اور نوے سے زیادہ اسی طرح نکل جاتا ہے۔

باقی ماندہ زمیندار کاشت کار دونوں میں مشترک ہے وہ بھی ریلوے، پوسٹ آفس، تار، مختلف چندوں وغیرہ سے بچنے کے بعد یوروپین تجارتوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی

کچھ رہا سہا تو گوروں پر قربان ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں تقریباً فی صدی نوّے محتاج ملیں گے اور فیصدی، اشکل سے خوش حال مل سکیں گے۔ پھر خزانۂ ملکی کے مصارف کی حالت پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو عجیب حالت ہے۔ اوّل تو یوروپین عہدہ داروں کو اس قدر بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں جس کی حد و غایت نہیں، فوج میں ایک گورے کے مصارف بہ نسبت ہندوستانی فوجی کے گیارہ گنا زیادہ ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ انگریز عہدہ داروں کے پنشن کا سالانہ چلا جاتا ہے جو دفتر وزارتِ ہند کا خرچہ کئی ملین پونڈ کا ہے۔ ان دونوں مدوں کا مجموعہ نوّے کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ علاوہ ازیں انڈین نیشنل ڈیبٹ جو کہ تقریباً تیرہ کروڑ پونڈ مختلف لڑائیوں کی بناء پر ہندوستان پر بلا وجہ ڈالا گیا ہے۔ اس کا سود سات کروڑ پینسٹھ لاکھ پونڈ سالانہ خزانۂ ہند سے نکالا جاتا ہے جس کے ایک ارب چودہ کروڑ پچھتر لاکھ روپے ہوتے ہیں۔

پھر ایسی صورتوں میں کیا خیال فرما سکتے ہیں کہ ہندوستان کی مالی حالت کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ ابھی ابھی ڈیوک آف کناٹ کے مصارف ۱۴ لاکھ ۳۵ ہزار خزانۂ ہند سے خرچ کیا گیا ہے جس کو اسٹیٹمین نے مورخہ ۷، ۲ مارچ ۲۱ء میں تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے۔ ممدوح کی اس آمد سے جو جو فوائد ہندوستان کو ہوئے معلوم ہیں۔ گذشتہ مصارف کی تلافی میں سوا عبلا دینے کی وصیت کے اور کیا پڑھایا؟ خود تجارت اور صنعت و حرفت کی بناء پر جو صدمہ ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی پر پڑا ہے۔ وہ حدِ بیان سے باہر ہے، آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور پھر زمانۂ گذشتہ اور زمانۂ حاضرہ سے مقابلہ فرمائیں دیکھیے کس طرح زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

ہندوستان کی تاریخ ابتدائے دنیا سے آج سے ڈیڑھ سو برس تک نہایت چمکدار اور زرّین نظر آتی ہے، وہ فقط زراعتی ملک نہ تھا، بلکہ تجارت میں بھی اُس کا پایہ تمام ملکوں سے بلند تھا، اُس نے فقط علم ہندسہ حساب، نجوم، طب (ویدک) موسیقی وغیرہ سے تمام عالم کی رہنمائی نہیں کی، بلکہ تہذیب و تمدن کے اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین اور فرمانروائی اور جہانداری کے عمدہ سے عمدہ ضوابط بھی بنائے جس کے سبب سے بزرجمہر اور دیگر حکمائے فارس و ایران کو ہندوستان

میں طالب علمی کی غرض سے آنا پڑتا تھا۔

شاہانِ فارس و یونان وغیرہ سیکڑوں روپیہ نہیں لاکھوں اور کروڑوں دینار خرچ کرکے یہاں کی کتابوں اور علوم سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کے دربار میں ہندوستان کے مشہور اطباء اور فلاسفر ذکر کیے جاتے ہیں، فرشتہ، قرآن اور بطلیموس کی تاریخوں میں بھی ہندوستانی علوم و فنون اور یہاں کے حکما کا ذکر نہایت وقعت اور عظمت سے پائیں گے۔ آپ ہر قسم کی صنعتوں میں گذشتہ تواریخ میں ہندوستان کا مرتبہ اعلیٰ دیکھیں گے۔ جب سے ہندوستان کو اسلامی آفتاب نے روشن کیا اس وقت سے اس کی عظمت دوبالا ہوگئی۔ اس میں عجم اور ترک اور عرب سے ایسے بہت سے فنون اور صنعتیں بڑھ گئیں جن کا وجود پہلے سے یہاں پر نہ تھا۔ غرضیکہ ہندوستان کمالات مادیہ اور روحیہ ظاہریہ اور باطنیہ کا اعلیٰ درجہ کا مرکز رہا ہے، جس کے شواہد کثرت سے بلکہ روشنی میں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ مگر انگریزی تسلط ہونا تھا کہ ہر ایک کمال حرفِ غلط صفحہ ہستی سے مٹنا شروع ہوگیا۔ اوّل تو یہ ہندوستان اپنی مصنوعات اور ملبوسات سے ایشیاء، افریقہ، یورپ کو مزین کرتا تھا۔ پرتگال، فرنچ حکومت، بند قیہ جزائر سودیہ، انگلینڈ یہاں سے تجارت کے لیے یہاں کی ساختہ چیزیں وغیرہ لے جاکر نفع اٹھاتے تھے، مگر آج یہ حال ہے کہ فقط سوتی کپڑے کی وجہ سے ۶۰ کروڑ دیگر چیزوں کے روپیہ کو چھوڑ کر ہندوستان سے نکل رہا ہے۔ جس کا حساب نہیں۔ بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ ابھی ابھی گذشتہ سال میں فقط ربڑ کی کنگھیاں وغیرہ چار کروڑ روپیہ سے زائد کی آئی ہیں۔

اے حضرات علمائے کرام جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ دینی اور دنیاوی ترقی کمال صنعت و حرفت وغیرہ پر موقوف ہے اور ان چیزوں کا شرعی حیثیت سے بھی محفوظ کرنا آپ پر ضروری ہے ادھر انگلینڈ اپنی قوت، ثروت، تجارت، صنعت، حرفت کے بڑھانے کے لیے خلافِ عہد ہر صورت قانونی اور عملی مخفی سے ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی کا گلا گھونٹ رہا ہے جس کی تفصیل میں اس مختصر بیان میں کسی طرح نہیں دکھلا سکتا۔

البتہ آپ کے سامنے ایک اجمالی حالت پیش کرکے اندازہ کرانا چاہتا ہوں کہ انگلینڈ کی

مجموعی آمدنی کی حیثیت سے فی کس سالانہ آمدنی ۳۰۲ پونڈ ہے جس کے چار ہزار پانچ سو تیس روپیہ ہوتے ہیں اور ہندوستان کی آمدنی مجموعی کے لحاظ سے فی کس سالانہ ایک پونڈ تو در کنار ایک روپیہ بلکہ آٹھ آنہ بھی نہیں ہوتی۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج ہندوستانی قحط اور بھوک کی وجہ سے بے خانماں ہوتے ہوئے جاں بحق تسلیم کر رہے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں ٹھوکر کھا رہے ہیں کوئی پیشہ اُن کے ہاتھ میں کمائی کا نہیں رہا۔

آخر آپ حضرات پر اس کی فکر بھی لازم ہے یا نہیں۔ ریلوے تار، پوسٹ آفس، جنگلات وغیرہ کے ذریعہ سے جو کچھ ہندوستان کا روپیہ کھینچا جا رہا ہے وہ علیحدہ ہے۔ غرضیکہ یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے جس کی ذمہ داری سے آپ کسی طرح نہیں نکل سکتے۔

آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فوجوں کی تنخواہیں ہندوستان کے خزانہ سے دی جا رہی ہیں رسد ملک کی پیداوار سے ہے، سپاہی ہندوستان سے بھرتی کیے جا رہے ہیں۔ اپنی اور اپنے اتحادیاں کی اغراض کے لیے کروڑوں روپیہ چندہ میں لیا جاتا ہے۔

انگلینڈ کے بڑے بڑے تاجر جب کہ قرضِ جنگ کے لیے دینے سے جان چراتے تھے، ہندوستان کے مال دار وغیرہ سے ہزاروں حیلہ سے کروڑوں روپیہ قرض میں لیا گیا، مگر بالآخر اس کے نتیجہ میں ہندوستان کو کیا ملا۔ بڈھی ماؤں اور بڈھے باپوں کا بے اولاد، اور بے خانماں ہونا، نوجوان عورتوں کو بیوہ اور رانڈ ہونا، ننھے منے بچوں کو بے باپ یتیم ہونا، رولٹ بل کا پاس ہونا، جلیانوالہ باغ میں رائفل اور مشین گن کا شکار ہونا، پنجاب وغیرہ میں طرح طرح کے مظالم کی دھواں دھار بارش میں ہلاک ہونا، ہر طرف سخت سے سخت قوانین زیر تجویز تحفظ ہند پاس ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ امورِ مذہبی اور سیاسی ہیں جنہوں نے تمام عالم میں بے چینی پھیلا رکھی ہے۔ اسی لیے رہنمایانِ قوم اور علمائے اسلام اور پنڈتوں نے قرار دے دیا ہے کہ جب تک خلافت کے متعلق فیصلے ہمارے مطالبات کے موافق اور مجرمینِ پنجاب کو سزائیں حسبِ قرار داد عدالت و مساواۃ تمام ہندوستان کے لیے آزاد مستقل حکومت (سوراج) جس کے ذریعہ سے برآئندہ شدائد سے نجات ہو سکتی ہے۔ نہ مل جائے کوشش سے صبر و سکون نہیں ہو سکتا۔

ہر ہر فرد اور ہر ہر جمعیت پر شرعاً اور حقیقتاً لازم ہے کہ اس کے لیے پوری کوشش صرف کر دے۔ اگرچہ یہ مطالبات گورنمنٹ سے ہیں اور ہر جگہ جائز طریقے سے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا گیا، تار بھیجے گئے، جلسے کیے گئے، ریزولیشن پاس کیے گئے۔ ڈیپوٹیشن بھیجے گئے، مگر ہر مقصد کے لیے ناکامی ہوئی۔ گورنمنٹ اس طرح مغرور اور اپنی قوت کے نشہ میں چور چور ہے کہ وہ ساڑھے تینتیس کروڑ کی آواز کو مچھر کی بھنک اور مکھی کے پروں کی جھنکار کے برابر نہیں سمجھتی۔ وہ نہایت بے پرواہی اور نخوت کے ساتھ اس کو ٹھکراتی ہوئی ہندوستانیوں پر مضحکہ اڑاتی ہے۔ قوم برطانیہ کو اپنے تفوق اور علویت کا اس طرح خیال اور گمان بندھ گیا ہے کہ وہ تواریخ سالقہ اور جابرہ ماضیہ کے عبرت خیز واقعات کو بھولے ہوئے ہر ایشیائی اور افریقی ہستی کو انسانی دائرہ سے نکال رہی ہے۔ ان کی وقعت اور منزلت کو ایک ذلیل حیوان کی بھی وقعت سے کمتر دیکھ رہی ہے۔

اے حضرات وقائع اور معاملات پر نظر ڈالیے آنکھیں کھولیے، جہان میں گشت کیجیے۔ کسی دجال کی فریب دہ باتیں آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالیں۔ آپ اور ہم ڈیڑھ سو برس سے دھوکے میں پڑ کر آج اس دن کو پہنچ گئے، مگر واقعات کی روشنی نے تمام شیطانی چالوں کی قلعی کھول دی۔ اٹھیے اور سوراج کی کوشش کیجیے۔ آیئے دینی، وطنی، اقتصادی، ملکی۔ افکار کے میدان میں قدم بڑھایئے اور آئندہ نسلوں اور دوسری قوموں کو زندہ کیجیے۔ خیرخواہ رہنماؤں، اور خوش اندیش علماء اور پنڈتوں نے نہایت پُرامن طریقۂ فتح وظفر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اس پر عمل کیجیے اور دوسروں کو آمادہ کیجیے۔

یہ وہی طریقۂ آمنہ ہے جس کو قرآن باآواز دُہل غیر مسلم محارب حربیوں کے لیے لفظ ترک موالات سے پکار رہا ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جس کی راہ میں کانٹے نہیں اس کی گھاٹیوں میں پیچ نہیں، اس کی شاہراہ نہایت صاف اور ستھرے پھولوں سے بچھی ہوئی ہے۔ اس کے اختتام پر نہایت پُرفضا وسیع ملک ہے۔ جس کو سوراج (اپنی آزاد حکومت) کہتے ہیں۔ چونکہ بیان زیادہ طویل ہو چکا ہے، اس لیے میں ترکِ موالات کے متعلق شبہات اور اس کے جوابات کو یہاں بیان کرنا

مناسب نہیں سمجھتا، اپنے پہلے بیانوں میں اس کو تفصیلاً عرض کر چکا ہوں۔ فقط ایک امر کی طرف اس وقت اشارہ کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض کم فہم احتیاط پسند لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تحریک اور سوراج طلبی مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے بغاوت ہے۔ اس سے احتراز ضروری ہے۔ میں صریح اور صاف لفظوں میں عرض کرتا ہوں کہ یہ محض دھوکہ ہے یا یہ لوگ صریح غلطی میں پڑے ہوتے ہیں۔

بغاوتِ شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز حقوق کو جائز اور اپنا حق سمجھ کر اس گورنمنٹ پر نقضِ امن کے ساتھ خروج کرنے کو کہتے ہیں جو اپنے عہود پر قائم اور حقوقِ رعایا کی محافظ ہو، تحریکاتِ حاضرہ میں نقضِ امن نہیں، گورنمنٹ اپنے عہود اور وعدوں پر قائم نہیں رہی کو میں تمثیلاً عرض کر چکا ہوں، حقوقِ رعایا پر خلافِ عہود و عدالت وانسانیت سخت دست اندازیاں ہو رہی ہیں۔ ہمارا مطالبہ واقعی اور سچے حقوق کا ہے جن کو خود گورنمنٹ کے ذمہ دار افسر اور وزرا تسلیم کر رہے ہیں، پھر اس کو بغاوت کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

سیاسی نقطۂ نظر سے بھی ہماری تحریکات کسی طرح بغاوت نہیں ہو سکتیں۔ ہم اگر سوراج سے طالب ہیں تو اس کا وعدہ خود کوئن وکٹوریہ اور گلیڈسٹون، لارڈ کرومر وغیرہ نے زمانہ دراز سے کر رکھا ہے اور استقلالِ داخلی خود برطانیہ اپنے دیگر رعایائے افریقہ اور امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کو دے چکی ہے۔

اِدھر ایشیائی اور یورپین ضعیف قوموں کو استقلالِ تام مدت سے دلوا رہی ہے اور اب بھی ان کے لیے ایک عظیم جنگ بزعمِ خود اسی خاص مقصد کی وجہ سے اپنے سر دھر رہی ہے۔ حالانکہ تاریخ بتلا رہی ہے، واقعات شہادت دے رہے ہیں، جغرافیہ پکار رہا ہے کہ وہ دیگر اقوامِ ضعیفہ ہر حیثیت سے ہندوستان سے کم ہیں۔ اس لیے آزادی جیسے امور میں جو کہ انسانی نقطۂ نظر اور ضعفاپروری اور عدالت کے خیال سے ہر انسان اور ہر بادشاہ پر ضروری ہیں اس کا دینا برطانیہ جیسی متمدن قوم کے لیے فرضِ اولین ہوں گے۔ اس کی تکمیل میں برطانیہ کی تاریخ روشن رہے گی اس کا نام ہمیشہ مشہور رہے گا۔ اس کی قوم فلاح و بہبودی کے آسمان پہ سیر کناں

رہے گی، ورنہ اس کی آئندہ تاریخ پر نہایت بدنما بلکہ تاریک دھبہ رہے گا۔ جو کہ ایسی قوم کے لیے کسی طرح عقلی اور انسانی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے لیس صدمے دار حکام خود غرضی اور نفسانی پرستشوں کی بنا پر ڈائر وغیرہ کی طرح ہمیشہ اس کے لیے روزِ بد دکھلاتے ہیں گے۔ شیطانی معاملات اور فرعونی کارناموں کی بنا پر قہر و غضب الٰہی کی بجلیاں اس کو بالکل نیست و نابود کر دیں گی۔

الحاصل ہمارے جملہ مطالبات میں برطانیہ کی بہت بڑی خیر خواہی مضمر ہے۔ کاش کہ گورنمنٹ کے ذمہ داروں کو عقل و شعور کی خوشگوار راہوں کی طرف توجہ ہوتی، تو ان جملہ مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔

اے حضرات میں اس وقت طولِ بیان کی وجہ سے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں آپ میری پریشان تقریر پر رنجیدہ نہ ہوں، میں مختصر الفاظ میں آپ سے دو باتوں کا طالب ہوں، اوّل یہ کہ مذہبی آزادی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جملہ باشندگانِ ہند میں اتفاق کامل کی کوشش کریں۔ دوم یہ کہ تحریک ترکِ موالات میں نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ پیش قدمی اور امن توڑنے والے جوش سے گریز فرمائیں۔

اے حضرات میں اس مقام پر آپ کو انبیاء علیہم السّلام اور ان کے سچے متبعین کا صبر و سکون یاد دلاتا ہوا عرض رساں ہوں کہ کوشش اور سعی بلیغ کے میدان میں آگے بڑھنے سے آپ کو کوئی سختی اور کلفت مانع نہ ہونی چاہیئے۔ یقین جانیئے کہ قرآن شریف آپ کو ہر قدم پر اور ہر کلمہ پڑھ ہر کوڑی پڑ ہر چھوٹی سے چھوٹی کلفت پر بہت بڑے ثواب اور اجر کا پختہ وعدہ کر رہا ہے۔ سورۂ توبہ کے آخری کلمات ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (مسلمانوں کو کوئی درجہ پیاس یا تکلیف یا بھوک کا اللہ کے راستہ میں نہیں پہنچتا اور نہ وہ ایسے راستہ میں جو کہ کافروں کو رنج دہ ہوتا ہو، تھوڑا ہی چلتے ہیں اور نہ وہ دشمن کو کچھ دکھ پہنچاتے ہیں مگر ان سب کے بدلے میں ان کے لیے اچھے عمل لکھے جاتے ہیں۔)

پر کان رکھیئے، اگر بالفرض موجودہ زمانہ کے لیڈروں پر جابرانہ چکیاں چلادی جائیں۔ ان کے ہاتھ و پیر باندھ دیے جائیں۔ ان کی زبانیں بند کر دی جائیں۔ جب بھی باقی ماندہ افراد کا یہی ورد اور عمل ہونا چاہیے ؎

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

حضرات کامیابی کی گھڑی آگے کھڑی ہے فتح و ظفر کا چمکدار چہرہ ہمیشہ مصائب کے جھرمٹ سے نمودار ہوا ہے۔ استقلال اور صبر و سکون کرنے والوں کے ساتھ نصرتِ الٰہی ہمیشہ مددگار رہتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ نہایت تاکیدی الفاظ کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں۔ مایوسی مذہب اسلام میں حرام ہے۔ کاہل کو راہ نہ دیجئے، صادقین کا دامن نہ چھوڑیئے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً وَّلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ۔ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقَاعِدِیْنَ (اگر ان لوگوں کا ارادہ اللہ کے راستہ میں نکل پڑنے کا ہوتا تو اس کی تیاری کرتے، مگر اللہ نے اُن کے اٹھنے کو (نفاق کی بناء پر) اچھا نہ سمجھا۔ اس لیے اُن کو بوجھل بنا دیا اور ان کو کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (مخالفینِ خدا اور رسول اور عاجز لوگوں) کے ساتھ بیٹھ جاؤ) کی سخت دھمکی سے ڈریئے، اللہ پر بھروسہ کیے ہوئے۔

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (کہہ دو کہ سوائے تقدیر خداوندی ہم کو کچھ دُکھ نہیں پہنچ سکتا وہی ہمارا مددگار اور مربی ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو توکل کرنا چاہیئے) کو اپنا وردِ زبان رکھیے۔

حضرات علمائے کرام میں لیکچرار نہیں مقرر نہیں میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور پریشان بیان میں آپ غلطیاں پائیں گے ان کو نظر انداز فرمائیں۔ شمع خراشی کو معاف کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اپنے دین حقیقی کی دستگیری کرے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ شریعتِ حقہ کا رواج ہو۔ ہم کو اور جملہ مسلمانوں کو عملِ صالح اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا

فرمائے۔ ہمارے پیارے وطن کو آزادی اور استقلال نصیب ہو۔ مشکلات اور مصائب کی گھٹائیں کھل جائیں۔ ظلم اور جور کی آندھیاں دور ہو جائیں۔ دشمنوں کو ذلت اور رسوائی نصیب ہو۔ اتفاق کی ہوا سے ہر دماغ شگفتہ ہو۔ آمین یارب العالمین
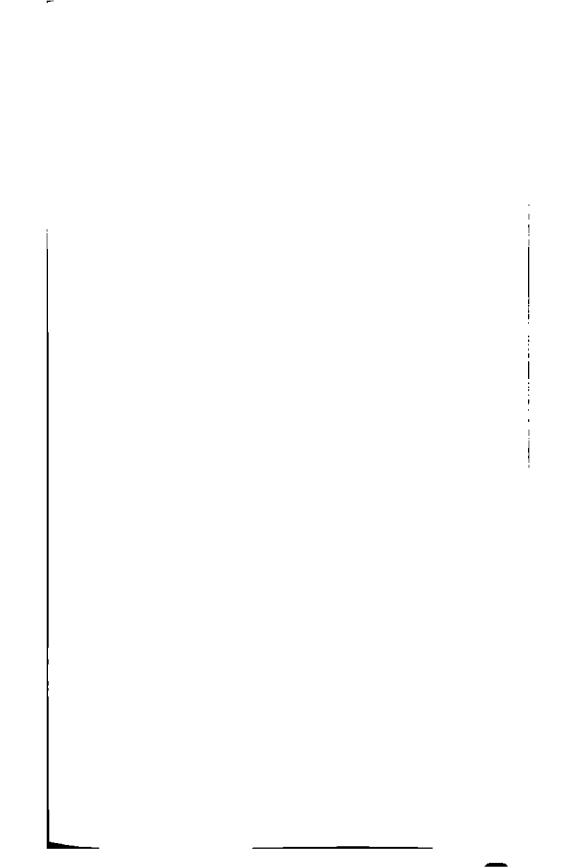
خادم مذہب و وطن
حسین احمد غفرلہٗ

خطبہ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے زیر اہتمام

مؤرخہ

۱۸؍ ذوالحج ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۳؍ اگست ۱۹۲۱ء

بمقام

دہلی

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

بزرگانِ قوم، جانشینانِ حضرت فخرِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ حضرات کا مجھ جیسے گمنام اور ہیچمدان ادنیٰ طالب علم کو اس شرفِ صدارت سے معزز و ممتاز فرمانا ایک ایسا گراں مایہ انعام اور عزیز القدر احسان ہے جو کہ آپ بزرگوں کی ذرہ نوازی و بندہ پروری کی دنیا کے وجود میں فقط بے نظیر فیاضی کی روشن دلیل اور قولی محبت ہی نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے مجھ ضعیف العقل کے سر پر اس قدر عظیم الشان کوہ ہائے تشکر و اعترافِ نعمت کا بوجھ رکھا گیا ہے جس سے سبکدوش ہونا میرے احاطۂ قدرت سے باہر ہے۔ میں جس قدر بھی آپ حضرات کی مدح سرائی اور شکرگزاری اس مقام پر بجالاؤں، وہ درحقیقت اس انعام کے مقابلہ میں جزء لاتجزیٰ کی بھی نسبت نہیں رکھتی۔

اس کے ساتھ ہی میں ایک ایسی ذمہ داری کو محسوس کر رہا ہوں جو زمانۂ حال کی سیاہ و تاریک گھٹاؤں اور تیز و تند المناک آندھیوں اور فلک کی ناگفتہ بہ پیکار گردشوں کے وقت میں بہت زیادہ دہشت ناک اور اندوہ خیز ہے۔

میری ضعیف العقلی اور قلتِ علمی کبھی اس بڑی ذمہ داری سے مجھ کو سبکدوش نہیں کر سکتی۔

جب تک کہ آپ بزرگوں کی اعانت اور توجہ میری رفیق اور ہمدرد نہ بنے۔

میں نہایت ادب سے آپ لوگوں کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ میرے دردمند قلب اور الکوزنکاہ دماغ کے مضامین پر اگرچہ پراگندہ ہوں، مگر توجہ فرمائیں اور شیوۂ کرام انظر الی ما قال کو اختیار فرماتے ہوئے لا تنظر الی من قال کو کام میں لائیں۔ الفاظ کی سخافت، بیان کی رکاکت، کلام کی ناموزونیت وغیرہ پر ہرگز نہ جائیں کہ میں اس میدان کا مرد نہیں۔

پھر اگر کوئی مضمون میں غلطی یا فروگزاشت ہو تو اس پر ستر جمیل کا پردہ ڈالتے ہوئے اپنے کرم و فضل کا ثبوت دیں۔ اگر آپ نظر غور و فکر سے کام لیں گے، تو انشاء اللہ العزیز محسوس فرمائیں گے کہ غلط فہمی اور قصور عقل سے منزہ ہونے کا میرا دعویٰ اگرچہ صحیح نہ ہو مگر اخلاص اور سچی خیر خواہی اسلام اور ہمدردیٔ قوم کا ادعا کسی طرح غلط نہیں۔

رہنمایانِ قوم! اگر ارشاد حضرتِ سرورِ کائنات علیہ السلام العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم الخ صحیح و ثابت ہے اور بے شک صحیح اور ثابت ہے تو جس طرح روز روشن کی طرح اس سے علماء کا شرف کلّی اور جملہ اُمت میں افضل ہونا ثابت ہوتا ہوا اعلیٰ درجہ کے ثواب و انعام کا وعدہ قرینہ اس مقدس جماعت کے لیے ظاہر ہو رہا ہے اسی طرح یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ ان مقدس جانشینوں کے لیے مصائب و تکالیف بھی دنیا میں بہت زیادہ ہوں گے۔ ان اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل (سب سے سخت امتحان اور مشقت انبیاء کے لیے ہے۔ پھر ان سے درجہ بدرجہ قریب ہونے والوں کے لیے) اس کے لیے شاہد صادق ہے، بلکہ جانشینانِ افضل الرسل سخت تر مصائب کے مورد ہونے کے مستحق ہوں گے۔ لقد اخفت فی اللہ ما یخاف احد ولقد اوذیت فی اللہ ما یوذی احد (مجھ کو اللہ کے راستہ میں جس قدر ڈرایا گیا کسی کو اس قدر ڈرایا نہیں گیا اور جس قدر مجھ کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی گئی کسی کو نہیں دی گئی) تمام پیغمبروں سے زیادہ ہمارے آقائے نامدار علیہ السلام کے تکالیف برداشت کرنے پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر اس وراثت میں سے حصہ کیونکر نہ ملے گا۔

جس طرح ان مقدس ہستیوں نے کلمۂ اسلام کی فتح و ظفر اور اُمّت کی خیر خواہی کے لیے اپنی راحت و آسائش کو خیر باد کہتے ہوئے نہایت استقلال کے ساتھ ہر قسم کی اذیتیں سہیں اور سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ اسی طرح ان کے وارثوں کا بھی فرض ہوگا۔

جس طرح ان خداوندی پیاروں نے حق گوئی اور صداقت میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کی اور نہ کسی ظالم کی قوت و دبدبۂ اس کی جبر و تعدی کو خیال میں لائے۔ اسی طرح علمائے اُمّت کا بھی منصب ہوگا کہ سوائے خدائے قدوس کسی سے نہ ڈریں اور نہ کسی کی ملامت و اطماع کا خیال کریں۔ مالی وللدنیا اِنَّمَا اَنَا کَرَاکِبٍ استظل تحت شجرۃ ثم راح (مجھ میں اور دنیا میں کیا مناسبت اور تعلق ہے۔ میں تو اُس سوار کی مانند ہوں جس نے درخت کی چھاؤں سے قدرے نفع اٹھا کر کوچ کر دیا) کا سماں ہونا چاہیئے۔

حضرات! اگر قول نبوی ان الناس اذا راءو الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشك اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بعقاب (لوگ جبکہ کسی ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور پھر اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے عقاب کو سب پر نازل کرے گا۔)

تمام مسلمانوں پر ظالموں کے روکنے کی فرضیت ثابت کر رہا ہے، تو علماء جن کا اصلی وظیفہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ اچھی باتوں کا امر کرے اور بری باتوں سے منع کرے) ہے بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہوں گے۔

حضرات علماء دین! اگر شریعت مصطفویہ کا سیاست کو مثل دیانت عادی ہونا آپ پر اُمّت کی سیاسی رہبری کو واجب کر رہا ہے، تو نص نبوی علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں) بمعیت حدیث کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفہ نبی الحدیث (بنی اسرائیل کی سیاسی محافظت انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی وفات پا جاتا تھا تو دوسرا نبی اُس کا جانشین ہوتا تھا) روز روشن کی طرح دکھلا رہی ہے کہ علماء اسلام کا فرض منصبی یہ بھی ہے

کہ مسلمانوں کی سیاسیات میں پوری رہبری اور اعانت کریں۔ بغیر اس کے ان کا ذمہ بری نہیں ہو سکتا۔

میرے مقدس پیشواؤ! آج اسلام پر نہایت ہولناک وقت گزر رہا ہے۔ ان کی سیاست اور دیانت، مادی اور اخلاقی قوت، شخصی اور اجتماعی شوکت، نیست و نابود کی جا رہی ہے۔ عیسائیت اگرچہ ابتدائے اسلام سے ملتِ اسلامی کی دشمن رہی ہے مگر اس نے قرونِ وسطیٰ میں جو وحشیانہ اور درندانہ مظالم اسلام پر کیے تھے، ان کو دیکھ کر آسمان کے رونگٹے اسی وقت کھڑے ہو گئے تھے۔ اندلس کے کھنڈر، غرناطہ کی ٹوٹی ہوئی دیواریں، قرطبہ کے اجڑے ہوئے مکانات، اسپین کی بڑی تاریخیں، سسلیا کے مستحکم قلعے، مالٹا کے اسلامی کھوپڑیوں سے بنے ہوئے گرجے، اب تک ان اسلامی بھیڑیوں اور مسیحی وحشیوں کے کارناموں کو یاد دلاتے اور ان کی سیاہ کاری اور بدترین اعمال کی شہادت دے رہے ہیں۔ ادھر صلیبیوں کی وہ جفا کاریاں جو ایشیائے کوچک اور سوریہ کے مغربی حصہ پر فلسطین اور مصر تک برابر ایک صدی یا اس سے زائد زمانہ تک جاری رہیں اس قوم کی سنگدلی اور بیدردی پر نہایت ظاہر مگر تاریک روشنی ڈال رہی ہیں۔

اس زمانہ میں جو جو سیاہ رو بیاں ان گورے یورپین مسیحیوں سے ظہور میں آئیں۔ ان کے مورد معین کوئی خاص ملک یا قوم نہ تھی، بلکہ تمام مسیحی دنیا نے قیامت تک کے لیے اپنے اعمال نامے خراب اور تاریخیں بدنما کر لیں۔

اسلام نے جب اس کے بعد پلٹی کھائی اور پھر شوکتِ محمدی کا آفتاب مشرق سے نکل کر اپنی چکا چوند روشنی سے مغربی ممالک پر پرتو افگن ہوا۔ اس کے ضعیف جثہ نے تنومندی اور قوت پکڑی، اس کے سموم زدہ کھیتوں میں سبزہ زاری لہلہانے لگی اس کے خزاں زدہ باغوں میں خوشنما بہار نمودار ہوئی، تو ان مسیحی درندوں نے اپنے گذشتہ کارناموں پر تفخر، اور اپنے اسلاف پر لعنت کی بارشیں برسانی شروع کیں۔ تہذیب اور تمدن کی جھوٹی لاف و گزاف مارتے ہوئے قرونِ وسطیٰ کے عیسائیوں کی نکتہ چینی اور سیاہ کاری میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے۔ ادھر سلطان صلاح الدین مرحوم اور سلطان محمد فاتح مرحوم وغیرہ پادشاہانِ اسلام کی عدالت اور انصاف گستری

ہیں تاریکیوں کے صفحات بھرے ہوئے اپنے قوانین و قواعد کا نہایت غیر جانبدارانہ اور بے تعصبانہ طریقہ پر موضوع ہونا ظاہر کیا۔ کہیں یہ دعویٰ ہے کہ ہم کو مذہبی جنون اور تعصب سے سخت نفرت ہے۔ ہم مذاہب کی آزادی کے خواہاں ہیں اور اس ہیں مداخلت کے سخت مخالف ہیں۔ کہیں یہ لن ترانی ہے کہ ہم عالم انسانی کی خدمت اور تمام دنیا کی اصلاح اور خوش حالی کے کفیل اور ضامن ہیں کہیں یہ منتر ہے کہ ہم ملک گیری اور غلامی دنیا سے مٹا کر ترقی اقوام اور آزادی بنی آدم کے اعلیٰ درجہ کے ممد اور معاون ہیں۔ کہیں یہ جادو ہے کہ ہم نشر علوم و معارف کے حامی صنعتی اور حرفتی تجارتی اور زراعتی، ترقی کے اعلیٰ درجہ کے ساعی ہیں۔ کہیں یہ آواز ہے کہ ہم عدل گستری اور انصاف پرستی کے تمام دنیا میں ایک اکیلے شیدائی ہیں۔ غرضیکہ طرح طرح کے جال پھیلا کر بنی نوع انسانی کو دھوکا دیتے رہے۔

گر بہ مسکین اور بگلا بھگت نے جب اپنے شکار پر پورا قابو پالیا تو وہ ہاتھ پیر پھیلائے جس نے اگلے پچھلے تمام مظالم اور شناعات کو بھلا دیا۔

حالی مصائب کے سامنے گذشتہ مظالم کی کہانیاں بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔ وہ جفائیں زمانہ سابق میں اگر تلوار سمجھی جاتی تھیں، تو احوالِ حاضرہ کے سامنے کوڑے کی بھی حقیقت نہیں رکھتیں وہ سیاہ کاریاں اگر اُس زمانہ میں دوزخ شمار ہوتی تھیں، تو آج کل کی خونخواریوں کے سامنے چنگاری کی بھی وقعت نہیں رکھتیں۔

اسلامی دنیا پر وہ پہاڑ ڈھائے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ اُٹھی۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے کچھ عرض کرتا ہوں۔ اُنیسویں صدی کا آنا کیا ہوا کہ اسلام پر یورپ نے ہر طرف سے قیامت برپا کر دی۔ ۱۸۰۷ء میں انگریزی جہازوں نے ناگاہ گیلی پولی کے بیڑہ پر حملہ کر کے ڈبو دیا۔

۱۸۳۱ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ورغلایا۔ اسکندر السلانٹی بغاوت کے علمبردار تھے جنوں نے روسی مدد کا پورا یقین یونان کو دلایا تھا جن کے الفاظ یہ ہیں "تم (یونانیو!) ترکوں سے ڈرو نہیں کیونکہ ایک بڑی سلطنت تمہاری پشت پناہ ہے اور دشمنوں کی سرکوبی کے لیے موجود ہے"

مشہور انگریزی شاعر لارڈ بیرن نے گاؤں گاؤں گشت لگاکر ایک ٹینشن پھیلایا اور تمام یورپ میں آگ لگادی۔ چنانچہ اپنے ایک قصیدہ میں یونان کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

" یونان! اسے زندہ یونان جس کی روح مرچکی ہے!! اسے یونان جس کی عزت شہرت خاک میں مل چکی ہے، مگر صفحات تاریخ میں وہ زرّین حروف میں لکھی ہوئی ہے۔ اسے یونان تیری مدفون سلطنت کو کون زندہ کرے گا تیری شمشیر آبدار کو کون نیام سے نکالے گا۔ اسے حریت و استقلال کی روح میں تجھ پر فدا! جب تو اس زمین پر سایہ افگن تھی اور یونانیوں کی بے پناہ تلوار سے ایرانیوں اور ترکوں کے سر قلم کرتی تھی! اسے روح حریت کیا مجھے اس وقت یہ بھی خیال گزرا تھا کہ تیرے اس گہوارہ کی کایا پلٹ ہوجائے گی! عزت کی جگہ ذلت لے لے گی، آزادی کی جگہ غلامی اسے نجس کرے گی۔ اب سا سانی اپنی جرار فوجوں سے کہاں ہیں کہ اسے یونان تجھ پر حملہ آور ہوں! لیکن کمزور ترک نے تجھ پر حملہ کر رکھا ہے اور تیرے بچوں کو سختی نے خوار کردیا ہے۔ افسوس وہ ذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ذلت ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مرجاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تیرے بچوں میں حریت کی روح پھر تازہ ہوگئی ہے اور انہوں نے اپنی شاندار ماضی کو پھر زندہ کرنا چاہا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ اپنے پیروں پر آپ نہ کھڑے ہوجائیں اور اپنی آپ مدد نہ کریں۔ جو حریت پر عاشق ہوا ہے اسے چاہیے کہ اپنے خون سے مہر ادا کرکے اسے بیاہ لائے۔ جو عزت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنی تلوار کے قبضے سے قفل کو توڑے اور جو آسمان سعادت پر پہنچنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے نیزوں کا زینہ تیار کرے اس طرح اور صرف اسی طرح تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ یونان تیری عزت و آبرو اس وقت تک نہیں لوٹ سکتی جب تک کہ تیری عورتیں مردوں کو نہ پیدا کریں گی وہ مرد جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں اور پہلو سے خون بہتا ہو۔ اس سے پہلے کسی بات کی امید نہ رکھو"۔ اس کے بعد یونان کے قدرتی مناظر کا ذکر کرکے اس پر اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اور یورپ کو اس دلوی کی اعانت پر آمادہ کیا ہے۔

لارڈ بیرن کی تقلید میں اور شعراء بھی کمربستہ ہوگئے خصوصاً فرانس کے ملک الشعراء وکٹر ہیوگو

نے کو اس آگ کو خوب ہی بھڑکایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ سے جوق جوق مجاہدین ترکوں سے لڑنے کو روانہ ہو گئے اور صلیبی نقشہ پھر کھینچ گیا۔

اس بغاوت میں یونانیوں اور ان کے یورپین دیگر مددگاروں نے وہ ستم ڈھائے ہیں جن کے ذکر ہی سے دل کانپتا ہے۔ فرانسیسی امیرالبحر ہالجن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے "مونمبانیا" کے قلعہ میں تین سو یونانی تھے جن کے ساتھ ترکوں نے اپنے دورانِ قبضہ میں نہایت عمدہ سلوک کیا اور ان کے گرجوں کا احترام ملحوظ رکھا، لیکن باغی یونانیوں نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد ترکی آبادی کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کیا، بلکہ خود مسجدوں میں نہایت شنیع اور وحشیانہ افعال کے مرتکب ہوئے۔ قیدیوں کو انہوں نے بلا زادِ سفر "کاسمیس" روانہ کر دیا۔ چنانچہ زمین پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے اسلامی خاندان دیکھے گئے۔ جن کا بھوک اور پیاس نے بُرا حال کر دیا تھا اور جزیرہ کے قرب و جوار میں مقتولین کے انبار لگے ہوئے نظر آئے جنہیں یونانیوں نے قتل کیا تھا۔ صرف اسی قدر نہیں، بلکہ ستم زدہ ترکی خاندان کو باغیوں نے گولیوں سے اڑا دینے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن مسیو بولنفور نے ان کو چھین کر ایک جہاز میں بٹھا دیا اور یونانیوں سے کہا کہ جو حرکات تم نے کی ہیں۔ یہ بحری قزاقوں کی سی ہیں۔"

۱۹ راگست ۱۸۲۱ء کو یونانیوں نے شہر نادرین پر قبضہ کیا۔ وہاں کی حالت ایک پادری فرنٹرس ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "زخمی لڑکیاں جان بچانے کے لیے ساحل پر بھاگتی پھرتی تھیں مگر یونانیوں کی بندوقوں سے انہیں کہیں پناہ نہ تھی عورتیں ننھے ننھے بچوں کو چھاتی سے لگائے سراسیمہ پھر رہی تھیں۔ مگر گولیاں ان کے لختِ جگروں کے جسم کے ٹکڑے اڑائے دیتی تھیں۔ حتیٰ کہ جنہوں نے اپنے کو سمندر کے حوالے کر دیا تھا ان کو بھی نجات نہ ملتی تھی۔ یونانیوں نے ماؤں کی گود سے بچوں کو چھین کر انہیں کے سامنے بوٹی بوٹی کر ڈالا اور ان کے گوشت کو سمندر میں اس طرح پھینکا جس طرح کتے بھی نہ پھینکے جاتے ہوں گے۔"

۵ راکتوبر ۱۸۲۱ء کو باغیوں نے شہر "تریپولٹزا" پر قبضہ کیا اور جو جو ستم ڈھایا اس کا بیان ناممکن ہے۔ تین روز تک مسلسل قتلِ عام ہوتا رہا۔ مُردوں کے سڑنے کے تعفن سے تمام ملکِ یونان میں زور شور سے وبا پھیل گئی۔"

مسٹر فنلے تاریخ یونان میں اپنے چشم دید واقعات پر یہ الفاظ لکھتا ہے "اِس خونریزی کی مثال تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن تعجب انگیز تو یہ ہے کہ یورپین حکومتوں پر ان کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا، بلکہ الٹے ترک ظالم و سفاک ٹھہرائے گئے۔ زار روس نے باب عالی کو ایک تہدیدی نوٹ روانہ کیا کہ باب عالی مسیحیت کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ بتلائے کہ آیا وہ مسیحی قوم (یونان) کو بلا چون و چرا برباد ہونے دے گی اور صلیب کے برخلاف ہلال کی اہانتوں کو خاموشی سے دیکھتی رہے گی"

۱۸۲۷ء میں انگلستان، روس، فرانس نے اپنے جنگی بیڑوں کو یونانیوں کی مدد کے لیے بندرگاہِ نادرین پر پہنچایا اور ابراہیم پاشا مصری امیرالبحر کو جو کہ بغاوت کے فرو کرنے کے لیے بحکم خلیفۃ المسلمین آئے تھے۔ حکم دیا کہ وہ یونانیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے اور اپنے بیڑے اور فوج کو مصر واپس لے جائے۔ ابراہیم پاشا موصوف نے جنگ کرنے سے توقف کیا اور باب عالی کے حکم کا انتظار کیا، مگر اس حالت میں بھی یورپ یونانیوں کو بھڑکاتا رہا۔ ابراہیم پاشا نے بہت کچھ صدائے احتجاج بلند کی۔ ایک نہ سنی گئی۔ آخرکار ایک دن جب کہ ابراہیم پاشا مورہ میں دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ موقع پاکر انگریزی امیرالبحر کوڈرنگٹن نے اپنے متفقہ بیڑے سے ۲۰ر اکتوبر ۱۸۲۷ء کو عثمانی و مصری بیڑوں پر بندرگاہِ نادرین پر اچانک حملہ کر کے اوّل سے آخر تک تمام جہازوں کو ایک ایک کر کے ڈبو دیا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ایک مصری سپاہی نے ایک انگریز کو قتل کر ڈالا تھا۔ اگر یہ اخراجِ صحیح بھی ہو تو کیا ایک گورے کا قتل اتنا سنگین جرم ہو سکتا ہے جس پر یورپ و انگلستان دو اسلامی سلطنتوں کے تمام بیڑوں کو مع سپاہیوں اور ملاحوں کے غرق کر دینے کو جائز سمجھتا ہے۔ اس شرمناک حادثہ پر خود جارج چہارم شاہِ برطانیہ نے بھی اظہارِ نفرت کیا وہ کہتا ہے:۔

"یہ ایک منحوس حادثہ ہے" شہنشاہِ آسٹریا کہتا ہے "یہ ایک بڑی بھینٹ ہے"۔ انگلستان میں امیرالبحر مذکور اور پارلیمنٹ پر لبرل پارٹی نے سخت اعتراضات کیے جس پر گورنمنٹ انگریزی نے عدمِ واقفیت کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حرکت یقیناً تینوں حکومتوں کے ایما سے ہوئی تھی۔

"میسو الفریڈ ملیٹر" اپنی کتاب استقلال یونان میں لکھتا ہے "متحدہ بیڑہ نے جو کچھ کیا وہ سب فرانس، روس، انگلستان کی رائے سے کیا تھا"۔
خود انگریزی امیر البحر مذکور لکھتا ہے "وزراء برطانیہ اپنی پوزیشن کے لیے میری قربانی کر رہے ہیں"۔ یہ ایک ایسا بدنما دھبہ ہے اگرچہ یورپ لاکھ کوشش کرے، مگر کسی طرح اپنے دامن کو اس سے صاف نہیں کر سکتا۔

۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء میں جو معاملات یورپ کی بڑی متمدن حکومت روس اور اس کے دوستوں نے کیسے ہیں وہ اُن یونانی مظالم سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں جن کا ابھی ذکر آ چکا ہے۔
اخبار ڈیلی نیوز جو اس زمانہ میں روس کا بڑا حامی تھا اس کا نامہ نگار ۲۷ جنوری ۱۸۷۸ء عیسوی کو اڈریانوپل سے لکھتا ہے: فیلوپولیس اور ہرمنلی کے مابین ستر میل کا فاصلہ ہے جو کل ہزاروں خاندانوں سے پُر تھا، مگر وہ آج چٹیل میدان ہو گیا ہے اور اس میں خاک اڑ رہی ہے۔ اگر وہاں کسی چیز پر نظر پڑتی ہے تو خشک نعشوں اور انسانی ہڈیوں پر، اس وسیع سبزہ زار میں اب بجز بربادی و تباہی کے اور کچھ نہیں ہے جو ان وحشیانہ افعال کی وجہ سے واقع ہوئی ہے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ انسان کتنی ہی کوشش کرے مگر ناممکن ہے کہ وہ ان ہولناک مظالم کا اندازہ کر سکے جو اس سرزمین پر ہوئے ہیں"۔
پھر یہی نامہ نگار مذکور لکھتا ہے: "جب ہم فیلوپولیس سے گزر رہے تھے، تو ہمیں کاشتکاروں کے جثے برف سے ڈھکے ہوئے ہر طرف نظر آ رہے تھے جن میں سے بعض کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس شنیع حالت میں دو تین ہفتوں سے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں مقتولین کی ہڈیوں کو سامانِ جنگ کی وجہ سے مجبور تھے کہ روندتے ہوئے چلیں کیونکہ ہمیں راہ نہ تھی اور تمام زمین پر مقتولین اسی طرح بچھے ہوئے پڑے تھے جس طرح کہ فرش بچھایا جاتا ہے۔ ۵۰ میل تک یہی حالت تھی۔ ہر جگہ عورتیں لڑکے شیرخوار بچے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے مرد برف کی سلوں پر دکھائی دیتے تھے۔ برف کا رنگ خون کی وجہ سے بالکل سرخ ہو رہا تھا اور اکثر عورتیں اس طرح پڑی ہوئی تھیں کہ گویا اس دنیا اور تمدن کے مصائب سے تھک کر آرام کر رہی ہیں۔

مردوں کا یہ حال تھا کہ ان کی صفیں برابر بچھی ہوئی تھیں جن کے چہروں پر باوجود موت کے بھی عظمت و شجاعت کے آثار ہویدا تھے۔ ان کی داڑھیاں خون میں لت پت تھیں اور ان کے دونوں ہاتھ سینے پر تھے گویا وہ اپنے شریف دلوں کو دشمن کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ لڑکے اور شیرخوار بچے بھی اکثر سردی سے مرے تھے جن کے بھورے بالے چہروں پر برف کی ہلکی ہلکی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ ان کی معصومی ان کے بشرے سے صاف ظاہر تھی۔ وہ گویا میٹھی نیند سو رہے تھے اور ان کے نرم اور گورے گورے ہاتھ برف کے اوپر رکھے ہوئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ معصوم اپنی ماؤں کی گود میں سردی کی شدت سے مر گئے ہوں گے تو انہوں نے مایوس ہو کر ان کو برف کی سلوں پر لٹا دیا ہوگا۔ انہوں نے اس طرح اپنے لخت جگروں کو جدا کرتے ہوئے گرم گرم آنسو بہائے ہوں گے۔ جو ان کے نازک رخساروں پر آ کر برف کے تار بن گئے ہوں گے۔

میں اپنی عمر میں کبھی بھی اس قدر مایوس نہیں ہوا جتنا ان مصائب آلام کو دیکھ کر ہوا ہوں جو بے گناہ مخلوق پر انسان کے ہاتھ سے نازل ہوئے ہیں۔ میرا دل بالکل ٹوٹ گیا۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک دو سالہ خوبصورت لڑکی اور اس کی شفیق ماں روسیوں سے بھاگتی پھرتی تھی اور جب پیروں نے جواب دے دیا تو بچی ماں کے قدموں میں بیہوش ہو کر گر پڑی اور چند سسکیاں لے کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئی۔ اتنے میں رات کی تاریکی چھا گئی اور ماں بیٹیاں آپس میں لپٹ کر ابدی نیند سو گئیں۔

ماسکوی کا تمام راستہ بھی مقتولین سے پٹا پڑا ہوا ہے جس گاؤں میں ہمارا گزر ہوتا ہے وہاں بجز بربادی اور مذبوحین و مقتولین کے اور کچھ نظر نہیں آتا میں نے ایک بلغاری سے دریافت کیا کہ ارے انہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اُس نے جوشِ مسرت سے جواب دیا کہ ہم نے اور ہمارے حامیوں نے ان کافروں کو ذبح کیا ہے۔"

خود ماسکوی میں جب ہم پہنچے ہیں تو وہاں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر تھیں جن کو بلغاری پتھروں سے کچل رہے تھے۔ میں نے ایک ترکی خاندان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو اور

کہاں جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ پانچ ماہ ہوگئے ہیں ہم سرنا سے چلے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کپڑا ہے اور نہ زادِ راہ اگر راستہ میں کوئی جانور مرا ہوا مل جاتا ہے تو اس کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ اس خاندان میں تین شخص بچے تھے۔ ایک بدقسمت بُوڑھا باپ تھا، ایک بدنصیب ماں تھی جس کے سینہ سے ایک شیرخوار بچہ چمٹا ہوا تھا اور ایک دو سالہ لڑکا تھا۔ سب کے سب برہنہ تھے، صرف چیتھڑوں سے انہوں نے بمشکل ستر پوشی کر رکھی تھی۔ زمین ان کا بچھونا اور آسمان اوڑھنا تھا۔

ماسکوی سے جب ہم چلے تو قدم قدم پر ایسے ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے کہ جسم لرز گیا، نہیں معلوم کتنی عورتیں برہنہ مری پڑی تھیں جن کے شوہر انہیں کے پہلوؤں میں پڑے تھے اور بچے اُن کے گرد آخری سانسیں لے کر ہمیشہ کے لیے سو گئے تھے اور نہیں معلوم کتنے بوڑھے نظر آئے۔ جن کی کھوپڑیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے اور اُن کی سفید داڑھیوں پر خون کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ یہ بیان کرتے کرتے دل پارہ پارہ ہوتا ہے کہ ایک معمر ترک کو میں نے زمین پر بے گور و کفن پڑے ہوئے دیکھا جس کے پہلو میں قرآن کھلا ہوا رکھا تھا اور اس کے صفحوں پر اس کا خون جما ہوا تھا۔ بس تہذیب و تمدّن کہاں ہے اور انسانیت کی محبت کہاں رخصت ہو گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صرف بلغاریوں کے ہاتھوں جتنے مسلمان ہلاک ہوئے ہیں ان کی تعداد بھی بے شمار ہے، ہزار مکان اُجڑے ہوئے پڑے ہیں جن کے مالک ان مظالم کی وجہ سے مفرور ہو گئے ہیں لیکن ان کو عنقریب ہی بلغاریوں کی بربریت کا شکار ہونا پڑے گا۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ملیں گے جو صحیح و سالم ترکی سلطنت میں پہنچ گئے ہوں ورنہ سب موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ اس مناسبت سے اگر فیلپوپلیس اور ہرمنلی کی سڑک کو موت کی سڑک کہا جائے تو بالکل درست ہوگا۔

اخبار اسٹنڈرڈ کا نامہ نگار جو گرانڈ ڈیوک نکولس سپہ سالار افواجِ رُوس کے ہمراہ تھا لکھتا ہے "ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالمِ بہیمیت میں بھی نہیں ملتی۔ میں بار بار اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں کہ ہزاروں بے گناہوں کو اتنی بُری طرح ذبح کیا گیا ہوگا۔ اب روسیوں کو یہاں قبضہ کیے ہوئے دو ماہ سے زائد گزر گئے ہیں، مگر اب تک کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا کہ ترکوں نے کسی مسیحی کو تکلیف پہنچائی ہو۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ایک روسی افسر نے ایک عیسائی کاشت کار سے کہا

اب تو تم اپنے مسیحی بھائیوں سے مل کر خوب خوش ہوئے ہو گے۔ اس کے جواب میں اس نے کہا دیکھیں تم ترکوں کی طرح ہم سے کہاں تک عمدہ سلوک کرتے ہو۔

مسٹر اڈمنڈ انگریزی کونسل نے بلقان کے چند باشندوں سے دریافت کیا کہ تم پر کیا گزر رہی تھی۔ انہوں نے حسب ذیل جواب دیا: کہ جب گذشتہ شنبہ کاسکوں کی دو پلٹنیں بلقان میں پہنچیں تو بستی کے رؤسا ان کے استقبال کو نکلے، لیکن انہوں نے قصبہ کا محاصرہ کر لیا اور باشندوں سے ہتھیار طلب کیے۔ دوسرے دن اُن کی دو رجمنٹیں آگئیں جن کے ساتھ تین چار ہزار بلغاری گنوار بھی تھے جو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے گاؤں کے لوگوں اور چرپالوں کو ایک جگہ جمع کر کے گاؤں میں ہر طرف سے آگ لگا دی اور جس نے بھاگنے کا قصد کیا اسے قتل کر ڈالا۔ اگر ہم مایوس ہو کر اُن پر حملہ نہ کرتے تو ہم میں سے ایک شخص بھی آگ سے محفوظ نہ رہتا اور جب ان میں سے ایک شخص اوغلی سے اس کے خاندان کی حالت دریافت کی گئی، تو بیواؤں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی پھر دیر کے بعد اس کے ہوش بجا ہوئے تو کہنے لگا کہ کیا کہوں میری ان دونوں آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے میرے خاندان کے تمام لوگ آگ میں جھونک دیئے گئے ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ رنج مجھے اپنی بہنوں کا ہے جن کے شوہر فوج میں ہیں اور جن کا میں متکفل تھا۔

روسیوں نے جب ڈیلیوپ کو عبور کیا تو انہوں نے ہزارہا ترکی عورتوں اور بچوں کو شہر شملا میں جمع کر کے ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کا حال سترہ سربرآوردہ یوروپین اخبارات کے نامہ نگاروں نے بچشم دید بیان کیا ہے۔ ڈیلی ٹیلیگراف، منچسٹر گارڈین، مارننگ پوسٹ، ٹائمس کے نامہ نگار ان میں شامل ہیں۔ ان کے بیان کو ترکی وزیر خارجیہ نے ۲۱ جولائی ۱۸۷۷ء کو پیرس روانہ کر دیا تھا اور جس میں لکھا تھا کہ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس بربریت کی اطلاع دنیا کو کر دیں۔ جو بلغاریوں کے ہاتھوں نے خود دیکھی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے زخمی عورتوں، بچوں اور بوڑھیوں کو دیکھا ہے جن کے جسم سے خون کے فوارے جاری تھے۔ اُن کے بیان سے معلوم ہوا کہ روسیوں و بلغاریوں نے ہر ہر گاؤں میں مسلمانوں کو اس طرح ذبح کیا ہے جس طرح بھیڑیں ذبح ہوتی ہیں

ہم نامہ نگار علی الاعلان کہتے ہیں کہ زخمیوں میں اکثر عورتیں اور بچے تھے۔"

علمائے کرام! بس اس سے زیادہ مجھے طاقت گفتار نہیں۔ دل شق ہو جاتا ہے آنکھیں پُرنم ہیں۔ کلیجہ مُنہ کو آرہا ہے۔ قلم میں لغزش ہے۔ یورپ کے خونخوار وحشی، درندوں کے مظالم کہاں تک بیان کیے جائیں، مختصر طور پر پھر بھی بعض تاریخی واقعات پیش کرکے آپ سے مزید توجہ کی خواستگاری کرتا ہوں اور یورپین قوموں کی عموماً اور برٹش گورنمنٹ کی خصوصاً بیرا ہیاں اور بے ایمانیاں ظاہر کرتا ہوں۔ ۱۸۹۳ء میں ارمنوں سے بغاوت کرائی گئی جس میں برٹش گورنمنٹ سب کے آگے تھی اور فرانس، اٹلی، روس وغیرہ بھی شریک تھے۔ حالانکہ ارمنی تمام ٹرکی ممالک میں منتشر تھے کسی خاص ضلع یا صوبہ میں ان کا مستقر اصلی نہ تھا اور نہ کسی جگہ ان کا غالب عنصر تھا۔ مسلمانوں سے زیادہ مالدار اور خوشحال تھے۔ نہایت اور آرام سے بسر کرتے تھے، مگر یورپ کو کب چین تھی بڑعرصہ دراز سے طرح طرح کی خفیہ کارروائیاں جاری تھیں۔ سنہ مذکور میں انگورہ میں تحقیقاتِ بغاوت ارمن کے لیے کمیٹی بنائی گئی جس میں اقوامِ اجانب کے نمائندے بھی تھے۔ انہوں نے تحقیق کرکے دکھلایا ہے کہ صرف پروٹسٹنٹ ارمنی برسرِ بغاوت ہیں۔ کاتھولک ارمنوں کو اُس سے کوئی تعلق نہیں بعض امریکن پادری اس سازش میں شریک ہیں۔ چنانچہ امریکن نمائندہ کا یہ قول ہے "ٹرکی حکومت نے جو کچھ تحقیقات کی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور جو پروٹسٹنٹ پادری گرفتار ہوئے ہیں وہ کسی شفقت کے مستحق نہیں، اس کمیٹی نے یہ بھی ثابت کیا کہ انگریزی مدبرین خصوصاً مسٹر گلیڈ سٹون نے خفیہ طور پر ارمنوں کو بغاوت پر آمادہ کیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ ارمنوں کو خود مختار سلطنت کرادیں گے۔ اس راز کے فاش ہوتے ہی انگریزی اخباروں نے قیامت برپا کر دی۔ مسٹر گلیڈسٹون اپنے آپے سے باہر ہوگئے اور ٹرکی اور خلیفۂ اسلام پر گالی گلوچ کی دھواں دھار بارش کر دی۔ ہر طرح ترکوں کو جفاکار سفاک دکھایا۔

فیکونٹ دی کورسون فرانسیسی اپنے رسالہ میں لکھتا ہے:" جو لوگ مسئلہ آرمینیہ کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ آرمینیہ میں ہر واقعہ کے حدوث سے بہت پہلے انگریزی اخبار اس کی پیشین گوئی کر دیا کرتے تھے کہ اس قسم کا حادثہ فلاں جگہ اور فلاں تاریخ

میں ہونے والا ہے اس لیے ارمنی بغاوت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انگریزی مالِ تجارت ہے، جسے سیاسی کارخانوں میں تیار کیا جاتا ہے اور مخصوص مقامات میں حسبِ ضرورت روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ارمنوں پر ترکی مظالم کے متعلق اس قدر اختلاف و تناقض ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے چنانچہ عرصۂ دراز تک تو وہ ایسی خبریں شائع کرتے رہے جن سے ترکوں کی قساوت و بربریت دلوں میں راسخ ہو جاتی تھی، لیکن جنوری ۱۸۹۵ء کا اخبار گلوب ان سب کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ترکوں سے جتنے مظالم منسوب کیے جاتے ہیں۔ وہ عام یورپین رائے کو انگریزی اخباروں کے دھوکہ دینے کی عظیم ترین مثال ہے۔"

ارمنوں کے ذریعہ سے مختلف اوقات میں اس زمانہ تک جس قدر بغاوت اور فساد کرایا گیا ہے اور جس قدر نقصانِ عظیم ٹرکی کو پہنچایا گیا ہے اس کی ذمہ دار مثل دیگر واقعات کے یورپ خصوصاً برٹش گورنمنٹ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ تحریرات اور دیگر کتبِ تاریخ سے یہ امر واضح ہے۔ ارمنوں کے وقائع شنیعہ یونانیوں اور روسیوں وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں۔

۱۸۹۶ء میں مسئلہ کریٹ درپیش ہوا۔ یورپ نے یونانیوں کو ابھارا اور بغاوت قائم کرا کے سلطان کو آزادئ کریٹ پر مجبور کیا۔ سلطان نے وعدہ بھی کر لیا۔ مگر اس پر بھی یونان کو جزیرہ کے فتح پر آمادہ کر کے ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو کرنیل واسوس کی زیرِ قیادت فوج پہنچا دی جس نے جزیرہ کے عیسائیوں سے مل کر جو مظالم کیے ہیں ان کا کچھ تذکرہ مسر ایشمڈ بارٹلٹ کی کتاب ٹبیل فیلڈ آف تھسلی کے اردو ترجمہ تھسلی کا میدانِ جنگ نے کیا ہے۔

کرنیل واسوس کے کریٹ میں قدم رکھتے ہی خونریزی اور جنگ و جدل کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ ہر جگہ عیسائی باغی اپنے بے پناہ اور بے کس مسلمان ہم وطنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے گھر لوٹ کھسوٹ کر بے چراغ کر دیے۔ یونان کے ناجائز حملے ہولناک نتائج میں سے بطور نمونہ ستیا کے قتلِ عام کو پیش کیا جا سکتا ہے جہاں ایک ہزار مسلمان نہایت وحشیانہ طور سے مارے گئے۔ مزید برآں صدہا مسلمانوں کو دیہات میں ذبح کر ڈالا بہت سے زندہ مسجدوں میں جلائے گئے عورتوں اور بچوں سے نہایت بدسلوکی کی گئی۔ یہاں تک کہ ان کے اعضا قطع کر ڈالے۔ اس موقع پر آسٹریا کے

تحریک کی کہ کریٹ کی دول یورپ بحری ناکہ بندی کر دیں تاکہ مزید سامانِ جنگ اور مفسدوں کی جماعتیں کریٹ میں نہ داخل ہو سکیں۔ مگر انگلستان نے خدا جانے کیوں انسدادِ فتنہ و فساد کی اس دور اندیشانہ تجویز سے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا۔

ادھر کریٹ کی بے چینی اور مظالم روزانہ بڑھتے چلے جاتے تھے اور وحشیانہ کارروائیوں کو نمودار کرتی ہوئی یورپ کی انسانیت اور اصلاح کی داد دے رہے تھے۔ ادھر یورپ نے یونان کو صوبہ تھسلی پر حملہ کرنے اور حکومت قسطنطنیہ پر جس کی نسبت اُسے گمان تھا کہ اس بڈھے مرد کو نوجوان یونان بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ ہجوم کرنے کی اشتعالک دے رہا تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں یونان نے تھسلی پر چڑھائی کر دی اور منتوحہ علاقوں میں کشت و خون کی ایسی گرم بازاری کی جس کی یادگار تاریخ میں ہمیشہ ثبت رہے گی مگر جب مسلمانوں نے اُدھم پاشا کی کمان میں یونانی قزاقوں اور یورپین بھیڑیوں پر فتح حاصل کی تو تمام یورپ میں ماتم مچ گیا اور ترکوں پر لعنت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ ۲۶ راپریل ۱۸۹۷ء کے لندن کے اخبار ڈیلی کرانیکل میں لکھا گیا۔

ظالموں (ترکوں) کا گروہ بہت بڑی جمعیت رسالہ اور بھاری توپ خانہ کے ساتھ بتدریج عیسائی مملکت میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پیش قدمی فوجی اصول کے مطابق اس قدر مذموم نہ ہو جس قدر تہذیب و شائستگی اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر اس امر کو موخر الذکر روشنی میں دیکھا جائے تو یہ نہایت تاریک نظر آئے گا۔ فرمانروائے ترک تمام اچھے آدمیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ قتل و غارت کی تجاویز سوچنے میں مشہور ہیں۔ یہ انسانی حیوان جس کا نام لیتے ہی انسان کانپ جاتا ہے۔ جس کو تھوڑے ہی دن ہوئے کہ وزیر انگلستان نے غضبِ الٰہی سے ڈرایا تھا جس کی توسن آزادی کو لگام دینے کے مسئلہ پر یورپ کی متحدہ طاقتیں اس وقت نہایت سرگرمی سے غور کر رہی ہیں۔ اب اپنے رہزنوں اور قزاقوں کی جماعت چھوٹی سی عیسائی آبادی (یونان) کو تخت و تاراج کرنے کے لیے بھیج رہا ہے۔ یہ ظالم مسلمان صدیوں کی بہادرانہ کشمکش اور کوشش کے بعد بلقان کے تمام حصوں سے نکالے گئے تھے۔ اب پھر انہوں نے یورپ کی طرف فتنہ انگیز پیش قدمی شروع کی ہے۔ ہلالِ صلیب کو شکست دے کر خارج کر رہا ہے۔ عیسائی

مذہب کے اس مقدس نشان سے اب تک فتح و نصرت ہم عنان بنتی رہی کنسٹنٹائن کے عہد کے بہشتی افسانہ اب بے وقعت ہو گئے بلکہ اب عیسائی طاقتوں کے خیالات اور ایمان کی حالت کے مطابق ان الفاظ کو یوں کہنا چاہیئے کہ اس نشان کے نیچے تم منہزم و مقتول و تباہ و برباد کیے جاؤ گے ان طاقتوں میں گریٹ برٹن بھی شامل ہے اور ہم اہل انگلستان اس گناہ کے ذمہ دار ہیں۔

حضرات! صرف یہی نہیں بلکہ تمام یورپ میں شور مچ گیا کہ ترک یونانی آبادی کا صفایا کیے دیتے ہیں اور عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ انگریزی سفیر سر فلپ کری کی سرکردگی میں سفراء نے باب عالی پر سخت اعتراض کیا جس کے جواب میں خود یورپین نامہ نگاروں نے اور مشاہدہ کرنے والوں نے حسب ذیل بیان شائع کیا تھا۔

ہم اپنی ذاتی معلومات سے شہادت دیتے ہیں کہ عثمانی سپاہ نے اپنا رویہ قابل تعریف ثابت کیا ہے اور اسی طرح ترک افسروں نے لوٹ روکنے اور عیسائیوں کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس وقت بہت سے یونانی جو یہاں واپس آ گئے ہیں۔ ان کے سلوک سے نہایت اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔ قرب و جوار کے دیہاتوں میں جو یونانی آ گئے ہیں وہ ترکی فوج کی حفاظت طلب کرتے ہیں۔ یونانیوں کی شائع ذکر کرنے کے بعد پھر لکھا گیا ہے۔

لیکن ترکی فوج کی تربیت اور رویہ قابل تعریف رہا ہے وہ دنیا کے بہترین نوجوانوں سے نہایت عمدگی سے مقابلہ میں پیش کی جا سکتی ہے۔ تمام یوروپینوں کی جو اس لشکر میں ہمراہ ہیں۔ یہی رائے ہے۔"

اس کے نیچے اسی ایشمڈ بارٹلٹ ممبر پارلیمنٹ اور ٹائمز، اسٹنڈرڈ، ڈیلی ٹیلیگراف، ریوٹر، ڈیلی میل اور مارننگ پوسٹ کے نامہ نگاروں کے دستخط ہیں۔ (تسلی کا میدان جنگ صفحہ ۱۳۴)

حضرات! دیکھا یہ ہے یورپ کا مسلمانوں سے رویہ، نہ ہے اس کی صدق بیانی، یہ ہے اس کا مذاہب سے غیر جانبدارانہ طریق، یہ ہے اُس کا تہذیب و تمدن۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہ ہوئی۔ ۲۶ مئی کو قسطنطنیہ میں برطانیہ عظمیٰ نے بذریعہ سفیر سر فلپ کری اعلان کر دیا کہ "کوئی ایسا ملک جو عیسائیوں کے قبضہ میں رہ چکا ہو مسلمانوں کو نہیں دیا جا سکتا۔"

آپ ان الفاظ کو دیکھیں اور برطانیہ ویورپ کی عدالت اور انسانیت پر نظر ڈالیں۔ہم خود کیا لکھیں خود برٹش پارلیمنٹ کے ممبر ای ایشمڈ بارٹلٹ کے الفاظ یہ ہیں ا۔

"گویا انگلستان نے یہ ایک عجیب اور چونکا دینے والا اصول نکالا ہے۔خواہ کوئی فریق راستی پر ہو یا غلطی پر ہو، خواہ جنگ وجبر وتشدد میں کسی طرف سے ابتدا کیوں نہ ہو مسلمان یا ترک فتح کر کے مسلمہ فوائد سے محروم کیے جائیں گے اور انہیں خونریزی وصرفِ زر کے معاوضہ میں ایک اِنچ زمین بھی نہیں ملے گی۔حالانکہ بخلاف اس کے عیسائی فاتح مفتوح سلطنت سے ہر قسم کے مفید مطلب شرائط منوالے اور مفتوحہ ممالک کے الحاق کا استحقاق رکھتا ہے۔یہ عجیب اصول ایک ایسی گورنمنٹ نے قرار دیا ہے جو دنیا میں سب سے بڑی عیسائی سلطنت سمجھی جاتی ہے"

کیا اس اعلان سے بڑھ کر کہ کوئی عیسائی ملک مسلمانوں کو نہیں دیا جاسکتا،جزیرہ نمائے بلقان کے نیم وحشی بے اصول اور طامع ریاستوں کی آتشِ حرص کے بھڑکانے کے لیے کوئی اور تحریک ہوسکتی ہے،گویا سرویا، مانٹی نگرو، اور بلگیریا وغیرہ کو جرأت دلائی جاتی ہے کہ ان میں سے جو چاہے اور جب چاہے ترکی قلمرو پر حملہ آور ہوسکتا ہے۔یورپ اس بات کی ذمہ داری کرتا ہے کہ خواہ ان کی یورش کیسی ہی غیر منصفانہ اور ظالمانہ کیوں نہ ہو۔ان کو ذرا بھی ملکی نقصان نہ اٹھانا پڑے گا

حضرات علمائے کرام!یہ سب کچھ ہوا مگر کبھی بھی یورپ نے اسلام کے ساتھ کوئی منصفانہ کارروائی نہ کی۔

ترک خواہ فاتح ہوتے یا مفتوح،ان کا ہی گلا گھونٹا گیا انھوں نے کتنی ہی رعایا پروری اور انصاف کی داد دی،مگر اُن پر ہمیشہ ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے کے بہتان باندھے گئے۔یورپ نے خود کتنے ہی وحشیانہ کارنامے اور ناگفتہ بہ معاملات کیے۔وہ ہمیشہ اصلاح اور تمدن کے بانی اور انسانیت کے خادم بنے رہے۔ان کے مورخ خود یورپ کی ظالمانہ اور وحشیانہ کارروائیوں کا اقرار کر رہے ہیں،مگر ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی،ارمینیوں کے ورغلانے میں جو جو خلافِ انسانیت اور مخالفِ آدمیت کارروائیاں کی گئی ہیں۔وہ احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔

۱۹۱۱ء میں قزاقی جنگ لیبیا اور طرابلس میں انگلستان اور اُس کے ہواخواہوں نے جو کچھ اٹالیا کی امداد و اعانت کرتے ہوئے عملی کارروائی کی ہے۔ وہ خود یورپ کی تاریخ کو ابدالآباد کے لیے سیاہ کر رہی ہے۔

انگلستان کے مشہور و معروف جورسٹ ایڈورڈ بارکلے نے اپنی کتاب میں بہ دلائل محکم ثابت کر کے دکھایا ہے کہ "اٹلی کی اس فعل سے نہ صرف بین الاقوامی امن و انتظام کی شدید خلاف ورزی ہوئی ہے، بلکہ مغربی تہذیب کی شہرت و عزت کو اہلِ مشرق کی نظر میں سخت صدمہ پہنچ گیا ہے اور اٹلی کو اس کے قزاقانہ فعل کی اجازت دینے سے تمام دولِ یورپ نے اپنے دامنِ انصاف و ایمان داری کو ایسا آلودہ کر لیا ہے کہ سالہا سال کی تمدنی و اخلاقی کوششوں سے بھی یہ داغِ بدنامی چھڑایا نہ جا سکے گا۔"

مسٹر ڈلو ہونا مہ نگار اخبار ڈیلی کرانیکل نے اپنی ان تحریروں کے مجموعہ میں جن کو انہوں نے اطالوی حملہ کے آغاز میں طرابلس و مالٹا سے انگریزی اخبارات کے نام بھیجا تھا۔ اٹالین سپاہیوں کے غیر جنگجو عرب آبادی پر جن میں ضعیف و ناتوان مرد بیکس عورتیں، معصوم بچے بھی شامل تھے۔ وحشیانہ مظالم برپا کرنے کا دردناک قصہ کھینچا تھا جس پر ساری مہذب دنیا میں اٹلی کے خلاف لعنت اور نفرین کی متفقہ صدائیں بلند ہوئیں۔

مسٹر ارنیسٹ این بینیٹ اپنی کتاب "ود دی ٹرکش ان ٹریپولی" میں اٹیلاوی مظالم اور وحشیانہ کارروائیوں کا صاف فوٹو کھینچا ہے اور دولِ یورپ کی بے پروائی بلکہ شرکت و رضا کو پوری طرح ظاہر کر دیا ہے۔ ہم کتاب کے مفصل مضامین کو آپ کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ فقط ان دو کلموں سے آپ تمام یورپ کی چال اور تدبیروں کی قلعی کھول سکیں گے۔ وہ آخر میں کہتا ہے: "آج کل کی بین الاقوامی پالیٹیکس ہر طرح کی خدا شناسی و قوتِ اخلاقی سے عاری ہے۔"

حضرات! میں کہاں تک آپ کے سامنے اسلام پر یورپ کے مظالم اور وحشیانہ کارروائیوں کی کتھا پیش کروں۔ کتابیں کی کتابیں ان کے سیاہ و سخت دلی کے مظلم کارناموں سے اندھیری رات کی طرح تیرہ و تاریک ہیں۔ یہ چند واقعاتِ تاریخیہ آپ کے سامنے قیاس کرنے کے لیے پیش کر رہا ہوں

جن سے آپ بخوبی سمجھ سکیں گے کہ حقیقت میں یورپ تمام مشرق کا دشمن اور مسیحیت اسلام کی سخت ترین عدو ہے۔ اس نے کبھی کوئی جفا کاری اسلام کے برباد کرنے میں نہیں چھوڑی۔ جنگِ بلقان اور اس جنگِ عمومی میں تمام دولِ عظمیٰ اور ان چھوٹی چھوٹی عیسائی گورنمنٹوں نے جو جو مظالم کیے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ان کے لکھنے کے لیے ایک عظیم الشان دفتر درکار ہے جو زمانۂ قریب گزرا ہے اور مضامین اخباروں میں آ رہے ہیں۔ اگرچہ اس میں سے ایک ہی ظاہر ہوتا ہے، بلکہ تحقیق کرنے پر شاید فیصدی دو یا تین باتیں ہی لکھی جاتی ہوں۔ اگر آپ حضرات ان سے ابھی مطلع ہو چکے ہیں اس لیے میں ان کی تفصیل سے آپ حضرات کے دل کو اندوہگین نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اتنا عرض کرتا ہوں کہ ابتدائی جنگِ بلقان میں برطانیہ نے اعلان کیا تھا کہ خواہ کوئی بھی فاتح ہو ملک یورپ کا نقشہ بدلا نہ جائے گا۔ کیونکہ یورپ کو مثل سابق خیال تھا کہ ترک ہی فاتح ہوں گے۔ مگر جب دیکھا کہ اسلام مغلوب ہے تو اعلان کر دیا گیا کہ فاتح قوم کو اس کی مفتوحہ زمین سے محروم کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے جائز حق سے محروم کرنا ہے۔ علاوہ اتنا اور عرض کرتا ہوں کہ اس زمانہ خیر میں بوجہ ضعفِ حکومتِ ترکیہ مظالم وحشیانہ سابقہ سے بدرجہا زائد دل پگھلانے والے اور خون بہانے والے مظالم پیش آئے ہیں اور تمام دولِ اتحادیہ اور ممالکِ متمدنہ ان کی بانی اور شریک ہے۔ گلیڈسٹون کی وصیتیں صلیبیوں کی ہدایتیں، مذہبی مجنون عیسائیوں کی خواہشیں، گذشتہ ایام کی عداوتیں آج کھلم کھلا اسلام کے ساتھ عمل میں آ رہی ہیں۔ ترکی اور یورپ کی پرانی اور نئی تاریخیں ان مسائل پر پوری روشنی ڈالتی ہیں جن حضرات کو تفصیل مطلوب ہو۔ فریدبک کی تاریخ آلِ عثمان مصطفےٰ کامل کی مسئلہ شرقیہ عربی زبان میں مراد بیگ اور رشید بیگ وغیرہ کی تاریخ ترکی زبان میں مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کی ترکی اور یورپ اور جنگِ طرابلس کی تاریخ وغیرہ اردو زبان میں ملاحظہ فرمائیں۔

خود ہندوستان ۱۸۵۷ء میں جب کہ ہندوستانی اپنے حقِ آزادی کے لیے کوشاں تھے جو کہ بلاشبہ ہر ملک اور قوم کا فطرتی اور عقلی حق ہے۔ مذہب اور طبیعت اسی کے متقاضی ہیں۔ جو جو وحشیانہ عمل کام میں لائے گئے اور جس قدر بیگناہوں کو قتل کیا گیا جو جو بیدردی اور درندگی نمودار ہوئی وہ عالمِ انسانیت میں شاید کہیں بھی کبھی ظاہر نہ ہوئی ہوگی۔ اب تک ہمارے یہاں پرانے بڑھے حکایتیں

کرنے والے موجود ہیں اور پھر اگر انگریزی تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جاتا ہے تو معاملہ بالکل برعکس ظاہر کیا جارہا ہے۔ اپنے تقدس اور عصمت کی آواز بلند کی جارہی ہے اور ہندوستانیوں پر وحشیانہ کارروائیوں کے پہاڑ کے پہاڑ افترا کیے جاتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ان ظالمانہ اور جفاکارانہ کارروائیوں کا عشر عشیر بھی اگر کسی اسلامی حکومت سے ظاہر ہوتا جو برٹش گورنمنٹ نے ۱۸۵۷ء میں کیا ہے، تو تمام یورپ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیتا۔ آرمینیوں، یونانیوں، بلغاریوں وغیرہ پر خود یورپین تاریخی سے ترکی معاملات کو ایام بغاوت اور ایام امن کے پوچھیے اور پھر برطانی متمدن اور مہذب گورنمنٹ کے طرز عمل کو ۱۸۵۷ء کے اور اس کے پہلے اور پچھلے کارنامے دیکھیے تو حقیقت کھلے گی مسٹر ڈگبی جان سٹوارٹ مل مسٹر رومیش چندر دت مہتہ وغیرہ کی تصانیف دیکھیے تاکہ آپ برٹش گورنمنٹ کی ایمان داری، خداترسی صداقت، انسانیت، عدل گستری، رعایا پروری، اصلاح، ترکی اقوام کی سعی، اہل عالم کی خیر خواہی کا اندازہ کرلیں۔

کوئن وکٹوریہ اور ذمہ دارانِ برطانیہ نہایت زور کے الفاظ میں ہندوستان کو خود مختار آزاد حکومت دینے کا وعدہ زمانہ دراز سے کرتے آرہے ہیں۔ مسٹر گلیڈسٹون، لارڈ کرومر وغیرہ بھی اسی پر پوری طرح اطمینان دلا رہے ہیں، مگر ہندوستانیوں کی آنکھیں انتظار کرتے کرتے پتھرا گئیں، زبانیں مانگتے مانگتے گنگ ہو گئیں، دل مایوس ہو گئے۔ اسی حسرت میں کروڑوں آدمی ملک عدم کو چل بسے مگر وعدہ پورے ہونے ہی میں نہیں آتا بلکہ اس کے برعکس روزانہ غلامی کی زنجیر کڑی ہوتی جاتی ہے۔ ہر ہر مادہ اور ذلیعہ سے آزادی چھینی جارہی ہے۔ ہر طرح سے ترقی اور خوش حالی برباد کی جارہی ہے حق طلب کرنے والوں پر بغاوت اور اعزاز کے افترات باندھ کر ناجائز سزائیں دی جاتی ہیں۔ مظالم کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، عہد شکنیاں، وعدوں کی خلاف ورزیاں مسلسل جاری ہیں، ورنہ جانیے ابھی کل کا واقعہ ملاحظہ کیجیے۔

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کے شاہی کوئن وکٹوریہ اور پارلیمنٹ کے اعلان کو ملاحظہ کیجیے۔ اس کے ترجمہ میں یہ الفاظ ہیں۔

"مذہب عیسائیت کی حقانیت پر پورا ایمان رکھتے ہوئے ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال

نہیں ہے کہ ہم اپنی رعایا کو اس کے ماننے پر مجبور کریں۔ یہ ہمارا شاہی ارادہ اور خوشی ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی اپنے مذہب یا کسی مذہبی کام کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا، بلکہ سب کے سب یکساں اور برابر قانون کی حمایت کا لطف اٹھائیں گے اور ہم نہایت سختی کے ساتھ اپنے ماتحت حکام کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہماری کسی رعایا کے مذہبی اعتقادات یا عبادات میں مداخلت نہ کریں کہ یہ ہماری ناخوشی کا باعث ہوگا۔"

اب میں آپ حضرات کو توجہ دلاتا ہوں کہ ذرا غور فرمایئے، کیا آج برطانیہ کے ذمہ دار وزراء اور ہندوستان کے ذمہ دار حکام مذہبِ اسلام میں مداخلت نہیں کر رہے ہیں۔ کیا خلافت کا مسئلہ اہم واجبات دینیہ میں سے نہیں۔ کتب فقہ اور حدیث کو ملاحظہ فرمایئے۔ کیا مسلمانوں پر خلیفۃ سابق مسلّم کی حفاظت اور اس کے اقتدار کی محافظت فرض اور اعظم الفرائض نہیں۔ کیا مذہبِ اسلام میں بلاد اسلامیہ اور اقوام مسلمہ سے مدافعت فرض نہیں۔ کیا دین محمدی میں احترام مقاماتِ مقدسہ اور غیر مسلموں کے اثر و اقتدار سے محفوظ رکھنا ضروری اور اشد ضروری نہیں۔ کیا سلطان ٹرکی چھ سو برس سے مسلمانانِ ہند و غیر ہند کفار وغیرہ کے نزدیک مسلّم خلیفۂ اسلام نہیں چلا آتا۔ کیا سینکڑوں آدمیوں پر بوجہ تحریکِ خلافت جو محض مذہبی اسلامی مسئلہ ہے، طرح طرح کے جور و جفا نہیں کیے جاتے؟

ابھی ابھی کل کی بات ہے کہ مسلمانوں کا متفقہ فتویٰ علماء ہند جو تقریباً پانچ سو علمائے مذہب کے دستخطوں اور مہروں سے مزیّن تھا جس میں احکام شرعیہ کو کتاب اللہ اور احادیث و فقہ سے واضح کر کے بتلایا گیا تھا جس میں مسلمانوں کی شرعی ذمہ داریاں محض ان کی مقدس کتابوں سے دکھلائی گئی تھیں۔ جس میں مذہب کے مقدس پیشواؤں نے خدائے واحد قدوس کے احکام کو اس کے بندوں کے سامنے بلا رو رعایت ظاہر کیا تھا۔ جس میں کسی نقضِ امن اور سفکِ دما کی تعلیم نہ تھی جس میں کسی شخص کی ذاتی اور شخصی کوئی مائے نہ تھی۔ گورنمنٹ نے ۸ / اگست کو دفتر جمعیۃ علمائے دہلی سے ضبط کر لیا۔

حضرات علمائے کرام کیا اس سے بھی بڑھ کر مذہب میں کوئی مداخلت ہو سکتی ہے کیا اس سے جملہ علمائے اسلام کی سخت توہین نہیں ہوئی۔ کیا اس سے مذہب کی تنقیص اور تشنیع میں کوئی دقیقہ باقی

رہ جاتا ہے۔ کیا اس میں سخت ظالمانہ دست اندازی کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ اور کتبِ فقہیہ پر نہیں ہوتی ؟

کیا ان احکام سے صریح طور پر کوئن وکٹوریہ کے اس اعلان کی رجس کو ذمہ داران برطانیہ کے اتفاق سے ۱۸۵۸ء میں شائع کیا گیا تھا اور جس کو ہر بادشاہ بوقت تخت نشینی اپنا معمول بہا اور طرزِ عمل اختیار کرتا ہوا قبول کرتا ہے، خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ پھر کیا ایسی ناجائز حرکت کے ذمہ دار سوائے برٹش گورنمنٹ کے ناعاقبت اندیش حکام کے اور کوئی افراد ہو سکتے ہیں۔ نہیں! نہیں!

حقیقت میں یہی حکام باغی ہیں۔ یہ ہی نقضِ امن کے ساعی ہیں۔ یہی لوگ مغویانہ حرکت کر رہے ہیں۔ یہی حکام اپنے شہنشاہ اور ذمہ دار اسلاف کے متبع نہیں۔ یہ جملہ مسئولیتیں انہیں پر عائد ہوتی ہیں۔ ایسے ہی حکام نے تاجِ برطانیہ کو ممالک متحدہ امریکہ میں نقصان پہنچایا اور آج تمام برٹش ممالک میں اسی کی سعی کر رہے ہیں۔ ایسے ناعاقبت اندیش۔ کوتاہ فہم۔ نفس پرور لوگوں نے تمام پبلک کو برطانی تاج سے متنفر کر دیا ہے۔ شہنشاہی اقتدار اور قوت میں سخت درسخت پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ برطانی تاریخ کو نہایت تاریک اور آلودہ کر رہے ہیں۔

ہم ان حکام کی ایسی ناجائز حرکات کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یقیناً جانتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لوگ اور ان کے حمایتی جیسے کہ اہلِ ہند اور مسلمانانِ عالم کے بدخواہ اور دشمن ہیں ویسے ہی یا اس سے زائد اپنی قوم اور تاجِ برطانی کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔

ہم جیسے کہ حسبِ احکام شرعیہ اور ہدایاتِ مذہب اس قسم کے احکام کے ماننے کے مکلف نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کی خلاف ورزی ضروری جانتے ہیں۔ اسی طرح حسبِ اعلان کوئین وکٹوریہ ذمہ دارانِ انگلستان بھی اس کی مخالفت کرنے کے لیے مامور ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کے حکام کا رویہ عرصہ دراز سے خصوصاً اس وقت میں نہایت حدِ اعتدال اور جادۂ انصاف سے متجاوز ہو رہا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے ہم کو کسی طرح سکوت کرنا نہیں چاہیئے اور حسبِ ارشادِ نبوی افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر (سب سے بڑا اور اعلیٰ جہاد یہ ہے کہ حق بات ظالم حاکم کے اور بے راہ بادشاہ کے سامنے کہی جائے)

برادرانِ اسلام! اور حضراتِ علمائے کرام! پھر میں آپ سے بطور خلاصہ عرض کرتا ہوں
کہ گورنمنٹ کے خصوصاً اور یورپ کے عموماً کارنامے گذشتہ صدی سے اسلام اور مشرق کے ساتھ
نہایت ناگفتہ بہ ہوتے جارہے ہیں۔ جلیوں نے آیت وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰی
حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (تجھ سے عیسائی اور یہودی کسی طرح راضی نہیں ہوسکتے جب تک کہ تو ان
کے ہم مذہب نہ ہوجائے) اور آیت وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً
یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ الْفٰسِقُوْنَ (تم کس طرح
ان دشمنانِ اسلام پر اعتماد کرتے ہو، حالانکہ وہ اگر تم پر قوی ہوجائیں، تو کسی عہد و پیمان کی رعایت
اور پابندی نہ کریں۔ وہ تم کو فقط اپنی زبانی باتوں سے خوش کرتے ہیں، مگر ان کے دل انکار کررہے
ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ نہایت بدافعال ہیں) کا سماں کھینچ دیا ہے۔ اس لیے ہم سبھوں کو شرعی اور
عقلی حیثیت سے فرض اور لازم ہے کہ بوجہ عدم استطاعتِ مقابلہ بالقوۃ طائم اور نرم جنگ یعنی ترکِ
موالات سے کسی طرح منہ نہ موڑیں اور نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس میدان میں قدم
بڑھائیں اور اپنے آزاد کرانے کے لیے ہرممکن کوشش کو امن اور صلح شوریٰ کے ساتھ اتباعِ مذہب
کرتے ہوئے عمل میں لائیں۔ اپنی آزادی سے ہی ہم دوسرے ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت، خلافت کی
تقویت، مقاماتِ مقدسہ کی حمایت کرسکتے ہیں اور پھر اپنے دین، اپنے اہل و عیال، جان و مال کی بھی
حفاظت ہوسکتی ہے۔ بغیر اس کے ہمارے لیے ہر عمل میں روڑے موجود ہیں۔ مگر میری اس عرض کا
یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ خلافت اور حکومت انگورہ کو اس وقت ہرممکن عمل سے تقویت پہنچانے
میں کوئی پہلو تہی جائز بھی ہوجاوے، نہیں نہیں، وہ بھی نہایت ضروری اور اہم عمل ہے۔ کم از کم ان کی
مال اور رسد اور طبی وفد وغیرہ سے جس قدر امکان میں ہو دستگیری کرنا لازم ہے۔

حضرات! کوشش کیجیے۔ آپ کے ہر ہر قدم پر بڑے بڑے اجر اور ثواب کا قرآن اور حدیث
میں وعدہ ہے۔ اپنے ضعف اور ناتوانی کو دیکھ کر مایوس نہ ہوجئے۔ خداوند مالک الملک احکم الحاکمین
پر نظر رکھیے اور اسی پر اعتماد کیجیے اور اسی سے التجا فرمائیے۔ دوسرے کسی پر غرور اور اعتماد کلی نہیں
"دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست"

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی راہِ راست پر چلاوے اسلام اور مسلمانوں کی محافظت کرتا ہوا اپنے سچے دین کی باتوں کو بلند اور اس کی شوکت و عظمت کو تمام ادیان اور مذہب پر بالا فرمائے۔ آمین۔

حضرات! میری سمع خراشی کو معاف فرمائیں اور میری خطا و قصور اور فرو گذاشتوں سے احتراز کرتے ہوئے اسلام اور وطن کے لیے دُعا فرمائیں۔ والسلام

خادم مذہب و وطن

حسین احمد غفرلہ

خطبہ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے پانچویں سالانہ اجلاس میں

مورخہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ ۱ء

بمقام

کوکناڈا (جنوبی ہند)

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ
و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات
اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا
ھادی لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و
رسولہ صلی اللہ علیہ و علی الہ و صحبہ و سلم۔ اما بعد۔

حضرت علماء کرام و بزرگان قوم و ملت!

آج جبکہ دنیائے اسلام میں ہر طرح کی کش مکش جاری ہے۔ ہر طرف سے تیز و تند
آندھیاں اُس کی فضا کو غبار آلود اور اس کی کشتِ زار کو خس و خاشاک بنا رہی ہیں۔ دشمنوں
کی عیارانہ چالوں کی گھنگھور گھٹائیں اس کی روشنی کو مٹا دینے اور اس کے چمکدار میدانوں کو
تیرہ و تاریک کر دینے میں نہایت کوشاں اور بزعم خود پوری کامیاب ہو رہی ہیں۔ اندرونی
اور بیرونی حملوں نے اس کی بنیان مرصوص اور بنیاد مستحکم کو اکھاڑ پھینکنے کی تیاری کر لی
ہے۔ "اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیِہٖ" کی بادِ صرصر اس کے سبزہ زاروں کو مرجھا رہی ہے۔
"شُحٌّ مُطَاعٌ" اور "ھُوًی مُتَّبَعٌ" کے زہریلے میکروب اس کے صحیح و تندرست افراد پر وبائی اثر

پھیلا رہے ہیں۔
حُبِ دنیا اور کراہیتِ موت کے دہن نے اقوام دنیا کے بدترین اور کمزور افراد کو بھی دنیائے اسلام کے نگل جانے اور باہم تقسیم کر لینے کی لالچ اور طمع دے دی ہے۔ خرمنِ اسلام کے جلا ڈالنے اور اس کے چمنستانوں کے برباد کر دینے پر ہر کہ دمہ اپنی نفسانی برق اور صاعقہ لیے ہوئے تیار نظر آ رہا ہے۔ فتنۂ عیار کا وہ دور دورہ ہے کہ حق و مبطل اور طیب و خبیث کی تمیز سخت دشوار ہو رہی ہے۔ مخالف ارادہ کر رہا ہے کہ اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو اپنی خواہشات کی لائٹ سے بجھا دوں۔ موافق درپے ہے کہ میں اپنی خوابِ غفلت میں فقط خود ہی چکنا چور نہ رہوں، بلکہ ساری اسلامی دنیا کو سُلا دوں۔ دشمن اپنی قوت و تنومندی میں اگرچہ مست و سرشار ہے، مگر اسلام کی بیخ کنی سے ایک لمحہ غفلت نہیں کرتا۔ دوست اپنے نہایت ضعف اور کمزوری کا اگرچہ احساس کرنے والا اور معترف ہے مگر تحفظ و تقویت ایمان کے لیے ایک لحہ کو بیدار نہیں ہوتا۔ مصائب و آلام کی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے۔ دوست نما دشمن اور گندم نما جو فروش عیار ٹڈی دل ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔ خیانت اور اخلاقی کمزوریوں کا طوفان ہر جگہ بپا ہے۔ ہوا و ہوس پرستی اور روحانی مرض کا تیرہ و تاریک جال ہر شاہراہ پر بچھا ہوا ہے۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں ضرورت تھی کہ صدارت جمعیۃ علماء ہند کے لیے کوئی ایسا شخص منتخب کیا جاتا جو کہ ذہن وقاد طبع نقاد رکھتا ہو اس کی قوت عاقلہ وہ تیز روشنی رکھتی ہو جو کہ آفتاب کی طرح جملہ شاہراہوں کو تاریکیوں سے پاک و صاف کر دے۔ اس کی قوتِ تجربہ نے وہ ملکہ راسخہ حاصل کر لیا ہو کہ کھرے اور کھوٹے کو پرکھ کر قوم کے سامنے ظاہر و باہر کر دے۔ اس کی اخلاقی قوت کے ستاروں نے اس درجہ پر اوج حاصل کر لیا ہو کہ اس کی روشنی سے قوم کے ہر فرد کی پوری رہنمائی ہو سکے، اس کی روحانی سطوت نے وہ تسخیری سلطنت حاصل کر لی ہو کہ ہر کہ دمہ اس کے آگے سرنگوں ہو سکے۔ اس کے اعجاز بیانی کی اگر تاثیر ساحرانہ ہو تو جواہر ارقام کی روشنی تابناک، اس کے چیدہ الفاظ اگر سحبان وائل کو بہلانے والے ہوں،

تو برگزیدہ معانی متناطیسی قوت سے قلوب کو جذب کرنے والے بزرگانِ قوم! مجھ کو نہایت سخت تعجب ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت ہی زیادہ افسوس بھی ہے کہ آپ حضرات کی نظرِ انتخاب نے مجھ جیسے نالائق، کم عقل، کم سمجھ، کم تجربہ، کمزور جس کو نہ سیاسیات میں ملکہ ہے اور نہ مذہبیات میں رسوخ، نہ اخلاقیات میں کمال ہے نہ روحانیت میں مداخلت، کی طرف کیوں توجہ کی۔ غالباً بہت سے حضرات میرے ان الفاظ کو محض رسمی اور غیر واقعی انداز پر محمول فرمائیں گے اور کیوں نہ فرمائیں عادتِ زمانہ یہی ہے خلاف واقعہ اور خلافِ ضمیر کہنا زمانہ کی تہذیب میں داخل کر دیا گیا ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری یہ حالت واقعی اور اصل ہے اور میرا یہ مقالہ حقیقی ہے رسمی نہیں۔ اسی امر نے مجھ کو مجبور کیا کہ مجلسِ انتظامیہ کے انتخاب پر میں ہر ممکن کوشش کر اس سے معافی کے لیے کام میں لاؤں، مگر افسوس ہے کہ مجھ کو ہر دروازے پر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجبوراً میں امتثالِ امر کو باعثِ شرف و افتخار خیال کرتا ہوا عرض رسا ہوں کہ مجھ کو باوجود قلت فہم و تجربہ و خمود طبیعت و جمود قریحہ تو الی اسفار اور ہجوم اشغال و افکار وغیرہ کی وجہ سے اس قدر فرصت نہ مل سکی کہ مسائل حاضرہ پر کما ینبغی پورے طور پر روشنی ڈالتا اور ان کی پیچیدہ گتھیوں کو پوری طرح سلجھاتا، لہٰذا جو کچھ اس مقام پر آپ کے سامنے پیش کروں گا وہ اگر صریح و قرآن و احادیث و اقوال ائمہ و اسلاف کے مفہوم سے کوئی زائد امر ہے تو اپنے مذہبی خیالات اور اسلامی آراء کا مجموعہ ہوگا، جن کو میں نے اپنی سمجھ اور عقل کے موافق اصولِ شریعت اور وقائع ماضیہ و حاضرہ سے استنباط کیا ہوگا۔ کوئی وجہ نہیں کہ میری جملہ معروضات کو آپ دفاتر فتاویٰ میں درج فرمائیں یا گلدستۂ احکام قطعیہ میں سب کو داخل فرماتے ہوئے باعثِ زیب و زینت قرار دیں۔ میں یہ بھی گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں کہ فصاحت و بلاغت کی پیچدار گھاٹیوں سے مجھ کو واقفیت نہیں اور نہ میں اس کٹھن میدان کا شہسوار ہوں۔ اس لیے میری عرائض عامیانہ اسلوب اور معمولی اردو زبان میں ہوں گی۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ اس دشوار طریقہ تحریر و تقریر سے معاف فرمائیں گے۔

یورپ اور انگلستان کا اسلام سے تعلق

مقدس حضرات! تواریخ ماضیہ ہمیشہ فقط رہنمائے استقبال ہی نہیں ہوتیں بلکہ وہ قومی اخلاق، ان کے جذبات، اعمال، ارادوں، روحانیت وغیرہ پر نہایت صاف اور تیز روشنی بھی ڈالتی ہیں جن سے علاوہ اطلاع احوال سابقہ کے واقفین کے لیے مختلف اقسام کی عبرتیں حاصل ہوتی ہیں اور ہزاروں قسم کے نتائج سے اہل فہم کو استفادہ ہوتا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں وقائع اُمم ماضیہ کے ذکر کرنے کے مہتم بالشان فوائد اور حکم میں سے یہ فائدہ اہم تر اور اوقع ہے جس کو لفظ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (اے ارباب بصیرت (ان وقائع مذکورہ سے) عبرت حاصل کرو) سے بیان فرمایا گیا ہے۔

ہم جب کہ یورپ کے عموماً اور انگلستان کے خصوصاً اُن تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ اس کو عالم اسلامی اور مشرقی دنیا سے اس کے بزعم خود زمانہ وحشیت و بربریت کے بعد صلیبی جنگوں اور رہبانی وحشت ناک مظالم کے بعد کا دور ظہور میں آئے ہیں تو ہم کو نہایت روشن طریقہ پر یہ دکھلائی دیتا ہے کہ ان کے جملہ تعلقات نہ فقط معاندانہ اور دشمنانہ ہی ہیں بلکہ مخالفت تہذیب و انسانیت کا بھی ہر قدم پر ثبوت اور ہر شاہراہ پر منار ملتا ہے وہ وہ وحشیت کے بدنما کارنامے دکھائی دیتے ہیں جن کی مثالیں قرونِ سابقہ میں بہت کم نظر آتی ہیں اور وہ بربریّت کے ذلیل و خوار شواہد رونما ہوتے ہیں کہ قوم بربر و تاتار ان کے سامنے محض بے قصور و بے جرم دکھائی دیتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو اتنا ہے کہ قرونِ سابقہ میں انسانیت کے دعوٰی کی خوش رنگ بو یہ نہ تھی۔ تہذیب و تمدن کے ادعا کا سنہرا ورق بجنس اعمال پر چسپاں نہ کیا گیا تھا۔ جھوٹ اور دروغ حکایتوں سے تباہ کن واقعات اور درندگی کے کارناموں کو چھپا دینا نصیب نہ ہوا تھا۔ اغراض نفسانی و تسویلات شیطانی کے لیے بے قصوروں اور غیر مجرموں کو چار دانگ دنیا میں غلط طریقہ پر بدنام نہ کیا جاتا تھا۔ مظالم اور قبائح پر غیر واقعی رنگین نقاب اور خوبصورت پردہ نہ ڈالا جاتا تھا۔ الخ

وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے

ہم اگر کچھ اور بھی گہری نظر ڈالتے ہیں تو ان بُرے سے بُرے اور نجس سے نجس واقعات کا پتہ چلتا ہے جو کہ زمانہ وحشیت و بربریت کی درندگیوں کو اپنے سامنے ہباءً منثوراً بنا دیتے ہیں۔ حضرات میں اپنے اس دعوے کے لیے محض سچی اور صحیح تاریخی روایات ہی کو ثبوت اور برہان قرار نہیں دیتا بلکہ میں تو ان واقعات کو میدانِ اثبات میں لا کر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو کہ کالشمس فی رابعۃ النہار اپنے وجود کے لیے اپنے ظہور ہی کو دلیل بین بنا رہے ہیں۔ ہاں میں اپنی اس مختصر تقریر میں اس پر تفصیلی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ اگر آپ کو تفصیلی کیفیت دریافت کرنی ہے تو مرحوم مصطفٰے کامل مصری کی تصانیف خصوصاً مسئلہ شرقیہ اور آل عثمان کی تواریخ اور خود بعض منصف مورخین یورپ کی تالیفات کو ملاحظہ فرمائیں۔

میں اس وقت آپ کو صرف اُن وقائع قطعیہ کے بعض افراد کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جن پر آپ اجمالاً واقف ہو کر ایک قوی اور روشن رائے قائم کر سکیں گے۔

(۱) سلطان سلیمان قانونی اور سلطان سلیم یاور (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے بنائے ہوئے وہ جنگی بیڑے جو کہ اپنی کثرتِ تعداد، نظام، قوت، اسلحہ وغیرہ کی وجہ سے نہ صرف بحر اسود اور بحر ابیض کے جملہ سواحل اور جزائر کی جبرالٹر تک نگہبانی اور حفاظت ہی کرتے تھے، بلکہ دریائی قزاقوں اور یورپ کے دل جلی کے قلوب کو کپکپاتے بھی رہتے تھے انہوں نے جس طرح بحر ابیض و اسود کے اطراف اربعہ کے سواحل و جزائر کو ہر طرح مامون و محفوظ بنا دیا تھا، اسی طرح وہ وہاں کی متعدی اور ظالم حکومتوں کو خلائق پر تعدی اور ظلم سے اپنے قاہرانہ سطوت کے ذریعے سے باز اور اپنے سامنے سرنگوں رکھتے تھے۔ تمام یورپ میں کوئی بحری جنگی طاقت ان سے بڑھ کر تو درکنار ان کے برابر کی بھی نہ تھی۔ شہنشاہ ٹرکی جس طرح خشکی کا شہنشاہِ اعظم شمار ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ دریا کا امیر البحر اعظم تسلیم کیا جاتا تھا، مگر وہ تمام بیڑے کن عیاریوں اور چال بازیوں سے وحشیانہ

طریقوں پر دنیائے ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔

(۲) دخانی کلوں کے ظہور و شیوخ کے بعد ٹرکی اور مصر کے وہ جنگی بیڑے جن کا مجموعی قوت سے مقابلہ دول یورپ پر سخت دشوار بلکہ تقریباً ناممکن تھا، بندرگاہ نادرین پر امیرال انگریزی مسٹر کوڈرنگٹن (MR. CODRINGTON) نے ۱۸۲۷ء میں نہایت نامردی اور بربریت کی داد دیتے ہوئے اور عہد و پیمان کے شریفانہ عمل کو پامال کرتے ہوئے اپنے متفقہ حلفاء کے بیڑوں کے ذریعے سے غفلت کی حالت میں بالکل غرق اور برباد کر دیا اور علاوہ گوناگوں مظالم وستم کے ۶ ہزار غیر مجرم انسانوں کے خون کا ناپاک دھبہ انگلستان اور تمام یورپ کے دامن کو ہمیشہ کے لیے لگا دیا اور پھر اس کے بعد شئون مصر اور ٹرکی میں اس طرح مداخلتیں کی گئیں کہ بحری اور بری قوتیں مصر سے تقریباً معدوم ہو گئیں۔ مصر ہر نگل جانے والے کے لیے لقمۂ تر بن کر مدعی تہذیب، خادم انسانیت، خیر خواہ ضعفاء خلق و امم، ناشر آزادی امن و امان یعنی انگلستان کے لیے حلوائے بے دود بن گیا اور کچھ ہی عرصے میں دل فریب اور دل ربا دعووں اور نہایت ہی خوش آئند اور خوش کن وعدوں کے ذریعے سے تمام ملک مصر و سوڈان میں برٹش تسلط قائم ہو کر رفتہ رفتہ اسلامی اقتدار پا برہوا ہو گیا۔

۳۔ تقسیم بلاد اسلامیہ جس کا اصلی اور صحیح راز اسلام کو دنیائے وجود میں صرف مضمحل ہی کرنا نہ تھا، بلکہ اس کو بالکل نیست و نابود بھی کر دینا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے طرح طرح کی پلٹیاں کھائیں اور نئے نئے رنگ بدلے۔ کہیں مسیحیت کی مدد اور اس کی آواز سے تمام یورپ کو جگایا گیا۔ پروپیگنڈے پھیلائے گئے ہیں۔ کبوتر ہی نہیں بلکہ تنکے کو پہاڑ بنایا گیا اور اس کے لیے جن جن قطعات میں مسیحی آبادی زیادہ تھی، ان میں اندرونی طریقہ پر طرح طرح کی سازشیں کی گئیں۔ نارو او اور اخلاف انسانیت مظالم کے پہاڑ وہاں کی مسلمان رعایا اور حکام پر ڈھوائے گئے۔ جرائد اور اخباروں کے ذریعے سے ظالموں کو اعلیٰ درجہ کا مظلوم اور مظلوموں کو انتہا درجہ کا ظالم دکھایا گیا۔ حکومات

اسلامیہ نے محاسن کے اگر پہاڑ میدان میں لاکر کھڑے کر دیئے، تو ان کو تل بنا دیا گیا اور اگر کسی غیر ذمہ دار مسلمان یا معمولی جماعت مسلمین سے کوئی قبائح اور جفا کا ظہور میں آگیا تو وہ تمام مسلمانوں بلکہ حکومت اسلام کے قبائح اور جفا کا پہاڑ بنا دیا گیا۔ کہیں آزادی اقوام ضعیفہ کے خوش رنگ اور سریلی آوازوں سے تمام عالم کو خلاف اسلام برانگیختہ کر دیا گیا۔ اسلامی حکومتوں نے اگرچہ ان کو ان مدعیان تہذیب و مدعیان حریت سے بدرجہا زیادہ آزادی دے کر ہر طرح کے امن و امان سے پرورش کر رکھا تھا، مگر ان کے قلوب و دماغ میں غلامی کی بھیانک اور کریہ المنظر صورت کھینچ دی گئی۔ ہر طرح سازشوں، قلق و اضطرابات بدامنی و بدتہذیبی، وحشت و بربریت، بدعہدی و ستمگاری وغیرہ پر آمادہ کر دیا گیا۔ بیرونی طریقوں سے ان کو مادی اور فوجی مدد یں پہنچا کر اسلامی دنیا پر وہ مظالم کے پہاڑ توڑے گئے کہ الامان الحفیظ۔ نہ تاتاری مظالم اُن کے سامنے کچھ حقیقت رکھتے ہیں اور نہ صلیبی شنائع ان کے آگے شنائع شمار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح یونان سے اسلامی اقتدار اٹھایا گیا۔ سرویہ اور مانٹی نگرو سے اسلامی جھنڈا اکھاڑا گیا۔ رومانیہ اور پولونیا سے اسلامی اذانوں کی آوازیں بند کر دی گئیں۔ بغدان اور افلاق میں محمدی روشنی بجھا دی گئی۔ بوسینا اور ہرزی گونیا سے احمدی پرچم کی چمک ٹھنڈی کر دی گئی۔ جبل اسود اور مجارستان سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کی صدائیں موقوف کر دی گئیں۔ بلگیریا اور البانیہ پر مسیحی جھنڈا لہرانے لگا۔ مقدونیا اور تراکیا میں مسجدیں گرجوں اور ہلال صلیبوں کی صورتوں میں ڈھال دیئے گئے۔ کریٹ اور جزائر وغیرہ میں روشنی توحید مبدل بظلمت تثلیث کر دی گئی۔ کاکیشیا اور کریمیا وغیرہ سواحل بحر اسود میں مسیحی تاریکی چاروں طرف پھیلا دی گئی۔ پروٹسٹنٹ ارمنی اقوام کے ہاتھوں سے ہر شہر اور ہر دیہہ و قصبہ میں سفاکانہ کارروائیاں اور درندگانہ مظالم و قلاقل دائمی طور پر جاری کرا دیئے گئے۔ اسلامی فرقوں اور اقوام کو باہم آپس میں لڑوا دیا گیا۔ ان میں نفاق کا اس طرح بیج بویا گیا کہ ارنا ؤط، ترک، عرب، کرد، ہر ایک دوسرے کی عزت، شوکت، جاہ، مال، سلطنت وغیرہ کو نہایت کراہت کی نظر سے دیکھنے لگا۔

اسی تقسیم بلاد نے جس کی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں اور آپس میں ہمیشہ گوناگوں معاہدات اور بوقلموں تجاویز کو کام میں لاتی رہی ہیں۔ افریقہ اسلامی کے حصوں کو دول اربعہ اسپین، فرانس، اٹلی، انگلستان پر اس طرح تقسیم کر دیا کہ اس کا شمالی اور مغربی کنارہ جس میں مراکش، ریف وغیرہ داخل ہیں اسپین کو ٹونس، الجیریا، فاس اور اس کا تمام داخلی براعظم جس میں شنقیت، سینیگال، تکرور غربی، سوڈان وغیرہ کے وسیع علاقے سب داخل ہیں، فرانس کو، طرابلس، بلغاری، درنہ اور اس کے سامنے کا تمام صحرا لیبیا اٹلی کو، مصر، سعید، سوڈان بربرہ شمال لینڈ وغیرہ برطانیہ کو مل جائے۔ کسی ایک کو دوسرے کے حصہ میں نہ طمع ہو، نہ مزاحمت اور نہ کوئی یہاں کے مسلمانوں یا حکام کی کسی قسم کی مدد یا ہمدردی کرے۔ ان اقالیم کے سکان اور حکام پر خواہ کتنے ہی مظالم توڑے جائیں۔ تمام یورپ سے کسی قسم کی آواز نہ نکلے کوئی شخص یا کوئی اسلامی حکومت خواہ کتنی ہی دردناک آواز سے پکارے یا انسانیت کے نام کی دوہائی دے تو کان میں تیل ڈال کر سور رہو اور یہی نہیں بلکہ ہر ایک پر لازم ہے کہ دوسرے کو ممکن سے ممکن طریقے پر مدد پہنچائے۔ چنانچہ ان جملہ مقامات پر ہر طرح کی نہایت وحشیانہ کارروائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں، مگر کسی کے بدن پر جوں تک نہیں رینگتی اور نہ رینگی۔ سوائے خدا کے کوئی مسلمانوں اور ان کے جان و مال، عزت آبرو ملک، متاع، مذہب، قوم کا والی وارث خبر گیراں نہیں ہوا۔ وہ نہایت بے رحمی بےکسی اور بےبسی کی حالت میں دلے گئے اور دلے جا رہے ہیں۔ مگر کسی مدعی تہذیب، ناصر انسانیت، حامی حریت، ناشر تمدن کو ادنیٰ درجہ کا بھی خیال اور ذرہ برابر بھی ہمدردی پیدا نہ ہوئی اور نہ ہوتی ہے اس طرف التفات کی نظر اٹھانا گناہ کبیرہ خیال کیا گیا اور کیا جاتا ہے۔

اسلامی دنیا کو ظالم یورپین بھیڑیے پھاڑے ڈالتے ہیں اور پھاڑتے رہے، مگر بہ پیکران تہذیب اُن انسانوں کو بچانا یا ان کی خبر گیری کرنا خلاف آدمیت ہی خیال کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ غلامی کی سخت سے سخت کڑیوں اور زنجیروں میں وہ جکڑ دیے گئے۔

اور جھگڑے جا رہے ہیں، اگر کسی مہذب متمدن کے چھوٹے منہ سے نہیں نکلتا کہ غلام بنانا انسانیت پر نہایت شنیع ظلم ہے اس سے بچو اور غلاموں کی مدد کرو۔

(۴) اسی تقسیم بلادِ اسلامیہ کی بنا پر انگلستان اور روس میں ایران کی نسبت سمجھوتہ ہو کر قرار پایا کہ شمالی ایران پر روس قابض و متصرف ہو کر اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کی رہی سہی روشنی کو وہاں سے بجھا دے اور برطانیہ جنوبی ایران پر اپنا اقتدار جما کر اسلام کے پرچم کو اکھاڑ پھینکے۔ چنانچہ زار روس نے شمالی ایران پر حملہ کر دیا اور نہایت شرمناک سفاکی اور بربریت کو عمل میں لاتا ہوا شہرہائے ایران اور طوسِ مقدس یعنی مشہد شریف وغیرہ کی توہین و تذلیل میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ انواع و اقسام کے ناقابلِ ذکر جفا و جور کو کام میں لایا اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو گیا اُس وقت تک جملہ اسباب درندگی کو ناگزیر ہی سمجھتا رہا۔ گورنمنٹ ایران اور وہاں کی پبلک نے تمام دنیا سے شکائتیں کیں۔ ان کی توجہات اور انظار کی اُمیدواری ظاہر کی۔ ہندوستانی مسلمانوں سنّی اور شیعہ نے پروٹسٹ کیا۔ برٹش گورنمنٹ کو توجہ دلائی، مگر جو کام ملی بھگت سے ظہور میں آیا ہو، اس میں کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح برٹش نے بھی اپنی پولیٹیکل چالوں اور ڈپلومیسی سے جنوبی حصہ پر رفتہ رفتہ قبضہ جما لیا۔

۵۔ یہی وہ تقسیم بلادِ اسلامیہ اور ازالہ شوکتِ اسلام ہے جس کے لیے زمانۂ دراز سے یورپ کے عموماً اور انگلستان کے خصوصاً پولیٹیکل اشخاص خلافت عثمانیہ کو مرکز ابحاث اور مدار انظار بناتے ہوئے مسئلہ خلافت عربیہ کو زیر بحث لاتے رہے ہیں، جن میں سے ایک بڑی جماعت برٹش اغراض کی خدمت کرنے کے لیے عربوں کو ابھارتی اور ان کو استحقاق خلافت کے سبز باغ دکھاتی رہی۔ ان کے لیے مختلف رسائل اور مضامین تصنیف کیے گئے۔ مختلف مراکز میں انجمنیں قائم کی گئیں، ہر طرف سازشیں پھیلائی گئیں، ہر جگہ نمائندے بھیجے گئے۔ مالی اور فوجی امداد پہنچانے کی پختہ اور اٹل تحریریں دی گئیں۔ سلطنت اور استقلال و آزادی کی مزیدار چاشنی کی طمع دلائی گئی۔ خلافت کا چمکدار تاج مستقبل میں ان کا ورثہ

آبائی تباہ کیا گیا۔ غرضیکہ ہر طرح کے جادو اُن پر کیے گئے جن کی بنا پر وہ جاہل اور مُفلس قوم من کل الوجوہ زیر اثر آ کر بھیڑیوں اور بجوؤں کو اپنے سچے بہی خواہ اور خالص خیر اندیش جاننے لگے۔

رسالہ مستقبل اسلام میں مسٹر بلانڈ (SIR JOHN BLAND) اور دیگر پولیٹیکل انگریز اپنی اپنی تصانیف میں عرصہ دراز پہلے سے ان امور کو واضح کر چکے تھے مسٹر بلانڈ برٹش گورنمنٹ اور اپنی قوم کو توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے "ضروری ہے کہ خلافت اسلامیہ کا مرکز مکہ معظمہ ہو۔ زمانہ مستقبلہ میں آنے والے خلیفہ کی فقط مذہبی ریاست ہو۔ وہ دنیوی بادشاہ نہ ہونا چاہیے چونکہ اس قسم کا خلیفہ فطرۃً ایک ایسے حلیف کا محتاج ہوگا جو اس کی ہمیشہ مدد اور تقویت کرتا رہے۔ اس لیے وہ حلیف فقط انگلستان ہو سکتا ہے" انہیں امُور کو عمل میں لانے کی ہر وقت سعی بلیغ کی گئی تاکہ اسلام کی باقی ماندہ قوت بھی پاش پاش ہو جائے اور اسلامی دنیا چار دانگ عالم میں ہر طرح انگلستان کی غلامی ہی نہیں بلکہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائے۔ عرب اور ترکوں میں جدائی اور سخت منافرت ظہور میں آ جائے۔ اسلامی رہا سہا اقتدار مٹ جائے۔ ممالک عربیہ و ترکیہ سب کے سب مسیحی صلیب کے ظلمات میں آ کر ہمیشہ کے لیے توحیدی روشنی سے محروم ہو جائیں۔ اسی بنا پر ادھر تو عربوں کو ایک طرف عرصہ سے تیار کیا جاتا تھا اور ان میں قسم قسم کے پروپیگنڈے عرصہ دراز سے جاری تھے اور دوسری طرف ترکوں سے لڑائی کا حیلہ ڈھونڈا جاتا تھا اور ان کو بات بات پر لڑنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا، ہر ہر قدم پر جنگ کی دھمکی دی جاتی تھی۔ اتحاد ثلاثہ۔ انگلستان، فرانس، روس اپنی تقسیمی اسکیم کو عمل میں لانا چاہ رہے تھے۔ جس کے منصوبے صدیوں پیشتر سے تحریری اور تقریری دنیا میں آ چکے تھے۔ اتفاقات سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا اور تقسیم کرنے والوں کے لیے منہ مانگی مراد کا زمانۂ بہار رونما ہو گیا، اگرچہ بے چارے ترک، سلامت دامن کے مجسمے اسلام اور خلافت کے باقی ماندہ حمایت کرنے والے ہر طرح کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح اس آگ میں ان کو

کو دنا نہ پڑے اور وہ ہر طرح اس جنگ سے علیحدہ ہی رہیں، مگر ان سے ایسے معاملات کیے گئے جن کی بنا پر مجبور ہو کر وہ میدان میں آ ہی جائیں پھر تو کیا ہے چند بھیڑیں ہیں جن کو ہمارے تیز اور نکیلی کچلیاں چیر پھاڑ کر دم کے دم میں پھینک دیں گی۔ ٹرکی کا مشہور و معروف ذمہ دار وزیر خارجیہ اور صدر اعظم طلعت پاشا مرحوم اپنے مقالہ میں نہایت تفصیل سے ٹرکی کا جنگ سے گریز کرتے ہوئے غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرنا اور اتحادیوں کا اس پر اس کو قائم نہ رہنے دینا واضح طور پر دکھلاتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی جنگ میں اس قسم کی اشاعتیں کثرت سے ہونے لگی تھیں کہ دول اتحاد انگلستان فرانس وغیرہ نے ٹرکی سے متعدد بار استدعائیں کی ہیں کہ وہ ان کے ساتھ شریک ہو جائے، لیکن اس قسم کی اشاعتیں بالکل حقیقت سے دور تھیں۔ جنگ عظیم کی ابتدا سے واقعہ بحر اسود تک دول اتحاد نے کوئی سرکاری تحریر ان کے پاس نہیں بھیجی، البتہ سفرائے دول کی مساعی صرف اس قدر تھی کہ وہ اس کو غیر جانبدار رہنے کا مشورہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم غیر جانبدار رہے تو ہم عثمانی سلطنت کی حفاظت میں تمہاری مدد کریں گے اور یہی وہ وعدہ تھا جو پیرس کانفرنس ۱۸۵۰ء سے اُس کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ مگر وہ اس کو خوب طرح آزما چکا تھا اس لیے ٹرکی اس پر کسی طرح اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ مسلم گزٹ دہلی (MUSLIM GAZETTE, DELHI) مورخہ ۲۹ جولائی ۲۲ء نے "الہلال مصری" سے ترجمہ کر کے نہایت وضاحت سے اس کو نقل کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں اس کو بلفظہٖ نقل نہیں کر سکتا ورنہ تمام واقعات کو آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تحریر نے تمام غلط بیانیوں اور عیاریوں کی پوشیدہ حالت کو ظاہر و باہر کر دیا ہے (طلعت پاشا مرحوم نے برلن میں قبل از وفات اس کو لکھا ہے اور امریکہ کے مشہور رسالہ "تاریخ زوال" نے اس کو شائع کیا ہے۔

ٹرکی اسی حالت میں تھا کہ انگلستان نے اس کے دو جہاز عثمان اول اور رشادیہ پر قبضہ کر لیا جو کہ انگلستان میں بن کر تیار ہو چکے تھے۔ اس حادثہ سے تمام مسلمانوں خصوصاً

عثمانی پبلک کو یقین ہو گیا کہ انگریزوں نے یہ عمل اپنی اغراض قدیمہ اور بحیرہ ایجین میں یونانی بیڑے کو طاقتور بنانے کے لیے کیا ہے۔ الغرض اس قسم کے مختلف امور نے ٹرکی کو لڑائی میں داخل ہونے کے لیے مجبور کیا جس میں وہ ہر طرح معذور تھا۔ پھر کیا تھا یاروں کی مدّتوں کی آرزوئیں بر آئیں۔ سالہا سال کے منصوبے پھل اور پھول لانے لگے۔ اُمیدوں کے کشتِ زار لہلہانے شروع ہو گئے۔ صدیوں کی تیار کردہ اسکیموں کے چلانے کا وقت آگیا جو سازشیں مدت ہائے دراز سے تیار اور پختہ کی جا چکی تھیں۔ ان کے بار آور ہونے کا زمانہ آگیا۔ ٹرکی نے تو فقط روس سے اس کی بحیرہ اسود میں ناروا اور وحشیانہ کارروائیوں کی وجہ سے الٹی میٹم دیا تھا۔ انگلستان اور فرانس نے اس کو اپنے حلیف کی اعانت کے بہانے سے صرف الٹی میٹم ہی نہیں دیا بلکہ بصرہ وغیرہ پر حملہ شروع کر دیا اور ہر طرح مخفیہ کارروائیوں کے اظہار پر تل پڑے۔ جنگ کے واقعات اور اس کی تفصیلیں آپ کے سامنے دہرانا تطویل لاطائل ہے۔ آپ حضرات سب کچھ سن چکے ہیں۔ ابھی ابھی سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے گزر چکا ہے جو جو وحشیانہ کارروائیاں اس میں واقع ہوئیں وہ کچھ نہ کچھ اگرچہ فی صدی دس ہی ہوں اخباروں میں آچکی ہیں مگر میں اس نتیجہ کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں، جس کا کوئی فردِ بشر انکار نہیں کر سکتا۔

وہ عرب جن سے ہر قسم کی مدد لی گئی جن کو ان کے خلاف دیانت و انسانیت لڑنے پر آمادہ کیا گیا جن کے ذریعے سے خلافت اور اسلام کو پامال کیا گیا جن کی مدد اور اعانت سے مقاماتِ مقدسہ اور مرکزِ اسلام کو کچلا گیا جن کو طرح طرح سے سبز باغ دکھایا گیا، جن سے اٹل اور دائمی عہد نامے کیے گئے، جن کو آزادی اور استقلال بلکہ خلافت کی خوشگوار چاشنی دی گئی جن کو بادشاہت اور حکومت کی لالچ دلائی گئی، ان ہی کو غلامی کی سخت سے سخت کڑیوں میں قید کیا گیا۔ اُن کو تمام مخلوقات میں ذلیل تر اور عاجز تر بنایا گیا۔ ان کو ہر طرح سے زیر و زبر کیا گیا۔ اُن میں ہر طرح سے پھوٹ ڈلوا کر ضعیف و ناتواں

بتایا گیا۔ ان کے عہود و پیمان کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک کر بوٹ سے مسل دیا گیا۔
سیریا (شام) میں فرانسیسی اقتدار نے اسلامی شعائر پر دھواں دھار تلخ اور زہرآلود بارش برسائی۔ فلسطین (بیت المقدس) وغیرہ میں یہودی قوت نے زیر اثر برٹش گورنمنٹ اسلامی جھنڈوں پر جلا دینے والی بجلیاں گرائیں۔ میسوپوٹامیہ (عراق) پر انگلستانی قوت نے اسلامی روشنیوں کو مسیحی اقتدار کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے مٹایا۔ حجاز اور فقط حجاز پر امیر حسین شریف مکہ کو اگرچہ قابض رکھا مگر اس کو اس طرح بے بس اور بے قابو کر دیا کہ وہ حسب تحریر مسٹر بلانٹ ہر چیز اور ہر حال میں برطانیہ کا سخت محتاج اور نہایت ہی زیادہ دست نگر رہے اور پھر اس پر ابن سعود وغیرہ اعراب کو مسلط کر کے اس کی رہی سہی قوت کو بھی برباد کر دیا، جس کی وجہ سے وہ قالب بے جان اور سلطان بلا قوت بنے بادشاہ شطرنج یا کٹھ پتلی کا راجہ اس کا مصداق ہے۔ سمرنا اور تھریس میں یونانی خونخوار درندوں کو گھسا کر اسلامی شہروں کو خراب آباد بنایا۔
درہ دانیال چناق قلعہ اور شہر قسطنطنیہ وغیرہ پر تمتہ قبضہ جما کر برٹش سیادت کا جھنڈا چڑھایا، اسلامی قومی اور احکام کی سخت سے سخت توہین کی گئی۔ خلیفہ کے اقتدارات اور اس کے شرف پر نہایت بدنما دھبہ لگایا۔ ترکی حکومت اور عثمانی بادشاہت کے خلاف وعدہائے قویہ کی ذلیل ترا مانت کی۔
نیز ایشیا (ایشیائے کوچک) صوبہ اناطولیہ وغیرہ کو اٹھا لیا۔ فرانس اور انگلستان میں تقسیم کر دیا گیا۔ گویا بزعم خود اسلام کا جنازہ صرف اٹھایا ہی نہیں گیا، بلکہ اس کو زیر زمین دفن بھی کر دیا گیا۔ معاہدہ سیورے (TREATY OF SEVRES) سے پہلے پہلے اور بعد بھی وہ وہ کارروائیاں کی گئیں اور وہ وہ جفا کاریاں ہر حصہ ترکی میں جائز رکھی گئیں۔ جن کے سننے اور دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ غالباً آسمان نے اپنی آنکھوں سے ویسے ویسے دل خراش واقعات نہ دیکھے ہوں گے۔ زمین نے اپنی پشت پر ایسے دل سوز بے حیائی اور بیدردی کے اعمال نہ سنے ہوں گے۔ مشتے از خروارے آپ کے

سامنے اخباروں میں آچکے ہیں۔

ٹرکی اقتدارات کو زائل کر دیا گیا۔ اُن کو اُن کے اصل وطن سے جہاں ان کی مردم شماری ½ اور ¾ اور بعض جگہ اس سے بھی زیادہ ہے، محروم کیا گیا۔ آرمینیوں کو استقلال دیا گیا۔ اُن کے حقوق کی محافظت کی گئی۔ ان کو اسلامی زمینیں اور ٹرکی شہر اور ملک عطا کیے گئے۔ اسی قسم کے واقعات دوسرے قطعات میں بھی ظاہر ہوئے (خدا کا شکر ہے کہ اُس کے بعد اُس نے اپنے فضل وکرم سے مصطفےٰ کمال کے ذریعہ سے دشمنوں کی بہت سی آرزوئیں خاک میں ملا دیں۔)

۶۔ یہی تقسیم بلادِ اسلامیہ اور ازالۂ شوکتِ اسلام ہے جس نے زار روس سے متفقہ سمجھوتہ وغیرہ کے بموجب سنٹرل ایشیا (وسط ایشیا) کی طرف حرکت کرائی۔ وہ اسلامی قوتوں کو برباد کرتا ہوا توحید کے جھنڈوں کو سرنگوں کرتا ہوا، ایمانی لالٹینوں کو بجھاتا ہوا، ریگستان حدود ایران وافغانستان وچین تک جا پہنچا۔ ہر جگہ اس نے مسلمانوں کے جان، مال، عزت، شوکت وغیرہ پر وحشیانہ آرے چلائے۔ درندگی کی نہایت بدنما اور رقص داد دی، امن وامان کا نام ونشان مٹا دیا۔ آزادی اور انسانیت کے سر اور بازو کو قلم کیا۔ مگر تہذیب کی دیواروں میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ تمدن کے دیوتاؤں نے منہ نہ کھولا۔ آزادی اور خدام انسانیت کے اوتاروں نے ذرا بھی قدم نہ اٹھایا۔ امن وامان کے پھیلانے والے پوجاریوں نے اپنی پوجا کے لیے ذرا بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔

۷۔ اسی تقسیم بلادِ اسلامیہ اور ازالۂ شوکتِ اسلام کی بناء پر ہالینڈ نے باہمی سمجھوتہ کر کے جزائر جاوا پر یکے بعد دیگرے دھاوے کیے اور اپنی بحری اور بری قوت سے اسلامی روشنی کو بالکل بجھا دیا۔ مسلمانوں کے اقتدار کو زیر وزبر کر ڈالا۔ مگر کسی خادم آزادی اور معاون انسانیت کی چھوٹی زبان سے نہ نکلا کہ ان اقوام ضعیفہ کی آزادی غیر اقوام کیوں سلب کرتی ہیں۔ ان قوموں کو بھی مثل دیگر انسانوں کے اپنے حقوق زندگی حاصل ہیں۔ یہ بھی انسان ہیں ان کو کیوں کچلا جاتا ہے۔

حضرات یہ ہے ہمارے پیارے ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک اسلام اور مسلمانوں کی مختصر رام کہانی جس میں نہایت اختصار کے ساتھ واقعات کو آپ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ ان واقعات نے تمام اس سرزمین کا احاطہ کرلیا ہے جس پر اسلامی آفتاب کچھ ہی عرصہ پہلے اپنی نہایت تیز اور صاف روشنی کے ساتھ چمکتا تھا۔ آج وہاں پر صلیبی ظلمتیں اور مسیحی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ دشمنوں کی نفسانی گھٹاؤں نے اس روشنی توحید پر فقط پردہ ہی نہیں ڈال دیا ہے بلکہ اس دھن میں ہیں کہ اس کا آفتاب ہمیشہ کے لیے کسوف میں آ جائے۔ یہ واقعات تہذیب و تمدن کے پھیل جانے اور دول یورپ کے متمدن اور حامی امن وامان بن جانے کے بعد کے ہیں۔ ان جملہ واقعات میں تمام عالم سے زیادہ دعوئ تہذیب وانسانیت کرنے والی برطانیہ عظمیٰ کا ہاتھ سب سے زیادہ اونچا اور قدم سب کے آگے ہے۔ اکثر واقعات خصوصاً اخیرہ تو اسی کے ہاتھوں اور اسی کی زیرنظارت وسیادت واقع ہوئے ہیں اور بہت سے واقعات اس کی شراکت اور اعانت ظاہری یا پوشیدہ سے لباس وجود میں آئے ہیں جن سے صاف طور سے ادنیٰ درجہ کی فہم والا سمجھ سکتا ہے کہ دوسری یورپین دولتیں تو اسلام سے معاندانہ رویہ رکھتی ہی تھیں اور ہیں۔ مگر برطانیہ تو سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں سے عناد اور دشمنی کا رویہ رکھتا ہے اس نے کبھی بھی کوئی کسر اسلام کے برباد کرنے میں نہیں اٹھا رکھی اور آخر میں تو وہ بالکل ہی کھل کھیل جس کی بنا پر ان لوگوں کو بھی آج اس کا یقین ہو گیا جو کہ اپنے بھولے پن سے واقعات کو دیکھتے ہوئے برطانیہ کے چکنے چپڑے الفاظ کے دھوکے میں آکر اس کے خیر خواہ اور دوست اسلام ہونے کا یقین کرلیتے تھے۔ برطانیہ نے اگر کبھی اسلام کی دوستی کا بھی معاملہ ظاہر کیا ہے، تو اس میں دشمنوں سے زیادہ ضرر پہنچایا ہے۔ ؎

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

ہماری یہ رائے آپ کے سامنے اگرچہ آج ان ظاہر و باہر آفتاب کی روشنیوں کے بعد

آرہی ہے مگر سیاستدان اور تواریخ و واقعاتِ عالم پر نظر ڈالنے والی ہستیوں نے تو
بہت پہلے سے یہ حکم کر دیا تھا، چنانچہ مصطفےٰ کامل مرحوم مصری نے نہایت واضح طریقہ
پر برطانیہ کا سب سے زیادہ دشمنِ اسلام ہونا واقعات کے ذریعے سے آفتاب کی طرح
ثابت کر دیا ہے جن کے پیش کرنے سے تطویل مقام مانع ہے، واقعاتِ اخیرہ نے اس امر
کے یقین کرنے کے لیے اب اس امر کی ضرورت نہیں رکھی کہ ہم مسٹر گلیڈسٹون
(HERBERT GLADSTONE) کے مشہور مقالات اور وصایا کو دہرائیں یا مسٹر اسکو
(HERBERT HENRY ASQUITH) کے ایام بلقان کے الفاظ و اعمال کا اعادہ
کریں یا لارڈ کچنر (HORATIO HERBERT KITCHNER) کے اعمال اور اس کے
ان الفاظ سے حاضرین کے دل و دماغ کو مکدر کریں جو اس نے دربارہ حجاز اور روضۂ مطہر
نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ کہے تھے جن کو البلاغ بیروت اور الهدایت استانبول
نے مسیو لوزون فرانسیسی رسالوں سے نقل کر کے شائع کیا تھا یا ان ذمہ داران برطانیہ کے
اقوال سے آپ کی سمع خراشی کریں جو کہ ہمیشہ اسلام کے لیے زہر اگلتے ہوئے استعمال کرتے
رہے ہیں۔

انگلستان کا ہندوستان کے ہندو مسلمانوں سے تعلق

مذکورۃ الصدر قوموں اور ملکوں سے جو
یورپ بالخصوص انگلستان کا تعلق اور پالیٹکس معاندانہ اور دشمنانہ بلکہ مخالفِ انسانیت
و تہذیب رہا ہے اس کے اصل سبب دو ہیں جن کا ہر مقام پر لحاظ کیا جاتا ہے اول اسلام
دوم مشرقیت، سبب اول نظروں میں بہت ہی زیادہ کھٹکتا رہا بلکہ ہمیشہ خار ہو کر
آنکھوں میں چبھتا رہا، کیونکہ اس کے ساتھ واقعی تہذیب اور حقیقی قوت تھی۔ وہ ایک
زمانے میں اپنا زریں آفتاب تمام دنیا کے آفاق پر نور افگن رکھتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں
دل کنپا دینے والی تلوار تھی جس کی ہیبت سے مسیحی بھیڑیے کوہساروں میں چھپے رہتے
تھے۔ امر ثانی اگرچہ مفہوم میں اول سے علیحدہ ہے، مگر چونکہ مصداق میں امر اول کے

ساتھ بہت بڑے مجموعہ افراد میں اجتماع رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف بالخصوص نظریں کم پڑیں۔ مگر جب کبھی غیر مسلم افراد پر توجہ کی گئی یا مفاہیم کی تفتیش کی نوبت آئی تو معلوم ہوا کہ یورپین اقوام عموماً اور برٹش حکومت خصوصاً مشرق کے نہایت سخت دشمن ہیں نہ مشرقیوں کو انسان سمجھتی ہیں اور نہ ان کے لیے انسانی اور ملکی حقوق کا استحقاق مانتی ہیں۔ وہ ان کے نزدیک حیوانات یا اس سے بھی بدتر ہیں۔ ہندوستان جیسے برِاعظم پر انگلش قوم نے ۱۶۰۰ء کے ابتداء سے تعلق پیدا کیا اور عرصہ دراز تک تجارتی اشتغالات رکھتے ہوئے رفتہ رفتہ گھن کی طرح سیاسیات اور ہندوستان کی زندگی اور اس کی جملہ ضروریات اور محاصل میں مداخلت کی۔ یہاں تک کہ ۱۷۵۷ء سے ملک گیری شروع کر دی ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کو ہر حیثیت سے ادھموا کر کے باقاعدہ اپنی حکومت کی طرف سے ہندوستان کی حاکم بن گئی اور ۱۸۵۸ء سے برٹش گورنمنٹ نے ایک نہایت زریں اور خوبصورت اعلان کے ساتھ بادشاہت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ہم اس وقت نہ تفصیلی واقعات کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس کا موقع اور ضرورت ہے۔ فقط اتنا دکھلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی اسلام کی بیخ کنی اور مشرقی اقوام کی توہین و تذلیل اور ان کے ضعیف و کمزور بنانے کے وہی وحشی اور غیر مہذب حربے استعمال کئے گئے جو کسی مدعی تہذیب اور خادم انسانیت قوم و شخص کے لیے جائز نہیں۔ باہم حکام و رعایا اور اسی طرح باہم ہندوستان کی بسنے والی اقوام میں افتراق ڈلوایا گیا۔ یکے کے دوسرے پر مسلط کرا کر خانماں اور قوت و شوکت برباد کرائی گئی۔ اپنی جابرانہ حکومت اور سطوت جمائی گئی۔ طرح طرح کی بدعہدیاں عمل میں لائی گئیں۔ غیر واقعی سبز باغ دکھلائے گئے۔ ہندوستانیوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ ہندوستانیوں کی تجارت اور صنعت کے بند کرنے کی طرح طرح کی کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ انہیں اغراض سے ان پر جا بجا مالی اور جانی ناروا اور بے جا تشددات شنیعہ جاری کیے گئے مختلف حیاریوں اور پالیسیوں سے ان کی ملکی ترقی اور اسباب معیشت کو یک قلم برباد کر

دیا گیا۔ ان کے اموال و خزائن اور قلعہ جات وغیرہ کو دوسرے ممالک کی طرف نقل کر دیا گیا۔ ان پر طرح طرح کے وحشیانہ قوانین اور احکام نافذ کیے گئے۔ ان کے اخلاق و عادات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا گیا۔ ان کے قلوب اور دماغوں کو نہایت ناکارہ کر دیا گیا۔ ان کو حقیقی تعلیم اور اصلی ترقی سے بالکل روک دیا گیا وہ تعلیم دی گئی جو کہ نہ ان کو ترقی کے میدان میں بڑھنے دے اور نہ واقعی راستہ دکھلائے۔ ان میں جہالت اور اوہام پرستی کی روز افزوں ترقی کرائی گئی۔ ان کو ہر قسم کے مادی کمالات سے محروم کر دیا گیا۔ ان کی رفاہیت اور خوش وقتی مبدل بہ افلاس و تنگدستی کر دی گئی۔ ان کی شجاعت اور بہادری مبدل بہ جبانت و نامردی کی گئی۔ ان کی جفاکشی و بیدار مغزی مبدل بہ کاہلیت و تغافل بنا دی گئی۔ ان کے ہر فن اور ہر کمال کی تعلی مبدل بہ تسفل کر دی گئی۔ ان کی دیانتداری اور خدا پرستی مبدل بہ دہریت و الحاد و زندقہ کی گئی۔ ان کی صداقت و حقانیت مبدل بہ دروغ گوئی و باطل پرستی بنا دی گئی۔ ان کے جذباتِ عالیہ اور ملکات فاضلہ سب کے سب انحطاط اور تنزل کے گڑھوں میں دفن کر دیے گئے۔ ان کی آزادیٔ افکار اور حریتِ اجسام وارواح بدترین غلامی کی قبروں میں دفن کر دی گئیں۔ ان کی روشن دماغی اور صفائی قلبی کج خیالی اور مکدر باطن کی تاریکیوں میں مضمحل کر دی گئیں۔ وہ پالیسیاں اور ڈپلومیسیاں عمل میں لائی گئیں۔ جن کی وجہ سے کبھی یہ ملک اور اس کے باشندے ترقی تو درکنار نفس زندگی کے مستحق قرار نہیں دیے جا سکتے، نہ ان کے انسانی حقوق کا تحفظ رہا نہ ملکی اور وطنی استحقاقات کی رعایت کی گئی، نہ مذہبی اور روحانی اصولوں اور قواعد کا احترام کیا گیا۔ اس زمانہ میں جب کہ ہر قوم اور ہر آبادی ترقی کے افلاک پر درخشاں ہونے کی کوشش ہی نہیں بلکہ مسابقت بھی کر رہی ہے۔ ہندوستان ہر طرح دست و پا بریدہ نظر آتا ہے۔ وہ حسرت کی بھری ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے، مگر اپنی بے بسی اور ہاتھ پیر کی سخت بیڑیوں پر نظر ڈال کر خون کے آنسو بہاتا ہوا آہ سرد بھر کر سرنگوں ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر تو

تہذیب وتمدن کی دیویاں اس کو اپنے پہلوئے عافیت اور گہوارہ تربیت میں پال رہی ہیں۔ آزادی اور انسانیت کی خدمت کرنے والے دیوتا اس کی نگہبانی کر رہے ہیں امن وامان کے پجاری اس کی نگہبانی اور حفاظت کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں تعلیم پھیلائی گئی۔ مگر فقط الزام رفع کرنے کی غرض نیز اپنی زبان اور اپنی عادات و رسوم پھیلانے کی وجہ سے اپنے لیے غلام اور آلہ کار تیار کرنے کی بنا پر ہندوستانیوں کے مذہبی تصلب اور صداقت وحقانیت کے الٹا دینے کے لیے۔ ان کے اخلاق اور قلب ودماغ فاسد کر دینے کے مقصد سے۔ ان کو اپنے اسلاف اور گذشتہ بادشاہوں اور راجاؤں سے بدظن بنانے کی علت سے۔ ان میں آپس میں نفاق وشقاق وخونریزی پھیلانے کی منفعت سے۔ انگلستان کے سامنے سر عبادت خم کرنے کی غرض سے۔ یہ سب ہوا مگر اس پر بھی مردم شماری کے لحاظ سے تعلیم یافتہ طبقہ فی صدی دس بھی نہ ہوا۔ مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں فی صدی نوے سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ اور جاہل ہیں اور دس سے کم تعلیم یافتہ۔ ہندوستان کے محاصل اور خزانہ میں سے بیسواں حصہ بھی یہاں کی تعلیم پر خرچ نہیں کیا جاتا۔

ہندوستان میں سڑکیں نکالی گئیں۔ مگر اپنی حکومت اور قوت کو مضبوط کرنے کے لیے یورپین باشندوں اور حکام کی راحت وآرام کے لیے ہندوستان میں ریل وتار جاری کیے گئے۔ مگر اپنی تجارت پھیلانے کے لیے ہر ہر منڈی اور ہر ہر قصبہ وبازار میں انگلش مال ٹھونسنے کے لیے ہر موضع اور دیہات وغیرہ سے غلہ اور ضروریات زندگی چوسنے کے لیے ہر جگہ اپنی فوجی قوت بآسانی پہنچانے کے لیے حکومت کے خلاف ہر عمل اور اشتباہات آمیز کارروائیوں کے انسداد کے لیے ہندوستان کو نقل وحرکت آمد ورفت میں کاہل اور بودا بنانے کے لیے اُن کی مالی قوت کو جونک کی طرح کھینچ لینے کے لیے ہندوستان میں ڈاک کا انتظام کیا گیا۔ مگر برٹش رسوخ قائم اور مضبوط کرنے کے لیے اپنی قوم کے لیے ہر قسم کی راحت رسانی کے لیے اپنی تجارت وغیرہ بڑھانے

لیے ہندوستان میں کورٹ قائم کیے گئے، مگر اپنی قوم کی ہندوستان کی مالیت سے
پرورش کرنے کے لیے اپنی سطوت اور قوت و دبدبہ قائم و دائم رکھنے کے لیے ہندوستانیوں
میں نفاق و بے آرامی اور دائمی عداوت پھیلانے کے لیے غیر شرعی اور مخالف عقل و وطن
قوانین و احکام جاری کرنے کے لیے ہندوستان میں نہریں جاری کی گئیں، مگر لگان و خراج
کی زیادتی کے لیے۔

ہندوستان میں امن و امان قائم کیا گیا، مگر اپنے مفادات ممنوعہ کو حاصل کرنے کے
لیے ہندوستانی افراد کو اپنے اغراض کے لیے قربان کرنے کیلئے بیرونِ ہندوستان ہر ملک
اور ہر قوم پر دھاوا کرنے اور غلام بنانے کے لیے برٹش مفادات پر کروڑوں جانوں کے
نثار ہو جانے کے لیے ہندوستانی باشندوں اور خادمانِ قوم و وطن خواہشمندانِ تہذیب
و آزادی، محبانِ ترقی و امن کے برباد و ذلیل کرنے کے لیے ہندوستان میں فوجی تعلیم جاری
کی گئی مگر فقط برٹش افسروں کی زیرکمان ہر قسم کی تگ و دو جاری رکھنے کے لیے۔ غلامی کی
حرکات و سکنات سرانجام پانے کے لیے ہندوستان میں فوجی صیغہ کا انتظام کیا گیا، مگر
ہندوستان کی آمدنی کے بہت بڑے حصّہ کو اپنے مصارف میں لانے کے لیے ہر مقصد
پر ہندوستان کو بھینٹ چڑھانے کے لیے ہندوستان کے مال سے ہر وقت فوجی قوت
بمقابلہ ہر قوم و ملک تیار رکھنے کے لیے فوجی تعلیمات فقط اپنے لیے مخصوص کر لینے کے
لیے ہندوستان میں مال سمیٹنے کا انتظام قائم کیا گیا، مگر انگلستان کا گھر پاٹنے کے لیے انگلستان
کی اولاد کی جیب بھرنے کے لیے، ہندوستان کی جملہ رگوں سے فصد دے کر خون نکالنے
کے لیے ہندوستان کو مفلس و قلاش فاقہ مست بنانے کے لیے ہندوستان میں تجارتی
انتظام کیا گیا، مگر فقط انگلستان کی تجارت کی ترقی کے لیے ہندوستان کی تجارت و حرفت
کو مٹا دینے کے لیے ہندوستان میں خفیہ پولیس کا انتظام کیا گیا۔ مگر پولیٹیکل، وطن پرور،
حامیینِ تہذیب و تمدن، محبینِ وطن، حق کہنے اور چاہنے والے آزادی قوم و وطن
کے خواہشمندوں اور کوشش کرنے والوں کی تفتیش بعدہ ان کو مقید اور بے بس

کرنے کے لیے ہندوستان میں ظاہری پولیس کا انتظام کیا گیا، مگر جھوٹے مقدمات کے بنانے کے لیے، نزاع اور فساد پھیلانے کے لیے گورنمنٹ کی ناجائز خواہشوں کے پوری کرنے کے لیے خلق اللہ کی دل آزاری کے لیے ہندوستان میں قوانین بنائے گئے، اگر محض ضعفاء اور ہندوستانی پبلک کے لیے۔ حکام اور گورنمنٹ کی خواہشوں کے پورے ہونے کے لیے، مقدس حضرات میں کہاں تک آپ کو حقائق اور واقعات کی طرف توجہ دلاؤں اور کب تک اشاروں اور کنایات سے آپ کی سمع خراشی کروں، یہاں تو خلافِ انسانیت و تہذیب کے وہ بے نہایت واقعات موجود ہیں، جن کے لیے دفاتر کافی نہیں، خود انگلستان کے منصف اشخاص اس کے مقر ہیں، وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) الیسٹ انڈیا کا معروف و مشہور جرنیل کہتا ہے۔ انگریز ہندوستان میں آکر ایک نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کا اس کو اپنے ملک میں خطرہ بھی نہ گزرتا تھا۔ ان کے ارتکاب کے لیے اس کو یہاں فقط انگریز کا نام کافی ہوتا ہے" اس قسم کے کلمات دوسرے منصف اور تجربہ کار انگریزوں کے موجود ہیں اب آپ ان کلمات سے خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت اور اُس کی پالیسی کیسی ہے اور ہوگی۔

بہرحال حکومت موجودہ انگلستان کی حکومت کی ایک ایجنٹ ہے جو کہ حکومت انگلستان کے لیے ہندوستان کے ہر مفاد کو قربان کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اس کے پیش نظر تمام انگلستان کی پبلک کی اور وہاں کی اقوام ہیں۔ ہندوستان کی ہر مصلحت ان کے لیے بھی بھینٹ چڑھنی ضروری ہے۔ اس کے بعد اس کا نقطۂ نظر ہندوستان کے انگریز باشندے یعنی انگلو انڈین اور یورپین اشخاص ہیں، ہندوستان کو ان کے آگے بھی سجدہ کرنا فرض ہے۔ اس کے بعد ہندوستانی پبلک کا مفاد خیال کیا جاتا ہے۔ جس طرح گورنمنٹ انگریزی نے ہندوستان کے عام اقطاع و اقطار سے اسلامی اقتدار کو مختلف چالوں اور ڈپلومیسیوں سے نیست و نابود کر کے اپنا اقتدار اور ہیبت کی

سلطنت پھیلائی ہے اور جس طرح اس نے اسلامی جھنڈے کو سرنگوں کرکے صلیب کے پرچم کو لہرایا ہے، اسلام کی روشن لائٹ کو بجھا کر تثلیث کی تاریکیاں ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھیلا دی ہیں۔ اسی طرح شعائر دینیہ کو ہمیشہ سرنگوں اور برباد کرتی رہی جو شخص حقائق پر ذرا گہری نظر ڈالتا ہے۔ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ آزادی مذہب کا خوشگوار راگ محض ایک لفظ بلامعنے ہے جس کے وجود اور تحقیق کی کوئی واقعیت نہیں اور اگر ہے تو برائے نام حسب مثل مشہور ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور، الفاظی حالت دوسری ہے اور عملی حالت دوسری نہ اخراج ولگان حسب مذہب اسلام ہے، نہ حدود وتعزیرات نہ قضاء واحکام شرعی ہیں نہ معاملات و اقتصادیات نہ قوانین وشرائع اسلامی ہیں نہ تعلیمات وتجارات، نہ اختیارات ولفوضات ایمانی ہیں نہ مقاصد وحرکات، نہ تجنید، جنود قرآنی ہے نہ رزق ولاۃ ومصارف اخراجات نہ مساجد کا احترام ہے، نہ مقابر کا پاس، کون نہیں جانتا کہ شراب کا پینا اور فروخت کرنا اس کا ٹھیکہ لینا اور دینا، اس کا بنانا اور تجارت کرنا وغیرہ قانوناً جرم ہونا تو درکنار گورنمنٹ کے ذرائع آمدنی اور ضروریات میں سے ہے جس کے لیے گورنمنٹ خود ہر طرح کوشش کرتی اور پھیلانا چاہتی ہے اور تقریباً بائیس کروڑ روپیہ اس کے ذریعہ سے سالانہ حاصل کرتی ہے۔ اس کے منع کرنے والے مجرم قرار دیے جاتے ہیں۔ یہی حال تمام مسکرات اور منشیات کا ہے، گانجا، بھنگ، چرس، افیون وغیرہ وغیرہ ان جملہ مخرب اخلاق وعادات و محرمات شرعیہ امور کی آزادی درنا گورنمنٹ کی نقطہ میں عین تہذیب ہے، علانیہ طور پہ یہ امور جاری ہیں، جن کی وجہ سے اسلام پر ایک بہت بڑا بدنما دھبہ لگتا ہے۔

کس کو خبر نہیں ہے کہ زنا بخوشی طرفین قوانین گورنمنٹ میں کوئی جرم نہیں، فاحشہ عورتیں بر سر بازار علانیہ طور پر بیٹھی ہوئی ہیں چکلے بھرے ہوئے ہیں، کسی کی لڑکی بہن یا عزیز قریب اپنی خوشی سے چکلہ میں چلی جائے یا کسی کے ساتھ خلاف مرضی اقارب بھاگ جائے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ اس کو کسی قسم کا خوف حکومت کے پکڑ دھکڑ کا

ہو سکتا ہے۔ ۳ کون انکار کر سکتا ہے کہ ارتداد عن الاسلام قانونی حیثیت سے بالکل مباح قرار دیا گیا ہے۔ باپ کو اپنے بالغ بیٹے پر اور بھائی کو اپنے بالغ بھائی پر ارتداد سے روکنے کا حق حاصل نہیں اور یہی حال جملہ اعزہ و اقربا کا ہے ۴ کس کو تامل ہو سکتا ہے کہ لہو و لعب اور فسق و فجور اور دیگر مخرب اخلاق اور منافی شرافت اعمال جیسے تھیٹر سینما فوٹوگراف ناچ رنگ، گانا بجانا اور اس قسم کے دیگر تماشے اور لہویات قانونی اجازت سے ہوتے رہتے ہیں، بلکہ بعض امور میں گورنمنٹ مالی فائدہ حاصل کرتی ہے۔ ان امور کی اشاعت سے اسلامی شعائر اور عقائد اخلاق پر کس قدر بُرا بدنما دھبہ پڑ رہا ہے ۵ کیا کوئی تامل کر سکتا ہے کہ قمار اور سٹہ ہر قسم کا زیر تجویزات قانونیہ ہو کر بہت سی جگہوں میں گورنمنٹ آمدنیوں کا مکمل ذریعہ ہے، جس کی بنا پر اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ پر باوجود مخالفت احکام اسلامیہ نہایت سخت ٹھیس لگتی ہے۔

۶ کس کو خبر نہیں کہ قوانین تعزیرات ہند اور قوانین مال وغیرہ عموماً خلاف ما انزل اللہ ہیں اور کچہریوں میں حکام انہیں قانونوں کی تابعداری کرتے ہوئے خلاف خدا اور رسول علیہ السلام حکم کرتے ہیں۔ ہندوستانیوں کو اپنے مقدمات مجبور ہو کر وہاں لے جانا پڑتا ہے۔ قانونی سیکڑوں مکر و جال و فریب کرنے پڑتے ہیں، شہادتیں دروغ بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اُن کو قانونی اور مفید مطلب الفاظ سکھلائے جاتے ہیں۔ بیرسٹر اور وکلاء ہر قسم کی بے ایمانیاں اور دروغ گوئیاں" حیلے" کر و فریب، ابطال حق، احقاق باطل عمل میں لاتے ہیں۔ رشوت ستانی، علانیہ ہوتی ہے، بغیر ان امور کی مطلب برای کسی کو ممکن ہی نہیں ہے۔ عام طور سے مقدمات لے جانے والے حسب تصریح، آیت، فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے جھگڑوں اور مقدمات میں تم کو (آنحضرت علیہ السلام اور آپ کے بتائے ہوئے قوانین کو) اپنا قاضی اور جج نہ بنالیں اور پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی آپ کے

فیصلہ پر نہ پائیں اور پوری طرح تسلیم نہ کرلیں) اپنے اپنے ایمانوں کو نہایت سخت خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ سودوں کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ مالی جرمانے وصول کیے جاتے ہیں جو کہ خود گورنمنٹ کے خزانے کی تعمیر کے باعث ہوتے ہیں، ناحق حبس دوام اور پھانسی کی سزائیں عائد کی جاتی ہیں۔ طرح طرح کے ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے چندے دباؤ ڈال کر لیے جاتے ہیں۔ ہزاروں امور خلاف ایمان و اسلام اکراہاً کرائے جاتے ہیں۔

یہی حال عام طور سے قوانین و قواعد کا ہے متعلقہ ملازمات ہوں یا صیغہ کاشتکاری خواہ وہ زمینداری سے تعلق رکھتے ہوں یا تجارت و صنعت سے خواہ وہ انتظام آبادی اور شہروں کے لیے بنائے گئے ہوں یا نظام جیل وغیرہ کے لیے۔۔۔

خلاصہ یہ کہ ہر ہر قدم پر گورنمنٹی احکام و قوانین اسلامی شرائع کے ساتھ تصادم کر رہے ہیں، جن امور میں آزادی دی گئی ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر ہے جب کبھی کوئی دوسری مصلحت اس کے معارض ہوجاتی ہے تو وہ آزادی رفو چکر کر دی جاتی ہے۔ کراچی کا مقدمہ شاہد عدل ہے۔

ان امور کا سبب اور اس کا علاج | ان جملہ امور اور کیفیات پر نظر ڈالنے سے بخوبی ظاہر اور متعین ہو رہا ہے کہ

اب تک کی برٹش سیاست اور انگریزی پالیسی یہی رہی ہے کہ وہ اسلام کی دنیا میں سب سے بڑی دشمن اور بیخ کن ہے۔ مع ہٰذا وہ مشرقی اقوام کے انسانی اور ملکی حقوق کی نہایت زبردست مخالف اور عدو بھی ہے۔ اس کے وعدے اور عہود مکر دی کے جالے کی پائیداری نہیں رکھتے، وہ اپنی سلطنت اور قوم کے لیے تمام دنیا کو قربان کر دینا ضروری سمجھتی ہے، وہ دیگر قوموں کو ساتھ لے کر اسلام اور مسلمانوں بلکہ تمام مشرق کو نگل جانا چاہتی ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُن مقدس الفاظ سے دے رہے ہیں۔

يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ قال بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن فى قلوبكم الوهن قال يارسول الله وما الوهن قال حب الدنيا وكراهية الموت
(رواه ابو داؤد و البیهقی)

عنقریب قومیں تم پر قابو اور تم کو تقسیم کرنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح کھانے والے کھانے کے طباق پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، ایک شخص نے پوچھا کہ کیا یہ امر ہماری کمی کی وجہ سے ہوگا۔ فرمایا کہ نہیں تم اس وقت بہت ہوگے، مگر دریا کی باڑھ کے کوڑے کرکٹ کے مثل تمہارا وجود ہوگا (تم میں گرانباری اور استقلال و ہمت نہ ہوگی) خداوند کریم تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال ڈالے گا اور تمہارے دلوں میں وہن (ضعف) کو ڈال دے گا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اس ضعف کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت"

یہ حدیث جس طرح استقبال و وقائع کو جن کا ظہور مدتوں سے ہو رہا ہے بتلا رہی ہے اسی طرح وہ ان کے علاج اور طریق عمل و فلاح کو بھی بتلا رہی ہے۔ یعنی ذریعہ علاج یہ ہے کہ ہم کو ایسے اعمال کی ضرورت ہے۔ جن سے دشمنوں کے دلوں میں ہیبت اور رعب قائم و دائم رہے اور اپنے اندر سے ضعف اور وہن معدوم اور مفقود ہو جائے اور ان دونوں کے لیے اصلی سبب راحت پسندی، جاہ و مال سے قلبی تعلق دنیاوی لذات سے لو لگانا، تکالیف سے گھبرانا موت سے ڈرنا ہے۔ اگر ہم استقلال اور ہمت کے ساتھ ہر زحمت کے برداشت کرنے کے لیے اور ہر قسم کی قربانیوں کو دے دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اپنے اندر ہر قسم کی وہ قوت پیدا کر لیں جس سے دشمن کا کلیجہ لرزنے لگے، تو بے شک ہم ہر طرح کامیاب ہو سکتے

ہیں اور پھر کوئی ہم پر آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔

مسلمانان ہندوستان کے ضروری فرائض میں گورنمنٹ سے مقابلہ سب سے اہم اقدام ہے

اس لیے سب سے بڑا اور اہم واجب اور ضروری فرض یہ ہے کہ ہم نہایت شد و مد سے پورے استقلال و عزم کو کام میں لاتے ہوئے اس ناپاک پالیسی کا مقابلہ کریں، خصوصاً جب کہ تمام قانونی کارروائیاں بے سود ثابت ہو چکی ہیں اور نہایت زیادہ لازم ہے کہ گورنمنٹ کو مجبور کرتے ہوئے اس کے پرانے انسانیت سوز نجس رویہ کو چھڑوائیں اسی کے ساتھ مقابلہ کرنا اپنا حقیقی نصب العین سمجھیں اور جب تک مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو نہ خود چین سے بیٹھیں اور نہ گورنمنٹ کو چین سے بیٹھنے دیں۔ جس طرح طبیب حاذق پر لازم ہے کہ اگر ایک مریض میں مختلف امراض کا اجتماع ہو جائے اور ان میں بعض امراض ایسے ہوں جو کہ زندگی اور سارے جسم کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں اور بقیہ دوسرے امراض ایسے نہ ہوں بلکہ ان کی وجہ سے کسی خاص عضو پر خطرہ ہے یا راحت و آرام میں کمی ہے تو طبیب کا فرض ہوگا کہ سب سے اوّل اور زیادہ اس مرض کی طرف التفات کرے جس سے تمام جسم اور زندگی معرض خطرہ میں ہے۔ باقی ماندہ امراض کو یا تو بعد کے لیے چھوڑ دے۔ یا اس پر معمولی التفات رکھے۔ علی ہذا القیاس اگر کسی مریض میں چند امراض ایسے مجتمع ہوں کہ ایک مرض تمام دیگر امراض کا منشا اور سبب ہے اور اس کا خطرہ بھی بہت زیادہ ہے تو طبیب حاذق کا فرض ہوگا کہ اس منشأ امراض پر پوری توجہ کو صرف کر دے اس کے زائل ہو جانے کے بعد یہ دوسرے امراض یا تو خود ہی زائل ہو جائیں گے یا نہایت آسانی کے ساتھ ان کا ازالہ ہو سکے گا، مگر اس کے خلاف کرنا اور فروع کی مداوات کو اصل اور مادہ پر مقدم کرنا نہایت بے عقلی ہوگی۔ اسی طرح ہر عقل مند پر لازم ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی آج تک کی پالیسی جو تمام اسلام اور جملہ مشرق کے لیے

نہایت مہلک اور خطرناک ہے اس کا مقابلہ نہایت ہی شدت اور استقلال کے ساتھ جاری رکھیں اس میں سرمو تکاسل کو راہ نہ دیں۔

دوسرے نوزائیدہ دشمن اور ملکی معاندوں سے مقابلے

اس دوران میں اگر دوسری پالیسیاں سدراہ ہوں یا اور کوئی دوسری قوت عناد و دشمنی کی زہریلی وبا پھیلائے تو نہایت عقلمندی اور غور و فکر کو کام میں لائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نوزائیدہ دشمن اسی اصلی اور بڑے سخت پیمانہ پر ہلاک کرنے والی پالیسی کے جراثیم ہوں، یا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہم اس وطنی دشمنی سے لڑ جھگڑ کر ہندوستانی قومیت کو اور زیادہ ضعیف کر دیں اور رہی سہی قوت کو تہ و بالا کرتے ہوئے اس مہلک دشمن کو اور بھی قوی کر دیں اُس کے زہریلے پنجے اور زیادہ چُبھ جائیں، اس لیے حتی الوسع صلح و آشتی اور صفح وعفو اور درگزر سے کام لیا جائے اگر یہ ناممکن ہو جائے تو محض ضرورت کے موافق مقابلہ کیا جائے اور گردوپیش کو ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ چند مخصوص افراد کی مفسدہ پردازی کا اثر تمام ملک و قوم پر عائد نہ کیا جائے۔ یہ نہ تو عقل و دوراندیشی کے مطابق ہے اور نہ وقتی احوال اس کے اجازت دینے والے ہیں اور نہ مذہب اس کو جائز رکھتا ہے۔

آزادیٔ جزیرۃ العرب و مقاماتِ مقدسہ مسلمانانِ ہندوستان کا دوسرا واجب اور اس کی صورت

ہم مسلمانوں کے نہایت مقدس مقامات اور مذہبی مراکز اسی ناپاک پالیسی کے شکار ہوگئے ہیں جن کا پہلے تذکرہ آچکا ہے۔ اراکینِ برطانیہ نے اپنے مختلف عہد و پیمانوں کو اس پالیسی کے بھینٹ چڑھا کر برٹش گورنمنٹ بلکہ اپنی تمام قوم و ملک کی بہت ہی زیادہ توہین و تذلیل کی ہے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو نہایت سخت صدمہ پہنچایا ہے، جملہ مسلمانانِ عالم کا

عموماً اور مسلمانان ہند کا خصوصاً اہم فریضہ ہے کہ ان کی آزادی جزیرۃ العرب سے غیر مسلم اقتدار اٹھانے کے لیے ہر ممکن عمل اور کوشش کو کام میں لائیں۔ اس کی شرعی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جزیرۃ العرب کی نسبت آنحضرت علیہ السلام کا آخری وقت میں نہایت تاکیدی حکم صادر فرمانا جس کا صریح مفاد یہ تھا کہ غیر مسلم اقتدار وہاں باقی نہ رکھا جائے۔

۲۔ ممالک اسلامیہ پر جب غیر مسلم ہجوم کر کے قابض ہو تو اس کی مدافعت کرنی تدریجاً تمام مسلمانانِ عالم پر واجب ہو جاتی ہے۔ کتب فقہ میں نہایت وضاحت سے یہ مسئلہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۳۔ یہ مقامات مرکز اسلام ہیں۔ یہاں پر انبیاء کرام اور صحابہ عظام اور اولیاء فخام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بکثرت نشو ونما پائی ہے، جا بجا ان کے مقابر ہیں۔ خود آنحضرت علیہ السلام کا مولد و مدفن اور بود و باش وغیرہ کی وجہ سے یہ مقامات نہایت اعلیٰ درجہ کا پایہ رکھتے ہیں۔ مسجد حرام اور قبلہ مطہرہ یہاں ہی واقع ہیں۔ غرضیکہ بے نہایت وجوہ ان مقامات کے احترام کی اسلامی نقطۂ نظر سے موجود ہیں۔ اس لیے جملہ اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ ان امکنہ اور تمام جزیرۃ العرب کے احترام و تطہیر عن ایدی الکفرۃ میں پوری کوشش کریں۔

چونکہ حدود جزیرۃ العرب میں حجاز، یمن، تھامہ، عمان، حضرموت، نجد، عراق، شام، فلسطین، عنیزہ وغیرہ، سب داخل ہیں۔ اس لیے شہر عدن پیرام باب المندب جدہ وغیرہ سب اس حکم میں داخل ہوں گے اور سبھوں کے لیے کوشش کرنا ضروری ہوگا کہ غیر مسلم اقتدار وہاں باقی نہ رہے۔

آزادیٔ ہندوستان مسلمانان ہندوستان کا تیسرا اہم فریضہ

مسلمانانِ ہندوستان کا شرعی اور سیاسی وجوہ سے اہم فریضہ سوئم یہ ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرائیں۔ وجوہ ذیل

ملاحظہ ہوں۔

۱۔ خلافت اور بلادِ اسلامیہ ترکیہ کی آئندہ حفاظت اور استقبالی خطرات سے محفوظیت اسی پر موقوف ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ یہاں کی فوجیں اور جملہ مالی اور جنگی امدادیں ہندوستانی پبلک کے قبضہ میں ہوں ورنہ مثل سابق بلا رضا و رغبت ان سب کو وہاں لے جاکر وہی معاملہ کیا جائے گا۔ جواب تک کیا گیا ہے۔

۲۔ جزیرۃ العرب اور مقاماتِ مقدسہ کی مذبوحیت تحفظ ہند کے لیے عمل میں آئی ہے جس کو خود برٹش سیاسی تسلیم کر رہا ہے۔ ہر عالم جغرافیہ اور تھوڑی سی سیاست کا جاننے والا بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس لیے ہندوستان کا آزاد ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ جزیرۃ العرب اور امکنہ مقدسہ کے ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے اور ان امکنہ مقدسہ کا آزاد ہوجانا نہایت آسان اور محقق ہو جائے۔

۳۔ اقطار و اکناف عالم کے مسلمانوں کا خون اُن کی جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کا اہم ذریعہ ہندوستان کا آزاد ہونا ہے۔ برٹش کی ناپاک پالیسی ہمیشہ اپنے نجس مقاصد کے لیے ان پر چیرہ دستی کرتی رہی اور ہندوستان کی فوجوں سے ان پر ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھتی ہے۔

۴۔ بیرونی ممالک اسلامیہ یا وہاں کے مسلمانوں یا خلافت یا مقاماتِ مقدسہ وغیرہ پر اگر کوئی ظلم و ستم ہو تو ہندوستان اور وہاں کے مسلمان باشندوں کی صدائے احتجاج اور پروٹسٹ جب ہی قابلِ تاثیر ہوسکتی ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار ہوں اسی وقت میں وہ ان کو اس سے نفع پہنچا سکتے اور ظالموں کو روک سکتے ہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ ہندوستان ایک اکیلا ایسا ملک ہے جس سے تمام دول تعلق رکھنے پر مجبور ہیں اور ہوں گی، اس لیے اس کی آواز ضرور مؤثر ہوگی، مگر جب تک وہ غلام ہے اس وقت تک اس کی کوئی آواز قابلِ وقعت نہیں ہوسکتی۔

۵۔ ہندوستان کے مسلمان باشندے اپنے بیرونی بھائیوں کو مالی یا فوجی یا

اسلحہ اور ہتھیاروں وغیرہ سے مدد پہنچانا چاہیں تو اُسی وقت میں اُس واجب کو کماحقہ ادا کرسکتے ہیں۔ جب کہ وہ آزاد ہوں ورنہ بحالت غلامی مثل زمانۂ جنگ عمومی ہلالِ احمر کو بھی ادنیٰ درجہ کی مدد نہیں پہنچا سکتے۔

۶۔ برٹش کی ناپاک پالیسی ہندوستانی فوجوں سے اپنی اغراض کے لیے مسلمان قوموں اور ان کے دار و دیار مال و منال عزت و آبرو پر ہتھیار اٹھواتی ہے۔ ان کو قتل کرواتی ہے۔ اگر کوئی فوجی اس امر کو حلال جان کر کرے گا تو حسب احکام شرعیہ کافر ہو جائے گا اور اگر حرام جانتا ہوا خوف یا طمع دنیاوی کی وجہ سے اس کا مرتکب ہوا ہے تو سخت گنہگار اور فاسق ہو جائے گا وہ استحقاق اس کا رکھتا ہے کہ نہ اس کی توبہ قبول ہو اور نہ اس کو کبھی دوزخ سے نکالا جائے۔ چنانچہ متعدد آیات اور بے شمار حدیثیں اور فقہاء کرام کے اقوال موجود ہیں۔ اگرچونکہ حاجات معاشیہ ہندوستانی نادار مسلمانوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ فوج میں بھرتی ہو کر ان گناہوں میں مبتلا ہوں اس لیے ان کے اور پولیس وغیرہ کے ایمان اور دین کی سلامتی فقط اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔

۷۔ چونکہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں کے برباد کرنے کے لیے یہ ناپاک پالیسی ہندوستان کے باشندوں سے مالی استعانت اور چندے وغیرہ طلب کرتی رہتی ہے اور شرعی حیثیت سے اس قسم کی اعانت بھی کافروں کی مسلمانوں پر حرام ہے، اس لیے اعانت کرنے والے سخت گنہگار ہوتے ہیں، بلکہ حلال جاننے والوں کا ایمان خطرہ میں ہو جاتا ہے۔ اس سے نجات فقط ہندوستان کی مستقل آزادی میں ہو سکتی ہے۔

۸۔ ہندوستان میں حکومت موجودہ کی موجودہ پالیسی بہت سی وجوہ سے اسلامی احکام شعائر کو پامال کر رہی ہے جن کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے اس لیے ان منکرات و شنائع کے زائل کرنے کے لیے فقط ایک ہی طریقہ ہے، یعنی آزادی ملک جمہوری حکومت میں اگرچہ پوری طرح اسلامی احکام کی پابندی کی امید نہیں کی جا سکتی مگر یقیناً کہا جا سکتا

ہے کہ بہ نسبت حالت موجودہ کے اُس میں بہت سے شنائع اور قبائح سے نجات ہونی ضرور ہے اس لیے اہون الضررین کے لیے کوشش کرنی ضروری بات ہے۔

۹۔ حسب تصریح آیت سورۂ بقرہ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ الآية (جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں۔ ان سے خدا کے دین کے لیے جنگ کرو) اور حسب تصریح آیت سورۂ توبہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (جس طرح مشرک قومیں جمع ہو کر تم سے جنگ کرتی ہیں تم بھی جمع ہو کر ان سے جنگ کرو) نیز حسب تصریح آیت ثانیہ سورۂ توبہ قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (تم اپنے سے نزدیک ہونے والے دشمنان کفار سے جنگ کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت اور قوت کا احساس کریں) ضروری اور فرض ہے کہ بوجہ پالیسی مذکورہ اس گورنمنٹ سے مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی عزت و شوکت کو کم اور اس کی قوت کو فنا کر دیا جائے۔ اس کے عزم و ارادوں میں گھن لگا کر کھوکھلا کر دیا جائے، چونکہ برٹش گورنمنٹ کے جملہ لاف و گزاف اور نخوت و سطوت تعاظم و تجبر قوت و دبدبہ وغیرہ کا بڑا مدار ہندوستان کا غلام ہونا ہے اس لیے اس باعث تجبر و نخوت کو توڑ دینا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہوگا اور یہی اعلیٰ درجہ کی جنگ اس گورنمنٹ کے ساتھ ہوگی۔ یہی بات اُس کے گھٹنے لگا دے گی۔ ہندوستان کی مکمل آزادی اور اس کا سوراج انگلستان کی موت کا مرادف ہے۔

۱۰۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) نہایت کثرت اور وضاحت سے بتلا رہی ہیں کہ اسلام ہر جگہ اور ہر ملک میں فقط عالی اور بلند ہو کر رہ سکتا ہے۔ زیر اثر غیر ہے اور کفر کا محکوم ہو کر نہیں رہ سکتا یہی اصلی تعلیم اسلام کی ہے اور یہی شارع علیہ السلام کا اصلی منشا ہے اس وجہ سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آزادی کی کوشش کرے، دوسرے مذہب کے زیر اثر ہونے سے اپنے شعائر کو بچائے۔ ہندوستان کی آزادی اور سوراج ہی کی صورت میں یہ امر ممکن

ہے، دوسری صورت اس کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔

۱۱۔ حقوق تمدن ومعاشرت اور حقوق زندگانی وانسانیت چونکہ مذہبی زندگانی اور اس کی آزادی موقوف علیہ ہیں۔ اس لیے جس طرح وضو اور دیگر نماز کے مقدمات عبادت میں داخل اور مامور بہا اور ضروری ہیں۔ اسی طرح ان جملہ حقوق کی محافظت اور تحصیل بھی امور مذہبیہ اسلامیہ میں سے ہوں گی۔ اسی بنا پر اس قسم کے ہزاروں احکام قرآن وحدیث وکتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ان حقوق کا حاصل کرنا فقط سوراج اور ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے اس لیے مسلمانوں پر مذہباً فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے پوری کوشش کریں۔

۱۲۔ ہندوستان کی موجودہ پالیسی ہندوستان سے نہایت زیادہ مقدار پر لگان اور ٹیکس وغیرہ حاصل کرتی ہوئی یورپ کو پاٹ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کی عام پبلک خصوصاً مسلمان نہایت حاجت مند اور مفلس ہو گئے، اور ہوتے جارہے ہیں اور دوسری قوموں اور مہاجنوں کے قرض دار اور دست نگر ہو چکے ہیں۔ اپنی مجبوریوں کی بنا پر وہ روزانہ تبدیل مذہب کرتے ہوئے عیسائی آریہ ہندو ہورہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کاد الفقر ان یکون کفراً (قریب ہے کہ فقر وافلاس کفر تک پہنچادے) اس لیے مذہبی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ ضروری ہے کہ ہندوستان کو آزاد کراکر عام پبلک کو خوش حال کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے سچے مذہب پر قائم رہ سکیں۔ دوسری قومیں ان پر مالی دباؤ نہ ڈال سکیں۔

ان وجوہ کے علاوہ اور بھی وجوہ شرعی ہیں۔ جن کی بنا پر مذہبی حیثیت سے سوراج کا حاصل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ ہم بوجہ طوالت اس مقام پر ان کے ذکر کرنے سے معذور ہیں۔

چونکہ ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ سوراج فقط سیاسی مسئلہ ہے۔ اس کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ بہت سے لوگوں سے سنا گیا ہے کہ سوراج محض ہندوؤں

کا مقصد ہے مسلمانوں کو اس سے کیا سروکار اس لیے ہم نے اس امر پر متنبہ کر دینا ضروری سمجھا۔

مسلمانانِ ہند پر سیاسی حیثیت سے سوراج کا ضروری ہونا

جب کہ ہندوستان مسلمانوں کا دوسری قوموں کی طرح وطن ہے، یہاں ہی ان کو رہنا اور بسنا ہے اور یہاں ہی جینا اور مرنا۔ یہاں ہی ان کو بود و باش اختیار کرنا ہے اور یہاں ہی توالد و تناسل کے ثمرات کو پھیلانا۔ یہاں ہی ان کو کھانا پینا ہے اور یہاں ہی اسبابِ زندگانی کو پیدا کرنا اور ان کے حصول کی صورتیں عمل میں لانا، یہاں ہی ان کو خدا کی عبادت کرنا ہے اور یہاں ہی ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقیاں کرنا پھر کیونکر احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کو ایک لمحہ اور ایک سانس کے لیے ہندوستان کی بہبودی اور اس کے قیود شاقہ کے آزاد ہونے سے غفلت کرنا اور سستی برتنا درست ہو سکتا ہے اس غلامی سے جو جو نقصانات مالی اور ملکی اقتصادی اور معاشرتی وغیرہ وغیرہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں کو پہنچ رہے ہیں۔ وہی یا اس سے زائد مسلمانوں کو بھی پہنچ رہے ہیں۔ اس سے سیاسی اور پولیٹیکل حیثیت سے جس طرح اور قوموں کا فرض ہے کہ جلد از جلد غلامی کے جُوؤں کو اپنے کندھوں سے اتار کر ڈال دیں۔ اسی طرح مسلمانوں کا بھی یہی فرض ہے۔ موجودہ حکومت نہ ہندوستانیوں کے انسانی حقوق کی محافظ ہے، نہ ملکی اور وطنی ضروریات کی متکفل، نہ مذہب کا احترام کرتی ہے نہ ان کی قومیت کا۔ نہ بیرونِ ہند ہندوستانیوں کی کوئی وقعت شمار کی جاتی ہے نہ اندرونِ ہند۔ نہ دیگر قومیں اور دوسری حکومتیں ہندوستانیوں کو ان کی غلامی کی وجہ سے کوئی حقوق دیتی ہیں، نہ برٹش گورنمنٹ ہندوستان کی تجارت کی خیر خواہ ہے نہ تعلیم کی نہ ان کی صنعت و حرفت کی پاسدار ہے۔ نہ ان کے فقر و افلاس کی۔ نہ ان کی ترقی کی کوئی فکر ہے نہ ان کی زندگانی کی۔ ان وجوہ اور دیگر ضروریات سیاسیہ کی بنا پر جن کا تذکرہ پہلے اشارۃً اور صراحتاً ہو چکا ہے ضروری ہے کہ ہندوستان کے

رہنے والے مسلمان ہندوستان کی آزادی کی کوشش میں کسی طرح دریغ کو روا نہ رکھیں، دوسری قوموں کے دوش بدوش ہی نہیں، بلکہ ان سے آگے قدم زن ہوں اور ہر طریق عمل میں نہایت پختگی سے کام کریں۔

اتحاد ہندو مسلم ہندوستان کی آزادی کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے ان میں سے سب سے زیادہ اہم اور اوقع اور مفید تر ہندو مسلم اتحاد یعنی ہندوستانی آبادی کا اشتراک عمل ہے چونکہ اس امر میں بہت زیادہ غلطیاں لوگوں کو پیش آیا کیے ہیں اور اس وقت بھی بہت سی بے چینیاں رونما ہو رہی ہیں اس لیے باوجود قلت وقت قدرے روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ گذشتہ عرائض سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی فرائض میں سے ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور گورنمنٹ کا جب تک کہ وہ اپنے مقاصد نہ منوالیں، مقابلہ کرتے رہیں۔ یہ فرض ان پر ہر حال میں ہے خواہ وہ تنہا ہوں یا ان کے ساتھ کوئی دوسرا فریق بھی ہو۔ البتہ ہر دو حالت میں طریق کار میں فرق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک کام کو اگر دس آدمی مل کر انجام دیں گے تو اس کی اور صورت ہو سکتی ہے اور اگر ایک آدمی انجام دے گا تو اس کا طریق دوسرا ہوگا۔ ساڑھے تینتیس کروڑ کا طریق مقابلہ دوسرا ہو سکتا ہے اور سات کروڑ کا دوسرا۔ جناب باری عزوجل کا فرمان ہے:۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ الآیۃ (سورۃ انفال)	اگر غیر مسلم قومیں صلح و آشتی کی طرف مائل ہوں اور ہاتھ بڑھائیں، تو تم بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اور خدا پر اعتماد رکھو اور اگر وہ اس صلح و آشتی سے تم کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو اس کا خیال نہ کرو (کیونکہ)

اللہ تعالیٰ تم کو کافی ہے اسی نے تمہاری تائید اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے کی ہے" آخر تک آیت مذکورہ صاف طور سے جواز صلح و آشتی پر دلالت کرتی ہوئی بتلا رہی ہے کہ

جب کوئی دوسری قوم اس طرف مائل ہو تو ہم کو بھی مائل ہو جانا چاہیے، بلکہ اس وقت میں مسلمانوں کا اس طرف میلان کرنا نہایت مؤکد طریقہ پر اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے بلکہ حسب تصریح آیت یہ بھی ضروری ہے کہ اعتماد فقط خداوند کریم اور اس کی مدد پر ہونا چاہیے۔ ان غیر مسلم قوموں یعنی مصالحین اور رفقاء طریق یا ان کی کثرت یا دیگر مادی قوتوں پر نہ ہونا چاہیے۔ اسی آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ شبۂ مخادعت اور دھوکہ بازی اس میں خلج نہیں ہو سکتا۔ خداوند کریم کافی ہے جس طرح اس نے ابتدا میں اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تائید کی اور ان میں نہایت قوی ایسا رشتہ اتحاد پیدا کر دیا جس کو کوئی طاقت مادی پیدا نہ کر سکتی تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کے دھوکہ دے دینے اور علیحدہ ہو جانے یا برسرِ مقابلہ آجانے پر بھی مدد دے دے گا کیونکہ وہ سب پر غالب اور سب سے زیادہ قوی اور صاحب حکمت ہے۔ اسی طرح آیت دیگر:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ الآیۃ (سورہ انفال)	(دشمنان اسلام کے لیے جس قدر بھی قوت اور سواریاں گھوڑوں وغیرہ کی ہو سکے تیار کر لو تاکہ اس کے ذریعہ سے تم خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو۔)

صاف بتلا رہی ہے کہ مسلمانان اہل ہند کے لیے یہ اتحاد ضروری ہے، کیونکہ وہ قوت جس کے ذریعہ سے ہم دشمن کو ڈرا سکتے اور اس کے پتھر جیسے دل و دماغ کو پگھلا سکتے ہیں۔ وہ اہل ہند کے لیے ظاہری حیثیت سے اتحاد ہند و مسلم اور صرف اتحاد ہند و مسلم ہے اس لیے یہ اتحاد مذہبی حیثیت سے فقط جائز ہی نہیں، بلکہ ضروری بھی ہوگا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزاعہ سے حلف کرنا اور شرط حلف میں ایک کا دوسرے کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑنا اور اسی حلف اور صلح کی بنا پر قریش پر بوجہ عہد شکنی دھاوا کر کے فتح مکہ کا ظہور میں آنا کتب حدیث میں مسطور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس غزوہ حنین میں صفوان بن اُمیّہ سے زرہوں کو عاریتہً مانگنا اور لینا اور صفوان کو جنگ میں شریک کرنا صحاح میں وارد ہے۔ حالانکہ غزاء مرہی اس وقت بُت پرست مشرک تھے اور صفوان بن اُمیّہ بھی۔ مدینہ منورہ میں قبائل یہود بنی نضیر اور بنی قریظہ سے برائے مقابلہ قریش اتحاد و اتفاق کرنا اور حسب معاہدہ قوانین صلح کی پابندی کرانا اور خود پابندی کرنا کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ پھر جب کہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر نے عہد شکنی کی تو فقط انہیں سے جنگ کی گئی۔ انہیں سے علیٰحدگی اور دشمنی کی کارروائیاں عمل میں آئیں۔ اس کا اثر دوسری تک متعدی نہیں ہوا۔ بنی قریظہ کے ساتھ معاملہ سابقہ صلح اور آشتی کا چلتا رہا۔ مگر جب کہ غزوۂ احزاب میں انہوں نے بھی عہد شکنی کی تو اُن سے بھی جنگ کی نوبت آئی۔ پھر اس کے بعد جبکہ خیبر فتح ہوا، تو پھر وہاں کے یہودیوں سے صلح کی گئی۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ تمہارا اعتبار نہیں۔ تمہاری فلاں جماعت نے فلاں وقت میں عہد شکنی کی تھی۔ غرضیکہ مجرم جماعت کا جُرم اُسی کے ساتھ مخصوص رکھا گیا۔ قوم کے تمام قبائل اور اہلِ مذہب پر اس کا اثر نہیں ڈالا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کے معاملات غیر مسلموں کے ساتھ منقول ہیں۔ جن میں اُن کے مسلمانوں کے ہمراہ ہوکر دشمنوں سے لڑنے کی شرط بھی مذکور ہے اور اسی بنا پر ان سے جزیہ کا سقوط بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہاں اس مقام پر یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ کہیں نیکی برباد گنہ لازم کا معاملہ نہ ہو جائے۔ اُن سے اتحاد اور اشتراکِ عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب اور اس کی ضروریات کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ اپنے حقوق کا خیال دامن گیر رہنا چاہیے۔ اتحاد اور اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ مقصود کے لیے جو جو طریق کار ہیں اُن میں جُملہ متحدین اور متفقین برابر کوشش کرتے ہوئے گامزن ہوں اُن کے مفید مقصد کاموں میں اسی طرح اشتراک رکھتے ہوئے سعی کو کام میں لائیں، جس طرح مختلف المذاہب اشخاص سے ترکیب پانے والی پلٹن میدان جنگ میں جنگی کارروائیوں کو برابر برادر متفق ہوکر حسبِ اشارہ کماندار

عمل میں لاتی ہے۔ اس اتحاد کو مذہبی تغیرات سے کوئی تعرض نہیں اور نہ اس کو مستلزم ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستانی باشندوں کا ایسا اتحاد محض غرض پر مبنی ہو سکتا ہے، اس لیے اس کو کوئی دیرپائی اور دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے چونکہ یہ اتفاق ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مفاد اور مصالح کی غرض اور اُن کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی محافظت کے سبب سے ہے، تو وہ کسی معین مدت تک محدود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک ہندوستان اور اس کے باشندے روئے زمین پر موجود ہیں اور جب تک ان کے مذہبی اور انسانی و ملکی حقوق کی بقا ہے۔ جب تک یہ اتحاد اور اشتراک ضروری ہوگا۔

ہندوستانیوں کے لیے واداری کا لحاظ

چونکہ ہندوستان مختلف المذاہب قوموں کا مسکن ہے۔ اس لیے یہاں کے باشندوں کے لیے خواہ وہ ترقی کے میدان میں گامزن ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ وہ آزادی اور سوراج کے لیے کوشاں ہوں یا نہ ہوں۔ محض بود و باش اور امن و امان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسنِ معاشرت اور اخلاقِ حسنہ کو کام میں لائیں۔ عالی حوصلگی اور رواداری کے قانون کو پوری طرح ملحوظ رکھیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیاتِ قرآنی اس امر کے نہایت تاکیدی احکام بتلا رہے ہیں۔ جن میں تمام دنیائے انسان کے ساتھ بلا تمیز مذاہب حسن اخلاق اور مکارم اعمال کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق نہایت شد و مد سے ذکر کیے گئے ہیں۔ جفاؤں پر صبر کرنا۔ مظالم پر عفو کرنا۔ قاطعین رحم سے صلہ رحمی کرنا۔ تمام مخلوقاتِ خداوندی پر رحم کرنا۔ تمام مخلوقات سے اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کو دور کرنا۔ ہر ہر فردِ انسانی کے ساتھ عدل اور انصاف اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ کسی پر دست درازی اور ظلم نہ کرنا۔ سب کی خیر خواہی کرنا۔ سب سے حسن خلق سے ملنا ان کو محبت اور آشتی سے اپنا دوست بنالینا۔ پڑوسیوں کی عزت و آبرو و مال و منال کا لحاظ رکھنا۔ ایثار نفس اور جود و کرم کو عمل میں لانا وغیرہ وغیرہ مکارم اعمال و اخلاق

کی نہایت تاکیدی الفاظ میں تعلیم دی گئی ہے، اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے موافق اپنی زندگی سے متمتع ہوتا ہوا دوسروں کو اس کی تعلیم و تلقین کرے یقیناً ان تعلیمات پر عمل کا نتیجہ بہت سی برائیوں اور نااتفاقیوں کی جڑ کھود ڈالے گا۔ آپس میں بھی اتفاق اور محبت پیدا کر دے گا اور دیگر قوموں سے بھی رشتۂ الفت جوڑتا ہوا منافرت کی تاریکی کو دور کر دے گا۔

شُدھی اور اُس کے نتائج

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کی بدقسمتی سے ان ایام میں جب اس کی اولاد کو نہایت سخت ضرورت تھی کہ رشتۂ اتحاد و اشتراک عمل کو جوڑتے اور مضبوط کرتے ہوئے آزادی کی سڑکوں پر قدم بڑھائیں بعض زعمار قوم اور ان کے ہوا خواہوں سے ایسے اعمال سرزد ہوئے جن سے اولادِ ہند کے دل پاش پاش ہو گئے۔ آپس کا باہمی اتحاد جاتا رہا۔ نفرت کا منحوس اُلو محبت کے محلوں پر بولنے لگا۔ عداوت اور دشمنی کی آگ دوستی کے جھونپڑوں پر وار کرنے لگی۔ شدھی اور راشدہ کی ناپاک آواز کانوں میں بھنبھنانے لگی۔ ارتداد کے تاریک اور دل سوز دھوئیں نے فضار ملک کو تاریک و خراب کر دیا ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ اعمال ان کی نادانی سے واقع ہوئے ہیں یا دیدہ و دانستہ انہوں نے ملک کی بہی خواہی کے لیے اس پر اقدام کیا ہے یا وہ اس طرز عمل میں ملک کے بدخواہ اور خائن ہیں یا وہ اس تیسری قوۃ کی ہمدردی اور خدمت کر رہے ہیں جس کا اصلی منشا ہے کہ ہندوستانیوں میں اتفاق ہرگز نہ ہوتا کہ میرے اغراض و مقاصد حاصل ہوں جو کچھ بھی ہو وہ جانیں اور ان کا کام مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ کام شروع کیا گیا ہے اور جو طرز عمل اس میں اختیار کیا گیا ہے کوئی عقلمند وطن پرست، حقانی، صداقت کا پھیلانے والا، قوم کا بہی خواہ اس کو نہیں کر سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ شُدھی کا عمل آریہ مذہب کے آج سے نہیں پھیلایا ہے بلکہ پنڈت دیانند سرستی کے زمانہ سے اس پر عمل درآمد جاری ہے۔ ہزاروں ہندو

سناتن دھرم، مسلمان، عیسائی، آریہ بنائے گئے، مگر کبھی اس کا ایسا زہریلا اثر عام باشندگان ہند میں نہیں پھیلا، جیسا کہ اب ظہور میں آیا۔ جس کے ذمہ دار فقط یہی اشخاص اور ان کے معاونین ہوسکتے ہیں اور یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ بھارت ماتا کے سخت دشمن ہیں۔

بے شک جب کہ اسلام اپنے سوا کسی مذہب کو حق نہیں کہتا اور نجات فقط اپنے ہی اندر منحصر کرتا ہے تو کسی مسلمان خدا اور رسول کے ماننے والے کو اسلامی حیثیت سے ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کے مرتد ہوجانے کی اجازت دے یا مرتد بنانا اور کرنا جائز و روا سمجھے۔ مگر چونکہ زمانہ حاضرہ میں موجودہ قوانین ایک ملحد دہریا کو جو کہ نہ خدا کا قائل ہے اور نہ کسی پیغمبر اور اوتار وغیرہ کا ماننے والا۔ نہ آسمانی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے نہ روحانی قوانین کو، وہی حق دیتے ہیں جو ایک سچے خدا پرست زاہد و دیندار و روحانی شخص کو اس لیے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ اگر کوئی عمل بغیر بدنیتی اور شرارت کے سچائی اور حقانیت کے ساتھ جائز طریقوں پر کیا جائے، تو کسی کو بھی موقع شکایت یا محل نفرت و عداوت لگے، مگر یہاں تو صورت حال ہی دوسری ہے نہ تحریروں اور تقریروں کا لہجہ صداقت و حقانیت کو ظاہر ہے۔ نہ عملی میدان کی کارروائیاں رواداری اور انصاف پرستی پر حاوی ہیں۔ نہ شب و روز کے اعمال اخلاص اور مذہب پرستی پر دلالت کرنے والے ہیں، ہم جب کہ گرد و پیش کے جملہ احوال پر غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو اس نتیجہ پر پہنچنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا کہ اس امر کے زعماء کا قصد فقط حاکمہ قوت کی خدمت گزاری اور اس کی مقصد برآری ہے کوئی دوسرا امر نہیں۔ البتہ دوسرے نادان لوگ اس کو مذہبی کام سمجھ کر شریکِ حال ہوگئے ہیں۔ بہر حال جو کچھ ہو اس کے ذمہ دار فقط معدود و اشخاص ہوسکتے ہیں جن کے زہریلے اثر کا دفع کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے تاکہ ان کا کوئی بھائی نادانستگی سے دوزخ میں نہ گر جائے۔

تبلیغ اور اس کی ضرورت و نوعیت

بے سوچے سمجھے توحید کی روشنی سے نکل کر بت پرستی اور کفر کے

تاریک گڑھوں کا شکار نہ ہو جائے۔ اس لیے تبلیغ کا وہ ضروری فرض جس کو قرآن اور حدیث نہایت زور کے الفاظ سے بتلا رہے ہیں۔ اس کا جاری کرنا اور اس کی مدد اور کوشش کرنا ضروری اور واجب ہے مگر بوقت تبلیغ ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن کو ایک سچا اور حقانی مذہب اپنے اصلی اصول اور بنیادی اساس قرار دیتا ہے جو واقعات اپنے یا کسی دوسرے مذہب کے دکھائے جائیں وہ صحیح اور واقعی ہوں کسی مذہب کے پیشوا اور بانی کی نسبت ناشائستہ اور خلاف شان الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ قرآن اور حدیث اس کو سختی سے منع کرتے ہیں کسی پر اکراہ و اجبار کو کام میں نہ لایا جائے کسی قسم کے مادی مطامع کو معتمد علیہ نہ بنایا جائے کسی قسم کے دباؤ اور قوت کو نہ برتا جائے۔ سختی لہجہ اور درشتگی اخلاق سے پرہیز کیا جائے۔ نہایت واضح طریقہ پر ناصحانہ سمجھایا جائے۔ پھر جس کا جی چاہے دین حق پر قائم رہے اور جس کا جی چاہے اپنے آپ کو ہلاک کرے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا۔ (کہف)

ابتدائی تعلیم کی ضرورت

مسلمانوں پر نہایت زیادہ ضروری اور فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر دیہات و قصبات بلکہ محلوں میں ابتدائی مکاتب کھول دیں اور بچوں کی ابتدائی تعلیم تصحیح اعمال و عقائد تکمیل اخلاق وغیرہ کی پوری طرح کوشش کریں تاکہ آئندہ وہ ہمیشہ کے لیے ضرر دین سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات سے مستفید ہوں۔ یہ کام نہایت ہی اہم اور بہت ہی ضروری ہے۔ اس کی طرف بہی زیادہ توجہ ہونی چاہیے۔

سنگھٹن اور اُس کے مضار

دوسرا امر جو کہ بدقسمتی سے ہندوستان کی فضا کو مکدر کرتا ہوا قومی تحریک کے لیے نہایت ضرر رساں ثابت ہوا ہے سنگھٹن کا شعبدہ ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ ہندوستان کے باشندے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی عیسائی ہوں یا یہود کم وبیش ہر

جماعت اور ہر قوم غیر منظم ہے ان کے اندرونی احوال بہت سی اصلاحوں کے خواستگار ہیں۔ خصوصاً ہندوؤں اور مسلمانوں کے داخلی امور میں تو بہت ہی زیادہ خلل موجود ہے جن کی اصلاحات ہر دو فریق پر لازم اور ضروری ہے، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بانیین سنگھٹن کی تقریریں اور تحریریں اس طرح پر منتقل ہوئیں کہ جن کی بنا پر ہم غلط فہمی کے وبائی جراثیم تمام ہندوستان خصوصاً پنجاب اور یوپی میں پھیل گئے اور اس کی وجہ سے نہایت ناگفتہ بہ پھل پھول ظاہر ہوئے اور ہمیشہ کے لیے دونوں قوموں میں بے اعتمادی کا کانٹے دار بیج بو دیا گیا، بلکہ منافرت کے ناخوشگوار ہنگامے شہروں اور قصبات سے تجاوز کر کے دیہات تک پہنچ گئے اور طرح طرح کی ناگفتہ بہ باتوں کا روزانہ ظہور ہونے لگا جو کہ آئندہ نہ فقط آزادی اور ترقی ملک کے لیے مضر ہیں، بلکہ فریقین کی بود و باش میں بھی ہمیشہ سد راہ اور زہریلے آثار پیدا کریں گی۔

کانگریسی لیڈران کا فرض

چونکہ ان دونوں امور کی وجہ سے عام پبلک کے قلوب میں بے اعتمادی اور نفرت پیدا ہو چکی ہے اس لیے ہندوستان کی مشترکہ جماعت کانگریس کے لیڈران اور ممبران کا فرض ہے کہ وہ ہر اس عمل سے جو کہ باعث منافرت اور ازالہ کنندہ اتحاد و اتفاق ہے پرہیز کرتے رہیں اور پھر دونوں فریقوں ہندو مسلمانوں کے ممتاز اور مشہور لیڈروں کو لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اس امر کو ضروری سمجھیں کہ مواقع نزاعات و اختلافات میں بہت جلد پہنچ کر غلط فہمیاں اور قلبی عداوتوں کے ازالہ کی صورتیں اور تقریریں عمل میں لائیں خصوصاً ہندو لیڈروں کا فریضہ اس امر میں بہت زیادہ اہم ہے۔ اگر اتفاق و اشتراک عمل ضروری ہے اور بے شک ضروری ہے۔ تو ہر فریق کو کوشش کرنا اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنا بہت ضروری ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک فریق تو زور دیتا رہے اور اپنی جماعت کو مجبور کرنے کی کوشش عمل میں لائے اور دوسرا فریق اپنے نفرت آمیز عمل پر اصرار کرتا رہے۔ یہ فریق اتحاد و اتفاق چاہے اور دوسرا نفاق و خلاف کا خواہش مند ہو۔ ایک پاس آنا چاہے

اور دوسرا بھاگ جائے۔ اس مقام میں صرف ایک دو شخص فریقین کے کافی نہیں ہو سکتے بلکہ معتمد ہر جماعت ہر ایک میں سے ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر عام پبلک پر ہو۔ جو حضرات اشتعال انگیز تحریر یا تقریر یا اعمال کے مرتکب ہوں ان کو کانگریس سے علیحدہ کر دینا بھی ضروری ہے۔

مسلمانوں پر اندرونی تنظیم کا فرض

چونکہ مسلمانوں کی جماعت ہر طرح سے بہت ہی زیادہ گری ہوئی ہے کسی قسم کا ان میں انتظام ہی نہیں ہے نہ اقتصادیات کا باقاعدہ کوئی نظام ہے نہ تعلیمات کا۔ نہ معاشرت اور تجارت کے قوانین کی پابندی ہے نہ دیانت اور زراعت کی نہ اخلاقی کمزوریوں کی درستی کا انتظام ہے۔ نہ مادی نقصانات کے ازالہ کا نہ جسمانی قوای کا کوئی خیال ہے نہ روحانی اخلاق کا۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنی جملہ ضرورتوں کے لیے باقاعدہ انتظامات کریں۔ ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی اور ہر قسم کے لوازمات ترقی میں حصہ لیں اور اپنے مالی اور جسمانی حالات کو سدھاریں مگر اس سے یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ ہم اپنی ہمسایہ قوموں پر فوقیت لے جائیں یا ان کو زک دیں اور نہ ایسا کوئی بھی رویہ اور طرزِ عمل اختیار کیا جائے جس سے ایسا شبہ پیدا ہو سکے، بلکہ اس نظام سے محض اپنی اصلاح اور اپنی ضرورتوں اور حوائج کا دفع کرنا مقصود ہو۔ اس لیے خواہ جمعیتہ العلماء، یا خلافت یا کانگریس اس تنظیم کی طرف بہت جلد متوجہ ہو کر اپنے جگر پاروں کو ہاتھ میں لے اور ملک کو فلاکت و ادبار کی گھٹاؤں سے بچانے کی تدبیر کرے

ٹرکی خلافت اور جمہوریت انگورہ

اس وقت عام مسلمانوں میں خلافت اور جمہوریت انگورہ کے متعلق بہت سی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اخباروں میں مختلف قسم کے مضامین شائع ہو چکے ہیں مسئلہ خلافت اور خلیفہ کے اقتدار کی نسبت گذشتہ سال میں صدر اجلاس جمعیتہ فخر العلماء امام الاذکیا مقدام الادباء تاج الفقہاء مولانا واستاذنا حضرت مولوی حبیب الرحمٰن

صاحب نائب ناظم دار العلوم دیوبند شرعی حیثیت سے پوری روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس لیے کوئی ضرورت اس کے اعادہ کی معلوم نہیں ہوتی۔ شخصی حیثیت سے معاملہ حکومت انگورہ اور حقوق خلیفہ وقت کی پوری کیفیت کسی یقینی خبر سے اب تک معلوم نہیں ہوئی اور نہ کوئی فیصلہ حکومت مذکورہ کا اب تک شائع ہوا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق بحث و ابحاث کا دروازہ کھولنا ایک لاطائل اور غیر ضروری امر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ بارہا یہ شائع ہو چکا ہے کہ اس امر کو نمائندگان عالم اسلامی کے اجتماع پر موقوف کیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں وقت ضائع کرنا محض لغو اور قبل از وقت معلوم ہوتا ہے۔

فتویٰ جمعیۃ العلماء

فتویٰ جمعیۃ العلماء دربارۂ ترک موالات کی نسبت بارہا مختلف رائیں شائع ہو چکی ہیں اور ابحاث متنوعہ درمیان میں آچکی ہیں۔ اس لیے اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ فتویٰ اس قسم کی راؤں کی مجموعہ نہیں ہے جن کو آج کل کے پولیٹیکل حضرات زمانہ حاضرہ کی پالیٹکس کے لیے مفید اور ضروری سمجھ کر قائم کرتے ہوئے تجاویز کی صورت میں پاس کر لیا کرتے ہیں جن کا دار و مدار محض پولیٹیکل خیالات پر ہوتا رہتا ہے۔ ان میں ہر وقت تبدیلی ہو سکتی ہے، مگر امور مذکورہ فتویٰ وہ مسائل شرعیہ ہیں جن کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال فقہاء و علماء سلف ہے۔ اس لیے تا قیام اسباب و علل ان میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ان جملہ امور میں ماسوائے تحریک سودیشی علاوہ موالات اور ملہ دوسرے بھی اسباب تحریم و ممانعت موجود ہیں جن کو خود فتویٰ میں تصریح کر دیا گیا ہے اور وہ جملہ اسباب اب تک بحالہا باقی ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان میں تغیر و تبدل جاری کی جا سکے۔ پھر کیا تعجب نہیں ہے کہ باوجود یکہ موالاۃ کی ممانعت اب بھی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسباب ترک موالاۃ کا قائم ہونا بھی تسلیم کیا جا رہا ہے۔ مگر فتوے کے تغیر کا مطالبہ ہو رہا ہے ان امور کی ممانعت علماء نے کانگریس کے پروگرام کی بناء پر نہیں کی تھی۔ جیسا کہ بعض دریدہ دہن کہا کرتے ہیں کہ جس چیز کو گاندھی جی فرماتے

ہیں، علماء اس کو شرعی فتویٰ بنا دیتے ہیں، بلکہ یہ جملہ امور ہمیشہ سے اسی طور پر حکم شرعی محکوم بہ چلے آتے ہیں، جن کو علماء اسلام ہمیشہ اپنے فتاوے میں ذکر کرتے رہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب، حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مقدس اکابر کے فتاوے ایسے ہی موجود ہیں۔ مگر فرق یہ ہوا کہ ان کو ایک جگہ جمع کرکے انفرادی طور پر شائع کر دیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ کانگریس اگر اپنے پروگرام سابق کو دفن کر دے یا اس میں کوئی تغیر و تبدل جائز رکھے تو اس کو اختیار ہے مگر شرعی فتویٰ متغیر نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمل کرے یا نہ کرے ہاں اگر اضطرار یا عدم استطاعت کا ثبوت کسی کی نسبت محقق ہو جائے گا، تو اس کے لیے حسب مجبوریت علیحدہ حکم کیا جائے گا۔

داخلہ کونسل

داخلہ کونسل کی نسبت فتویٰ لینے کے لیے بہت سی پلٹیاں کھائیں گئیں کبھی تو یہ ظاہر کیا گیا کہ فقط جگہ گھیرنا مقصود ہے قسم کا وقت آنے سے پیشتر منتخب حضرات لوٹ آئیں گے۔ کبھی یہ کہا گیا کہ مقصد وہاں جاکر خلاف کرنا ہے اور جب مخالفت موثر نہ ہو تو کونسل چھوڑ کر چلے آنا مطلوب ہے۔ غرضیکہ کونسل چلانا مقصود نہیں بلکہ اس کے خلاف کرنا مقصود ہے، تاکہ گورنمنٹ کو یہ افتخار کرنے کا موقع نہ ہو کہ ہم ہندوستانیوں کے اتفاق اور اُن کی رائے سے حکومت کرتے ہیں۔ مگر اب ظاہر ہو گیا کہ جملہ امور بناوٹی تھے ہمقصد اصلی کونسل کو چلانا اور اپنے اپنے فرقیانہ حقوق کے لیے کوشش کرنا ہے، چنانچہ اس کا اعلان بھی بارہا شائع ہو چکا ہے اور زبانوں پر بھی ہر طرح آرہا ہے۔ بہر حال ہر چہ بادا باد شرعی نقطۂ نظر سے یہ بھی ماذون نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس میں اگر اپنے اپنے فرقیانہ حقوق کا حاصل کرنا اور کونسل کو چلانا مدنظر ہے، تب تو علاوہ تکثیر جماعت دشمن اسلام، اور یمین و عہد وفاداری حکومت ظالمہ، اعانت ظالم اور تائید ظلم واثم لازم آتی ہے، قرآن شریف میں ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بھلائی اور پرہیزگاری

میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔)

صحیح اور معتبر روایتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ کو فرمایا۔

اعاذك الله من امارة السفهاء قال وما امارة السفهاء قال امراء يكونون من بعدي لا يهتدون بهدي ولا يستنون بسنتي فمن صدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فاولئك ليسوا مني ولست منهم ولا يردون على حوضي ومن لم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فاولئك مني وانا منهم وسيردون على حوضي الحديث۔ رواه احمد والبزار وابن حبان فی صحیحه والترمذی صححه۔

تم کو خداوند کریم بیوقوفوں کی بادشاہت سے پناہ میں رکھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ بیوقوفوں کی بادشاہت کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ بادشاہ اور حکام ایسے ہوں گے جو کہ میرے طریقہ پر نہ چلیں گے اور نہ میری سنتوں کی تابعداری کریں گے تو جو شخص اُن کے جھوٹ کو سچا کرے گا اور ان کے ظلم کی مدد کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اُس سے ہوں (مجھ میں اور اُس میں کوئی تعلق نہیں) اور نہ یہ لوگ میرے حوض پر وارد ہوں گے اور جس شخص نے اُن کے جھوٹ کو سچا نہ کیا اور ان کے ظلم کی اعانت نہ کی تو ایسے لوگ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور عنقریب میرے حوض پر وارد ہوں گے۔ غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں اور اگر کونسل کو چلانا منظور نہیں تو عہد و یمین وفاداری حکومت ظالمہ و کافرہ موجود ہوتے ہوئے عہد شکنی کا ارتکاب لازم آتا ہے جو کہ شرعی نقطۂ نظر سے نہایت زیادہ قبیح ہے۔ قرآن شریف میں بار بار اس کی ممانعت نہایت سخت کلمات کے ساتھ کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل سورۂ اسریٰ

سورۂ انعام کی آیتیں اس پر نہایت تاکیدی الفاظ اور قوی تر احکام کو دکھلا رہی ہیں
لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ فتویٰ اس کے جواز کا دیا جائے۔ وما علینا الا البلاغ واللّٰہ
یقول الحق وہو یہدی السبیل۔

ایها العلماء الکرام والقادة الفخام حیث ان اللّٰہ عزوجل خصکم بمزایا تعجز دون اقتطافها ایدی العباد العظام وفضائل تحوم حائم العقول والافهام فقال سبحانه وتعالیٰ ولم یزل قائلا کریما موفقا للحسنات یرفع اللّٰہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت وقال سبحانه وتعالیٰ هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون. وقال عز من قائل. انما یخشی اللّٰہ من عباده العلماء فحصر الخشیة التی هی مدار التقرب والرضا فی جماعة العلماء خاصة دون سائر اهل الفضل والنهی وقال سید الرسل والانبیاء الکرام. علیه وعلیهم الف الف تحیة وسلام ان العالم لیستغفر له من فی السمٰوات ومن فی الارض حتی الحیتان فی الماء. وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما انما ورثوا العلم. فمن اخذه اخذ بحظ وافر وقال علیه الصلوٰة والسلام فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم وان اللّٰہ وملٰئکته واهل السمٰوٰت والارض حتی النملة فی جحرها وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر۔

فیالہا من مزیۃ نلتموہا من المفضل المنعام - ویالہا
من مفاخر قلتم بہا علی خواص عبادہ والانام فعلیکم
بالتشمیر عن ساق الجد فی اقامۃ وظائف من ورثتموہ
ونشر ما بلغکم من اللہ عزوجل فتفقہتموہ غیر مبالین
فی اللہ لومۃ لائم - ولا خائفین فی سبیلہ معاقبۃ ظالم
فقد قال عزوجل - ان الذین یکتمون ما انزلنا
من البینٰت والہدی من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب
اولٰئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللعنون - وقال علیہ
الصلوٰۃ والسلام بلغوا عنی ولو اٰیۃ وقال علیہ الصلوٰۃ
والسلام فلیبلغ الشاہد الغائب وقال علیہ الصلوٰۃ
والسلام تعلموا الفرائض والقراٰن وعلموا الناس فانی
مقبوض وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام نضر اللہ عبدًا سمع
مقالتی وحفظہا ووعاہا واداہا فرب حامل فقہ غیر
فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ وقال علیہ الصلوٰۃ
والسلام افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر -
وروی عنہ علیہ السلام انہ قال الساکت عن الحق شیطان
اخرس - وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ہل تدرون من
اجود جودًا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ تعالٰی
اجود جودًا ثم انا اجود بنی اٰدم واجودہم من بعدی
رجل علم علمًا فنشرہ یاتی یوم القیمۃ امیرًا وحدہ
او قال امۃ واحدۃ وعلیکم یا سادتی الکرام بالاخلاص
فی القول والعمل ناصحین الخلائق بلا فتور ولا کسل وایاکم

وایاکم والمراء والجدل۔ ومفارقۃ جماعۃ الاسلام والفشل
فقد قال سبحانہ وتعالیٰ فاعبداللہ مخلصالہ الدین وقال
تعالیٰ وما اُمروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین وقال
علیہ الصلوٰۃ والسلام ثلث لا یغل علیہن قلب مسلم
اخلاص العمل للہ والنصیحۃ للمسلمین ولزوم جماعتہم
فان دعوتہم تحیط من ورائہم وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام
من طلب العلم لیجاری بہ العلماء اولیماری بہ السفہاء
اولیصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار۔ وقال
علیہ الصلوٰۃ والسلام من تعلم علما مما یبتغی بہ
وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم
یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ یعنی ریحہا ۔ وقال علیہ الصلوٰۃ
والسلام من فارق الدنیا علی الاخلاص للہ وحدہ لا شریک
لہ واقام الصلوٰۃ و اٰتی الزکوٰۃ فارقہا واللہ عنہ راض
وقال سبحانہ وتعالیٰ۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی
للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین
وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما ینصر اللہ ھذہ الامۃ
بضعیفہا بدعوتہم وصلاتہم واخلاصہم وعن ابی
امامۃ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقال ارأیت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر
مالہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا شیئ لہ
ثم قال ان اللہ عزوجل لا یقبل من العمل الا ماکان لہ
خالصاً وا بتغی بہ وجہہ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام

علماء هذه الامة رجلان رجل اتاه الله علماء فبذله
للناس. ولم ياخذ عليه طمعا ولم يشتر به ثمنا فذلك
تستغفر له حيتان البحر ودواب البر والطير في جو السماء
و رجل اتاه الله علماً فبخل به عن عباد الله و اخذ عليه
طمعاً وشرى به ثمنا فذلك يلجم يوم القيمة بلجام من
نار وينادي مناد هذا الذي اتاه الله علماء فبخل به عن
عباد الله واخذ عليه طمعا واشترى به ثمنا وكذلك
حتى يفرغ الحساب. وقال الحسن رحمة الله تعالى العلم
علمان فعلم في القلب فذلك العلم النافع وعلم على
اللسان فذلك حجة الله عزوجل على ابن ادم وقال عليه الصلوٰة
والسلام يد الله على الجماعة ومن شذ شذ في النار. وقال
عليه السلام من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام
من عنقه.

فيا سادتي الكرام سابقوا الى مغفرة من ربكم وجنة
عرضها كعرض السماء والارض. وجاهدوا في الله حق
جهاده. وانشروا دين الله عزوجل في طول البسيطة والعرض
ولا يقلقنكم كثرة الاعداء وقوتهم ولا يؤيسنكم افتراق
الاحبة وجهالتهم فان الله عزوجل قال والذين جاهدوا
فينا لنهدينهم سبلنا وان الله مع المحسنين وجعل القنوط
من رحمته كفرا وسمى الايسين من روحه كفرين. بارك الله
لنا ولكم ولسائر الامة المحمدية في اتباع سيد الانبياء
والمرسلين. ولفعنا وايكم وسائر المسلمين. ولفعنا

وایاکم وسائر المسلمین بالآیات والاحادیث کما نفع الاسلاف من المخلصین وحشرنا وَاِیّاکم فی زمرۃ احباب من بعث رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات الی یوم الدین وعلی الہ وصحبہ ومن تبعھم من السابقین الی رضوان اکرم الاکرمین آمین۔

حاضرینِ مجلس میں نے آپ حضرات کی بہت زیادہ سمع خراشی کی۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ حضرات نظر عفو و کرم کو متوجہ فرماتے ہوئے میری بے ربط و پریشان تقریر کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں گے۔ میں ایک معمولی درجہ کی لیاقت کا طالب علم ہوں۔ میں تقریر و تحریر کا کمال رکھنے والا اشہر زور عالم یا متکلم نہیں ہوں۔ اس لیے میری عرائض میں ضرور بالضرور بہت سی فروگذاشتیں ہوں گی۔ علاوہ ازیں چونکہ بدقسمتی سے اس خطبہ کے تیار کرنے میں مجھ کو محض تین چار ہی دن ملے۔ اس لیے پوری طرح سے تدبر و امعان کی نوبت بھی نہ آسکی جسب قول مشہور ایک تو کریلا کڑوا ابھر اس پر نیم چڑھا۔ اول تو فہم و علم تحریر و تقریر کی کمی تھی ہی اس پر طرہ یہ ہوا کہ وقت نہایت ہی کم تھا جس میں تمام ضروریات کا انجام بمشکل ہو سکا۔ میں آپ حضرات کی عنایات و توجہات کا شکریہ اپنے دل و زبان تقریر و تحریر سے نہیں ادا کر سکتا۔ خداوند کریم آپ کو دارین میں جزاء خیر عطا فرمائے اور وہ دن جلد لائے کہ اسلام اور مسلمانوں سے مصائب کی کالی گھٹائیں چھٹ جائیں، آفتاب اسلام سے کسوف کی بیماری دور ہو جائے، دشمنوں کو ہر جگہ ذلت و رسوائی نصیب ہو، دوستوں پر ہر وقت فضل و کرم انعام و احسان بے نہایت اور بے حد و عد ہو، وطن و قوم کا بول بالا ہو، مخالف اور دشمن کا منہ کالا ہو۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا

انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین۔ آمین

حسین احمد غفرلہٗ

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پنجاہ سالہ (۵۰) جوبلی میں شعبۂ مدارس اسلامیہ

کی صدارت کرتے ہوئے

——— مورخہ ———

۱۴-۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۸-۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء۔

——— بمقام ———

علی گڑھ

پیش فرمایا

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من
يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهدان
سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه و على
اٰله وصحبه وبارك وسلم۔

امابعد معزز حاضرین! اکابرین امت۔ محترم بھائیو! سب سے پہلے میں آپ حضرات کی ذرہ نوازی اور مربیانہ الطاف وعنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے ایک معمولی طالب علم کو شعبۂ مدارس اسلامیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ واقفیت کی حیثیت سے یہ امر اگرچہ غیر مناسب اور ناموزوں تھا مگر آپ کے اخلاق کریمانہ اور عنایات مربیانہ کا تقاضا ضرور تھا کہ قوم کے ادنیٰ ترین غلاموں کی ہمت افزائی کی جائے۔ میں اپنی بے بضاعتی اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے سمجھتا تھا کہ ہرگز ہرگز میں ایسے اہم منصب کا مستحق نہیں ہوں اس لیے اپنے اعذار کو پیش کر کے اپنے محترم اور معظم بزرگ مولانا ابو بکر صاحب ناظم دینیات وسیکرٹری شعبۂ مدارس اسلامیہ سے بار بار ملتجی ہوا کہ وہ مجھ کو ایسے اہم منصب سے سبکدوش فرمائیں اور میری عدیم الفرصتی اور نالائقی کو ملاحظہ فرماتے ہوئے نظر عفو وکرم کو کام میں لائیں، مگر مجھے افسوس ہے کہ مولانائے موصوف نے میری التجاؤں پر التفات نہ فرمایا اور کشاں کشاں مجھ کو آپ حضرات کی بارگاہ علیا میں پہنچا دیا۔ بہرحال میں تہ دل سے مولانا دامت برکاتہم اور آپ بزرگوں کا شکر گزار ہوں اور اپنی بے علمی اور ناقابلیت کے اقرار کے ساتھ چند معروضات

پیش کرنے کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہوں فَاِنْ کَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰہِ وَتَوْفِیْقِہٖ وَاِنْ کَانَ بِاطْلاً فمنی ومن الشیطان !

آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ

میرے محترم بزرگو ! آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) جس طرح آخرت کے فلاح ونجاح کے ذرائع اور اسباب کو بتلاتی ہیں. اسی طرح اس دنیاوی زندگی کے فلاح وبہبودی پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہیں۔ وہ جس طرح روحانیت اور ملکیت کی دشوار گزار گھاٹیوں میں رہنمائی کرتی ہیں اسی طرح مادیت اور بہیمیت کی اصلاح اور درستی کی راہوں میں بھی مشعل ہدایت بنتی ہیں۔ وہ جس طرح مخلوق کو خالق اور اس کی رضا و خوشنودی سے دوچار کرتی ہیں اسی طرح مخلوقات کے آپس کے تعلقات کو بھی نہایت استوار اور مہذب بناتی ہیں۔ وہ جس طرح شخصی اور انفرادی اخلاق و اعمال کی درستی کی ذمہ داری کرتی ہیں اسی طرح اجتماعی زندگی اور سیاسی ترقیات کی بھی کفالت کرتی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف تدبیر منزل اور سیاسات مدنیہ کی اصلاحی اسکیم پیش کرتی ہیں، تو دوسری طرف اعتقادات حقہ اور حکم بالغہ کی طرف بھی ہدایت کرتی ہیں۔ انہوں نے اگر اوہام وشکوک اور عقائد باطلہ کا قلع اور قمع کر دیا ہے. تو دوسری طرف بیکاری گداگری، آرام طلبی، اسراف، ظلم وستم، کمزوروں اور ضعفاء کو ستانے وغیرہ کو بھی جڑ سے کھود ڈالا ہے، غرض یہ ہے کہ عالم انسانی کی روحانی اور جسمانی زندگی اور ترقی کی جس قدر ضرورتیں اور حوائج تھیں خواہ وہ اس عالم سے تعلق رکھتی ہوں یا آئندہ پیش آنے والے عالم سے وابستہ ہوں، سب ہی کے لیے ان میں مکمل ہدایات اور رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کو اٹھا کر دیکھیے۔ اگر ایک جگہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم ہے تو دوسری جگہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ الآیۃ کا ارشاد ہے کہ اگر کہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا فرمایا گیا ہے تو دوسری جگہ اَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ اور وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ وغیرہ آداب معاشرت کو ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کہیں حج روزہ اور زکوٰۃ کے احکام ذکر کیے گئے ہیں، تو دوسری جگہ جہانبانی

اور حدود و قصاص تعزیر و نکاح، طلاق و خلع، جنگ و صلح کے قوانین بتلائے گئے ہیں۔ اگر کہیں اعمال و اموال کی اصلاحی تدبیریں زہد و ریاضت کی عمدہ صورتیں بتائی گئی ہیں، تو دوسری جگہ عقاید حقہ اور علوم صادقہ کی تعلیمات موجود ہیں اگر کہیں اُمم ماضیہ اور اقوام عالم کی تاریخ پیش کر کے عبرت دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ زمینوں اور اقالیم کی جغرافی حالتوں اور ان کی آیات وغیرہ کو نظر فکر و غور سے دیکھنے کا ارشاد کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلکیات اور نجوم و کواکب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ کائنات الجو اور نفسیات کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلسفہ جمادات، نباتات، حیوانات، عنصریات، طبیعات و مابعد الطبیعات کو سمجھایا گیا ہے، تو دوسری جگہ حکمت ابدان و نفوس، روحانیات، عالم ملکوت ماخوق الحیات وغیرہ کو روشن کیا گیا۔

الحاصل مذہب اسلام اور اس کے علوم و تعلیمات ایک جامع اور مکمل روشنی ہے جس میں ہر قسم کی اصلاح اور ہر نوع کی ہدایتیں موجود ہیں۔ وہ ان مذاہب کی طرح سے ناقص مذہب نہیں ہے جس میں انسانی نجات کے ایک پہلو کا تکفل کیا گیا ہو اور دوسرے پہلوؤں سے انحراض اور بے توجہی برتی گئی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و تعلیمات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی اور تعلیمات کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر جامع واقع ہوئی ہے۔ اگر ایک طرف آپ اصول خلافت و سلطنت، جمہوریت اور آداب حکمرانی، تدابیر مملکت، حل و عقد، صلح و جنگ وغیرہ عمل میں لاتے اور تعلیم فرماتے ہیں، تو دوسری طرف سیاست منزلی، تہذیب اخلاق، آراستگی آداب، خانداانی معاملات، گھرانوں کے آپس کے تعلقات کو اعلیٰ پیمانہ پر عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اگر کبھی آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسند قضا، اور کرسی انصاف و فصل خصومات، قطع منازعات پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے جج اور چیف جسٹس کے فرائض کو انجام دیتے اور امت کو ان کا درس دیتے ہوئے اُن کے دستور العمل کی تعلیم کرتے ہیں تو کبھی قواعد تقنین، استخراج

مسائل، افتاء و واقعات، استنباطِ احکام عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو لا اور قانون کا ماہر بناتے ہیں۔ اگر کبھی آپ کرسی احتساب پر بیٹھے ہوئے حدود و قصاص، تعزیر و حبس، ضرب حدود و تادیب وغیرہ مجرموں، قانون کو ہاتھ میں لینے والوں، اہلِ فسق و فجور، اصحابِ عدوان، اربابِ منکرات، قانون شکنی کرنے والوں وغیرہ پر جاری فرماتے ہوئے طرق سیاست، اہلِ بدعات قواعد احتساب، ذرائع سد منکرات، قوانین روک و تھام مداخل شہوات و غضب، تعدی و غصب تعلیم فرماتے ہیں، تو کبھی خوش الحانی اور عمدہ طریقہ قرآن خوانی کرتے ہوئے قلوب اور ارواح کو زندہ کرکے اور قواعد و قرأت و تجوید، مخارج حروف اور صفات اظہار و اخفاء وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر کبھی اوراد و ادعیہ، نوافل نماز و روزہ، شب بیداری اور تہجد گزاری ذکر و فکر، اعمال روحانی وغیرہ میں مستغرق ہوتے ہوئے انوارِ ربانیہ کو جلوہ افروز اور ملائکہ روحانیہ کو جذب کرتے اور مادی ظلمات اور نفسانی کثافتوں کو دور کرتے ہوئے حاضرین بارگاہ کی غفلتوں اور پراگندگی کو دفع کرتے ہیں۔ ان کو طرق ذکر و فکر وغیرہ کی تعلیم اور ان کا تصفیہ اور تزکیہ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں، تو کبھی اسرار ذات و صفات و افعال و احکام الٰہیہ اور بے غایت و بے نہایت علوم و حقائق کو بیان فرماتے ہوئے لوگوں کو علوم حقائق اور حکم حقیقیہ کی تعلیم کرتے ہیں۔ اگر کبھی آپ ممبر وعظ و نصیحت پر جلوہ فرماتے ہوئے دلوں اور روحوں میں زلزلہ ڈالتے ہیں اور ترغیب اور ترہیب کے میدان میں اُتر کر دوزخ کے عذاب، قبر اور حشر و نشر کے ہولناک مناظر حساب اور میزان و پل صراط کے جاں گداز مصائب اور مشکلات جنت کی اعلیٰ درجہ کی نعمتیں اور اس کی مقامات عالیہ اور ان کے ذرائع اور اسباب کو ذکر کرکے کافروں کی زناروں کو تڑواتے، نافرمانوں اور عاصیوں سے توبہ کراتے، سخت دلوں کو موم بناتے اور مادی دنیا اور اس کے تعلقات سے زاہد اور متنفر کرتے ہوئے حق شناسی کی تعلیم و تلقین کے میدان میں اترے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی میدانِ جنگ احد، بدر، حنین، تبوک وغیرہ میں اُتر کر مورچہ بندی، صف آرائی، ترتیب افواج، قتل و قتال، فتح و شکست وغیرہ خدمات سپہ سالاری و جرنیلی انجام دیتے ہوئے لوگوں کو

مکمل فوجی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر کبھی آپ ماہر اقتصادیات اور استاد معاشیات بن کر تجارات، صناعات، کسب معیشت، زراعات وغیرہ کی تعلیمات اور ترغیبات دیتے ہوئے اقتصادیات کی تعلیم بیکاری اور گداگری کی قباحتیں ذکر فرماتے اور بیع شراء، مزارعت اور مساقاۃ، سَلَم و اِجارہ، رہن اور حوالہ، کفالت اور شرکت وقف اور ودیعت وغیرہ ضروری معاملات کے قوانین بناتے اور تعلیم دیتے ہیں، تو کبھی فرائض رسالت و سفارت انجام دیتے ہوئے تبلیغ اور دعوت فرماتے اور دنیا کی قوموں اور بادشاہتوں کی حق پرستی اور حقیقی اصلاح اور نجات کی طرف بلاتے ہیں، لوگوں کو حسبِ استعداد و قابلیت اطراف عالم کی طرف بھیجتے ہیں، اقوام عالم کے قلوب کو مائل کرنے ان کی ارواح کو مسخر کرنے کی عمدہ سے عمدہ تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔ اگر کبھی مرشد کامل بن کر ارشاد و تلقین تزکیہ اور تجلیہ عمل میں لاتے ہوئے اپنی روحانی طاقت اور توجہ قلبی سے لوگوں کے دلوں اور روحوں سے نفسانی کدورتوں اور مادی الائشوں کو دور کرتے اور اس کی تعلیم دیتے ہیں تو کبھی جسمانی امراض اور ابدانی استقام کے معالجہ کرنے والے خواص عقاقیر و ادویہ اور امراض کی تشخیص کرنے والے اور اس کی تعلیم دینے والے نظر آتے ہیں۔ الغرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی اور آپ کی تعلیمات پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے اور آپ کی تعلیمات پر توجہ کی جائے تو اس قدر جامع اور کامل نظر آئے گی کہ جس کی نظیر کسی رہبر اور کسی ہادی میں ملنی دشوار بلکہ محال ہے۔ آپ کی صداقت اور کمالات کے متعلق جو کچھ غیر مسلموں نے لکھا ہے اور جو کچھ آپ کی سچی اور بے لوث مکمل تعلیمات پر مخالفین نے رائے زنی کی ہے۔ اگر ہم جمع کریں تو ایک طویل دفتر ہو جائے۔ اگر بطور مشتے نمونہ خروارے ہم مسٹر طامس کارلائل کا وہ مقولہ نقل کرتے ہیں جو اس نے اپنی تصنیف ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے: "صاف شفاف قلب اور پاکیزہ روح رکھنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیوی ہوا و ہوس سے بالکل بے لوث تھے۔ ان کے خیالات نہایت متبرک اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ وہ ایک سرگرم اور پُرجوش ریفارمر تھے جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا تھا

ایسے شخص کا کلام خود خدا کی آواز ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتھک کوشش کے ساتھ حقانیت کی اشاعت کی اور زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ان کے متبعین بکثرت موجود ہیں اور ان میں شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کامیاب ہوئی" (عصر جدید۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۹ء) اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اور تلامیذ عظام نے کامل ہادی اور مکمل ریفارمر بن کر آپ کے بعد ہی تقریباً تمام دنیا میں عدل اور حقانیت، خدا ترسی اور عدالت، اخلاص اور للہیت، سچی مساوات اور مکمل سیاست، کامل ہمدردی اور اخوت انصاف اور جمہوریت پھیلا دی۔ بچوں کا قتل کرنا مٹا دیا۔ نارو اغلامی کو دور کر دیا۔ ملکی حقوق میں برابری دے دی۔ اپنوں اور غیروں، مسلم اور غیر مسلم، ایشیائی اور افریقی، عرب اور عجم وغیرہ میں یکساں انصاف کیا۔ بھاری بھاری محصولات سلطنت کو گھٹا کر دسواں اور بیسواں اور چالیسواں حصہ کر دیا۔ تجارت کو تمام بے جا محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا۔ اسلام کے معتقدین کو مذہبی سرگرمیوں کے لیے جبر یہ ٹیکس دینے سے بری کر دیا مغلوب مذاہب پر غالب کے لیے مذہبی چندوں کی رسم کو مٹا دیا۔ انہوں نے ان مفتوح اقوام کو بھی ہر قسم کے حقوق اپنوں کی طرح عطا کیے جو اپنے ہی مذاہب کے پابند تھے۔ ان کے جان و مال عزت و آبرو کی اسی طرح حفاظت کی جس طرح مسلم اقوام کی کی جاتی تھی۔ ان کو ہر قسم کی پناہ دی۔ انہوں نے مال کی حفاظت کے لیے سود لینے کو اور بلغیر حکم عدالت خون کا بدلہ لینے کو موقوف کر دیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کا تحفظ کیا۔ حرام کاری کو موقوف کر دیا۔ غریبوں کو خیرات دینے اور بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت کی ہدایت کی۔ حیا اور شرم کو پھیلایا فواحش اور منکرات کو مٹایا۔ اوہام باطلہ اور سن گھڑت اور مادی آلہہ کی حکومت کو اقوام عالم سے نیست و نابود کر دیا اور ان کی نفرت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی۔ ان تھوڑے ہی دنوں کی تعلیم تربیت سے اگر ایک طرف خالد بن ولیدؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، سعد بن وقاصؓ، عمرو بن عاصؓ، سلمان فارسیؓ وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے قومی سے

قوی اور مضبوط سے مضبوط سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے۔ تو دوسری طرف ابوبکر بن ابی قحافہؓ، عمر بن خطابؓ، عثمان بن عفانؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ جیسے سیاسی جہاں بان بنا دیئے گئے۔ اگر ایک طرف ابوذر غفاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ —— جیسے زہاد و عباد تارک الدنیا بن گئے تو دوسری طرف حکیم بن حزامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے اعلیٰ درجہ کے تاجر تیار ہو گئے۔ اگر ایک طرف حضرت علی بن ابی طالبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ جیسے قاضی اور جج تیار ہو گئے، تو دوسری طرف ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ جیسے پروفیسران علوم موجود ہو گئے۔ (اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کی تفصیلی فہرست پیش کرتا۔) یہی تعلیمی جامعیت اور مذہب کی ہر قسم اور ہر شعبہ پر شان احتواء تھی جس کے ہر ہر قانون اور ہر ہر قاعدہ میں مشفقانہ اصلاح اور مربیانہ ہمدردی بھری ہوئی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے اقوامِ عالم پر حکمران بنا دیا۔ بڑی سے بڑی قومیں ان کے سامنے سربسجود ہو گئیں۔ مذہب اسلام عالم انسانی کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ قومیں فوجاً فوجاً اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئیں۔ نہ صرف مفتوح قومیں بلکہ اجنبی ممالک اور فاتح اسلام قومیں بھی اسلام میں داخل ہو گئیں۔ جن کی بنا پر نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل سے لے کر بحر پاسفک کے مغربی ساحلوں اور اس کے جزائر تک اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور باوجودیکہ بانی اسلام کی جدائی کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتی، مگر آج بقول نیویارک ٹائمز اسلام کے ماننے والے ستر کروڑ پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اسی تعلیم قرآن و حدیث کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ فنون بنائے۔ علم و عقائد و توحید میں بہت سی کتابیں مختصر اور مطول لکھی گئیں جن میں انہیں علوم صادقہ اور حقائق یقینیہ پر روشنی ڈالی گئی جو کہ الٰہیات اور رسالت، مبداء اور معاد وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شکوک اور شبہات باطلہ اور اوہام و خیالات فاسدہ کو جن میں دوسرے مذاہب مبتلا تھے، ان کا قلع اور قمع کیا گیا۔ فلسفۂ یونان وغیرہ کے ترجمہ ہونے کے بعد جو امور باعث شکوک ہوئے

تھے یا ہو سکتے تھے۔ ان کے ازالہ کے لیے طویل طویل بحثیں پیش آئیں اور علم کلام مدون ہوا۔ ان میں دہریہ، ملاحدہ، یہود، نصاریٰ، بت پرستوں وغیرہ کے شبہات وغیرہ پر پوری روشنی ڈالی گئی۔ علم فقہ میں تمام اسلامی قوانین کو ضبط کیا گیا جو کہ محض طہارت وعبادت نماز وروزہ زکوٰۃ وحج کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں تدبیر منزل کے تمام قوانین خواہ نکاح وطلاق عدت ورجعت خلع اور ایلاء وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا معاشرت اور امور خانہ داری انصاف بین الازواج والاقرباء والخدمۃ سے وابستہ ہوں سب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز غیر مسلم رعایا اور اعداء اسلام اور مخالفین خلافتِ اسلامیہ، نافرماں قوانین وغیرہ کے متعلق احکام وتعزیرات، صلح وجنگ، جزیہ اور ٹیکس وغیرہ کے اصول وقوانین بتلائے گئے ہیں۔ دنیاوی زندگی کے تمام معاملات، کمپنیوں اور شرکتوں کے قواعد، تجارات اور صناعات کے احکام، فصل خصومات شہادات اور ایمان کے تمسکوں اور اقرار ناموں، فارموں اور اشٹامپ وصیت ناموں، وکالت ناموں وغیرہ کے ضوابط اور صور درج کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ اور شروح جن پر تمام اسلامی حکومتوں کا ہمیشہ عملدرآمد رہا۔ کیا ہے انہیں قوانین سے پُر نہیں۔

علم تصوف میں اخلاقیات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ زہد وریاضت، تقویٰ اور پرہیزگاری، خداترسی امداد خلقت پروری، روحانیت اور محاسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے علاوہ ازیں اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، تفسیر، قرأت وتجوید، تصوف اور ان کے آلات وذرائع نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، ادب، لغت، فرائض، طب، حساب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، ہیئت، فلسفہ، منطق، جبر ومقابلہ مساحت، مناظرہ، اصطرلاب، ربع مجیب وغیرہ ہر قسم کے فنون ہیں جن کو مدارس اسلامیہ کے پروگرام میں ہمیشہ سے کم وبیش حصہ دیا گیا ہے۔

ان علوم وفنون میں سب سے زیادہ خداترسی اور تعلق الٰہی اور رضا جوئی خداوندی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مخلوق کو خالق سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخلاق فاضلہ خیر اندیشی، نفع رسانی، پاک دامنی، حیا، تحمل، صبر، کفایت شعاری، سچائی، راست بازی،

صلح پسندی، یکی محبت و ہمدردی، توکل بخدا، رضا بالقضاء، اتقیاء و امرالہی، عالی ہمتی رعایا پروری، رواداری، ایثار و قربانی وغیرہ کو بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔ ناانصافی، کذب غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، فضول گوئی، فضول خرچی، خود غرضی، عیاشی، خیانت بدعہدی، بدگمانی، قطع رحمی، نفاق وغیرہ بُرے اخلاق و اعمال کو نہایت زیادہ قابل ملامت و لغزیں قرار دیا گیا ہے اور ان کو نہایت زیادہ قبیح بلکہ بے دینی بتایا گیا ہے۔ ان میں سچائی کے ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ احسان و کرم، نفع رسانی اور خیر خواہی کی تاکید کی گئی ہے۔ ابتداء ہی سے تعلیمات اسلامیہ میں ایسی ایسی درسیات داخل کی گئی ہیں۔ جن سے بچپن ہی سے اس قسم کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ بے حیائی اور خود غرضی، فواحش اور دست درازی گناہوں وغیرہ سے نفرت دل میں جاگزین ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تعلیمات میں کریما، مامقیما، پندنامہ عطار، گلستان، بوستان وغیرہ جیسی کتب داخل کی گئیں جن سے روحانیات اور روحانی اخلاق میں روز افزوں ترقی موجزن ہوتی تھی۔ ان میں خداوند کریم کی غیر محدود طاقت اور علم کا یقین دلایا گیا ہے۔ برائیوں اور ممنوعات کے ارتکاب پر بے پناہ عذاب خداوندی سے ڈرایا گیا ہے اور فرمانبرداری اور عمدہ اعمال و اخلاق پر غیر متناہی انعامات کے پختہ وعدے کیے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے حقیقی امن و امان اور کامل ترقی اور فلاح دنیا اور آخرت میں ہو سکتی ہے۔ تنہائی میں مجالس میں، چار دیواری کے احاطوں میں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں، غاروں میں، شہنشاہی تخت پر، مضبوط قلعوں کے احاطہ میں، افواج و عساکر کے قوتوں کے ساتھ، بیچارگی اور کمزوری کی حالت میں، یکساں طور پر بُرے اعمال و اخلاق سے بچنا اور محاسن افعال و ملکات کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مگر مغربی علوم اور تعلیمات جدیدہ ان معانی سے عموماً خالی ہیں۔ وہ خدا کے وجود اس کی غیر متناہی طاقتوں، عالم آخرت کی جزا و سزا اس کے صفات کاملہ وغیرہ سے نہ صرف بے پرواہ ہیں، بلکہ بسا اوقات ایسی تعلیم پر استہزاء کرنے والی اور الحاد و دہریت کی طرف کھینچ کر لے جانے والی ہیں۔ وہ روحانیت اور ملکیت کی دشمن اور مادہ پرستی کی شیدا ہے۔

وہ اسباب مرقومہ اور علل مخترعہ کی اس قدر فریفتہ ہے کہ اس کے نیاز مندوں کو کبھی روح اور ما فوق الطبیعہ کا وہم وخیال بھی نہیں آتا۔ روحانی ترقیات اور ملکی صفات واحوال سے اس کو انتہائی گریز ہوتا ہے۔ وہ خود غرضی کے میدان میں اس قدر سرگرم ہے کہ جس کے لیے اقوام اور امم کو، ممالک اور اقالیم کو موت کے گھاٹ اتار دینا اور بلے زر و بے درم بنا دینا نہ صرف جائز بلکہ کمال شمار کرتی ہے۔ چنانچہ یہی معاملہ تمام یوروپین اقوام کا اپنے مستعمرات کے ساتھ جاری ہے۔

سرجان شور ۱۸۳۳ء میں کہتا ہے :

برطانوی صنعت بڑھانے کے لیے ہندوستانی دستکاری کا گلا گھونٹنا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبیر قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ برطانوی قساوت کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لیے انگریزوں نے کس طرح چنگی اور محصول لگا کر ہندوستانی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

دوسری جگہ لکھتا ہے " لیکن ہندوستان کا عہد زرین گزر چکا ہے۔ جو دولت کبھی اس کے پاس تھی، اس کا جزو اعظم ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے اور اس کے قدرتی عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیے ہیں جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کر دیا ہے (حکومت خود اختیاری) وہ نفاق اور ڈپلومیسی کو مایۂ فضیلت اور ذریعۂ فخر و مباہات سمجھتی ہے۔ میسرز جارج ایلن اینڈ انون۔ لندن کا مشہور پبلشر کتاب جنس تمدن سے اقتباس ذیل شائع کرتا ہے۔

" موجودہ تمدن کا سارا لب لباب منافقت ہے۔ لوگ اپنا عقیدہ ظاہر خدا پر کرتے ہیں لیکن عملاً اپنی جانیں تک مال پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں پر آزادی کا دعویٰ رہتا ہے لیکن جو آزادی کے علمبردار ہوتے ہیں انہیں کو

سزائیں ملتی ہیں۔ دعویٰ مسیح کی پیروی کا ہے اور اطاعت مسولینی کی کی جارہی ہے۔ عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں۔ زبانی داد سچائی کی دیتے ہیں لیکن عملاً اقتدار و اختیار کی کرسیوں پر بددیانتوں ہی کو بٹھلاتے ہوئے ہیں زبانوں پر اخوت کے نعرے ہیں، لیکن جو بھائی ان کی جنگ یا وطنیت یا قومیت کے بدمستانہ جلوسوں میں شریک نہیں ہوتے ان کے لیے یا جیل خانہ ہے یا جلاوطنی یا بندوق کی گولیاں۔" (سچ لکھنؤ ۴ جنوری ۱۹۳۰ء)

وہ حدود قوانین کی مراعات کرتے ہوئے ہر قسم کی بے حیائی، فواحش، اسراف و فضول خرچی کی نہ صرف اجازت دیتی ہے، بلکہ لبسا اوقات ضروری قرار دیتی ہے۔ انگلستان اور دیگر ممالک یورپ اور امریکہ کے حرامی بچوں کی تعداد ہائیڈ پارک اور دوسرے مقامات کی حرام کاری کی رپورٹیں اور اعداد و شمار مادر زاد برہنگی کی روز افزوں ترقی وغیرہ طلاق اور خلع کا موجیں مارنے والا سیلاب دیکھئے اور غور کیجئے۔ وہ اپنے وطن اور قوم کے لیے ہر قسم کے مظالم ہر قسم کی دست درازیوں کو روا اور جائز رکھتی ہے۔

سرجان شور ۱۸۳۳ء میں کہتا ہے:

"برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کیا ہے اس کے تحت میں پبلک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلد تباہی آگئی۔ انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔"

جان سیلون کہتا ہے:

"ہمارا طرز حکومت اسپنج کے مانند گنگا کے دھارے سے ہندوستان کی دولت چوستا ہے اور دریائے ٹائمز کے کنارے جاکر نچوڑ دیتا ہے۔"

(حکومت خود اختیاری)

وہ مذہب اور دین کو جنون اور لغو قرار دیتے ہوئے لامذہبی اور بے دینی کو مایۂ
افتخار و مباہات سمجھتی ہے۔ وہ اس دنیاوی زندگی اور مادی ترقی کو مقصد حیات اور بام ترقی
قرار دیتی ہے۔ اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہے۔ وہ انبیاء اور
رسل کی تعلیمات زاکیہ کو بے معنی اور دشمن انسانیت سمجھتی ہے۔ وہ رشتہ داروں میں میل
ملاپ، بڑوں اور بزرگوں سے تادب، چھوٹوں اور اپنوں پر رحمت و شفقت، فقیروں
اور مسکینوں کی خبرگیری اور ان پر خیرات و صدقات کی دشمن ہے۔ وہ سادہ زندگانی اور
کم خرچ معیشت کی راہ میں انتہائی رکاوٹ پیدا کرنے والی اور سرمایہ دار مادہ پرست مغربی
قوموں کے فیشن کا پرستار بنانے والی ہے۔ خیال فرمائیے کہ وہ امریکہ جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ
آمدنی کا اوسط ۱۲ ہے اور وہ انگلستان جس کے ہر ہر فرد کی آمدنی کا اوسط روزانہ ۱۲ ہے۔
(دیکھو انقلاب مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء) اس کے فیشن اور تہذیب و مصارف کا اتباع
اگر برطانوی عہد کا وہ ہندوستان کرنے لگے جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک
پنس ہے بقول سر ولیم ڈگبی اور امر بقول انقلاب ۲۹ جولائی ۲۸ء اور تقریباً ۱ بقول لارڈ
کرزن پڑتا ہے تو بجز ہلاکت اور بربادی کیا حاصل ہوگا یہی اور ان کے مثل دیگر وجوہ ہیں۔
جنہوں نے عالم مشرق اور بالخصوص اسلامی دنیا اور بالاخص مسلمانانِ ہند کے علوم و معارف
اور ان کی درسگاہوں اور ان کی زندگانی کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔ مغرب کے سربر
آوردوں نے ہمیشہ سے مشرق کی تعلیم گاہوں اور علوم کو مٹانے میں انتہائی سرگرمی کا ثبوت
دیا۔ وہ قرآن شریف جو کہ تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اور تمام کمالات دینی و دنیوی
روحانی اور مادی کا مرکز اور منبع ہے۔ جس وقت سے وہ اتارا گیا ہے۔ آج تک محفوظ و
مصئون رہ کر ہر قسم کی تحریفات وغیرہ سے محفوظ چلا آتا ہے۔ جس کے ہر قسم کے کمالات کے
نہ صرف مسلمان بلکہ مخالفین بھی پُرزور الفاظ میں اقرار کرتے رہے ہیں۔
سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتا ہے:
"جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو

اس (قرآن مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔
ڈاکٹر موریس فرانسیسی مشہور مصنف لکھتا ہے :
" قرآن اپنی تعلیم کی خوبیوں کے لحاظ سے تمام دنیا کی مذہبی کتابوں سے افضل ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے جو کتابیں دیں ان سب میں قرآن بہترین کتاب ہے۔"
ڈاکٹر مارلیس کہتا ہے :
" قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔" (تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی)
ڈاکٹر اسٹین گاس اپنی ڈکشنری میں کہتا ہے :
" قرآن کی خاص خوبی اس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے۔"
جارج سیل (مشہور مترجم قرآن) کہتا ہے :
" قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا یہ وہ مستقل معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بلند تر ہے۔"
پادری والرین بی ڈی رینٹسرگ کے گرجے میں امن عالم کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے ۔
" مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ایک امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔"
گاڈ فری ہگنس کہتا ہے :
" قرآن کمزوروں اور غریبوں کا غم خوار ہے اور ناانصافی کی جا بجا مذمت کرتا ہے۔"
ڈاکٹر کیلن آئزک ٹیلر (کلیسائی انگلستان کے صدر نشین کی حیثیت سے ۱۸۸۷ء میں تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے :
" اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے۔"
نیز الیسٹ (لندن کا مشہور اخبار) لکھتا ہے :

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم وارشاد (قرآن) کی قدروقیمت اور عظمت و فضیلت کو اگر ہم تسلیم نہ کریں تو ہم فی الحقیقت عقل و دانش سے بیگانہ ہیں"۔
مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن میں لکھتا ہے
(معجزہ قرآن مجید صہ ۱۶۳)
"منجملہ بہت سی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو قرآن کے لیے واجب طور پر باعث فخر وناز ہوسکتی ہیں دو خوبیاں نہایت بیّن ہیں یعنی اوّل تو اس کا وہ مودّبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا طرز بیان جو ہر اس مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اس کی ذات کی طرف اشارہ ہے اختیار کیا گیا ہے اور جس میں خداوند عالم کی ذات سے ان جذبات اور اخلاقی نقائص کو منسوب نہیں کیا گیا جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا اُن تمام خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا ہونا جو فحش اور خلافِ اخلاق اور غیر مہذب ہوں۔ حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہ عیب توریت وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت قرآن ان سخت عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اس میں خفیف سے خفیف ترمیم کی بھی ضرورت نہیں۔ اوّل سے آخر تک اسے پڑھ جائے تو اس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم و حیا کے آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذاتِ باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہے اور جو مذہب اس نسان خوبیوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ وہ وحدانیت الہٰی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا سبب الاسباب مان لیا جاوے جو اس عالم کو اپنے مقررہ قوانین پر چلا کر خود ایسی شان و عظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اس تک کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ قرآن کی رو سے وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور اس کی قدرت کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل

اور منصرف ہے۔ علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں کوئی امر متنازعہ فیہ نہیں اور چونکہ اس میں کوئی ایسا معمہ نہیں جو سمجھ میں نہ آئے۔ اور زبردستی قبول کرنا پڑے اس لیے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش پر قائم رکھتا ہے جو تغیر پذیر نہیں ہے حالانکہ تیز و تند اور اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کردیا ہے۔"

" سب سے آخر یہ بات ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابلِ فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید اور تعذیب نفس بالکل خارج کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بانی نے ماہیت اشیا اور اس زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اس امر پر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق ہو سکتے ہیں۔ ایک طویل اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہے اور اس وجہ سے یہ کچھ محل تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ کی بت پرستی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی۔"

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار مذہب اسلام کے متعلق لکھتا ہے۔ (معجزہ قرآن مجید ص۹۶)

" مذہب اسلام کا وہ حصہ جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے (بلکہ نہیں ہوا ہے۔ مقرر) اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاص سے ہے۔ ناانصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزا طمع۔ فضول خرچی۔ عیاشی۔ خیانت اور بدگمانی نہایت قابل ملامت قرار دی گئی ہیں اور ان کو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ بمقابلہ ان کے خیراندیشی

فیض روحانی۔ پاک دامنی۔ حیا۔ تحمل۔ صبر۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راست بازی۔ عالی ہمتی۔ صلح پسندی اور سچی محبت اور سب سے بڑھ کر توکل بخدا اور انقیادِ امرِ الٰہی کو حقیقی ایمان داری کی اصل بنیاد اور مومن صادق کا اصل نشان قرار دیا ہے۔"

اسی مکمل کتاب اور بے نظیر کلام الٰہی کے متعلق مشہور ذمہ دار برطانیہ مسٹر گلیڈسٹون بھرے مجمع میں اس کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے کہتا ہے:

"جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی۔"

انہیں علوم اور مدارس کے مٹانے اور مہلک علوم جدیدہ کو شائع کرنے کے لیے لارڈ میکالے کہتا ہے:

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو اگر رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل و دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔" (مدینہ بجنور ۸ جنوری ۱۹۳۶ء)

باوجودیکہ ہندوستان میں برطانوی حکومت سے پہلے ہر ہر قریہ اور دیہات میں مشرقی علوم کے مدارس موجود تھے جیساکہ سر تھامس منرو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

" ہندوستانیوں کا طریقہ کاشت کاری، بے مثل صنعت و حرفت، ان کی صنعت و کاشت کاری کے معاملہ میں اعلیٰ استعداد، ہر قریہ میں ایسے مدارس کی موجودگی جس میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی ہو، ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو۔ اس کی عزت، عصمت اور عفت کا پوری طرح لحاظ رکھا جاتا ہو۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہم اس قوم کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں رکھ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستان کو یورپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر

انگلستان و ہندوستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔" (دیکھو حکومت خود اختیاری)

مگر برطانوی حکومت نے ان مدارس کو اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بنا پر تباہ و برباد کر دیا۔

مسٹر لڈلو اپنی تاریخ برطانوی ہند میں لکھتا ہے:

"مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کے ہر گاؤں میں جو اپنی قدیم شان اور حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے اور حساب میں بھی انہیں خاص مہارت ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم کو فنا کر دیا ہے۔ اس جگہ دینی مدرسے بھی فنا ہو گئے۔" (حکومت خود اختیاری)

جب کہ ہندوؤں کے ہر ہر گاؤں میں بچے عام طور پر لکھے پڑھے ہوئے ہوتے تھے اور مدارس قائم تھے تو مسلمانوں کے گاؤں میں اور ان کی اولاد میں کہیں زیادہ تعلیم گاہیں اور علم و ہنر ہوگا کیونکہ مسلمانوں کا مذہب تعلیم و تعلم کو فرض قرار دیتا ہے نیز وہ اس وقت تمام سیاست اور نظام کے مالک تھے۔ آنریبل مسٹر الفنسٹن اور الیف وارڈن نے ۱۸۲۸ء اور ۱۸۲۳ء میں مسئلہ تعلیم پر ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں انہوں نے اس نقصان کو تسلیم کیا جو ملک کو انگریزوں کی ذات سے پہنچا تھا۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیے اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ترغیب نہیں ہوتی بلکہ اس سے قوم کا علم سلب ہو جاتا ہے اور علم کے پچھلے ذخیرے نسیاً منسیاً ہوئے جاتے ہیں۔ اس الزام کے رفع کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔" (حکومت خود اختیاری)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی ہی حصہ میں برطانوی مدبرین نے مدارس اور تعلیم گاہوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ملک ہند سے علمی ذخائر کو معدوم کر کے عام ہندوستانیوں کو جاہل بنا دیا تھا۔ برطانوی ناپاک پالیسی کا ہمیشہ سے تقاضا یہی رہا

ہے کہ وہ ہندوستانیوں میں کسی قسم کے علوم کو بھی رائج نہ ہونے دے۔ سرولیم ڈگبی اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں میجر جرنیل اسمتھ کے سی بی کی شہادت قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے:

سوال نمبر ۵۷۳۰ کیا آپ کسی طرح اس بات کو ردک کر سکتے ہیں کہ دیسیوں کو ان کی طاقت کا علم نہ ہو۔

جواب۔ میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ معدودے چند اغیار چھ کروڑ آبادی کے ملک پر حکمرانی کر سکیں (غالباً یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں تمام ملک نہیں آیا تھا، جسے آج کل رائے کی بادشاہت کہتے ہیں اس لیے جونہی وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو تعلیم کی تاثیر سے ان کے قومی اور مذہبی تفرقے دور ہو جائیں گے جس کے ذریعہ سے ہم نے اب تک اس ملک کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کرنا اور علی ہذا القیاس تعلیم کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ ان کے دل بڑھ جائیں گے اور انہیں اپنی طاقت سے آگاہی ہو جائے گی۔"

الغرض برطانیہ نے ابتدا ہی سے علم اور ذرائع علم کو اپنی اغراض فاسدہ اور نحس پالیسی کی بنا پر فنا کر دیا اور جب بہت زیادہ شور و شغب اس کے لیے بپا ہوا تو ایسی تعلیمات اور درسگاہیں کھولیں اور ایسا پروگرام بنایا جو کہ اس کے ناپاک مقاصد کے لیے معین و مددگار بن کر ہندوستانیوں کے لیے حقیقی زندگانی کی راہ میں کانٹا ہو جائے، چنانچہ موجودہ تعلیمات پر غور و فکر کرنے والا آدمی بخوبی پہچان سکتا ہے، مگر اس پر بھی صیغۂ تعلیمات سے نہایت ہی زیادہ سرد مہری برتی جاتی ہے اور معمولی لکھنے پڑھنے والے فی صدی دس آدمی بھی تمام ہندوستان میں نظر نہیں آتے فی صدی پانچ بھی تعلیم پر خرچ کرنا گورنمنٹ کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے، جب کہ معمولی نوشت و خواندگی یہ حالت ہے تو اسلامی علوم و فنون سے جس قدر بھی دشمنی تسلیم کی جائے بیجا نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہوئی کہ ۱۸۵۷ء تک تمام ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا وجود ناپید ہو چکا تھا اور بچے کھچے علماء اسلام کو خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں فنا کیا

گیا۔ اب حالت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ مذہب اسلام کی حفاظت اور بقار کی کوئی بھی صورت نہ تھی وہ نام کے اسلامی مدارس بھی باقی نہ تھے۔ جن سے کسی قسم کی اشک شوئی کی جاسکتی۔

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا علمی ذخیرہ بلکہ نفس اسلام کی تعلیم عربی اور فارسی ہی زبان میں تھی اور ہے بغیر اس کی تعلیم کے جاری ہونے کے اسلام کا ہی بقار ناممکن تھا اس لیے بقیۃ السیف علمار کو ضروری معلوم ہوا کہ پوری جد وجہد کے ساتھ مذہبی علوم اور اسلامی فنون کو ملک میں جاری کریں۔ یہ بدیہی امر ہے کہ مسلمان اگر کیسی ہی ترقی مال و دولت، حکومت و تجارت وغیرہ میں کریں مگر اسلام اور اس کے احکام سے نابلد اور ناواقف ہوں تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔ چہ جائیکہ وہ نجات اور فایز المرامی کے مستحق ہوں۔ ارباب ہمم اسی ضرورت کو محسوس کرکے خدا کے نام پر اٹھے۔ قوم کو اس طرف متوجہ کیا۔ ہر قسم کی صعوبتیں جن کے وہ کبھی عادی نہ تھے برداشت کیں اور اسلامی مدارس کی بنیاد ڈالی۔ متقدم مدارس میں دارالعلوم دیوبند چند پاکیزہ ہستیوں کی جدوجہد سے قائم ہوا اور وہ تدریجی ترقی کرتا ہوا تھوڑے ہی عرصہ میں مرکزی شان پر فائز ہوگیا۔ اسی طرح سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم اس کے چھ ماہ یا کم وبیش زمانہ کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ نیز مراد آباد میں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسہ امدادیہ، نگینہ، رڑکی، امروہہ، گلاؤٹی، بلند شہر میرٹھ، مظفر نگر، دہلی، کان پور، لکھنؤ، بنارس، مبارک پور، مئو، الہ آباد، بریلی، شاہجہاں پور، خورجہ، رام پور وغیرہ وغیرہ میں مذہبی مدارس قائم کیے گئے اور تمام علوم وفنون اسلامیہ عربی زبان کے تعلیمی طور پر رائج کیے گئے جن سے ہزاروں علمار مختلف استعداد اور قابلیت کے پیدا ہوکے جنہوں نے مذہب اسلام کے تحفظ اور اس کی تبلیغی خدمات میں کم وبیش حصہ لیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا جاتا تو یقیناً آج ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اسلام کا نام تک بھی باقی نہ رہ جاتا۔ یوپی کے علاوہ صوبۂ بنگال، آسام، بہار، مدراس، بمبئی، سندھ، پنجاب، فرنٹیئر، برار وغیرہ میں بھی بیداری روز افزوں ترقی پذیر ہوئی۔ اور

یکے بعد دیگرے مدارس قائم ہوئے جن سے ان صوبوں کے مسلمانوں کا تحفظ بڑے درجہ تک عمل میں آیا۔

میرے محترم بزرگو! ایک ایسے ملک میں جہاں سے حکومت اسلامیہ کا ظل خداوندی اٹھ گیا ہو۔ اس کی جگہ قائم ہونے والی حکومت پردیسی اور غیر مسلم ہو۔ اس کی پالیسی یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی قوم اور مذہب کو اپنا دشمن سمجھتی ہو۔

جیساکہ گورنر جنرل ہند لارڈ النبرا ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتا ہے:

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے۔ اس لیے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضاجوئی کرتے رہیں۔" (اَن ہیپی انڈیا صـ ۳۹۹)

ہنری ہیئر نگٹن طامس (بنگال کا سویلین) اپنے رسالہ (ہندوستان میں گذشتہ بغاوت اور ہماری آئندہ پالیسی) میں لکھتا ہے:

"وہ (مسلمان) خلیفۂ اوّل کے وقت سے موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ مغرور، غیر روادار اور ظالم رہے ہیں۔ ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعہ سے بھی ہو اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشو و نما ہو۔ مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں۔" (حکومت خود اختیاری صـ ۵۵، ۵۶)

اگر مسلمان حاکم کے علاوہ اور کوئی ان کا فرماں روا ہو تو وہ خود کو ایسی حالت میں پاتے ہیں کہ جس پر راضی ہو جانا ان کی ضمیر کے خلاف ہے۔ اس لیے اعزاز و مراعات سے انہیں خوش رکھنا ناممکن ہے، مگر انہیں نمائشی وفاداری کی ڈھب خوب آتا ہے اور وہ موقع کے منتظر رہتے ہیں..... لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس طبعی منافرت کے علاوہ اور بھی وجوہ تھے جن کے

باعث ہندوستان کے مسلمان ہماری بربادی کے خواہاں تھے۔ وہ بھولے نہ تھے کہ کئی پشت تک ہندوستان ان کے زیرنگین رہ چکا تھا اور پھر انہیں یقین تھا کہ برطانیہ کی قوت اگر کامل طور پر برباد ہوگئی تو ان کی عظمت رفتہ رفتہ واپس آ جائے گی اور وہ دوبارہ ہندوؤں پر حکومت کر سکیں گے ہندوستانی فوج میں جو بددلی پھیل رہی تھی اس کو انہوں نے تاڑ لیا اور اپنی ریشہ دوانیوں سے اس چنگاری کو بھڑکا کر آگ لگادی۔" (حکومت خود اختیاری صہ۹۳)

الغرض خلافِ واقع طور پر حکومت موجودہ کے ذمہ دار حکام ہمیشہ سے صرف اسلام اور مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن اور انقلاب ۱۸۵۷ء کا ذمہ دار انہیں کو سمجھ کر ان کی ہر قسم کی عظمت اور شوکت اور ان کی رفاہیت اور خوش حالی، قوت اور مذہبیت کو مٹانے کے درپے رہے اور اس امر سے چشم پوشی کرتے رہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کا ذمہ دار خود انگریزوں کا وہ طرزِ عمل ہے جس کو یوروپین تعلیم اور ان کا جدید تمدن پھیلا رہا تھا اور اُس پر عملدرآمد انگریز کر رہے تھے اور وہی آج بھی تمام ملک میں بے چینی کی آگ بھڑکائے ہوئے ہے اُسی کو لیفٹیننٹ گورنر جنرل میک لیوڈ انیس نے اپنی کتاب (بغاوت فوج) میں لکھا اور تسلیم کیا ہے

اس کا یہ اصول ہو کہ ہندوستان کے خون کو روز بروز چوسا جائے اور ان کی ہر قسم کی دولت و رفاہیت اور ان کے ذرائع کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے اس کی ایسی ہی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان روز بروز بد سے بدتر حالت میں پہنچتا جا رہا ہو۔ چنانچہ مسٹر ڈبلیو جی پیڈر ۱۸۷۳ء میں لکھتا ہے۔

"ایک ایسی رائے جس پر تقریباً ہر شخص متفق ہے اگر قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہے کہ اہلِ ہند ہمارے زیر حکومت بد سے بدتر حالت کو پہنچتے جاتے ہیں۔ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے جس پر حکومت کو توجہ کرنا چاہیئے۔"

(حکومت خود اختیاری صہ۳۸)

اینگ۔ ایم۔ ہنڈمین (مشہور ماہر اقتصادیات) لکھتا ہے:

"ہندوستان روز بروز کمزور و ناتواں ہوتا جارہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جارہا ہے"
(اپ کے ایم ہنڈمیلس بینک کرپٹ سی آف انڈیا صفحہ ۱۵۲)

اس نے اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بنا پر اس ملک کو انتہائی افلاس اور نکبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ابھی ابھی میں سرجان شور کا مقالہ نقل کر آیا ہوں کہ ۱۷۹۳ء میں کہتا ہے کہ انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مسٹر فلپ فرانسیس ممبر بنگال کونسل کہتا ہے:

"ایک انگریز کو یہ معلوم ہو کر تکلیف ہونی چاہیئے کہ جب سے کمپنی کو دیوانی ملی ہے۔ اہل ملک کی حالت پہلے سے بدتر ہوگئی اور یہ کمپنی کی تجارت وغیرہ کا نتیجہ ہے۔ میرے خیال میں یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ ملک ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت کے زیر سایہ تو سرسبز ہوتا رہا، مگر جب انگریزوں کے تصرف میں آیا تو تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا" (ان ہیپی انڈیا صفحہ ۲۳۴)

مسٹر سیول میرٹ ممبر کونسل ۱۸۳۶ء میں لکھتا ہے:

"برطانیہ کا دور حکومت مہربان اور مقبول بتایا جاتا ہے مگر اس عہد میں ملک جس حالت کو پہنچ گیا ہے اگر اس کا مقابلہ دیسی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لوگ اس وقت خوش حال تھے۔ یہ ملک فلاکت کی انتہائی پستی کو پہنچ گیا ہے"

وہ بقول مسٹر ریزے میکڈانلڈ قحط اور افلاس سے ستائے ہوئے لوگوں کی بستی بن کر رہ گیا ہو اور بقول سرجان سائمن اس کی تمام آبادی انتہائی افلاس میں مبتلا ہو اور بقول مسٹر پیٹر فریمین اس میں چالیس کروڑ سے لے کر سات کروڑ تک آدمی مسلسل فاقہ کشی میں مبتلا کر دیے گئے ہوں اور بقول مسٹر اے او ہیوم برسل تقریباً آبادی کا ۳/۴ حصہ کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نہ پاتا ہو۔ جن میں حکومت کا گوشۂ خاطر عام طور پر جہالت پھیلانا ہو۔ عام طور پر اہل ثروت و

حکومت ملکی اور اسلامی باقی نہ رہے ہوں۔ علوم اسلامیہ کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو عہدہ ہائے حکومت نہ دیئے جاتے ہوں۔ ان مدارس اور ان کے طلبہ اور مدرسین کو کوئی امتیازی شان حاصل نہ ہو۔ نہ ان کی ہمت افزائی اور پرورش کا کوئی سامان ہو اور نہ کوئی مالی امداد ملتی ہو جس ملک میں الحاد اور زندقہ کی مغربی باد صرصر دن دو رات چل رہی ہو۔ ہوا پرستی اور ضلالات و بدعات کی دباؤں نے عام طور پر مزاجوں کو ماؤف بنا دیا ہو۔ عام طور پر مسلم آبادی انتہائی فقر و فاقہ میں مبتلا کر دی گئی ہو۔ ان جملہ امور اور ویسے ہی دیگر حالات میں مدارس اسلامیہ کا اس ملک ہندوستان میں قائم ہونا اور باقی رہنا کس قدر مشکل اور دشوار ہوگا۔ اگر غور و فکر کو کام میں لایا جائے اور عالم اسباب اور ظاہر بینی کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو ان علوم اور درس گاہوں کا باقی ہی رہنا نہایت محال معلوم ہوتا ہے اور ضروری طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بھی قرآن کا معجزہ اور حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی کھلی ہوئی برکت ہے انہیں سخت سے سخت دشوار گزار گھاٹیوں کے اندر گزرتا ہوا دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس آہستہ آہستہ ترقی پذیر رہے۔ آج تک دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کے ہشتر سال پورے کر کے بارہ تیرہ ہزار علما پیدا کر چکا ہے اور اطراف و اکناف عالم میں انہیں علماء کے ذریعہ سے اسلام اور سنن نبویہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ) کی نشر و اشاعت کرتا ہوا حسب الاستطاعت کفر و الحاد، زندقہ اور افساد، بدعات اور ضلالات کو روک رہا ہے اگر چہ مسلمانوں کی بے توجہی اور ان کے فقر و فاقہ اور عدم احساس کی بنا پر وہ کماحقہٗ اور حسب خواہش کارکنان ترقی نہ کر سکا۔ مگر تاہم مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ وہ آج تمام عالم اسلامی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اس نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں اور اطراف و اکناف عالم میں علوم اسلامیہ کی روشنی پھیلائی ہے بلکہ بیرونی ممالک افغانستان، بلوچستان، عراق، حجاز، شام، وسط ایشیا، ترکستان چینی، ترکستان روسی قازان، شام، یمن، برہما، جزائر سماٹرا و جاوا وغیرہ میں بھی ہزاروں تعلیم یافتہ بنا دیئے ہیں صوبہ بنگال جو کہ بحیثیت آبادی ہندوستان میں سب سے بڑا اور زرخیز صوبہ ہے۔ اس

سے بہت ہی زیادہ مستفید ہوتا رہا ہے۔ اس وقت تقریباً بارہ سو طلبہ سے زائد اس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ طلبہ پر کسی قسم کا ٹیکس اور فیس کا بوجھ نہیں رکھا جاتا، بلکہ تقریباً پانچ سو طلبہ سے کچھ زائد کی تمام ضروریات کا تکفل کیا جاتا ہے۔ اگر مالی استطاعت پوری ہوتی تو ضرور اس میں ہر قسم کے ضروری شعبے اور لوازمات زندگی وطالب علمی کے سامان مہیا کیے جاتے۔ طلبہ کے لیے قیام گاہیں وغیرہ پورے پیمانہ پر موجود ہوتیں۔ دیگر عمارات مختلفہ اور کتابیں وغیرہ حسب ضرورت تیار کی جاتیں مگر سرمایہ کی قلت ہر طرف قدم بڑھانے سے سد راہ بنتی ہے۔

عربی تعلیمات کے لیے نصاب میں جو جو ضرورتیں ارباب حل وعقد کے ذہن میں آتی جاتی ہیں ان کی ترمیم وتنسیخ زیادتی اور کمی وغیرہ ابتدا ہی سے جاری ہے۔ اگر قدیم نصاب تعلیم (جس کو درس نظامی سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور موجودہ نصاب کا مقابلہ کیا جائے تو اس قدر بین فرق معلوم ہوگا کہ گویا کہ دو نصاب علیحدہ علیحدہ تجویز کیے گئے ہیں۔ موجودہ نصاب میں علم حدیث اور علم تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

انگریزی خواں طلبہ کے لیے یہ مناسب ہے کہ فنون میں جو متعدد کتابیں تقویت استعداد اور حفظ مسائل کے لیے رکھی گئی ہیں ان کو کم کر دیا جائے یا جن فنون کو انہوں نے انگریزی زبان میں حاصل کر لیا ہے۔ ان کو حذف کر دیا جائے۔

اور بہت ہی زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معروضۂ ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ منعطف کی جائے:

چونکہ اسلامی تعلیمات، اسلامی تواریخ، اسلامی معاشرت، اسلامی تمدن، اسلامی علوم و فنون یہ سب عربی زبان میں ہیں۔ اس ساڑھے تیرہ سو برس میں مسلمانوں نے بڑے بڑے مذہبی اور تمدنی انقلابات برپا کیے ہیں اور علوم وفنون کے بہت سے شعبوں میں مسلمانوں کا مستقل اور پائیدار اثر قائم ہوا ہے اور یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے۔ مسلمانوں کے خاص خاص علوم میں جو اور کسی زبان میں پوری طرح نہ منتقل ہو سکتے ہیں نہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے جیسے حدیث، تفسیر، اصول، اسماء الرجال، وغیرہ الغرض مسلمانوں کا سارا علمی سرمایہ عربی

زبان میں ہے اس لیے من حیث القوم مسلمان عربی تعلیم کے لیے مجبور ہیں۔ نہ اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ان کو چھوڑنا چاہیئے۔

غور طلب یہ امر ہے کہ صرف ہندوستان میں شاید کئی لاکھ مسلمان ہر سال عربی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اور ہر سال ہزاروں طالب علم آٹھ دس برس کی محنت شاقہ کے بعد سند فراغ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے بظاہر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہی لوگ قومی اور مذہبی رہنما اور قومی رہبر ہوتے ہیں مگر معمولی بسر اوقات اور اپنی قوت سے قدر کفاف حاصل کرنے کا موقع بھی ان کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رہنما ہوتے ہیں مگر محتاج، رہبر بنتے ہیں مگر مفلس اور احتیاج کی وجہ سے جو جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ ہوتی رہتی ہیں۔

یہ چیز ناممکن ہے کہ مسلمانوں کو عربی تعلیم سے روک دیا جائے اور روکنا مناسب اور جائز بھی نہیں، ورنہ یہ مسلمانوں کی مذہبی اور ملی تباہی کا باعث ہو جائے گا۔ لہٰذا کیا مسلمانوں کی اس تعلیمی کانفرنس کے لیے یہ امر غور طلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی تعلیم کے مسئلہ کی طرف اپنی مکمل توجہ منعطف کرتی ہوئی عربی تعلیم یافتہ اشخاص کے ذرائع معاش کے مسئلہ کو حل کرے۔

یقیناً مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اس مسئلہ سے اب تک بہت بڑی غفلت برتی ہے شکایت کی جاتی ہے کہ اچھے علماء پیدا نہیں ہوتے، مگر اچھے علماء پیدا ہونے کے اسباب و ذرائع کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے لوکلفت بصلۃ ما عرفت مسئلۃ (اگر مجھ کو پیاز کی تکلیف دی جاتی تو ایک مسئلہ کو بھی نہ پہچانتا) ضروری ہے کہ علماء کو احتیاج اور افلاس سے نکالا جائے۔ اس کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ اپنی روزی اپنے قوت بازو سے حاصل کر سکیں تاکہ ان میں فارغ البالی، خودداری، آزادی رائے پیدا ہو سکے اور "جو خور دبا بداو فرزندم" سے فی الجملہ آزاد ہو جائیں۔ یہ امر مشکل نہیں ہے مگر اس کے لیے متفقہ قومی آواز کی ضرورت ہے۔ مسلم تعلیمی کانفرنس کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ پوری مسلم قوم اس مسئلہ میں کانفرنس کا ساتھ دے گی۔

ہیں فی الحال حسبِ ذیل تجاویز عربی تعلیم یافتوں کے لیے پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں:

(۱) کچھ معتد بہ وظائف ان طلبہ کے لیے مقرر کیے جائیں جو عربی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھنا چاہیں اور علیٰ ہذالقیاس انگریزی مدارس کے ان فارغ شدہ طلبہ کے لیے بھی جو عربی پڑھنا چاہیں۔ ان کے لیے بھی وہ وظائف امدادیہ جاری کیے جائیں۔

(۲) جس طرح مولوی فاضل وغیرہ کے سندیافتہ صرف زبان انگریزی میں گورنمنٹ امتحانات میں شرکت حاصل کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح مسلم یونیورسٹی اپنے یہاں ایسے قوانین بنائے جن کے رو سے عربی مدارس کے فارغ شدہ طلبہ صرف انگریزی زبان کے امتحان میں شامل ہو سکیں۔ ان کے لیے تعلیم کا مستند انتظام کیا جائے کہ ایف اے کے بعد وہ بی اے کا امتحان دے سکیں۔

(۳) عربی مدارس کے طلبہ کے لیے ریلوے وغیرہ سے وہ تمام مراعاتیں ملنی چاہئیں جو انگریزی مدارس کے طلبہ یا ایڈ گرفتہ مدارس کے طلبہ کو ملتی ہیں۔ ایجوکیشنل کانفرنس مستند مدارس عربیہ کی ایک فہرست تیار کرے جس کو گورنمنٹ بھی تسلیم کرے۔

(۴) قانون کے امتحانوں میں انگریزی زبان دانی کی شرط نہ رکھی جائے۔ امتحانات ملکی زبانوں میں ہوں۔ علمی استعداد شرط کی جائے، اگر حسب مراتب جن امتحانوں کے لیے میٹرک، انڈر گریجوایٹ یا گریجوایٹ کی شرط ہے وہ رکھی جائے اور اُسی درجہ کے عربی استادوں کو بھی کافی سمجھا جائے۔ عربی نصاب میں اس کے لیے مدارج قائم ہو سکتے ہیں اور بعض ضروری چیزوں کا نصاب میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) کورٹ کی لینگویج بدل دی جائے۔ اگر فوراً ہائی کورٹ کی زبان بدل نہ جا سکے تو وہ انگریزی ہی رہنے دی جاتے، لیکن دوسرے تمام کورٹوں کی زبان لازمی طور پر بدل دی جائے۔

(۶) رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں عربی کی اسناد کو بھی ملازمت کے لیے کافی سمجھا جائے۔

(۷) اوقاف کے تمام ذمہ دار عہدوں کے لیے عربی اور مذہبی تعلیم کی تکمیل ضروری سمجھا جائے

اور شرط کر دی جائے۔

(۸) محکمہ منصفی اور ججی (صدارتِ اعلیٰ) کے لیے جس میں اکثر قضاء شرعی اور تقسیم وراثت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مذہبی تعلیم کی سند ضروری قرار دی جائے۔

(۹) مسلمانوں کو محکمۂ قضاء حسبِ طلب عطا کیا جائے جس کا مطالبہ عرصۂ دراز سے مسلمان کر رہے ہیں۔

(۱۰) آرٹ اور صنعت کی تعلیم میں عربی تعلیم کے سند یافتوں کو شرکت کا موقع دیا جائے۔

(۱۱) محکمہ ہائے انہار، زراعت، تجارت کی تعلیمات میں عربی تعلیم یافتوں کو شریک کیا جائے۔

(۱۲) یونیورسٹیوں کے وہ طلبہ جو عربی پڑھتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے لیے کسی عربی دینی مدرسہ میں جا کر قیام کیا کریں اور عربی کی اعلیٰ تعلیم سے استفادہ کریں۔

محترم حضرات! میں نہایت عدیم الفرصت اور بہت ہی کم مایہ ہوں۔ بہت کم فرصت میں نہایت جلدی کے ساتھ قلمبند کر کے اپنے مختلف پریشان خیالات کو آپ حضرات کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اپنی نظر عفو کرم کو کام میں لا کر اگر کوئی چیز خلافِ رائے یا باعث تکدر ہوئی ہو اس سے سماح فرمائیں گے۔

آخر میں میں پھر آپ حضرات کی عنایات بے غایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ میری عرائض کو اپنی توجہات مربیانہ اور الطاف ہائے بیکرانہ سے نوازیں گے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

خادم العلوم بدار العلوم دیوبند

خطبہ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے بارھویں (۱۲) سالانہ اجلاس میں

— مورخہ —

۲۸-۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۷-۸-۹ جون ۱۹۴۰ء

— بمقام —

جونپور

پیش فرمایا

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہ ونؤمن بہ
ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا
ومن سیٔات اعمالنا من یھدہ اللہ ولا مضل لہ ومن
یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ
لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ
ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وبارک
وسلم ۔

امابعد

حضرات اس نازک اور پُرفتن زمانہ میں جب کہ چاروں طرف انتہائی بے چینیاں
پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ وہ عظیم الشان سلطنتیں جو کہ خدائے رب العٰلمین کو بھولتی ہوئی اور اپنی مادی
قوتوں اور نئے نئے اسلحہ پہ گھمنڈ رکھتی ہوئی کہیں "لمن الملک" بجاتی اور علی الاعلان قولاً
اور فعلاً کہتی تھیں "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" آج مٹتی جارہی ہیں۔ جدھر کان لگا کر سنتے ہیں۔
ادھر زبانِ حال سے یہی آواز سنائی جارہی ہے "اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ
ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّةً"
جن شہنشاہیتوں کو یہ زعم تھا کہ گر آسمان بھی ہم پر ٹوٹ پڑے گا تو سنگینوں پر تھام کر

اٹھالیں گے جن طاقتوں کو اپنی بحری افواج اور دریائی سواریوں اور آلات کی بنا پر یہ دعوے تھا کہ ہم سمندروں کے خدا اور اکیلے مالک ہیں۔ جن دماغوں نے نظر نہ آنے والے سب سے زیادہ قریب غیر مادی خدا کو بالکل بھلا ہی نہیں دیا تھا بلکہ اس کے خلاف اعلان دشمنی کر رہے تھے آج انگشت بدنداں ہیں آج وہی آرام گاہیں جن پر ان کو ناز تھا حسب ارشاد ارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ان کے لیے جہنم کی وادیاں بنی ہوئی ہیں۔ اوپر سے بھی آگ برستی ہے اور نیچے سے بھی آگ برستی ہے بڑے بڑے جہاز دھماکے انہیں سمندروں میں غرق ہو رہے ہیں جو کہ ان کے ملک اور آماجگاہ تھے وہ قومیں جنہوں نے انسانی دنیا اور مشرقی ممالک کو نئے نئے اسلحہ سے فنا کے گھاٹ اتارا تھا، آج وہی بھلایا ہوا خدا جس نے تمام عالم کو پیدا کیا تعلیاد آرہا ہے اور "یوم دعا" منایا جاتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ۔

آج دنیا کے نقشے بدل رہے ہیں۔ آزاد قومیں غلام بن رہی ہیں۔ اقویاء ضعفاء کی صفوں اور ضعفاء اقویاء کی صفوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ معمولی معمولی سپاہی بڑی قوموں پر بادشاہت اور ڈکٹیٹری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بڑے بڑے بادشاہ اور شہزادیاں عظیم الشان وزراء اور سپہ سالار سرگرداں اور پریشان در بدر حیران و پریشان پناہ ڈھونڈتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ٹھوکریں کھا رہے ہیں ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کا منظر سامنے ہے "چاہ کن را چاہ درپیش" ہے۔ غیرت الٰہی جوش پر ہے ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں منٹوں اور گھنٹوں میں ضائع ہو رہی ہیں۔ زمین پر خون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ مشرقی اقوام اور ضعیف انسانوں اور ایشیائی افریقی آبادیوں کا خون رنگ لا رہا ہے۔ "وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ"۔

ہندوستان اپنی غلامی کی کڑیوں میں جکڑا ہوا بے دست و پا عاجز و ناتواں ہو کر جس میں وہ صدیوں سے مبتلا اور معذب ہے آسمان کی طرف نہایت بے چینی اور اضطراب سے

آنکھ اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ رحم و کرم الٰہی کا منتظر ہے زبان حال و قال سے کہہ رہا ہے کہ اے ہمارے پیدا کرنے والے پالنے والے ہم کو اس عذاب الیم سے جلد از جلد چھڑا دے۔ ہم کو تو نے کیوں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ہمارے ظالم صیادوں کو تو کب تک ڈھیل دے گا۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں شد

تو ہی تو ہمارا بھی خدا ہے۔ تجھی نے تو ہم کو بھی پیدا کیا ہے تو ہی ہمارا بھی پالنے والا ہے ہم بھی تو تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ مانا کہ ہم گنہگار ہیں۔ مانا کہ ہم مجرم اور نالائق ہیں مگر تیرا رحم و کرم تو سبھی کی پرورش کرتا ہے۔ سبھی کی سنتا ہے۔ سبھوں پر رحم کھاتا ہے۔ ہم کب تک ذلیل و خوار کیے جائیں گے۔ ہم کب تک جور و ظلم کے شکار بنے رہیں گے ہم کب تک فقر و فاقہ، قحط و افلاس، بیکاری و بے روزگاری، جہالت و سفاہت وغیرہ کی لعنتوں میں مبتلا رہیں گے۔

گرم آ کہ بماندایں بازار

اے منعم حقیقی اٹھ اور ۱۶۰۰ء سے ۱۹۴۰ء تک کے بربری مظالم اور اس ذلت کا جس نے ہزاروں نہیں، کروڑوں نہیں بلکہ اربوں تیرے بنائے ہوئے بندوں کو بگاڑا نہیں، نہیں بلکہ ان کو عذاب الیم میں مبتلا کر کے نہایت سخت دلی سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، بدلہ لے اور ہم کو اپنے رحم و کرم کی گود میں جگہ دے، ہمارے یتیم بچوں، ہماری ضعیف العمر بیواؤں، ہمارے آفت رسیدہ بڈھوں، ہمارے زخم خوردہ دلوں اور داغوں کی آہ و بکا سُن اور ہمارے چھنے ہوئے مجد و شرف، فارغ البالی اور خوشحالی کو عطا فرما۔ ہم ناتواں ہیں ہم ضعیف و کمزور ہیں۔ ہم برباد کیے ہوئے ہیں، ہم ذلیل و خوار بنائے ہوئے ہیں، ہماری ہر عزت و رفعت کو جس کو تو نے دیا تھا ان شقی القلب گرگوں نے مٹا دیا ہے۔ ہم ہیں ان بھیڑیوں نے اس قدر تفرقہ ڈال دیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون تک کا پیاسا ہے ہم کو اس قدر ستا اور کمزور بنا دیا ہے کہ ہم اپنے گھر اور عیال کی بھی

کسی طرح حفاظت نہیں کر سکتے۔ ہم کو اس قدر کنگال اور مفلس بنا دیا ہے کہ کروڑوں جانیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ملک الموت کی نذر ہوئی جاتی ہیں۔ ہمارا جنت نشان ملک جہنم نشان بنا دیا گیا ہے ہماری تجارتوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا ہے۔ ہماری حکومتوں کو نیست و نابود کر دیا ہے، ہمارے علوم و کمالات کو مٹا دیا گیا ہے۔ ہماری زراعت و کاشتکاری کو تباہ کر دیا گیا ہے ہماری بے شمار دولت کو لوٹ لیا گیا ہے۔ ہماری قدرتی کانوں اور بیش بہا چشموں کو چھین لیا گیا ہے ہمارے سرمایہ ہائے خوشحالی کو ذرہ ذرہ کر کے اُڑا دیا گیا ہے۔ ہمارے بہترین کیرکٹر اور اخلاق صحیح کو بداخلاقی اور بداعمالی سے بدل دیا گیا ہے۔ ہماری ہمتوں کو پست اور ہماری عقل و فراست کو کمزور اور ہماری جوانمردیوں کو معدوم کر دیا گیا ہے۔ ہم کو طرح طرح کے نام بنا دقرضوں میں دفن کر دیا گیا ہے ہم پر گرانقدر لایعنی مصارف کا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ ہم کو انسانیت کی عزت و شرافت سے دور کر دیا گیا ہے اے تمام عالم کے خدائے بزرگ اٹھ اور ہمارے دشمن سے بدلہ لے۔ ہم کو زندہ کر اور اپنی سچی رہنمائی کے انوار سے منور فرما۔ ہم کو تمام اقوام عالم میں عزت دار نصیب والا صاحب شوکت بنادے۔ آمین

حضرات! ایسے وقت میں لازم تھا کہ کسی تجربہ کار، ذہین و ذکی اور قوی الدماغ صاحب عزم و استقلال شخص پر صدارت اجلاس کا بوجھ رکھا جاتا۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مجھ جیسے ضعیف و ناتواں معمولی طالب علم پر یہ ثقیل بوجھ اور عظیم الشان ذمہ داری رکھنی کسی طرح صحیح نہیں تھی۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ غلط کاری کیوں کی گئی اور باوجود میری چیخ و پکار کے مجھ کو کیوں نہ سبکدوش کیا گیا۔ بہرحال حسب مقولہ مشہور "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" اپنی عقل و ہمت کے موافق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

میری تمنا یہ ہے کہ آپ حضرات مجھ سے تعاون فرمائیں تاکہ میں خدمات مفوضہ اور فرائض لازمہ انجام دے سکوں۔

میرے بزرگو! میں آپ حضرات کے اس عظیم الشان احسان کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر میرا حال اس شعر کے موافق ہے ؎

فلئن نطقت بشکر بر لک مفصحًا
فلسان حالی بالشکایۃ انطق

برطانوی قوم کی ذہنیت اور اُن کے اخلاق اور ہندوستانیوں کے ساتھ ان کے معاملات

میرے معزز بزرگو! برطانوی قوم اور اشخاص میں اگرچہ نیک دل انصاف پسند، انسانی سچی ہمدردی رکھنے والے، صادق الوعد، شریف النفس لوگ بھی ہیں مگر افسوس کہ عام لوگ بالخصوص اصحاب اقتدار و حکومت مندرجہ ذیل اخلاق و اعمال کے مجسمے ہیں جس کو مسٹر جارج ایلن اینڈانو (MR. GEORGE ALAN ANDANO) نے کتاب میں بطور اقتباس شائع کرایا ہے۔

"موجودہ تمدن کا سار لب و لباب منافقت ہے لوگ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں لیکن عملاً اپنی جانیں تک مال پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں پر آزادی کا دعویٰ رہتا ہے لیکن جو لوگ آزادی کے علمبردار ہوتے ہیں انہیں کو سزائیں ملتی ہیں دعویٰ مسیح کی پیروی کا ہے اور اطاعت مسولینی (MUSSOLINI) وغیرہ کی کی جارہی ہے عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لیے وقف ہیں زبانی داد سچائی کی دیتے ہیں لیکن عملاً اقتدار اور اختیار کی کرسیوں پر بد دیانتوں ہی کو بٹھائے ہوئے ہیں۔ زبانوں پر اخوت کے نعرے ہیں لیکن جو بھائی ان کی جنگ یا وطنیت یا قومیت کے بدنما جلوسوں میں شریک نہیں ہوتے ان کے لیے جیل خانہ ہے یا جلاوطنی یا بندوق کی گولیاں"۔ (ریخ ۱۱ ص ۲۳ ۲۴ جنوری ۱۹۳۰ء)

بالخصوص ہندوستانیوں کے ساتھ تو ان کا معاملہ ہر زمانے میں نہایت شرمناک اور تعجب خیز رہا ہے۔ وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) لکھتا ہے:۔

"انگریز ہندوستان میں آکر بالکل نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کی وہ اپنے ملک میں جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ ہندوستان میں اس کے ارتکاب کے واسطے انگریز کا نام جواز کا حکم رکھتا ہے اُس کو سزا کا خیال تک نہیں ہوسکتا"۔

ٹامس رڈ ہنسم لکھتا ہے۔

"میں ہمیشہ سے دیکھتا ہوں کہ بمقابلہ اور قوموں کے انگریز ممالک غیر میں سب سے زیادہ چیرہ دستی کرتے ہیں اور ہندوستان میں یہی واقعہ پیش آ رہا ہے"

مسٹر ہولٹ مکنزی (MR. HOLT MACKENZIE) ۱۸۳۰ء میں لکھتا ہے۔

"یہ عمل نہایت حیرت انگیز ہے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ نیک دل انگریزوں کا برتاؤ بھی حقارت آمیز رہا ہے جو فی الحقیقت نہایت نیک نیت تھے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی حکومت کی مثال ایسی نہ ملے گی جس نے مکمل طور پر اپنے مطلق العنان جبروت کو سول انتظامات کے ذریعے سے (اگر اس کو سول کہہ سکتے ہیں) منوایا ہو جو درحقیقت حربی ہے۔

لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) لکھتا ہے:۔

"زمانہ سابق کے تمام ایشیائی اور یورپین ظالموں کی غیر انصافیاں سپریم کورٹ (عدالت عالیہ) کے انصاف کے مقابلہ میں برکت معلوم ہوتی ہیں"

میلکم لوئس (MALCOLM LOUIS) جج عدالت عالیہ مدراس و ممبر کونسل لکھتا ہے:۔

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذاتوں کو ذلیل کیا۔ ان کے قانون وراثت کو منسوخ کیا۔ بیاہ شادی کے قواعد کو بدل دیا۔ مذہبی رسم و رواج کی توہین کی۔ عبادت خانوں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ سرکاری کاغذات میں انہیں کافر لکھا امراء کی ریاستیں ضبط کر لیں۔ لوٹ کھسوٹ سے ملک کو تباہ کیا۔ انہیں تکلیف دے کر مالگزاری وصول کی سب سے اونچے خاندان کو برباد کر کے انہیں آوارہ گرد بنا دینے والے بندوبست کئے" (ہندوستان کی سیاسی ترقی صـ۳)

سر تھامس منرو (SIR THOMAS MUNRO) اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے۔

"وضع قانون میں ان کا (ہندوستانیوں کا) کوئی حصہ نہیں اور قوانین کے عملدرآمد میں ان کو بہت کم دخل ہے۔ باستثناء چند نہایت چھوٹے عہدوں کے وہ کسی بڑے عہدے تک خواہ وہ فوجی ہوں یا سول وہ کسی

بڑے عہدے تک نہیں پہنچتے۔ وہ ہر جگہ ایک ادنیٰ قوم کے فرد سمجھے جاتے ہیں تمام فوجی اور دیوانی عہدے جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں اب یورپینوں کے قبضہ میں ہیں جن کا پس انداز روپیہ خود اُن کے ملک کو چلا جاتا ہے !

(ر ح خ ا صـ۱۴)

لارڈ میکالے لکھتا ہے (میکالیز الیسیز آن وارن ہیسٹنگز۔

• ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے مقابلہ میں اگرچہ بہت غریب ہیں۔ تاہم جو تکلیف دتاخیر اور خرچ انگریز قانون کی وجہ سے پیش آتا ہے و• اُس کو اُن نقائص کے مقابلے میں جو اس قانون کے غیر ملکی ہونے کی وجہ سے اس میں موجود ہیں زیادہ اہم نہیں سمجھتے ا اُن کی فطرت ا ان کی عزت ا اُن کے مذہب اُن کی عورتوں کی عصمت کے قومی محسوسات کو اس بدعت کا سامنا کرنا پڑا۔ سال کی کارروائیوں میں پہلا قدم جو اٹھایا گیا وہ یہ تھا کہ مال گزاری کی بقایا میں لوگ گرفتار کیے جانے لگے درانحالیکہ معزز ہندوستانی کے لیے گرفتاری محض نظر بندی نہ تھی بلکہ بدترین ذاتی بےعزتی تھی۔ ہر مقدمہ کی ہر منزل پر حلف لیے جانے لگے درانحالیکہ معزز ہندوستانیوں کے نزدیک یورپ کے فرقہ کو جھوٹی قسم کو معیوب سمجھتا ہے) یہ طریقہ زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مشرقی ممالک میں معزز گھرانوں کے زنانخانہ میں غیر آدمی کا داخل ہونا۔ یا عورتوں کے چہرے کو دیکھ لینا ناقابل برداشت زیادتی سمجھی جاتی ہے اور اس کو موت سے بھی زیادہ خوفناک خیال کیا جاتا ہے اور جس کا انتقام صرف خونریزی سے لیا جا سکتا ہے۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے نہایت معزز خاندانوں کو اس قسم کی بےعزتیوں کا سامنا ہوا اگر ہمارے ملک میں دفعۃً ایک ایسا قانون نافذ کر دیا جائے جو ہمارے لیے ایسا ہی نیا ہو جیسا کہ ہمارا قانون ایشائی رعایا کے لیے ہے تو یہ خیال

کرنے کی بات ہے کہ ہمارے ملک کی اس وقت کیا حالت ہو جائے گی۔
اگر ہمارے ملک میں یہ قانون نافذ ہو کر کسی شخص کی قسم کھا لینے سے کہ اُس
کا قرضہ ہم پر ہے اُسے یہ حق ہو جائے گا کہ وہ معزز اور مقدس ترین اشخاص اور
پردہ نشین خواتین کی ہتک کر سکے۔ ایک افسر کے بید لگائے جا سکیں ایک
پاس کو کٹہرے میں ٹھونا جا سکے۔ شریف عورتوں کے ساتھ اس طریقہ سے
سلوک کیا جا سکے کہ جس کا نتیجہ واٹ ٹائلر (WATT-TYLER) جیسا بلوہ
ہو (انگلستان میں ۱۳۸۱ء میں رچرڈ (MR. RICHARD) نے ہر بالغ مرد
اور عورت پر ایک نیا ٹیکس لگایا تھا جس کی مقدار ایک شلنگ فی کس تھی اس
پر کاشتکاروں نے عظیم الشان بلوہ کر دیا تھا۔ اس کا سردار واٹ ٹائلر
(WATT-TYLER) تھا) تو اس وقت ملک کی جو حالت ہو جائے گی۔
اس کے تصور سے دل کانپتا ہے۔ الخ (رح۔ ج ا صـ۱۶)

سر جان شور (SIR JOHN SHORE) ۱۸۳۲ء میں لکھتا ہے (اس کا تعلق بنگال اور لعمر وسس
سے رہا تھا)

"انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر صورت سے تمام ہندوستانی قوم کو
اپنی اغراض کا غلام بنایا جائے ان پر محصولات اتنے لگا دیے ہیں کہ اضافہ
کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ یکے بعد دیگرے جو صوبہ ہمارے تصرف
میں آیا ہے اُس کو مزید وصولیابی کا میدان بنا لیا گیا ہے اور ہم نے اس بات
پر ہمیشہ فخر کیا ہے کہ دیسی والیان ملک جتنا وصول کرتے تھے اس سے
ہماری آمدنی کس قدر زیادہ ہے ہر وہ عہدہ و عزت اور منصب جس
کو قبول کرنے کے لیے ادنیٰ سے ادنیٰ انگریز کو آمادہ کیا جا سکتا ہے۔
ہندوستانیوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔" (رح ج ا صـ۲۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برطانوی قوم جو کہ ۱۶۰۱ء میں تجارت کرنے کے لیے ہندوستان میں آئی

تھی اس نے آہستہ آہستہ وہ وحشت اور بربریت کے سفاکانہ طریقے اختیار کیے جو کہ نہ صرف ظلم و ستم کے انتہائی مظاہرات تھے بلکہ وہ انسانیت کے لیے بدنما اور شرمناک دھبے بھی تھے یہ شرمناک اطوار ۱۷۰۰ سے ۱۷۵۷ تک ننگے طور سے بذریعہ تجارت لوٹ کھسوٹ اور تسلط کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۱۷۶۶ میں جماعت ڈائرکٹران نے رپورٹ میں لکھا کہ:۔

" ہمارے نزدیک اندرون ملک کی تجارت سے جو کثیر دولت حاصل کی گئی ہے وہ انتہائی درجہ کے ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں کے استعمال کا نتیجہ ہے اور جس کی نظیر کسی زمانہ اور ملک میں نہ ملے گی "

لارڈ کلایو (LORD CLIVE) کہتا ہے!

" رشوت خوری اور زیادہ ستانی کا منظر بجز بنگال کے کسی ملک میں دیکھا یا سنا نہیں گیا "

لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) لکھتا ہے۔

" اس طریقے سے بے شمار دولت بہت جلد کلکتہ میں جمع ہوگئی۔ درآنحالیکہ تین کروڑ انسان حد درجہ برباد کر دیے گیے۔ بیشک ان لوگوں کو مظالم میں سہنے کی عادت تھی، مگر وہ مظالم اس قسم کے نہ تھے۔ کمپنی کی چھوٹی انگلی انہیں سراج الدولہ کے چھٹے سے زیادہ موٹی معلوم ہوتی تھی "

۱۷۶۲ میں نواب بنگال نے انگریزی گورنر کو مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے :۔

" کمپنی کے ملازمان رعایا اور سوداگروں کا مال چوتھائی قیمت پر لے لیتے ہیں اور اپنے ایک روپیہ کے سامان کی قیمت ان سے پانچ روپے وصول کرتے ہیں "

لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) لکھتا ہے۔

" کمپنی کے عیوب میں محض ظلم ہی نہ تھا بلکہ ظلم سے ایسے خراب نتائج پیدا ہوتے تھے جیسا کہ دولت مند بننے کے بے اصول حرص سے پیدا ہوتے ہیں "

انہیں کو سر ولیم ڈگبی (SIR WILLIAM DIGBY) پراسپرس برٹش انڈیا

(PROSPEROUS BRITISH INDIA) میں مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتا ہے۔

" جو کمی ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقہ حکومت ہند میں دکھائی دیتی ہے جہاں تک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی براعظم میں پھیل رہی ہے وہ ہمارے اس طرز حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے شروع کی گئی اور اب تک بحال رکھی گئی وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں۔ اوّل تسلط بذریعہ تجارت یعنی ہندوستان کی دولت علانیہ سمیٹنا۔ لیگے طور سے ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک "

برطانوی قوم نے ابتدا ابتدا میں اگرچہ ایماندارانہ طریقے پر تجارت کی مگر فروغ ہونے پر وہ انسانیت کی حدود سے نکل کر درندے بن گئے اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا کر گذرے۔ یہاں تک کہ اس ہوس دولت نے حرص ملک گیری اور بادشاہت تک پہنچا دیا اور ۱۷۵۷ء میں انہوں نے بدعہدیوں اور بے وفائیوں کی شرمناک صورت میں پلاسی کی جنگ چھیڑی اور غداروں کی ناپاک کارروائیوں کے ذریعے سے کامیاب ہوگئے اب کیا تھا لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگیا۔ چاروں طرف ظلم و استبداد کا شور مچ گیا، دولت سمیٹنے اور مظالم کا شکار کرنے میں کوئی ظاہر بھی حائل نہ تھا۔ ہر چیز پر اپنا قبضہ جمالیا گیا اور ہر طرح پر ہندوستانی خوشحالی اور فارغ البالی کو موت کے گھاٹ اتار گیا۔ دولت کے دریا انگستان کو بہنے لگے اور افلاس و نکبت کی ہلاک کرنے والی آندھیاں ہندوستان پر چاروں طرف سے آنے لگیں۔

بروکس (MR. BROOKS) اسی زمانے کے متعلق کہتا ہے۔

" یہ مالا مال خزانے کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی انگریزوں نے ہتھیا کر لندن اسی طرح بھیجدی جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیج دیئے تھے۔ ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ کروڑوں اشرفیاں ہوں گی۔ اتنی دولت اس وقت کی مجموعی یورپین دولت سے بہت زیادہ تھی "

سرجان شور (SIR JOHN SHORE) کہتا ہے :۔

" لیکن ہندوستان کا عہد زریں گذر چکا ہے۔ جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا جزو اعظم ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا اس کے قوائے عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیئے ہیں جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدہ کی خاطر قربان کر دیا "

لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) کہتا ہے کہ :۔

" دولت کے دریا انگلستان کو بہتے چلے جاتے تھے "

سرجان سیلون (SIR JOHN SELWYN) کہتا ہے :۔

" ہمارا طرز حکومت اسفنج کے مانند گنگا کے دھارے سے ہندوستانیوں کی دولت کو چوس لیتا ہے اور دریائے ٹامز کے کنارے نچوڑ دیتا ہے "

صوبہ بنگال پر تسلط جمانے اور اس کی لوٹ کھسوٹ کے بعد ملک گیری کا مزہ دراخون انگلستانی درندوں کے منہ ایسا لگا کہ یکے بعد دیگرے صوبجات ہند زیر تسلط لائے جانے لگے اور اس قبضہ اور تسلط میں کسی عہد و میثاق اور کسی قسم کے عدل و انصاف کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جو کچھ بھی برطانوی اصحاب اقتدار اور کمپنی کے گورنر اور حکام کر بیٹھیں وہی عدل تھا، وہی حق تھا، وہی رعایا پروری تھی۔ وہی انسانیت تھی۔ اسی زمانے کے متعلق دوسرے دور کا بیان کرتا ہوا سر ولیم ڈگبی (SIR WILLIAM DIGBY) لکھتا ہے :۔

" دوئم تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر یعنی ہندوستان انگلینڈ کے لیے ہے۔ آغاز سے انجام تک یہ دور ۱۷۵۸ء سے ۱۸۳۲ء تک رہا "

اس دور میں ایک طرف تو کمپنی اور اس کے ملازمین تجارت کرتے اور تاجرانہ حرص و آز کو ہر ہر طرح سے کامیاب بنانے کی کوشش کرتے تھے اور دوسری طرف وہ مالکانہ اقتدار اور شاہانہ تسلط رکھتے تھے۔

سرجان شور (SIR JOHN SHORE) ۱۷۸۷ء میں اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے

"کمپنی کے لوگ ایک طرف تو تاجر ہیں اور دوسری طرف وہ حکمران۔ اوّل الذکر حیثیت میں وہ ملک کی تجارت پر قابض ہیں اور ثانی الذکر حیثیت میں وہ مالگزاری وصول کرتے ہیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان بہت بری طرح برباد و تباہ ہوا، اس کے تمام ذخائر چھین لئے گئے، اس کے تمام قدرتی چشمے اپنے تصرف میں لے لیے گئے۔ اس کی ہر قسم کی رفاہیت اور برتری بدتر بنا دی گئی ان سب کارناموں کی تفصیل آپ حضرات کے پیش کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہم اس مقام میں ان عہود و مواثیق کی تفاصیل لانا چاہتے ہیں جن کو گورنران کمپنی ہندوستانی بادشاہوں اور نوابوں سے اس عرصہ کرتے رہے اور پھر یکے بعد دیگرے توڑتے اور ان کو پامال کرتے رہے۔ تاریخ ان بدعہدیوں اور سیاہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے ان کی تفصیل میں بہت زیادہ طوالت کا خوف ہے۔ ہم اس وقت ان چند عہد ناموں اور اعلانات کا تذکرہ آپ کے سامنے لانا چاہتے ہیں جن کو تاج برطانیہ یا اس کے بڑے بڑے ذمہ دار اشخاص نے مرتب کر کے اعلان کیا اور پھر ان کو نہایت بے حیائی اور چالاکی سے شرمناک طریقہ پر توڑا اور پامال کیا۔

۱۸۳۲ء میں جب کہ کمپنی اور اس کے ملازمین کے ناشائستہ دہرگیت کی داستان طشت از بام ہو چکی تھی اور اقطارِ عالم میں برطانیہ کی تاریخ نہایت نفرت سے دیکھی جانے لگی تھی۔ تاج برطانیہ نے مناسب سمجھا کہ اگرچہ اس مدت میں ہندوستانیوں کی زندگی کے ہر قسم کے چشمے خشک کر ڈالے گئے ہیں مگر باقی رمق کو سنبھالنے کی غرض سے کمپنی کو تجارت سے منع کر دینا چاہیئے اور صرف بادشاہت اور ملک گیری پر ان کو قانع کر دینا چاہیئے۔ تاکہ رعایا کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اس کے کارکنوں میں پیدا ہو اور تاجرانہ حرص و آز باعث بربادی خلق نہ ہوسکے۔ چنانچہ فرمانِ شاہی کمپنی کو تجارت سے دست برداری کرنے اور ملوکیت کو سرانجام دینے کا صادر ہوا اور گورنران کمپنی ملکوں کو فتح کرنے بادشاہوں نوابوں، راجاؤں، راجہ صاحبوں وغیرہ کو ملیامیٹ کرنے کی طرف از سرتاپا متوجہ ہوگئے۔

تاج برطانیہ کا ۱۸۳۲ء کا اعلان | مگر اس دور میں ایک خصوصی امتیاز یہ رکھا گیا کہ اہل ہند

کو نہایت خوش کرنے والے الفاظ اور نہایت خوبصورت اور کھائی گلدستوں سے سجایا گیا۔
ادھر تو کمپنی کو بیس سال کے لیے صرف ملک گیری اور حکومت کا فرمان اور پٹہ دیا گیا اور دوسری طرف اعلان کیا گیا ہے:۔

"اور قانون بنایا جاتا ہے کہ ممالک مذکور کے کسی باشندے کے لیے یا ملک معظم کی کسی رعیت کے لیے جو ممالک مذکور میں سکونت پذیر ہوں۔ کمپنی کا کوئی عہدہ، کوئی خدمت اور کوئی ملازمت مذہب، جائے ولادت نسل یا رنگ کی بنا پر ممنوع نہ ہوگی۔"

یہ مژدہ جانفزا، ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو مطمئن بنانے اور آئندہ اُن کو زندگی کی اُمید دلانے کے لیے سُنایا گیا تھا۔ یقیناً اُن کو مایوسیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے یہ اعلان بڑی حد تک بچانے والا تھا۔ مگر اسی طرح برطانوی قوم کو ان کے عزائم، لوٹ کھسوٹ روپیہ اور مال کی انتہائی حرص و آز حکومت اور خود مختاری کے استقلال میں نقصان پہنچانے والا بھی تھا۔ علاوہ قوم جس کی کیرکٹری حالت وہ ہو جس کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے اور جس کا ضمیر وہ زندگی رکھتا ہو جس کے چند چاول ہم نے انگریزوں ہی کے قول سے پہلے اوراق میں پیش کیے ہیں کب اس کی تاب لا سکتا تھا۔ چنانچہ ردِ عمل شروع ہوا اور بُری طرح شروع ہوا۔

اسی دور کو سر ولیم ڈگبی (SIR-WILLIAM-DIGBY) تیسرا دور بتاتا ہوا مندرجہ ذیل الفاظ سے یاد کرتا ہے:۔

"سوم تسلط بذریعہ پوست یعنی خوش معاملگی کا دکھاوا اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنیٰ حالت میں لازمی طور پر قائم رکھنا۔ یہ دور ۱۸۳۳ء سے ۱۹۰۱ء تک رہا۔"

سر ولیم ڈگبی (SIR-WILLIAM-DIGBY) اس کتاب کو ۱۹۰۱ء میں لکھتا ہے اس لیے اس دورِ حکومت کی انتہا اپنے زمانۂ تصنیف کو بتلاتا ہے۔ ورنہ آج تک یہی اصول اور نظام ہندوستان میں قائم ہے۔

یہ پرست دالی حکومت حقیقی معنوں میں ہاتھی کے دانت کی طرح سے ظاہر ہوئی کر دکھلانے کے اور ہیں اور چبانے کے اور۔ ہندوستان کی حالت بجائے اس کے کہ اس دور میں سدھرتی اور رعایا کو کسی قسم کی خوشحالی اور نظامِ حکومت میں مداخلت اور اپنے وطن کی درگی نصیب ہوتی اور زیادہ بگڑتی رہی۔ چنانچہ سر ولیم ڈگبی (SIR-WILLIAM-DIGBY) خود اس کی تصریح کرتا ہے۔

"مگر اس میں شک نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے جتنا کہ اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا۔ ہماری ابتدائی حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے۔ کلایو (LORD CLIVE) اور ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS) کی لوٹ اس نکاس کے مقابل ہیچ ہے۔ جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کے دوسرے کا خون چوس کر مالامال کر رہا ہے۔"

برطانوی ذمہ دار حکام اور قوم برطانیہ کی اعلیٰ ہستیوں نے جو گت اس اعلان کی بنائی وہ لارڈ لٹن (LORD LYTTON) کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی واضح ہے۔

"۱۸۳۳ء کا مسودہ قانون جو پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے، اتنا مبہم ہے اور دیسی باشندوں کے متعلق حکومت ہند کی ذمہ داریاں محتاجِ تشریح رکھتا ایسی بین غلطی ہے کہ قانون منظور ہوتے ہی اس کے نتائج ظاہر ہونے لگے اور حکومتِ ہند اس کی پابندی سے گریز کرنے کی تدبیر کرنے لگی۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے روز افزوں طبقے نے۔ (جس کی ترقی میں حکومت ساعی رہتی ہے مگر اس کی خواہشات پوری نہیں کر سکتی) اس قانون کی دفعات کا مطالعہ کیا ہے اور دل پر نقش کر لیا ہے اب اس قانون کی رو سے اگر کسی ہندوستانی کو ایک بار ایسا عہدہ مل جائے جو پہلے سول سروس والوں کے لیے مخصوص تھا تو اس کو یہ توقع اور دعوے کرنے کا حق ہے کہ ترقیات کا زینہ بالتدریج طے کرنے کے بعد بڑے سے بڑے عہدے پر اس کا تقرر ہو سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حقوق اور توقعات نہ کبھی پوری کی جائیں گی نہ کی جا سکتی ہیں گویا ہمارے سامنے اس وقت دو راہیں تھیں۔

یعنی ممنوع کر دینا یا فریب دینا اور ہم نے وہ راہ اختیار کی جس میں راست روی سب سے کم تھی۔ مقابلے کے امتحان جیسے کہ انگلستان میں رائج ہیں ہندوستانیوں کے لیے مقرر کرنا یا شرکت امتحان کے وقت امیدواروں کی قید عمر میں تخفیف کر دینا وہ عریاں حیلے ہیں جو بالقصد اس لیے اختیار کیے گئے ہیں کہ اس قانون کو مفلوج اور معطل کر دیا جائے چونکہ یہ تحریر خفیہ ہے اس لیے بلا تامل میں یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ میرے نزدیک ہندی اور برطانوی دونوں حکومتیں ابھی تک اس الزام کا معقول جواب نہ دے سکتی ہیں کہ انہوں نے ہندوستانیوں کے کان تک وعدہ پہنچا دیا لیکن ان کے قلوب کو ایفاء کی مسرت سے محروم رکھنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا

(ر ج . خ ا صـ ۹۴-۹۵)

ڈیوک آف ارگل (DUKE OF ARGYLL) کہتا ہے۔

" میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم ادائے فرض سے قاصر رہے اور ہم نے جو وعدے اور پیمان کیے تھے پورے نہیں کیے " (ر ج خ ا صـ ۹۵)

اسی سلسلہ میں لارڈ سالبری (LORD SALISBURY) کہتا ہے۔

" دوستو! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گندم نمائی اور جو فروشی سے فائدہ کیا ہے "

حالانکہ اس قانون کے بننے کے وقت ممبران پارلیمنٹ نے نہایت زور دار الفاظ میں اس کی معقولیت اور ضرورت کو تسلیم کیا تھا بلکہ لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کی تقویت اور تائید کی تھی۔

" ممکن ہے کہ ہمارے نظام حکومت کے سایہ میں ہندوستان کی سیاسی ذہنیت اس قدر نشوونما پا جائے کہ خود اس نظام کے اندر نہ سما سکے ممکن ہے کہ بہتر حکومت کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا میں بہتر حکومت کی صلاحیت پیدا کر دیں اور مغربی علوم سے آشنا ہونے کے بعد آئندہ کسی عہد میں وہ مغربی اداروں کا مطالبہ کرنے لگیں وہ دن کبھی آئے گا یا نہ آئے گا مجھے معلوم نہیں لیکن میں اس کو روکنے یا ٹالنے کی ہرگز کوشش نہ کروں گا اور جب کبھی یہ دن آئیگا تو برطانیہ کی زندگی میں وہ دن سب سے زیادہ فخر و مباہات کا دن ہوگا "

مگر جب ہندوستانیوں نے تعلیم میں اس قدر کامیابی حاصل کر لی کہ امتحان مقابلہ میں وہ انگریزوں کو شکست دینے لگے تو انگریزوں کے لیے سول سروس کے عہدے مخصوص کرنے پڑے اور وزیر اعظم برطانیہ مسٹر لائڈ جارج (MR. LLOYD GEORGE) ۲ / اگست ۲۲ء کو فرمانے لگے۔

"انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارت کے لیے بمنزلہ فولادی قالب کے ہیں اور اگر اس قالب کو ہٹا لیا جائے تو تمام عمارت منہدم ہو جائے گی۔"

مسٹر لائڈ جارج (MR. LLOYD GEORGE) وزیر اعظم برطانیہ اسی تقریر میں فرماتے ہیں۔
"اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ جانفشانی اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں جو بات خاص طور پر میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستانی خواہ کیسے ہی کامیاب بنے ہوں مگر میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ ان کا کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی سی تعداد کے بغیر چل سکے گا جو ساڑھے اکتیس کروڑ کی آبادی میں کل بارہ سو ہیں۔"

اب آپ لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) اور مسٹر لائڈ جارج (MR. LLOYD GEORGE) کی تقریروں میں مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح ابلہ فریبی سے کام لیا جاتا ہے اور کس طرح عہود مواثق کو پامال کیا جاتا ہے اور اعلانات شاہی کی کیا گت بنائی جاتی ہے۔ ہم اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے عنوانات میں اور بھی اعلانات اور مقالات پیش کریں گے جس سے آپ حضرات کو نتیجہ نکالنے میں بہت زیادہ آسانی ہوگی۔

اس وقت ہم آپ کی توجہ ۱۲۸۸ء کے اعلان شاہی کی طرف ہی منعطف رکھنا چاہتے ہیں باوجودیکہ یہ اعلان نہایت زور دار طریقے پر ہوا تھا اور بہت زیادہ امیدیں دلائی گئی تھیں مگر جیسا کہ ہم پہلے لارڈ لٹن (LORD LYTTON) لارڈ ڈیوک آف آرگل (DUKE OF ARGYLL) اور لارڈ سالسبری (LORD SALISBURY) کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں برطانیہ کے ذمہ دار حضرات اس اعلان کو عمل میں لانے سے گریز اور اس کو مختلف حیلوں سے مطلوح بناتے

ہی ہے یہاں تک کہ بیس برس کا زمانہ گذر گیا اور ہندوستانی عہدہ ہائے عالیہ حکومت سے تقریباً بالکل ہی محروم ہے۔ آخر کار آوازیں اٹھیں، شکایات کے بازار گرم ہوئے حق طلب اور حق کوش زبانوں اور قلم نے گرما گرمی دکھائی تو یہ جواب دیا گیا کہ ہندوستانی نالائق ہیں عہدہ ہائے عالیہ کی قابلیت نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ)

چنانچہ حسبِ عادت کمیشن بٹھایا گیا اور قابلیت وغیرہ کی تحقیقات ہوئی۔ اثنائے تحقیقات میں معلوم ہوا کہ ہندوستان کی عدم قابلیت محض حیلہ ہی حیلہ ہے۔ ان کے عہدوں سے محروم ہونا صرف ہندوستانیت اور کالے رنگ ہونے کی بنا پر ہے۔ سر ارسکن پیری (SIR ERSKINE PARRY) جنہوں نے اس تحقیقات میں شہادت دی تھی۔ ان کامیاب بیرسٹروں کا قول نقل کرتے ہوئے (جو کہ ہندوستان میں وکالت کرتے تھے) تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں:-

" ہندوستانی مجوزین کی قوتِ فیصلہ، کمپنی کے ان ججوں سے جو اپیل سنتے تھے بدرجہا بہتر تھی "

حالانکہ بقول سر ارسکن پیری (SIR ERSKINE PARRY) یورپین جج کو تین ہزار پونڈ سالانہ ہندوستانی کو ایک سو بیس پونڈ سالانہ دیا جاتا تھا۔ انصاف قوتِ فیصلہ کے بدرجہا بہتر ہونے پر ہے۔

سر جان ملیور (مدراس گورنمنٹ کا ممبر) کہتا ہے

" وہ لوگ (باشندگان ہند) ٹیکسوں کے لگانے میں جن کی ادائگی کے لیے وہ مجبور کیے جاتے ہیں۔ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ قوانین کو جن کی تعمیل ان پر فرض ہوتی ہے امر تب کرنے میں ان کی کوئی آواز نہیں ہوتی اپنے ملک کے انتظام میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور ان کے حقوق لیے جانے سے اس شرمناک حیلہ سے انکار کیا جاتا ہے کہ ان میں اس قسم کے فرائض

(درت ص ۴۰۲ مع ۲)

لارڈ اڈسلے (LORD EDESLLY) نے ۱۸۶۷ء میں بیان کیا ۔

" ہمیں دیسی حکومت کے طریقے کو جہاں تک ممکن ہو ا ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دیسیوں کی قدرتی استعداد اور تدبیر کا نشوونما ہوسکے اور ان میں جتنی خوبیاں اور جوہر تھے ، حکومت کی امداد میں کام آسکیں مغلیہ سلطنت کی عظمت کا راز وہ سرچشم حکمت عملی تھی جو اکبر اور اس کے جانشینوں کا شعار رہی ۔ جنہوں نے ہندوؤں کی اعانت اور قابلیت سے فائدہ اٹھایا اور حتی المقدور خود کو اہل ملک کے ساتھ یک ذات کرلیا ہمیں ان واقعات سے سبق لینا چاہیئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس فرض کو ادا کریں جو ہندوستان کی طرف سے ہم پر عائد ہے تو ہم اسی طرح سبکدوش ہوسکتے ہیں کہ ملک میں جتنے اشراف اور اکابر ہیں ان کی امداد اور مشورے سے فائدہ اٹھائیں ۔ یہ جواب کہ ہندوستانی دماغ میں تدبّر اور قابلیت کا سرمایہ ناکافی ہے ایک بے معنی لغویت ہے "

لارڈ سالسبری (LORD SALISBURY) ۱۸۶۷ء میں لکھتا ہے ۔

" ضابطے اور دستور کی طرف برطانوی حکومت کا رجحان اس کی سست روش اور ابلہانہ لاپروائی جو اکثر اس کی مکمل اور پیچیدہ تنظیم کا نتیجہ ہوتی ہے ذمہ داری کا خوف اور اختیارات نظم و نسق کا ایک جگہ مرکوز ہونا ، یہ سب باتیں ایسے اسباب کا نتیجہ ہیں جن کی ذمہ داری کسی شخص پر نہیں ہے لیکن ان کی بدولت حکومت ناکارہ ہو گئی ہے اور اس کی نااہلیت میں قدرتی حالات اور اسباب سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک خوفناک تباہی نمودار ہو گئی ہے "

مذکورہ بالا اعلان اور قانون آج برطانیہ اور پارلیمنٹ کی طرف سے دہلی و ساوات اور عہدہ ہائے حکومت ۱۸۳۳ء میں شائع کیا گیا اور اس کی عملی مخالفت برابر ہوتی رہی اور

طرح طرح کے جھوٹے حیلوں سے اس کو ٹالا گیا۔

بالآخر ۱۸۵۸ء میں کوئین وکٹوریہ اور ہاؤس آف کامنس اور ہاؤس آف لارڈز وغیرہ کا اعلان یکم نومبر کو شائع کیا گیا۔ جس کی دفعہ ۶ میں مندرجہ ذیل الفاظ ذکر کیے گیے۔

"اور یہ بھی ہمارا حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہماری سب رعیت کو کسی قوم اور مذہب کی ہو بلا تعرض وطرفداری کے ہماری ملازمت میں۔ ان عہدوں پر جن کو وے اپنی علمیت اور قابلیت اور دیانت سے انجام دے سکتے ہوں، مقرر کرتے ہیں"

مگر افسوس کہ آج تک بھی اس اعلان کو پامال ہی کیا جارہا ہے اور باوجود کثرت احتجاج آج تک بھی اس کو پورا نہیں کیا گیا۔ مسٹر ہیرلڈ کاکس (MR. HAROLD COX) کا مقالہ سنڈے ٹائمز میں اسی امر کے اقرار میں شائع ہوا تھا جس کو اخبار فتح دہلی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۲۱ء نے شائع کیا تھا۔ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"مسٹر گاندھی کے طرز عمل میں برطانی حکومت کی طرف سے ایک بین انقلاب رونما ہو گیا ہے اس کی وجہ موجودہ برطانی مدبرین کی ناکامی ہے کہ وہ اس مساویانہ عدل و انصاف کی عزت نہیں کرتے۔ جس کا ملکہ معظمہ کے عہد حکومت میں اعلان کیا گیا تھا۔ آج اس اعلان کا حوالہ دینا ضروری ہے کہ اس کی مسلسل خلاف ورزی نے ہی یہ دن دکھایا کہ سلطنت کو نازک ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے۔

"باعتبار رنگ، نسل، مذہب، یا زبان قانون کسی میں فرق وامتیاز نہیں کریگا۔ بلکہ اس کے تحفظ کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ کہ ہر ایک سے غیر جانبدارانہ سلوک ہو"

لالہ لاجپت رائے ۱۹۱۶ء میں تحریر کرتے ہیں کہ اس قسم کے اعلان کو بجاس سے سال گذر چکے ہیں مگر آج تک بھی اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ نو سو روپیہ سے ایک ہزار روپیہ تک کے عہدوں پر کل چار فیصدی ہندوستانی مقرر ہیں، باقی ماندہ ۹۶ فیصدی عہدوں پر انگریز اور

انگلو انڈین فائز ہیں - حالانکہ وہی ہندوستانی جو انگریز عملداری میں نالائق قرار دیئے گئے ہیں - ہندوستانی ریاستوں میں وزارت اور مدار المہامی کے کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

ایک ہزار سے زیادہ تنخواہوں کے عہدوں پر ہندوستانیوں کے نام تقریباً صفر کا درجہ رکھتے ہیں ہم اس سے پہلے انگریز آفیسروں کے اقرارات ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوستانیوں کی قابلیت اور استعداد بسا اوقات یورپین فاضلوں سے بدرجہا بہتر ثابت ہوتی ہے اور امتحان مقابلہ میں ہندوستانی یورپین سے بسا اوقات پیش قدمی کر جاتے ہیں اور اسی بنا پر سول سروس وغیرہ کے بہت سے عہدے یورپین لوگوں کے لیے آج تک مخصوص چلے آتے ہیں۔ فوجی افسروں اور اعلیٰ عہدوں میں ہندوستانیوں کا نام تک بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کو فوجی کالج میں داخلہ اور تعلیم تک کی اجازت نہیں اسی طرح بہت سے سول عہدے اور ملازمتیں وغیرہ ہیں جن میں ہندوستانیوں کو پہنچنا محال ہے۔

۱۸۵۸ء کا اعلان بہ نسبت ۱۸۳۳ء کے اعلان کے نہایت زیادہ وسیع اور امید افزا خوش کن اور تاکیدی الفاظ سے پُر تھا۔ مگر جیسا اس کا حشر ہوا ہر ایک پر ظاہر و باہر ہے۔

شاہ عالم بادشاہ کا معاہدہ اسی طرح شاہ عالم بادشاہ دہلی کے مشہور و معروف معاہدے کی درگت بنائی گئی، یہ معاہدہ ۱۸۰۶ء میں ہوا جس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دفاتر کی زبان فارسی رہے گی مگر باوجود اس کے ایکٹ ۲۹ ۱۸۳۷ء پاس کر کے اس دفعہ کو ملیامیٹ کر دیا گیا اور فارسی زبان دفاتر سے نکال دی گئی اور اس کی جگہ پر انگریزی زبان ٹھونس دی گئی۔ اس کو مس میو (MISS MAYO) مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کرتی ہے

"ایک چھوٹا سا بیج بویا گیا اور اس کے پھل سے ہم اب متمتع ہو رہے ہیں۔ یہ عدالتوں کی زبان کی تبدیلی تھی جو فارسی سے انگریزی کر دی گئی ہندوستان کی تعلیم کو مغربیت کا رنگ دینے کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ یہ تبدیلی معمولی ہوتی تھی اور اس کے نتائج بھی معمولی تھے۔ اس کی مثال ایسی تھی جیسے کہ کلہاڑی سے

ایک ضرب لگائی جاتی ہے۔ بمگمانزن نے اس تبدیلی پر سخت احتجاجات کیے اور فی الواقع یہ ان کے لیے سخت برباد کن تھی۔ (مادرِ ہند صفحہ ۲۸)

ہر ملک اور ہر قوم کے لیے لازمی ہے کہ جملہ پبلک ڈیپارٹمنٹ اور ان کی عدالتی کارروائیاں ان کی روزمرہ کی زبان میں ہوں تاکہ وہ اپنے متعلق کارروائیوں کو جان سکیں اور مطالبات اور مدافعات جوابات، صفائی وغیرہ پیش کر سکیں۔ مگر ہندوستان میں ایک ایسی اجنبی زبان انگریزی داخل کی گئی جس کے جاننے والے آج سو برس کے بعد بھی فیصدی ایک نفر بھی نہیں ہیں۔ ہاں، ہاں اس میں انگریزوں کے لیے بیشک عہدوں کے حاصل کرنے اور فرائض کے ادا کرنے میں سہولتیں تھیں۔ اس لیے اس پر عملدرآمد کیا گیا اور ہندوستانیوں کو بے شمار مشکلات میں ہمیشہ کے لیے مبتلا کر دیا گیا۔

معیادی زمینوں کیلیے دوامی بندوبست کا اعلان اور کوئن وکٹوریہ کے اعلان کیخلاف اُسکی تنسیخ

سب سے اوّل لارڈ کارنوالس (LORD CORNWALLIS) نے بنگال میں دوامی بندوبست کا قاعدہ جاری کیا جو کہ اگرچہ شروع میں نہایت سخت مالگذاری پر بنایا گیا تھا مگر بعد میں جب کہ زمین کی آمدنی قیمتوں کی گرانی کی وجہ سے بڑھی تو سلطنت کو اس کے بے شمار فوائد نظر آنے لگے مثلاً یہ کہ کاشتکاروں کو اپنی حالت پر اطمینان ہوگا اور اس سے ان کی دولت بڑھے گی۔ تو لامحالہ سلطنت کو طرح طرح کے فوائد حاصل ہوں گے وہ انگلستان کا مال خریدنے کے قابل ہوں گے وہ مختلف قسم کے ٹیکس برداشت کر سکیں گے اور ملک روز روز کے قحطوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ چنانچہ کرنل بیرڈ نے ۱۸۶۱ء میں اس امر کی بخوبی جانچ کر لی کہ قانون اراضی میں اصلاح کرنے سے قحط کا زور بہت کم کیا جا سکتا ہے اور اس بنا پر دوامی بندوبست کی سفارش کی اور سر چارلس وڈ (SIR CHARLES WOOD) سیکریٹری آف اسٹیٹ نے ۲۹ جولائی ۱۸۶۲ء کو اس سفارش کی تائید کی اور سلطنت برطانیہ کی گورنمنٹ نے اس کو منظور کر لیا اور ۲۲ مارچ ۱۸۶۷ء کو وزیر ہند سر اسٹیفورڈ نورتھ کوٹ (SIR STAFFORD NORTHCOTE) نے ہز مجسٹی کی

گورنمنٹ کے اس فیصلہ کی کہ بندوبست استمراری جاری کر دیا جائے۔ دوبارہ تصدیق کی وہ لکھتا ہے:۔

"ہز مجیسٹی کی گورنمنٹ تیار ہے کہ مالگذاری میں اضافہ ہونے کی اُمید کو قربان کر دے اس لیے کہ مالکان اراضی کی اغراض کو حکومت برطانیہ کی بقا سے وابستہ کر دینا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

حقیقت میں یہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ کاشت کاروں اور زمینداروں کا نفع بھی اسی میں تھا۔ رعایا کی فلاح اور بہبودی اسی میں مضمر تھی اور اسی کا اعلان کوئن وکٹوریہ کے اعلان ۵۸ء میں پایا جاتا ہے۔

اعلان مذکور کی دفعہ ۷ میں ہے " اس کا ہم کو بخوبی علم ہے کہ اہل ہند اس اراضی کو جو ان کے بزرگوں سے انہیں وراثتہً پہنچی ہے بہت عزیز رکھتے ہیں اس لیے ہم کو بھی اس کا بڑا لحاظ ہے بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ حقوق ان کو جو اراضی سے متعلق ہیں۔ بشرطِ ادا کرنے کا مطالبہ سرکاری کے محفوظ رہیں۔ اور ہمارا حکم ہے کہ بوقت تجویز و نفاذ قانون کے عموماً حقوق قدیمی اور ملک کے رسم و رواج پر لحاظ کامل ہوتا ہے۔"

دفعہ ۹ میں ہے:۔

" اور ملک کا ایسا انتظام کیا جائے کہ جس سے ہماری ساری رعایا باشندہ ملک مذکور کو فائدہ ہو کیونکہ ان کی فارغ البالی ہمارے لیے موجب اقتدار اور انکی فراغت ہمارے لیے باعث بے خطری اور ان کی شکر گزاری ہمارے لیے پورا صلہ ہے۔"

ظاہر ہے کہ مالگذاری کی زیادتی جیسا کہ میعادی بندوبست میں وقوع پذیر ہو رہی ہے مالکین اراضی کو نہ صرف ان کے حقوق قدیمہ اور رسوم سے محروم کرنے والی ہے، بلکہ بسا اوقات ان کو اراضی سے بھی بالکل محروم کر دیتی ہے۔ جائدادیں نیلام ہو جاتی ہیں۔ قید خانوں میں جانا پڑتا ہے

قرضوں اور سود در سود کی لعنیں بربادی کا باعث بن جاتی ہیں۔ علی ہذا القیاس میعادی بندوبست کی وجہ سے کاشتکار اور زمیندار کا فارغ البالی اور خوشحالی کو کھو دینا ان کے فوائد کا اس کی بنا پر خاتمہ ہو جانا۔ ان کا بے گھر اور بے در ہو جانا اظہر من الشمس ہے مگر افسوس کہ برطانوی ندہ پستی اور حرص اور اس کی پیسہ ڈالنے والی زیادہ ستانی نے اس اعلان کو بھی پاش پاش کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ جو تجویز ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۶۲ء میں منظور کی تھی اور وہ ۱۸۶۷ء میں مستحکم بھی ہو گئی تھی اور اس کے متعلق رعایا کے دلوں میں خوشی اور امید کے جذبات پیدا ہو چکے تھے بلکہ صوبہ آگرہ کے بعض مشرقی اضلاع میں اس کا نفاذ بھی ہو چکا تھا۔ اکیس سال بعد ۲۸ مارچ ۱۸۸۲ء کو سکریٹری آف اسٹیٹ نے ان الفاظ میں منسوخ کر دیا "جس پالیسی کی داغ بیل ۱۸۶۲ء میں رکھی گئی تھی اب وقت آگیا ہے کہ اس کو باضابطہ ترک کر دیا جائے۔"

ظاہر ہے کہ یہ صرف برطانیہ اور اس کے ذمہ داروں کی اس زرطلبی کی بھوک کی وجہ سے ہوا ہے جو کہ مثل جہنم ہر وقت میں ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ بلند کرتی رہتی ہے۔

چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ ۱۸۵۶ء میں تمام ہندوستان کی مالگذاری ستر کروڑ تیس لاکھ روپیہ تھی مگر ۱۹۱۲ء میں اضافہ ہوتے ہوتے تقریباً اکتیس کروڑ روپیہ تک پہنچ گئی۔ یقیناً دوامی بندوبست والی زمینوں میں اضافہ نہیں ہوا یہ سب اضافہ صرف میعادی بندوبست والی زمینوں کا ہے اگرچہ کل مزروعہ زمینوں میں سے (۴۵) فیصدی دوامی بندوبست والی زمینیں ہیں اور ۵۵ فیصدی میعادی بندوبست والی ہیں۔ جن میں ہر پندرہ سال سے تیس سال تک میں بندوبست کی تجدید کی جاتی ہے اور مالگزاری کا اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر کل مالگزاری تقریباً چوراسی فیصدی میعادی بندوبست والے حلقوں سے وصول ہوتا ہے اور سولہ فیصدی دوامی بندوبست والے حلقوں سے وصول ہوتا ہے اس مزید وصولیابی نے زمینداروں اور کاشتکاروں کو تقریباً مردہ کر دیا ہے۔ زمینیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں۔ جانوروں کو چارہ نہیں ملتا۔ ان کی قوت اور نسل کم ہوتی جاتی ہے چراگاہیں معدوم ہوتی جاتی ہیں۔ زمیندار دیوالیہ ہوتے جاتے ہیں۔ اضافہ بند نہیں ہوتا۔ کاشتکار فاقوں سے مرتے جاتے ہیں۔

پھر اس پر طرّہ یہ ہوا کہ خلاف دفعہ ۱۷ اعلان وکٹوریہ زمینداروں کے قدیمی حقوق اور ملک کے رسم و رواج کے دخیل کاری اور موروثیت کے قوانین ایسے بنائے گئے جن سے نہ صرف اس اعلان کی خلاف ورزی ہوئی بلکہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان میں نہایت جانکاہ محاذ جنگ قائم کر دیا گیا اور آہستہ آہستہ زمینداروں کو ان کے جملہ حقوق قدیمہ اور رسوم سے محروم کر دیا گیا اور اعلان کوئن وکٹوریہ ایک ورقہ پارینہ کر کے پھینک دیا گیا۔

مالگذاری کا تقرر اور اس کے متعلق اعلانات کی خلاف ورزی

انگریزی حکومت سے پہلے مالگذاری خام تھی یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ یا اس کی قیمت وصول کی جاتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ پاتے ہی مالگذاری پختہ کر دی یعنی نقد کی صورت میں پیداوار کی مقدار تشخیص کر کے مقرر کر دی۔ خواہ زمین میں کاشت ہو یا نہ ہو فصل عمدہ ہو یا خراب ہو مقدار میں مالک زمین کو ادا کرنی ہوگی۔

پھر شرح مالگذاری پچیس فیصدی سے بہت زیادہ کر دی حتیٰ کہ بعض بعض صوبوں میں اسی فیصدی اور نوے فیصدی پیداوار میں سے مقرر کی گئی۔ جس کی وجہ سے عام رعایا انتہائی بربادی میں مبتلا ہو گئی۔ رقم وصول کرنے میں بھی نہایت تنگ دلی اور تشدد سے کام لیا۔ اس بنا پر بہت زیادہ پروٹسٹ کیا گیا۔ بالآخر ۱۸۵۵ء میں سہارنپور میں کمیشن بٹھایا گیا جس میں اصولی طور پر قرار پایا کہ صرف پچاس فیصدی مالگذاری وصول کی جایا کرے۔ اور اسی کا اصول ہونا تمام ہندوستان کے لیے تسلیم کر لیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ پچاس فیصدی سے زیادہ مالگذاری نہ لگائی جائے مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس کی خلاف ورزی شروع کر دی گئی اور ابواب کے نام سے مزید محصول لگایا جانے لگا جس کی مقدار مختلف صوبجات میں مختلف ہے۔

صوبہ متحدہ میں ابواب کی شرح ابتدا میں سوا چھ فیصدی مقرر کی گئی مگر آخر میں بڑھتے بڑھتے دس فیصدی تک پہنچ گئی۔ چندہ شفاخانہ جات اس کے علاوہ قائم کیا گیا۔

فارورڈ پالیسی اور اس کے متعلق اعلانات کی خلاف ورزی

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے اسباب میں یہ سبب بھی شد و مد سے کہلایا گیا ہے کہ کمپنی

کے گورنر ذمہ داری احکام ہمیشہ توسیع مملکت اور خلاف عہود و مواثیق مختلف حیلوں سے زمینوں کے دبانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اسی بنا پر کوئن وکٹوریہ کے اعلان کے دفعہ ۲ میں مندرجہ ذیل الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔

"جو ملک بالفعل ہمارے قبضہ میں ہے ہم اس سے زیادہ کرنا نہیں چاہتے اور جب کہ یہ ہم کو گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص ہماری مملکت یا حقوق میں دست اندازی کرے تو ہم بھی پیش قدمی کی اپنی طرف سے بہ نسبت ملکیت یا حقوق اوروں کے اجازت نہ دیں گے اور والیان ہند کے حقوق و منزلت اور..."

مملکت کا جزو بندرہا) مگر اس دوران میں انگلستان کی پبلک کے دلوں میں توسیع سلطنت کے ولولے پیدا ہو گئے اور اب ان لوگوں کی چڑھ بنی جو پیش قدمی کی پالیسی کے حامی تھے۔ پہلے سر بارٹل فریر (SIR BARTHFAIR) نے کئی بار کوشش کی تھی کہ افغانستان کی طرف پیش قدمی کی جائے وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئے اور لارڈ نارتھ بروک (LORD NORTH BROOK) اس کو ہندوستان کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ ۱۸۷۶ء میں وائسرائے ہند کے عہدے سے استعفا دے کر انگلستان واپس چلے گئے اور ان کی جگہ لارڈ لٹن (LORD LYTTON) آئے تو انہوں نے پیش قدمی کی پالیسی کی تعمیل میں کابل کو مشن بھیجا اور اسی سلسلہ میں کابل کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں دو کروڑ پونڈ صرف ہوا جس میں سے پچاس لاکھ پونڈ انگلستان سے وصول ہوا۔ باقی ماندہ ڈیڑھ کروڑ پونڈ کا بار ہندوستان پر ڈالا گیا۔ اس کے بعد برابر افغانستان اور اطراف و جوانب افغانستان پر حملے ہوتے رہے اس زمانہ سے لے کر آج تک کم و بیش تیس پینتیس لڑائیاں چھوٹی اور بڑی ہو چکی ہیں۔ جن میں صوات، بنیر، چترال، کھوری وغیرہ کی لڑائیاں مشہور ہیں۔ آفریدیوں، مسعودیوں، مہمندیوں وغیرہ قبائل کو یکے بعد دیگرے تاخت و تاراج کیا گیا۔ ان کی زمینیں چھینی گئیں اور آج بھی تین چار برس سے وزیرستان پر وحشیانہ حملے جاری ہیں اور ان کی زمینوں کو اپنے قبضہ میں لانے کی ہر امکانی کوشش جاری ہے خلاف واقع الزامات ان پر رکھے جاتے ہیں اور طرح طرح کے خلاف انسانیت مظالم سے ان کو برباد کیا جارہا

ہے ان تمام سرحدی لڑائیوں پر کروڑوں بتیس اربوں روپیہ بلکہ حسب تحقیقات مسٹر آصف علی صاحب نسات ارب سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے جس کا بار ہندوستان پر رکھا جاتا ہے۔ ہندوستانیوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں، ہندوستان کی رسد اور ہتھیار برباد ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کی قومی جماعتیں بالخصوص کانگریس ۱۸۹۶ء سے برابر اس کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے مگر برطانیہ اپنے اعلان کو قابلِ وقعت قرار دیتی ہے اور ہندوستان کی غربت اور افلاس کا خیال کرتی ہے اور ہوس ملک گیری میں مست ہو کر ہر طرح کے شرمناک اور تیرہ تاریک وقائع عمل میں لاتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا اعلان کے بعد کورٹ آف وارڈ کو اپنے قبضہ میں لایا گیا۔ صوبہ برار پر قبضہ جمایا گیا ہز اگزالٹیڈ ہائنس نظام دکن کے ساتھ عہد ناموں کو توڑا گیا۔ ان کے اختیارات میں دخل اندازی کی گئی ان کو طرح طرح سے مجبور کر کے شل عضو گرشت سے دست و پابنا دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اعلانات دربارۂ مقامات مقدسہ خلافت اور ان کی خلاف ورزی

۱۹۱۴ء ۲؍ نومبر کو وائسرائے ہند نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان کیا کہ

"برطانیہ عظمیٰ اور ترکی میں بنانے کی وجہ سے جو دولت عثمانیہ نے قصداً بغیر کسی دھمکی دیئے جانے کے غلط مشوروں سے شروع کی ہے ملک معظم کی گورنمنٹ ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند کو اختیار دیتی ہے کہ وہ عرب کے مقدس مقامات اور عراق کی مقدس زیارت گاہوں اور جدہ کے ساحل کے متعلق ایک عام اعلان کر دیں تاکہ ملک معظم کی بہت ہی وفادار ہندوستانی مسلم رعایا کو اس جنگ کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔ مذہبی سوال سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اعلان یہ ہے کہ یہ مقدس مقامات اور جدہ برطانیہ کے بحری اور بری فوج کے حملے اور دستبرد سے بالکل محفوظ رہے گا۔ تاوقتیکہ ہندوستانی حاجی اور زوار کی آمد و رفت میں کوئی دست اندازی نہ کی گئی۔ ملک معظم کی گورنمنٹ

کے کہنے سے فرانس اور روس کی حکومت نے بھی اسی قسم کا اطمینان دلایا ہے ۔

وزیر اعظم برطانیہ | ۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کر ہاؤس آف کامنس میں کہتے ہیں نہ ہم اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ترکوں کو ان کے دارالسلطنت یا ان کے مشہور اور زرخیز صوبجات ایشائی کوچک اور تھریس سے محروم کر دیں جہاں ترکوں کی تعداد غالب ہے ۔

وزیر اعظم برطانیہ | ۲۶ر فروری ۱۹۲۰ء کو کہتے ہیں ۔
یہ اعلان ضروری اور غیر مشروط تھا اور جان بوجھ کر شائع کیا گیا تھا اور آبادی کے ہر طبقہ کی رضامندی سے تھا ۔ حزب المخالف نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی تھی ۔

مگر ان سب اعلانات اور عہود کے باوجود بندرگاہ جدہ پہ ایک ہفتہ تک گولہ باری کی گئی طائف کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ یا اس سے زاید گولہ باری ہوتی رہی ۔ ترک مرد، عورتوں اور بچوں کو مکہ معظمہ اور طائف اور جدہ سے اسیر کر کے مصر وغیرہ کے قید خانوں اور اسارت گاہوں میں بھیجا گیا ۔ بقول کرنل لارنس شاہ حجاز کو اتحادیوں کے ساتھ ملنے پر آمادہ کیا گیا ۔ عراق میں مقدس مقامات پر حملہ کیا گیا ۔ ترکوں کو سمرنا اور تھریس سے دست بردار ہونے کا معاہدہ سیورے (TREATY OF SEVRES) میں مطالبہ کیا گیا وغیرہ وغیرہ ۔ یہ سب امور زمانۂ تحریک خلافت میں پوری طرح واضح ہو چکے ہیں جن سے انگریزی اعلانات اور عہود و مواثیق کی حیثیت بخوبی واضح ہو چکی ہے اسی طرح شریف حسین اور عربوں سے معاہدہ کیا گیا اور ان کو تمام اس سرزمین میں جہاں پر عربی زبان بولی جاتی ہے مستقل عربی حکومت اور آزادی کا سبز باغ دکھا کر اتحادیوں کی امداد اور ترکوں سے بغاوت پر آمادہ کیا گیا ۔ مگر کامیابی کے بعد ان کو ہر طرح ذلیل و خوار کیا گیا ۔ شریف حسین کو جزیرہ قبرص میں نظر بند کر دیا گیا ۔ فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے ہر ایک کو معلوم ہے ۔ شام کو فرانس کے حوالے کر دیا گیا ۔ شرق اردن اور عراق کو اپنی زیر سیادت شریف کے بیٹوں کے سپرد کر دیا گیا ۔ "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ" ۔

ہندوستان کی آزادی کے متعلق اعلانات کی تفصیل

ہم اس سے پہلے (LORD MACAULAY) کی تقریر ۱۸۲۲ء کی نقل کر چکے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

"ممکن ہے کہ بہتر حکومت کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا میں بہتر حکومت کی صلاحیت پیدا کر دیں اور مغربی علوم سے آشنا ہونے کے بعد کسی آئندہ عہد میں وہ مغربی اداروں کا مطالبہ کرنے لگیں۔ وہ دن کبھی آئے گا نہ آئے گا، مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میں اس کو روکنے یا ٹالنے کی ہرگز کوشش نہ کرونگا اور جب کبھی یہ وقت آئے گا تو برطانیہ کی زندگی میں وہ دن سب سے زیادہ فخر و مباہات کا دن ہوگا۔"

۲۔ ۱۸۵۸ء کے اعلان وکٹوریہ کے دفعہ ۴ میں مندرجہ ذیل الفاظ تھے۔

"جو لوازم بہ نسبت اپنی دوسری رعایا کے ہم پر واجب ہیں وہی لوازم بہ نسبت اپنی رعایا ہند کے ہم اپنے ذمہ لازم بنائیں گے اور بفضل خدا وفاداری اور راستی کے ساتھ ہم لوازم مذکورہ کا لحاظ کرتے رہیں گے۔ یعنی آسٹریلیا، کینڈا، فجی، مارشس کیپ، کالونی ساؤتھ افریقہ، نیوزی لینڈ وغیرہ کے بسنے والی انگریزی رعایا اور ہندوستان کے بسنے والی رعایا کے حقوق برابر رکھے جائیں گے اور جو مراعات دوسروں کے ساتھ کی جائیں گی وہ ہندوستان کے ساتھ بھی ضرور بالضرور کی جائیں گی۔"

۳۔ قیصر ہند ایڈورڈ ہفتم (EDWARD VII) نے اپنے پیغام میں مندرجہ ذیل الفاظ ذکر کیے تھے

"تمام باشندگان ہند کو خواہ وہ رئیس معاون یا رعیت مطیع میں از سر نو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کی آزادیوں کا خیال رکھوں گا، ان کی ترقی پر نظر رکھوں گا اور ان کی فلاح و بہبودی میں کوشاں رہوں گا۔ اور میری حکومت کے یہی اعلیٰ فرائض و مقاصد ہیں اور یہی مقاصد انشاء اللہ تعالیٰ میرے ہندوستان

کی سلطنت وسیع کی روزافزوں مرفہ الحالی اور اس کے باشندگان کی مزید شادمانی اور کامرانی کا باعث ہوں گے۔"

۴۔ مسٹر گلیڈسٹون (MR. GLADSTONE) ہاؤس آف کامنس میں یکم مئی ۱۸۹۳ء
"اور نہ صرف مصر بلکہ ہندوستان کے متعلق بھی میں یہ کہوں گا کہ کسی ملک پر دائمی قبضہ کر لینا برٹش گورنمنٹ کی قدیم روایات کے سراسر خلاف ہے۔ ہندوستانیوں کو یہی اُمید رکھنا چاہیئے کہ ہم ہندوستان کا قبضہ اس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ جب تک کہ وہاں کی ضروریات اور ملکی ترقی اور خوشحالی اس درجہ پر نہ پہنچ جائے جو ایک مہذب ملک کے لیے ضروری ہے۔"

۵۔ رپورٹ لارڈ کرومر (LORD CROMER) متعلقہ مصر صفحہ ۱۲ مطبوعہ لندن ۱۸۹۷ء
برٹش گورنمنٹ کو اس بارے میں اعلان کرنے کے لیے ہرگز پس و پیش نہیں ہو سکتا کہ ہمارے ایشائی مقبوضات کے متعلق ہمارا رویہ صاف صاف یہی ہے کہ دنیا میں ہماری دوسری نوآبادیوں کے برابر ان ملکوں کے حقوق بھی ہونا چاہیئں۔ میرے دوست مسٹر گلیڈسٹون (MR. GLADSTONE) نے جب کہ گذشتہ مہینہ میں میری اُن سے ملاقات ہوئی تھی مجھے یقین دلایا تھا۔

۶۔ سرایلڈن گورسٹ (SIR ELDON GORST) ہاؤس آف کامنس میں ۷ مارچ ۱۹۰۹ء
ہندوستان کی نیشنل کانگریس کے ممبروں کو کوئن وکٹوریہ کی وہ مشہور تقریر ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے جس میں صاف صاف اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہم اس ملک پر کوئی زبردستی قبضہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ہم وہاں کے باشندوں کی خوشحالی، ان کی آزادی اور امن و امان کے خواہاں ہیں اور اگر ہم کو یقین دلایا جائے کہ تعلیم نے اس ملک میں ایسی ترقی کر لی ہے کہ وہاں والوں کو اپنے معاملات میں ہماری سرپرستی کی ضرورت نہیں ہے تو ہم آج اس کا اعلان کر لے سکے لیے تیار ہیں کہ ہندوستان کو بھی مثل دیگر برٹش مقبوضات

کے خود مختار بنا دیا جائے ۔

(سرزمین فراعنہ میں۔ ان دی لینڈ آف دی فیرو) (مصنفہ دوست محمد ایڈیٹر امریکن ٹائمز لندن)

تعلیمی ترقی کا ڈھونگ

واضح ہو کہ بار اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی اس وقت قابل خود مختاری ہو سکیں گے جب کہ ان میں تعلیم مثل دیگر ممالک متمدن نہ ہو جائے یعنی فیصدی ۹۵ یا ۹۴ تعلیم یافتہ ہو جائیں مگر یہ صریح دھوکہ ہے وجوہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف ۔ کیا جس وقت یونان، بلگیریا، ہرزی گوینا، بوسینیا، آرمینہ، رومانیہ وغیرہ کو آزاد کرایا گیا۔ ان میں یہ مقدار تعلیم یافتہ لوگوں کی موجود تھی اور کیا یہ قومیں تعلیم و تہذیب میں ہندوستان سے بھی گری ہوئی نہیں تھیں۔

ب ۔ کیا ہندوستان کا تعلیم میں گرا ہوا ہونا برطانیہ ہی کا کرشمہ نہیں ہے۔ سر طامس منرو (SIR THOMAS MUNRO) مسٹر لڈلو (MR. LUDLOW) مسٹر ہالرل، الگزنڈر ہملٹن (ALEXANDER HAMILTON) پروفیسر میکس مولر (MAX - MULLER) مسٹر الفنسٹن ایف وارڈن (MR. ELPHINSTON F. WARDEN) وغیرہ کی تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ انگریزی حکومت سے پہلے ہندوستان تعلیم میں بہت آگے تھا، اس کی عام آبادی لکھنا، پڑھنا جانتی تھی۔ جگہ جگہ، ہر ہر قریہ اور آبادی میں مدرسوں کی کثرت تھی مگر انگریزی حکومت نے سب کو فنا کیا۔ پس اس کی جملہ ذمہ داری برطانیہ کے سر پر ہے ۔

ج ۱۸۷۱ء میں ہندوستانیوں کے تعلیم یافتہ افراد فی صدی ۲،۳ تھے اور اب ۱۹۲۱ء میں ان کی تعداد فی صدی آٹھ سے کچھ زیادہ ہے اگر تعلیمی ترقی کی یہی رفتار رہی تو ایک ہزار برس سے زیادہ میں ہندوستان اس قابل ہو سکے گا کہ وہ دوسرے یورپین ملکوں کے مساوی ہو سکے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کو ایک ہزار برس کے بعد آزادی دی جائے ۔

۵ - برطانیہ نے تعلیمی ترقی میں لاپرواہی اور ناقابل عفو جرم کیا ہے۔ ہندوستان میں جبری تعلیم کا نہ ہونا مصارف تعلیم میں ہندوستان کی آمدنی کا نہایت قلیل حصہ خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ امور اس کے سبب ہیں۔ جاپان، اور روس وغیرہ نے نہایت تھوڑی مدت میں اپنے ملک کو تعلیم یافتہ بنا لیا۔

۶ - انتظامات ملکیہ ہندوستان میں نہایت مکمل طریقے پر جاری تھے مگر سب کو انگریزی حکومت نے ملیامیٹ کیا۔ انتظامات موقوف علم پر نہیں ہیں۔ مسٹر کرٹس (MR. CURTIS) لکھتا ہے۔

"ہر نہ میں اس خیال کا مؤید ہوں کہ ایک بڑے دہندہ محض ناخواندہ ہونے کی وجہ سے خارج کیے جانے کے قابل ہے، حالانکہ دوسرے اعتبارات سے وہ رائے دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ میں انگلستان میں ہوتا تو میرے نزدیک اپنے گاؤں کے اس دہقان کا فیصلہ جو نام لکھنا بھی نہیں جانتا ایک نوزاردمدرس کی رائے سے جو اسی روز لندن سے پہنچا ہے زیادہ اعتبار کے قابل ہوتا" (صفحہ ۱۰۱ خطوط)

۷ - تعلیمی ترقی کا سوال اٹھانا محض مغالطہ اور ابلہ فریبی ہے اپنے مستقل مفادات کی بنا پر اس قسم کی ٹال مٹول کی جا رہی ہے۔ مسٹر کرٹس (MR. CURTIS) کہتے ہیں:۔

"مختصر یہ ہے کہ تعلیمی ترقی کو ہندوستان کی سیاسی مشکل کا حل تصور کرنا جیسا کہ عرصے سے لوگوں کا خیال ہے ایک خطرناک مغالطہ ہے۔ جس میں صداقت جزواً شامل ہے۔ ہندوستانی عقدوں کے قفل کی جو اصل کنجی ہے تعلیمی ترقی اس کا صرف ایک ٹکڑا ہے اور اکیلے اس ٹکڑے سے کام لیا جائے گا۔ تو نتیجہ وہی ہوگا جو قفل پر ٹوٹی ہوئی کنجی آزمانے کا ہوتا ہے۔"

ہز ایکسیلنسی سر مالکم ہیلی (H.E. MALCOLM - HAILEY) کہتا ہے:۔

"میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ ملک سیاسی ترقی سے اس وقت تک روکا جائے جب تک کہ تعلیم یافتہ خواندوں کی تعداد غالب نہ ہو جائے اس کا انتظار

تو ہم نے انگلستان میں بھی نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی شرط
بھی اسی منافقت کے نتائج ہیں جو زمانۂ موجودہ کے تمدن کا لب لباب ہے"

۷۔ ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو انگلستان کی پارلیمنٹ نے مندرجہ ذیل الفاظ اعلان کیے۔
حضور ملک معظم کی پالیسی جس سے گورنمنٹ ہند بالکل متفق ہے یہ ہے کہ ہر شعبہ
انتظامی میں ہندوستان کا اضافہ ہو اور خود مختار جماعتوں کا رفتہ رفتہ نشوونما بدیں
غرض کیا جائے کہ ہندوستان میں بتدریج حکومت خود اختیاری قائم ہو کر سلطنت برطانیہ
کا جزو اعظم بنے۔

۸۔ لیفٹیننٹ گورنر صوبہ یو۔پی۔ الہ آباد یونیورسٹی کے جلسہ کانوکیشن کے ایڈریس کے
جوابات میں کہتا ہے۔

" سلطنت برطانیہ نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کا نصب العین حکومت خود
اختیاری ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ملک کا انتظام بذریعہ ایک انتظامیہ جماعت
کے کیا جائے جو بذریعہ ایک قانونی منتخب شدہ جماعت کے قائم ہوئی ہے اور
وہ منتخب شدہ جماعت عوام الناس کے سامنے جوابدہ ہو اور اب ہمیں اپنا راستہ
اس نصب العین کی طرف قائم کرنا ہے۔

۹۔ ڈیوک آف کیناٹ (DUKE OF CANNAUGHT) ۱۹۲۱ء میں جدید اسمبلی کے افتتاح
کے وقت ۹ر فروری کو ملک معظم کی طرف سے کہتے ہیں۔

" سالہا سال سے بلکہ چند نسلوں سے ہمدردان ملک اور وفادار ہندوستانی اپنی بھارت
ماتا کے لیے سوراج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ آج میری سلطنت میں آپ کیلیے
سوراج کی ابتدا ہو رہی ہے اور آپ کو ترقی کے وسیع ترین اور اعلیٰ درجہ کے مواقع
مل رہے ہیں جن سے میری نوآبادیات کی مانند آزادی حاصل ہو"

۱۰۔ مذکورہ بالا تقریر کے بعد اسی مجلس میں وائسرائے کی اور دوبارہ ڈیوک آف کیناٹ
(DUKE OF CANNAUGHT) کی تقریریں ہوئیں جن میں واضح الفاظ میں بیان

کیا گیا کہ

اب مطلق العنان حکومت کا اصول قطعی طور پر ترک کر دیا گیا۔ پس اس وقت سے ہندوستانی معتد بہ درجہ میں اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔

۱۱۔ ایکٹ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۱۹ء۔

پارلیمنٹ کی پالیسی جس کا اعلان کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی تعداد مسلسل بڑھائی جائے تاکہ اس سے برٹش انڈیا میں بحیثیت سلطنت برطانیہ کے ایک اہم جزو کے ذمہ دار حکومت کا مسلسل احساس پیدا ہو۔

۱۲۔ لارڈ ارون (LORD IRWIN) وائسرائے ہند۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء طویل اعلان میں۔
مجھے ملک معظم کی طویل حکومت کی طرف سے یہ صاف طور پر بیان کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا قدرتی نتیجہ درجہ نوآبادیات کا حصول ہے۔

ان مقالات کے علاوہ ۲ر نومبر ۱۹۰۸ء کا اعلان اور ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۹ء کا معطل اعلان بھی بھی موجود ہے ان کو ہم نے بخوف طوالت حذف کر دیا ہے جن کا خلاصہ بھی انہیں مذکورہ بالا الفاظ میں پایا جاتا ہے۔

۱۳۔ دفعہ ۹۔ اعلان ۸ر مارچ ۱۹۲۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ زیادہ تر صاف ہیں۔
سب سے بڑھ کر ہماری خواہش اور خوشنودی یہ ہے کہ ہماری پارلیمنٹ نے برطانوی ہندوستان میں قلمرو کا ایک جزو رہ کر ذمہ دار حکومت کے قیام کو ترقی دینے کے لیے جو تجویز مرتب کر رکھی ہے اس کو آخری درجہ تک پورا کیا جائے تاکہ برطانوی ہند ہماری نوآبادیات کے درمیان وہ درجہ حاصل کرے جس کا وہ مستحق ہے۔

۱۴۔ مسٹر بالڈوان (MR. BALDWIN) ۱۹۲۷ء میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
اس وقت سے منزلِ مقصود کو پہنچنے کے لیے بڑی ترقی کی گئی ہے اور دولت متحدہ برطانیہ کی اقوام کی مشترکہ سرگرمیوں میں اب ہندوستان بھی شریک ہے اور

جب وقت آگیا تو ہم دیکھیں گے کہ ہندوستان بھی دیگر مستعمرات کے ساتھ مساوی حصہ دار ہے۔ ہم نے اس جگہ پر آزادیٔ ہندوستان کے متعلق تاج برطانیہ اور اس کے ذمہ دار اصحاب کے چند مقالات کو اس وجہ سے جمع کر دیا ہے کہ آپ حضرات ان کو دیکھ کر فیصلہ کریں کہ ۱۸۳۳ء سے لے کر آج تک کس طرح اور کس قسم کے الفاظ سے ہندوستانیوں کو سبز باغ دکھائے گئے ہیں۔ سو برس سے زائد مدت ہو چکی ہے اسی بھول بھلیاں میں ہندوستانیوں کو جکڑ دیا جا رہا ہے ۱۸۴۸ء سے لے کر ۱۸۴۹ء تک برطانیہ کی جتنی نوآبادیات تھیں سب کو یکے بعد دیگرے آزادی دی گئی۔ کینیڈا، آسٹریلیا، فجی، نیوزی لینڈ، ماریشس، کیپ کالونی، نٹیال، آئر لینڈ وغیرہ وغیرہ، مگر ہندوستان آج تک ہر قسم اور ہر درجہ کی آزادی سے محروم ہے۔ بجز الفاظ اس کے پاس کچھ نہیں آیا۔ ادھر آزادی کے الفاظ تو یہ ہیں۔ ادھر رجعت پسندوں کے الفاظ اور ان کے اعمال کو ان الفاظ آزادی کے ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایئے۔ الفاظ مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

شاہی اعلان و مواعید کی ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے قولی مخالفت

۱۔ لارڈ کرزن (LORD CURZON) ہندوستان کے انتظام کے متعلق (سول سروس کے لیے زیادہ تر جماعت چیدہ یوروپینوں کی ہونی چاہیئے۔

۲۔ مسٹر لائیڈ جارج (MR. LLOYD GEORGE) وزیر اعظم برطانیہ ہاؤس آف کامنس میں ۲/ اگست ۱۹۲۲ء کو (گاندھی جی کے پونہ میں قید ہو جانے اور چورا چوری کے واقعہ کے بعد تحریک آزادی میں سستی پڑ جانے کے بعد) ۔

"اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔ جو بات خاص طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستانی بحیثیت جماعت مقننہ کے یا بحیثیت مدبران ملک کے خواہ کیسے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں، مگر میرے نزدیک

کر ئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ ان کا کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی تعداد کے بغیر چل سکے گا۔ جو ساڑھے اکتیس کروڑ کی آبادی میں کل بارہ سو ہیں :

۲- پھر فرماتے ہیں :-

انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارت کے لیے بمنزلہ فولادی قالب کے ہیں اگر اس قالب کو ہٹایا جائے تو تمام عمارت منہدم ہو جائے۔

اس تقریر کی بنا پر جو کہ تاج برطانیہ کے نہایت ذمہ دار وزیر اعظم سے صادر ہوئی تھی۔ دوسرے ہی دن ۳ اگست ۱۹۲۲ء کو اور پھر ۸ اگست ۱۹۲۲ء کو صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب مرحوم نے جب کہ وہ لندن میں وزیر ہند کی کونسل کے ممبر تھے۔ دو زبردست چٹھیاں منزیر ہند کو بطور احتجاج کے لکھیں اور درخواست کی کہ وہ وزیر اعظم کے پاس بھیج دی جائیں۔ ان میں نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا کہ وزیر اعظم کی یہ تقریر شاہی اعلان ۱۹۱۷ء اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء اور شاہی اعلان ۱۹۲۱ء کے کس قدر منافی تھی اور حکومت کو وہ کون سی ضرورت پیش آئی کہ ۱۹۲۱ء کے اعلان کے صرف ڈیڑھ سال بعد تقریر کے ذریعے اسے کالعدم کر دیا گیا۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنی چٹھی میں یہ بھی دکھایا تھا کہ قانون گورنمنٹ ہند ۱۹۱۹ء کے الفاظ یہ تھے کہ "پارلیمنٹ کی پالیسی جس کا اعلان کیا جا چکا ہے، یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی تعداد مسلسل بڑھائی جائے تاکہ اس سے برٹش انڈیا میں بحیثیت سلطنت برطانیہ کے ایک اہم جزو کے ذمہ دار حکومت کا مسلسل احساس پیدا ہو۔

اسی سلسلے میں صاحبزادہ موصوف نے لکھا کہ "جب مندرجہ بالا الفاظ میں کوئی قید کسی قسم کی نہ تھی۔ تو اب بارہ سو انگریز عہدہ داروں کی کیوں قید لگائی جاتی ہے اور جب کہ وہ ہمیشہ مسلط رہیں گے تو ہندوستانیوں میں خود اپنا انتظام کرنے کی قابلیت کیسے پیدا ہوگی وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ "انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارات کے لیے بمنزلہ فولادی قالب کے ہیں۔ اگر اس قالب کو ہٹا لیا جائے تو تمام عمارت منہدم ہو جائے گی مگر جب کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں نے امتحانات مقابلہ میں انگریزوں کو شکست

شے کر اس درجہ پر پہنچا دیا کہ انہیں اپنی قوم کے لیے سول سروس کے عہدے مخصوص کرنے پڑے ــــــ تو سوال یہ ہے کہ انگریز عہدہ داروں کے فولادی قالب کے مقابلہ میں یہ ہندوستانی سول سروس بڑے کیا کچھ کم حیثیت رکھتے ہیں کیا وہ باوجود امتحانات مقابلہ میں بالاتر رہنے کے فولادی قالب نہیں بلکہ چوبی قالب ہیں، جن کی کمزوری کی وجہ سے تمام سلطنت کی عمارت منہدم ہو جانے کا اندیشہ وزیر اعظم کو تھا۔ مختصر یہ کہ صاحبزادہ صاحب نے بہت کچھ زور لگایا مگر لاٹھی کی طاقت کے سامنے حجت و دلیل کہاں چل سکتی ہے اور سرکاری گماشتوں کی ایک محدود تعداد کے ذاتی منافع کے مقابلہ میں سلطنت برطانیہ کے حقیقی منافع کی کب پرواہ کی جاتی ہے وہاں تو اپنے حلوے مانڈے کی فکر لاحق رہتی ہے۔

(روشن مستقبل ص۴۱۳، ۴۱۴)

۴۔ سر ولیم جوائنس ہکس ہوم سیکرٹری ۔ ۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء

ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے فتح نہیں کیا ہے اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہیں۔

۵۔ سنڈے ٹائمز (SUNDAY TIMES) مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء

ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہیے کہ انگریز ہندوستان میں بحالی صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے۔ ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے اس لیے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد و مصلحت کے خلاف ہے۔ ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔

شاہی اعلانات و مواعید کی ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے عملی مخالفت

اب آپ ان جملہ اعلانات کو جو کہ تاج برطانیہ اور ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے ہوتے رہتے ہیں دیکھیے، اور ان مقالات کو جو کہ ذمہ داران برطانیہ ہی کی طرف سے شائع ہوئے ہیں دیکھیے، اور پھر فیصلہ کیجیے کہ صداقت کس میں ہے اور اعتماد کس پر اور کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ حکومتِ برطانیہ اور حکومتِ ہند کی عملی حکمت کو بھی جانچئے کہ کہا کیا جاتا ہے ۔ اور کیا کیا جاتا ہے ۱۹۲۱ء میں کہاں تو مطلق العنان حکومت کو قطعی طور پر ترک کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے اور پھر مطلق العنانی کے ساتھ ملک کا محصول دوگنا کر دیا گیا گورنمنٹ نے بذریعہ سرٹیفکیٹوں کے قوانین نافذ کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا - ۱۹۲۲ء میں کینیا کے تحت فیصلہ سے ہندوستانیوں کی ذلت کی تکمیل کر دی لبرل اصحاب اور آزاد خیال ممبران اسمبلی گورنمنٹ کو مسلسل شکستیں دیتے تھے اور گورنمنٹ استبدادی پنجہ چلاتی تھیں ۔ ۱۹۲۹ء میں پبلک سیفٹی بل خارج کیا گیا ۔ آرڈیننس جاری کئے گئے اس سے پہلے مسٹر لائیڈ جارج (MR. LLOYD GEORGE) نے انگریزی سول سروس کی ملازمت کا شاخسانہ لگا کر اس کی تنخواہوں اور الاؤنس میں اضافہ کر دیا ۱۹۲۹ء میں جب کہ لارڈ اِرون (LORD IRWIN) نے انگلستان سے آکر نوآبادیات کی حکومت کا مبہم اعلان کیا تھا تو انگلستان کی ایک پارٹی نے اس پر بہت زیادہ برہمی کا اظہار کیا ۔ گاندھی نے ۲۳؍ دسمبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے لارڈ اِرون (LORD IRWIN) سے ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ حکومت نوآبادیات کے متعلق حکومت کی طرف سے صاف صاف وعدہ کیا جائے کہ گول میز کانفرنس میں اس کے متعلق کیا طے کیا جائے وائسرائے نے اس سے گریز کیا اور کہا کہ اعلان میں جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے ۔ گورنمنٹ کا نقطۂ نظر وہی ہے حالانکہ اعلان میں نہایت مبہم مندرجہ ذیل الفاظ تھے ۔

ہندوستان کی آئینی ترقی کا نتیجہ درجہ نوآبادیات کا حصول ہے ۔

الفاظ کی وضاحت نہ ہونے سے اہل ہند کو صدرجہ کی مایوسی ہوئی اور یقینی طور پر سمجھا گیا کہ یہ محض دفع الوقتی کے لیے یہ بھی کہا گیا جیسے کہ پہلے متعدد اعلانوں اور وعدوں کے بعد بار بار رجعت کی جا چکی ہے ۔

حضرات ! برطانوی اعلانات اور شہنشاہی فرمانوں اور ذمہ داران حکومت کے وعدوں کی حقیقت اور پُرزور الفاظ کی قوت تو آپ مندرجہ بالا تفاصیل سے بخوبی پہچان گئے ہوں گے کہ یہ سب محض طفل تسلی اور ابلہ فریبی کے لیے ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ سب میں

صرف دفع الوقتی مطلوب ہوتی ہے وقت گذر جانے کے بعد وہ ایسے فراموش ہو جاتے ہیں کہ گویا کچھ کہا نہ گیا تھا یا ان کے ایسے معانی پہنا دیئے جاتے ہیں جو کہ کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آئے تھے برطانیہ کی یہ عادت نئی نہیں ہے۔ ایک سو سال سے زائد ہو چکا ہے اسی کا تجربہ ہو رہا ہے بالخصوص ہندوستان اس قسم کے فیوض سے بہت زیادہ سرخرو کیا جاتا رہا ہے۔ ایسی ایسی انوکھی شرطیں رکھ دی جاتی ہیں جو کہ غیر ممکن الحصول ہوں۔ ایسے ایسے حیلے تراشے جاتے ہیں جن کو کبھی کسی نے سُنا نہ دیکھا۔ آج جب کہ برطانیہ چاروں طرف سے جنگِ عظیم میں گھری ہوئی ہے۔ جب بھی ہندوستان کے متعلق کسی قسم کی قابلِ اطمینان کارروائی نہیں کر رہی ہے۔ آپ لارڈز ٹلینڈ (LORDZ TLAND) مسٹر چیمبرلین (MR. CHAMBERLAIN) مسٹر ایمرے (MR. AMERY) اور دوسرے ذمہ داران برطانیہ کے اقوال اور کلمات کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ جن اعلانات اور کلمات کو پہلے استعمال کیا گیا ہے کیا آج بھی اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی زیادہ مبہم اور غیر اطمینان بخش کلمات اور طریقے استعمال نہیں کیے جا رہے ہیں پھر ہم انتہائی تعجب اور ان سادہ لوحوں کے دل اور دماغ پر کرنے میں کیا حق بجانب نہیں ہیں جو کہ موجودہ کلمات اور اعلانات پر اعتماد کرتے اور اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کو سمجھتے ہیں کہ اس پر اعتماد کرو اور سب مجبوراً شبہات اور شکوک کو یک قلم نکال ڈالو۔

افسوس صد افسوس، کاش کچھ مفصل اور قابلِ اطمینان ہی الفاظ میں اور معتبر طریقوں ہی سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو مطمئن کر دیا جاتا اور اپنی ہمدردی انسانی اور خدمت اقوام ضعیفہ کا الفاظ ہی میں حقیقی ثبوت پیش کر دیا گیا ہوتا تو بھی کچھ غنیمت سمجھا جاتا۔ اگرچہ وہ بھی حسب عادت قدیمہ دفع الوقتی پر ہی ہم جیسے کم سمجھ محمول کرنا ضروری سمجھتے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

برطانیہ کہتا ہے کہ ہم اقوام ضعیفہ اور انسانی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ہندوستان کو بھی ہمارے اس اعلیٰ مقصد میں شریک ہونا چاہیئے۔

اگر برطانیہ سچا ہے تو ہندوستان کو پہلے آزاد کیوں نہیں کر دیتا۔ اگر اس کو انسانی ہمدردی مجبور کر رہی ہے کہ وہ فسطائزم کے خلاف خون بہائے تو وہ پیس کروڑ ہندوستانیوں کو کیوں ہر طرح غلام بنا کر موت کے گھاٹ اتار رہے ہوئے ہے اگر اس جنگ کی وجہ سے فرصت نہیں ہے تو کیا وہ اجمالی طور سے ہندوستان کو آزادی دے دینے کا اعلان بذریعہ وائٹ پیپر نہیں کر سکتا ہے اور کیا وہ اسی پیپر میں یہ اعلان نہیں کر سکتا ہم کانسی ٹیوینٹ اسمبلی قبول کرتے ہیں بے شک صرف ہندوستانیوں کو اپنے ملک کا دستور بنانے اور چلانے کا حق ہے کیا جس طرح اس نے وزیرستان کو دردناک مظالم سے پامال کر رکھا ہے۔ فلسطین میں آئے دن وحشیانہ قتل وغارت خونریزی اور خونخواری کا بازار گرم کیے ہوئے حضرموت پر بمباری کر کے قبضہ کر چکا ہے۔ یہ چیزیں صاف طور سے گواہی نہیں دے رہی ہیں کہ مدبرین برطانیہ کا یہ دعوےٰ کہ ہم انسانی ہمدردی اور آزادی کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ بالکل اور سراپا جھوٹ اور فریب ہے۔ اس نے ابی سینیا کی آزادی سلب ہوتے ہوئے قریبی ذمانے میں دیکھا۔ مگر اس کی رگ حمیت کو جوش نہ آیا البانیا کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ مگر اس کے کان پر جوں نہ رینگی۔ اُس نے چین کو برباد ہوتے ہوئے مشاہدہ کیا۔ مگر اس کا دل ٹھنڈا ہی رہا۔ اس نے حکومت اسپین کو موت کے گھاٹ اترتے ہوئے دیکھا۔ مگر اس کے بدن میں حرارت پیدا نہ ہوئی۔ صرف پولینڈ اور ناروے دنیا میں آدمی اور انسان ہیں جن کے لیے یہ موت کا بازار گرم ہے۔

وہ ادھر تو آزادی آزادی کے راگ کو الاپ رہا ہے مگر آزادی چاہنے والے احرار اور کانگریسیوں کو جیل کی کوٹھڑی میں برابر ٹھونسا جاتا ہے ان کے کھلے ہوئے کارناموں کے بعد اس کے دھوکے اور فریب میں اگر کوئی ہندوستانی مبتلا ہو رہا ہے تو اس کی عقل اور اور سمجھ پر رونا چاہیے۔ کیا ۱۸۳۲ء سے لے کر یہ تجربات کثیرہ کافی نہیں ہیں۔

لا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ اسی گزشتہ جنگ عظیم میں ہندوستانیوں کے ساتھ وفاداری کی۔ کس قدر اپنا خون بہایا، کس قدر اپنا مال ضائع کیا۔ مگر کیا صلہ ملا کیا بجز

خوش کن الفاظ اور ان کے ساتھ ساتھ رولٹ بل، جلیانوالہ باغ، مارشل لا، وغیرہ کے اور کڑوی چیز ہاتھ آئی۔ من جرب المجرب حلت به الندامة آزمودہ را آزمودن جہل است

بہر حال ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اس ابلہ فریبی کا شکار نہ ہونا چاہیے برطانوی قوم اور برطانوی تاج کے عہد و مواثیق اور وعدوں کی حقیقت آفتاب سے زیادہ ظاہر ہو چکی ہے جب تک قابلِ اعتماد کوئی صورت نہ پیدا ہو اس وقت تک ہندوستانیوں کو مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ یہی ہمارا فریضہ ہے۔

موجودہ حالت میں برطانیہ کی امداد و اعانت کا سوال

ہمارے بہت سے کوتہ عقل بے سمجھ بھائی کہتے ہیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہ کرنا چاہیے یہ بالکل غلط فلسفہ ہے ایسے ہی وقت میں برطانیہ کی خیر خواہی اور محبت کا مظاہرہ ہونا لازمی امر ہے۔ برطانیہ نے اپنے فرائض کو عرصہ دراز سے چھوڑ رکھا ہے ان کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول کر رکھی ہے خدا کے پینتیس کروڑ بندوں کو انتہائی ذلت اور تکالیف میں ڈالے ہوئے ستا رہی ہے مظلوم قلب سسک رہے ہیں۔ خدائے قدوس کا غضب اسی وجہ سے جوش میں آرہا ہے وہ اپنے مظلوم بندوں کے انتقام پر تلا ہوا ہے اور جس طرح اس نے ظالم قوموں اور بادشاہتوں کو اپنے ضعیف بندوں کی امداد اور ان کی آہ و زاری کی دادرسی میں ہلاک و نیست و نابود کر دیا۔

اسی طرح ان یورپین مظالم پادشاہتوں انگلینڈ اور فرانس پر قہر کی بجلی گزر رہی ہے ہم پر لازم ہے کہ اس خیر خواہی اور ہمدردی کی بنا پر جو کہ ہم کو تاج برطانیہ اور اس قوم سے چلی آئی ہے اس کو ان موجبات قہر الٰہی اور اسباب غضب غیر متناہی سے روکیں اگر وہ کہنا نہ مانے تو اس کا ہاتھ پکڑلیں اور قوت کو استعمال کریں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انصر اخاك ظالما او مظلوما قیل یا رسول اللہ کیف انصره ظالما قال تکفه عن الظلم جس طرح ہم اپنے عزیز و قریب کو جب کہ وہ برائی کرتا ہے زبان سے کہتے ہیں اگر نہیں مانتا تو ہاتھ سے روکتے ہیں اور اگر نہیں رکتا تو طاقت

اور قوت کو استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ سب اس کی خیر خواہی میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضروری ہے بلکہ اگر ہم نے حسب استطاعت برطانیہ کو ان مظالم سے نہ روکا تو خوف ہے کہ ہم پر بھی کہیں عتاب الٰہی نہ برس پڑے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس اذا راؤا الظالم ولم یاخذوا علی یدیہ یوشک اللہ ان یعمھم بعقاب فیدعونہ فلا یستجیب لھم ؕ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو برطانیہ اور اس کی قوم کو اللہ تعالےٰ کے غضب سے بچانے کی کوشش کی جائے اور اس کو خلق خدا کے ستانے سے روکا جائے جو کہ باعث غضب الٰہی ہوا ہے ورنہ نہ روکنے والے بھی موجب غضب ہو جائیں گے۔

برطانیہ کی امداد و اعانت کا صحیح طریقہ آج بہت سے ناعاقبت اندیش یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی امداد و اعانت اس میں ہے کہ اس کو لڑنے کے لیے سپاہ اور مال دیا جائے اور ان کی فتح مندی کی کوشش کی جائے ہمارے خیال میں حسب نصوص شرعیہ یہ لوگ برطانیہ کے سخت ترین دشمن ہیں اور اس کو اور اس کی قوم کو قعر جہنم میں جھونکنا چاہتے ہیں وہ برطانیہ کہ جس نے دنیا کی قوموں کی آزادی سلب کر لی ہو اور انسانی اکثریت کو غلامی کے عذاب الیم میں مبتلا کر دی اور رکھتی ہو جو کہ بجز یورپین اقوام کے تمام ایشیائی اور افریقی وغیرہ کو انسانیت سے خارج اور مثل بہائم سمجھتی ہو جو کہ خدا کے کروڑوں بلکہ اربوں بندوں پر مظالم کے پہاڑ نہایت سنگدلی سے ڈھاتی رہتی ہو جو کہ قوموں کی تجارت، دستکاری، دولت، حکومت، رفاہیت عزت، زمینیں، علوم، زراعت وغیرہ چھین چھین کر اپنا پیٹ پالتی ہو، جو کہ ابلہ فریبی اور مکر و دغا بازی، جھوٹے وعدوں اور ہتھکنڈوں سے خدا کی پیدا کی ہوئی قوموں کو ستاتی رہتی ہو اس کی امداد اسی میں اور صرف اسی میں ہے کہ اس کو ان افعال شنیعہ سے روکا جائے اور اگر خدانخواستہ اس کی امداد مال یا فوج یا رسد وغیرہ سے کی گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ امداد کرنے والے ان تمام مظالم اور گناہوں کے مؤید اور لشکر کرنے والے ہیں وہ خلق خدا کو اور ستانا چاہتے ہیں بیشک ایسے لوگ خدا کے قہر عظیم کے مستحق ہوں گے اور سخت ترین پکڑ میں مبتلا کیے جائیں گے۔

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۔" ہم کو برطانیہ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہیئے اس میں ہماری اپنی خیر خواہی ہے۔ بدخواہ نہ ہونا چاہیئے اس میں اپنی بھی بدخواہی ہے۔

اگر کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ برطانیہ کی قول اور فعل سے حسب طریقہ مذکورہ مدد کرسکے تو کم ازکم دل میں اس کی سنگدلی اور بربریت کو بُرا سمجھتے ہوئے حکومت کو عمل میں لائے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان اسی بنا پر میرٹھ کے جلسے میں جمعیۃ نے اپنا اعلان موجودہ جنگ کے متعلق صاف اور واضح الفاظ میں شائع کردیا تھا۔ جس کا حرف حرف صحیح اور قابل عمل تھا۔

آزادئ ہند کے متعلق ہماری جدوجہد

محترم بزرگوا حالات موجودہ اور زیادہ تر مجبور کرتے ہیں کہ آزادئ ہند کے لیے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے۔

ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لیے باعث مصائب و آفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں۔

مسلمانوں پر آزادئ ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے اس لیے آزاد مسلم کانفرنس کا انعقاد اور اس کی مساعی مشکور ہیں

اگرچہ یہ فریضہ تمام ہندوستان کے باشندوں کا ہے مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے چند وجوہ سے۔ (الف) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے وطن آبائی ہے (ب) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اس سرزمین سے تعلق اٹھانا ہے (ج) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گزرے ہیں اور سب کا دین اسلام ہی تھا اگرچہ لوگوں نے اس میں تحریف و تبدیلی کر دی۔ (د) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے۔ (ہ) اس ملک کی آبادی میں قرب و جوار کے

اسلامی ملک مثل پاکستان، افغانستان، ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے (و) مقامات مقدسہ اور دیار عرب، مصر، شام، فلسطین، سوڈان، سمالی لینڈ وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے بسبب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں آزاد ہو سکیں گے (ز) مسلمانوں کو موجودہ حکومت نے تمام باشندگان ہند سے زیادہ برباد کیا ہے (ح) یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو یا اہون البلیتین مشترک راج کی طرف مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے (ط) بغیر آزادی یہ ہلاک کرنے والا افلاس اور قحط اور گرانی زائل نہیں ہو سکتے۔ اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی۔ کاد الفقر ان یکون کفراً بہت سے مسلمان شدت فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں (ی) بغیر آزادی بیکاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے ازالہ کے ہر قسم کی دینی اور دنیوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔

بہرحال مسلمانوں کے لیے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا اور اس کے لیے انتہائی جدوجہد عمل میں لانا تمام باشندگان ہند سے زیادہ تر ضروری اور لازم ہے۔

آزاد مسلم کانفرنس اور کی تجاویز کی توثیق و تصحیح

مسلمانان ہندوستان کا کسی وقت میں آزادی کی جدوجہد سے گریز یا تکاسل کرنا نہ شرعاً جائز ہے نہ سیاستہً نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً اور بحمداللہ سمجھدار اور غیرتمند مسلمان اسی عقیدے اور عمل کے پابند ہیں۔ مگر افسوس کہ ناعاقبت اندیش اور کم سمجھ مسلمانوں کے بعض اعمال اور اقوام سے دشمنان آزادی اور خود اغراض لوگوں کو موقع ملا کہ انہوں نے دنیا میں مشہور کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی آزادی کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ وہ آزادی خواہ قوموں کے لیے رکاوٹ بن رہے ہیں۔ یہ شہرت بالکل غلط اور افترا تھی بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بیدار طبقہ بلکہ اکثر افراد بالکل غلامی ہند کے مخالف اور آزادی پر جان دینے والے ہیں اور بارہا اس راہ میں تکالیف شاقہ برداشت کر چکے ہیں اور آئندہ کے لیے تیار ہیں اس لیے نہایت

ضروری تھا کہ ترقی پسند اور آزادی خواہ جماعتیں مجتمع ہو کر اعلان کریں کہ ہم کسی طرح برطانوی غلامی کو ایک منٹ کے لیے بھی پسند نہیں کر سکتے، ہم آزادی کے چاہنے والے اور اس کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کرنے والے ہیں۔ ہم پر یہ شرمناک افترا ہے کہ معاذ اللہ ہم غلامی کو پسند کرتے ہیں۔

اس لیے رہنمار اسلام اور ذمہ داران قوم کر بروقت انتباہ ہوا اور ۲۷-۲۸-۲۹-۳۰ر اپریل کو دہلی میں ترقی پسند جماعتوں اور آزاد مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوا اور مناسب اور ضروری تجویزیں بحث و مباحثہ غور و خوض کے بعد پاس ہوئیں جو کہ سب کی سب قابل قبول اور مستحق عمل ہیں، مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔

متحدہ قومیت کا لزوم اور اس کے مفہوم کی حقیقت

ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں، جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات، ذاتوں اور صنفوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری انسانیت میں فرق نہیں آتا اور اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کے لیے جد و جہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا۔ اس کے لیے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے اگر آگ لگنے کے وقت میں تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں گے، سیلاب آنے کے وقت میں تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو گاؤں برباد ہو جائے گا اور سبھی کے لیے زندگی دبال ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے۔ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر

یکساں عائد ہوتے ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر اپنے فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں۔ اسی معنی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامینٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔ دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اور بیوقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہیئے۔ اس کے خلاف کوئی بھی لوگ قومیت متحدہ کے جو معنی مراد لیتے ہیں اور جو کانگریسی اشخاص انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامینٹل کے مفہوم کے خلاف معانی بیان کرتے ہوں ان سے یقیناً جمعیۃ العلماء بیزار اور تبرا کرنے والی ہے۔

قیام امن کے لیے متفقہ طور پر رضاکارانہ خدمات کی ضرورت

میرے محترم بزرگو! اس وقت جب کہ برطانوی حکومت اور اس کی قوت انتہائی مشکلات میں مبتلا ہے جس کے نتائج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کل کو کیا پیش آنے والا ہے اس لیے ہم پر بہت زیادہ ضروری ہے کہ پیش آنے والے خطرات کا ہم ابھی سے انتظام کریں۔ ایسے اوقات میں خود غرض، سیاہ دل، بدمعاش لوگ امن و امان میں خلل ڈالتے ہیں اور اپنی حرص و آز پوری کرنے کے لیے ہر قسم کی سفاکانہ زندگی عمل میں لاتے رہتے ہیں ملک میں ہر طرح کی شورش برپا کرکے جان، مال، عزت، سب کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور ملک کو شل جہنم بنا دیتے ہیں اس لیے شدید ضرورت ہے کہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں اس مقصد عظیم کے لیے متحد ہو جائیں اور باوجود اپنے سیاسی اختلافات کے امن و امان کی خاطر ہر قسم کی جد و جہد عمل میں لائیں اور شریف النفس اور نیک دل جوانوں اور اقویا کو والنٹیر بنائیں اور ہر جگہ مکمل انتظام کے ساتھ امن و امان کے تحفظ کے لیے کوشاں ہوں۔ اس میں مسلمانوں کو ہرگز

ہرگز دیر نہ کرنی چاہیئے اور نہ اس میں کسی قسم کی فرقہ وارانہ چاشنی پیدا ہونے دینا چاہیئے۔ باضابطہ نظام کے ساتھ باشندگان ملک اور ان کی جان ومال کی حفاظت کرنا چاہیئے ان والنیٹر کوروں کا نظام بھی پنچائتی ہونا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو حکومت سے بھی اپنی باضابطہ ذمہ داری کو تسلیم کرانا چاہیئے۔

مسجد شہید گنج کے متعلق پریوی کونسل کا غلط رویہ

اس وقت ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ پریوی کونسل نے مسجد شہید گنج کے متعلق جو فیصلہ قبضہ مخالفانہ کی بنا پر کیا ہے نہایت ہی غلط اور قابل نفرت ہے اور اعلان شاہی کوئن وکٹوریہ کے بھی سراسر مخالف ہے۔ مساجد اور موقوفہ زمینیں کسی طرح بھی قبضہ مخالفانہ کی بنا پر مملوک نہیں ہو سکتیں۔ جمعیتہ العلماء نے اپنے گذشتہ تجاویز میں اس کے متعلق پوری روشنی ڈال دی ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مساجد اور اوقاف کو قبضہ مخالفانہ اور تمادی کے قوانین سے مستثنیٰ کرانے کی پوری جد وجہد کریں۔

حضرات

میں آپ بندگوں اور بالخصوص استقبالیہ کمیٹی اور اس کے اراکین اور جناب صدر استقبالیہ اور جنرل سیکرٹری اور دیگر ذمہ دار حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور جملہ حضرات کو پھر قیام امن کے متعلق جد وجہد کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہوا امیدوار ہوں کہ آپ حضرات میری مذکورہ بالا تجاویز کی طرف خصوصیت سے نظر عنایت منعطف فرمائیں گے۔"

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے تیرہویں (۱۳) سالانہ اجلاس میں

—— مؤرخہ ——

۲-۳-۴ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰-۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء

—— بمقام ——

لاہور

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ
ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن
سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن
یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ
لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ
ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وصحبہ وبارک وسلم

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! پچھلے سال جونپور میں جن نازک حالات
اور ان کے باعث عائد شدہ فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف میں نے آپ کی توجہ
دلائی تھی ان کا سلسلہ ظاہری نظر میں آج بھی بدستور قائم ہے۔ اگرچہ حقیقت میں
نظر فیصلہ کر رہی ہے کہ حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں اس عرصہ میں جو نئے نئے واقعات
پیش آئے ہیں اور اس قہر خداوندی نے جو کہ جنگ کی صورت میں دنیا کے ایک بڑے
حصہ پر ظاہر ہو رہا ہے جو بھیانک اور پُرخطر صورت اختیار کر لی ہے۔ اس نے دنیا

کے اضطراب اور بے چینی میں نہایت تشویشناک اضافہ کر دیا ہے جو ممالک اور اقوام براہِ راست اس جنگ کی عبرت آموز تباہیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کے درد سے بھرے ہوئے مصائب و آلام تو ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہیں ہی لیکن دنیا کے تباہ کن اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ سرمایہ دار اور خود غرض طاقتوں کی اس جنگ میں دنیا کے ہر حصہ کے غریب عوام اور مزدور ہی دشواریوں اور سخت پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ تجارت پیشہ حضرات اور دستکاروں کے لیے بھی طرح طرح کی مشکلات روز افزوں تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ قوموں اور ملکوں کے تمام وسائل جنگ کے لیے وقف کر دیے گئے ہیں۔ جن چیزوں پر عوام کی زندگی کا مدار ہے۔ وہ نہایت گراں، اکیاب اور غریبوں کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ چاروں طرف بے چینی اور برہمی کا منظر دکھائی دے رہا ہے۔ ہمارا وطن عزیز "ہندوستان" بھی اس قسم کے اضطراب انگیز حالات کے بھنور میں پھنستا جا رہا ہے۔ جنگ کی لعنت اپنی تمام سیاہ کاریوں کے ساتھ اس کے دروازے تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے تمام وسائل و ذرائع اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ دنیا کی اس بے چینی اور ہلاکت کا نامبارک آغاز کس ہولناک انجام تک پہنچے گا۔ اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اس عالمگیر اضطراب کا انجام خواہ کچھ بھی ہو۔ ہمیں بہرحال اپنی منزلوں اور ذمہ داریوں کی طرف سے غافل ہونا یقیناً خودکشی کے مترادف ہوگا۔ ہم کو ہر اس ممکن صورتحال کا مقابلہ کرنا اور اس کے لیے تیار رہنا جو کہ اس جنگ کے نتیجہ میں پیش آ سکتی ہیں، ناگزیر ہے۔ اگر نازک لمحات میں ہم نے اپنی منزل اور اپنی ذمہ داریوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش کر دیا تو ہم صدیوں کی راہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔

ایسے نازک وقت میں آپ حضرات نے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت اور رہنمائی کے لیے مجھ جیسے ناکارہ کا انتخاب کر کے جس اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میری عزت افزائی

فرمائی ہے۔ اس کے صلہ میں اگر میں ایک طرف شکرگزاری کے فرائض ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں تو دوسری طرف اپنی بے بضاعتی اور انتہائی مصروفیتوں کی بنا پر شکایت پیش کرنا بھی اپنا فریضہ سمجھتا ہوں ؎

فلئن نطقت بشکر برک مفصحا　فلسان حالی بالشکایۃ انطق

حضرات محترم! آپ نے ہرگز انصاف اور بندہ پروری کا اس انتخاب میں ثبوت نہیں دیا ہے ایک ایسا شخص جو کہ کم مائیگی اور کمزوریوں کے ساتھ ساتھ گوناگوں مصروفیتوں میں بھی مبتلا ہو۔ اتنی بڑی ذمہ داری کا اور وہ بھی تمام سال کے لیے کس طرح اہل ہوسکتا ہے۔ بحمداللہ آپ کی جماعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ سیاستدان، ارباب ذکاوت و فہم خوش فہم، خوش بیان و خوش تحریر، عالی ہمت اولوالعزم، معاملہ فہم اور حلال المعاقد انتھک کارکن حضرات موجود ہیں جو کہ ملتِ بیضا کی کشتی کو ساحل مقصود تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پہنچا سکتے ہیں۔ ان سب بزرگوں کو چھوڑ کر مجھ ضعیف و ناتواں کے کمزور کاندھوں پر دوبارہ اتنا بھاری بوجھ رکھ دینا کہاں کا انصاف ہے میں اپنی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ ایک سال تک اپنی ناچیز خدمات پیش کر چکا تھا۔ چاہیئے تھا کہ اسی پر اکتفا کیا جاتا مگر وائے ناکامی کہ اب پھر آپ نے مجھی پر یہ بارگران محض ہمت بڑھانے اور قدر افزائی کے لیے رکھ دیا۔ مجھے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف نہیں ہو سکتا، مگر حقیقت حال کا پیش کرنا ضروری ہے۔ بہر حال جب آپ نے اس ذمہ داری کا ثقیل بار مجھ پر رکھ دیا ہے تو میں امیدوار ہوں کہ پہلے سے زیادہ گرم جوشی اور جد و جہد کے ساتھ آپ میری امداد و اعانت فرمائیں گے اور جمعیتہ کے نظام کو بڑے سے پیمانہ پر ملک و قوم میں پھیلا کر امتِ مسلمہ کی خدماتِ جلیلہ انجام دیں گے۔

حضرات! رفقائے کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے جنہوں نے

گذشتہ تیس سال میں مسلمانانِ ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ اس عرصہ میں مسلمانانِ ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ نہ لیا ہو جمعیۃ علماء ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی جمعیۃ علماء کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لیے وقف کر دی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی وفات مسلمانانِ ہند کے لیے عموماً اور جمعیۃ علماء ہند کے لیے ایک ایسا قومی وملی صدمۂ عظیم ہے۔ جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اسلامی نظام ہی انسانی دنیا کی حقیقی بہبودی کا کفیل ہو سکتا ہے اور اسی میں صحیح جمہوریت ہے

محترم حضرات! شخصی حکومتوں اور ملوکانہ جبر و استبداد اور حاکمانہ خودغرضیوں اور شہوت پرستیوں وغیرہ کی وجہ سے عالم انسانی پر جو بربادی اور ہلاکت کے پہاڑ ڈھا کرتے تھے، ان سے تنگ آکر انسانی دنیا نے انقلاب کے دروازے کھولے اور جگہ جگہ جمہوری نظام جاری کیا گیا۔ اگرچہ بعض ممالک میں شاہی خاندانوں کو بھی باقی رکھا گیا۔ مگر ان کو اس قدر بے دست و پا کر دیا گیا تھا کہ نظم ونسق اور عام رعایا سے متعلق کسی قسم کے تصرف کا اختیار باقی نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ جمہوری نظام اگرچہ ظاہری نظر میں عام انسانوں کے لیے خوش کن تھا اور ممکن ہے کہ ابتدائی مراحل میں اس میں پوری طرح ہر عام وخاص غریب وامیر کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو، مگر اقتدار کے قائم ہوتے ہی ابوالہوسی اور سرمایہ پرستی کا غلبہ ہو گیا، غرباء اور مزدوروں کے خون پسینہ سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ نظام میں اس قدر سرمایہ پرستی، خودغرضی اور لیڈرپن قومیت کی

لعنت گھس گئی کہ عام انسانی دنیا شخصی حکومتوں سے اس قدر ہلاکت اور بربادی کا شکار نہیں ہوئی جتنی کہ اس فریبانہ جمہوریت اور نام نہاد خدمت خلق سے ہونے لگی۔ بالآخر عالم انسانی میں دوبارہ انقلاب کا نشوونما ہوا اس غلط اور بربادکن جمہوریت کے نظام کو مٹا دینے کے ولولے ظہور پذیر ہوئے اور بزعم خود اصلاح خلق اور ان کی عام پرورش کا بیڑہ اٹھایا گیا۔ کہیں سے بالشوزم کی صدا اٹھی، کہیں سوشلزم کی آواز بلند ہوئی کہیں سے نازی ازم کا ڈنکا بجا۔ کہیں سے فیسی ازم کا صور پھونکا گیا۔ کہیں سے ڈکٹیٹرشپ کی آوازیں اٹھیں۔ کہیں سے یورپین ازم اور کہیں سے جاپانی ازم اور مشرقی ازم کا راگ گایا گیا، مگر واضح رہے کہ یہ تمام نظام کسی طرح بھی امن وامان عام اور حقیقی خدمتِ خلق کے متکفل نہیں ہیں اور ان کا ملعون اثر آج آفتاب سے زیادہ ظہور پذیر اور دنیا میں روشن ہے۔ ان نظاموں کی بدولت آج انسانی دنیا جس ہلاکت و بربادی میں بتلا ہے اس کی نظیر ابتدائے عالم سے لے کر آج تک نہیں ملتی۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	کھل پڑا اور پھیل گیا ہے فساد جنگلوں
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ	اور سمندروں میں لوگوں کے ہاتھوں کی
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي	کمائی سے تاکہ چکھایا جائے ان کو کچھ مزہ
عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ	ان کے کاموں کا شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔

ہم اس وقت صحیح اور کامل نظام تمام دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے اور ضروری سمجھتے ہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال کی آواز سے دنیا کو پھر بیدار کریں۔

خداوند کریم جس طرح تمام چھوٹوں بڑوں، انسانوں حیوانوں، فلکیات اور عنصریات نباتات اور جمادات، ملائک اور جنات، روح اور مادہ غرض ہر شے کا خالق اور بنانے والا ہے۔ اسی طرح وہ سب کا پرورش کرنے والا اور مربی بھی ہے اور جس طرح وہ عرش سے لے کر فرش تک سب کا شہنشاہ اور مالک ہے اور اسی طرح وہی سبھوں پر حاکم اور ہر چیز جاننے والا بھی ہے، وہ جس قدر ان کی ضرورتوں اور منافع ومضار

کو جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا ہے اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات اور تمام کائنات کا مخدوم بنایا ہے اور اسی نے تمام روئے زمین کے انسانوں کو ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

جب کہ فطری قاعدہ ہے کہ ہر بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے جیسے کہ ہر پالنے والے کو اپنی پالی ہوئی چیز سے ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کہ کسی چیز کے بنانے اور پالنے میں زیادہ رنج و کاوش اور توجہ کی گئی ہو اس لیے اس کو تمام انسانی دنیا سے انتہائی محبت اور خیر خواہانہ شفقت ہوگی۔ اگر پہلی گزارش کی شہادت بِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ سے ملتی ہے تو دوسری عرض کی گواہی تمام انسانوں کے باپ کی مسجودیت اور ان کی خلافت اور اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ جیسی آیات سے ملتی ہے اس کی نظر میں کالے اور گورے، ایشیائی اور یورپین، افریقی اور امریکن، عرب اور عجم سپید، سرخ، زرد و سیاہ نسلوں کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ جس طرح ایک باپ کی متعدد اولاد سب کی سب اس کے مراحم و الطاف کی مستحق ہوتی ہے اور وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا اور سب کی بہبودی اور بھلائی کا خیال کرتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ تمام انسانوں کا خیال رکھنے والا اور سب کی انتہائی بہبود کا چاہنے والا ہے اس لیے اس خالق الکل رب العلمین کا بنایا ہوا انسانی نظام ہی ہر خاص و عام اور ہر فرد و جماعت کے لیے مفید اور کارآمد اور انتہائی منفعت کا کفیل ہو سکتا ہے نہ کہ انسانوں کا خود ساختہ نظام۔

وہ خدائی نظام یقیناً ہر قسم کے غل و غش اور تمام الائشوں سے پاک ہوگا۔ اس میں اغراض پرستی اور دوسروں کی اہانت و تذلیل وغیرہ کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور اسی کے نظام میں حقیقی جمہوریت و شورائیت پائی جاتی ہے۔ اس میں ہر فرد انسانی سے وہ محبت و الفت بھری ہوگی جو کہ ان کے ماں باپ اور عزیز و اقارب میں بھی نہیں

پائی جاتی اس میں کسی سے دشمنی، رقابت وغیرہ نہ ہوگی۔ اس میں اچھوت، برہمن اور شودر، سیدا ور شیخ، بڑی ذات چھوٹی ذات وغیرہ کی کوئی تمیز نہ ہوگی ہاں فرق صرف اس قدر صرف ہوگا کہ نظام میں داخل ہونے والے مطیع و فرمانبردار مستحق اعزاز و اکرام اور نظام سے گریز کرنے والے باغی و نافرمان اور مستحق اہانت و تذلیل قرار دیے جائیں گے خواہ وہ کسی نسل اور قوم سے تعلق رکھنے ہوں والے اور کسی ملک کے باشندے اور کسی رنگت کے آدمی ہوں۔ اس میں کسی شخص یا جماعت یا قوم پر ظلم و تعدی کو گوارا نہ کیا جائے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْکُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا کَبِیْرًا اس کے تمام قوانین اور اصول رحمت و شفقت سے پُر ہوں گے اور حقیقی عروج و ترقی کی روح اس میں کارفرما ہوگی۔ اس میں عام امن وامان عدل و حقوق، فضل و احسان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوگا اور وہی سب کا طرفدار اور پرسان حال ہوگا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته الحدیث اس میں روحانی تربیت، اخلاقی ترقیات، خالق و مخلوق کے تعلقات، مخلوقات میں آپس کے تعلقات، سب کے مراتب کا لحاظ وغیرہ کامل درجہ کا ہوگا۔ انسانوں کا بنایا ہوا نظام خواہ شخصی ہو یا جماعتی خواہ فوجی ہو یا سیاسی۔ اقتصادی ہو یا تجارتی، خواہ حکماء اور فلاسفہ کا بنایا ہوا ہو یا ارباب سیاست و حکومت کا، اگر خداوندی نظام کے زیر سایہ نہ ہوگا اور اس کی روشنی سے اس میں استفادہ نہ کیا گیا ہوگا تو یقیناً اس میں ہر جگہ خود غرضی اور ایسی خامیاں ہوں گی جن سے ہر قسم کے فتنہ و فساد، ظلم و عناد، ہلاکت و بربادی کا نشو و نما ہوگا خواہ وہ نازی ازم ہو یا بالشویزم، نیشنل ازم ہو یا سوشلزم، فیسی ازم ہو یا اور کوئی ازم۔

میرے محترم بزرگو! آج اسلام ازم ہی وہ خداوندی نظام ہے کہ جس میں حقیقی جمہوریت اور سچی آمریت کو باحسن وجوہ جمع کر دیا گیا ہے اور جس میں ہر ہر فرد بشر کے ساتھ انصاف و عدالت کی تاکید کی گئی ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورۂ نساء)	اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔

اس کا طرۂ امتیاز ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ع۲) -	اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

اس کا عادلانہ اور مساویانہ قانون ہے۔

آیتِ اولیٰ میں عدل و انصاف کا ارشاد تمام انسانوں کے لیے کیا گیا ہے خصوصیت مسلم یا مومن کی نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں نہایت زور سے حکم کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی کی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑنا چاہیے اور اسی طرح گواہی بھی محض اللہ کے لیے ہونی چاہیے اور حق بات کو ہرگز نہ چھپایا جانا چاہیے۔ اور اغراض کا بندہ نہ ہونا چاہیے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (سورہ نساء رکوع ۲۰)	اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابتداروں کا۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے۔ سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی۔ انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف

ہے۔ (زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی
مگر زبان دبلکا و ریچ سے کہ سننے والے
کو شبہ پڑ جائے۔ یعنی صاف صاف سچ
نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ
کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی۔ سوال
دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں
بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہوگا
گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہیئے)

ان آیات سے وہ اصول و قوانین معلوم ہوتے ہیں جن سے تمام عالم انسانی انتہائی امن و امان اور خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکے۔ پس اسی انضباط نظام کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مندرجہ ذیل عہد لیا اور تمام دنیا کو یہ طریقہ بتایا:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃ علینا وان لا تنازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم (متفق علیہ)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہر حالت میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ خواہ تنگی ہو یا فراخی، خوشی ہو یا ناخوشی یا ہم پر ترجیح دی جائے اور اس بات پر کہ اولی الامر سے امارت میں کش مکش کریں گے اور نہ جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں گے خدا لگتی بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

یہ وہ تعلیم ہے کہ آزادی رائے کے ساتھ ساتھ حقیقی نظام حکومت کامل

طریقہ پر اسی طرح چل سکتا ہے اور جبر و استبداد اور خود رائی کی جڑ اکھوڑنے کے لیے ارشاد فرمایا ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران ع ۱۷)

(اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے ، تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر ، اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے) ۔

اور مستحقین انعام خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (شوریٰ ع ۴)

اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے پالنے والے (رب) کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں ۔

ان دونوں آیتوں میں استبداد اور خود رائی سے کنارہ کشی اور مشورہ سے تمام کاموں کے انجام دینے اور نرم خوئی اور لوگوں کی غلطروی سے چشم پوشی اور حقوق رب العالمین کے ادا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جس سے اجتماعی طاقت کا پورا مکمل ہو سکتا ہے اور سب کے حقوق کی مکمل نگرانی ہوتی ہے ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کو خواہ حکام ہوں یا رعایا خطاب فرماتے ہیں ۔

الا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالامام

خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو (چونکہ ہر حاکم اپنے محکوم)

الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اهل بیته و مسئول عن رعیته والمرأة راعیة علی بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم و عبد الرجل راع علی مال سیده و هو مسئول عنه الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته

(متفق علیہ)

اور رعایا کی خبر گیری اور خیر خواہی اسی طرح لازم کی گئی ہے جس طرح جانور چرانے والے پر جانوروں کے مالک کی طرف سے لازم کی جاتی ہے۔ اگرچہ چرواہا جانوروں کی خواہی اور خدمات مفیدہ کے انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے تو مالک کے سامنے مسئول قرار دیا جاتا ہے اس لیے حکام کو راعی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا) بادشاہ جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور مرد اپنے گھرانے کے لوگوں کا راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور آدمی کا خادم اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے۔ خبردار ہو جاؤ تم سب راعی ہو اور اپنی رعیت سے مسئول ہو)۔

یہ وہ صحیح نظام حکومت کے اصول ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی حاکم کو بے دھڑک ہو کر رعایا کی خیر خواہی سے بے پرواہ ہونا یا ان کے حقوق اور مصالح کو پامال کرنا یا ان کی بہبودی سے غافل ہونا درست نہ ہو۔ ان میں بتلا دیا گیا ہے کہ مالک حقیقی کے ساتھ

تم سب مسئول اور ذمہ دار ہو۔ خبردار رہو اور اس کے سوال سے ڈرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

ما من والی رعیۃ المسلمین فیموت وھو غاش لھم الاحرم اللہ علیہ الجنۃ۔

(متفق علیہ)

کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنا دیا گیا اور وہ اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا ظالم تھا۔ تو جنت اس پر حرام ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ الالم یجد رائحۃ الجنۃ۔

(متفق علیہ)

کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہوگا کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا راعی اور حاکم بنایا اور اس نے ان کی نگہبانی اور حفاظت ان کی خیر خواہی کے ساتھ نہ کی تو اس کو جنت کی خوشبو بھی ملے۔)

یہ وہ نظام ہے جس میں ہر حاکم اور والی کو اپنی تمام رعایا خواہ اس کی قوم سے ہو یا دوسری قوم کی ہو خواہ وہ نظام اسلامی میں داخل ہو یا نہ ہو سب کی خیر خواہی اور ہمدردی کا شدید ترین حکم دیا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

ان المقسطین عند اللہ علی منابر من نور عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین للذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا۔

(متفق علیہ)

(انصاف اور عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے داہنی طرف نور کے ممبروں پر ہوں گے اور وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے حکم میں اور اہل و عیال اور اپنی رعایا میں عدل و انصاف کرتے ہیں)

ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

ان شر الرعاء الحطمۃ

(رواہ مسلم)

(یعنی سب سے بُرے راعی اور والی وہ بادشاہ اور حکام ہیں جو کہ لوگوں کو کوتوڑتے ہیں یعنی رعیت پر ظلم کرتے ہیں اور ان پر رحم نہیں کرتے۔ لوگوں کے مال میں طمع کرتے اور اپنے نفسانی ارادوں کو پورا کرتے رہتے ہیں)

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے :۔

ما من امیر عشرۃ الا یؤتی به یوم القیامة مغلولاحتی یفکه عنه العدل او یوبقه الجور

(دارمی)

(اگر دس آدمیوں پر بھی کوئی امیر ہوگا تو وہ قیامت کے دن ہتھکڑی بندلایا جائے گا اور جب تک کہ اس کا عدل اس کو کھول نہ دے یا اس کا ظلم ہلاکت میں نہ ڈال دے اسی طرح رہے گا۔)

ایک جگہ ارشاد ہے :۔

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیٰمة۔

(ابوداؤد)

(کسی غیر مسلم رعیت پر اگر کسی نے ظلم کیا اس کی توہین کی یا اس کر اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کچھ بغیر اس کی خوشی کے لے لیا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا)

ارشاد فرمایا جاتا ہے :۔

من قتل معاهدا لم یرح

(جس نے کسی غیر مسلم رعیت کو قتل کر دیا

رائحة الجنة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين خريفا (البخاری)	تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی دوری تک جاتی ہے (یعنی جنت کے قریب بھی نہ جا سکے گا۔ داخل ہونا تو درکنار)

یہ نظام اور اصول رعایا پروری اور ان میں عدل و انصاف کے ہیں جن میں مسلم، غیر مسلم، چھوٹے بڑے، مرد اور عورت، اہم قوم غیر قوم، دیسی، پردیسی وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ مساوات و عدالت کا ارشاد کیا گیا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فی الدنیا۔ (مسلم)	جو لوگ آدمیوں کو دنیا میں عذاب دیتے اور ستاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

الراحمون يرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الارض يرحمكم من فی السماء (ترمذی و ابوداؤد)	جو لوگ رحم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرتا ہے۔ تم زمین کے بسنے والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

لا يرحم الله من لا يرحم الناس (متفق علیہ)	خدا تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

الخلق عيال الله فاحب الخلق	مخلوق خداوند کریم کی بمنزلہ عیال ہے

الی اللہ من احسن الی عیالہ (البیہقی) — تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال پر احسان کرے گا وہ خدا کے یہاں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند کریم کی تمام مخلوق اور بالخصوص تمام انسانوں کے ساتھ بھلائی اور ان پر رحمت و شفقت اور ان کی بہبودی اور خیر خواہی کرنا ضروری ہے۔

قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے :۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (مائدہ ع ۱)

(اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو مسجد الحرام سے روکتی تھی اس کے باعث نہ ہو کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور آپس میں ایک دوسرے کے نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اللہ سخت عذاب والا ہے۔)

دوسری آیت میں فرماتے ہیں :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ

(اے ایمان والو! ٹھٹھا اور استہزا نہ کرے۔ ایک قوم دوسری قوم سے شاید وہ بہتر ہوں اُن سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں۔ اُن سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے، بُرا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد

بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ | اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہے بے انصاف)

(حجرات ع ۲)

اگلی آیت میں ارشاد ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ

(حجرات)

اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے یقیناً بعض تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور پیٹھ پیچھے برا نہ کہو ایک دوسرے کو بھلا پسند آتا ہے کسی کو کہ کھاوے گوشت اپنے مردہ بھائی کا ؟ حالانکہ اس سے تم کو گھن آتی ہے اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ان اصول اور قوانین بین الاقوامی میں بہت سے وہ اصول ذکر کیے گئے ہیں، جن سے حقیقی امن اور رفاہ عام قائم ہوتا ہے اور ان جھوٹے پروپیگنڈوں اور ناشائستہ کارروائیوں کی جڑ کھدتی ہے جنھوں نے انسانی دنیا کو ہلاکت کے گھاٹ تک پہنچا دیا ہے. ہم نے اسلام کے اصول اور قوانین میں سے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند اصول اس مختصر وقت میں پیش کیے ہیں۔ اگر ہم جملہ امور کے پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ قرآن اور حدیث اور فقہ ان سے بھرا ہوا ہے. ہم کو ان کا استیعاب یہاں منظور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس مختصر وقت میں ہم کو اور بھی دوسرے اہم امور پیش کرنے ہیں۔ ان اصول نے صاف طور پر یہ بھی کر دیا ہے کہ کوئی امیر اور سلطان نہ مطلق العنان ہے اور نہ صرف اپنے خاندان یا کسی پارٹی کا نمائندہ ہے اور نہ کسی استبدادی آمریت کا مالک ہے، بلکہ وہ خداوند کریم کا نائب اور خلائی

قانون کو نافذ کرنے والا حاکم ہے اور اسی کے قانون کے ماتحت جوابدہ اور مسئول ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(تو کہہ اے اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہاتھ میں سب خوبی ہے تو ہر چیز پر قادر ہے)

اس پر فرض اور لازم ہے کہ تمام رعایا کی خبر گیری اور بہبودی کا خیال رکھے۔ اگر کسی قسم کی کوتاہی اس میں کرے گا تو وہ اور اس کے معاونین سب کے سب مالکِ حقیقی کے سامنے جوابدہ اور مستحق سزا ہوں گے۔ سب کے ساتھ انصاف کرے اور سب پر رحم اور شفقت کرے۔ سب کا خیال رکھے۔ کسی کی توہین اور تذلیل نہ کرے، ہاں جو شخص نظام خداوندی سے بغاوت اور سرتابی کرے اس کو بغیر تعدی اور بغیر نفسانیت کے جرم کے موافق سزا دے کر اس کی اور دوسری اصلاح کرے یہی وہ حقیقی اور کارآمد نظام ہے جو دنیائے انسانی کو تمام مذلتوں کے گڑھے سے نکالنے والا اور ہر قسم کی عزت کی چوٹیوں پر پہنچانے والا ہے اور تمام جمہور اور افرادِ انسانی کی سچی پرورش کا کفیل یہی ہے۔ اسی نظام خداوندی کو لے کر تمام انبیاء اور پیغمبر (علیہم السلام) آئے۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی (الآیۃ)

(شروع کیا تمہارے واسطے اسی دین کو جو کہہ دیا تھا نوح کو اور حکم بھیجا ہیں نے تیری طرف اور وہ جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (الخ)

مگر جب لوگوں نے اس میں نفسانی خواہشوں اور اغراض اور مظالم و تعدی کو داخل کر کے بدل ڈالا اور دنیائے انسانی کو بربادی اور ہلاکت کے گڑھوں میں دھکیل دیا تو دوسرے انبیاء بھیجے گئے خودسر اور باغی قوموں کو برباد کیا گیا اور اطاعت شعار اور ماننے والوں کو عزت اور حکومت بخشی گئی۔ عیسائیوں کے پاس بھی ایسا ہی نظام ہے انہوں نے اس کو جب تک مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ان کا بول بالا رہا اور ان کے مخالف ذلیل و خوار رہے۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اور کروں گا تیرے تابعداروں کو منکروں کے اوپر قیامت کے دن تک)

(آل عمران)

مگر جب انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تو ان سے امن و امان، عزت و رفاہیت کافور ہو کر مسلمانوں کے پاس آگئی جو کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام گذشتہ پیغمبروں کے تابعدار تھے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۔ (المائدہ رکوع ۳)

اور وہ جو کہتے ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے ان کا عہد پھر بھول گئے وہ ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی پھر ہم نے لگا دی آپس میں دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتا دے گا اللہ ان کو جو کچھ کرتے تھے۔

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي و انه لا نبي بعدي

(بنی اسرائیل میں تمام سیاسی نظام انبیاء کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک پیغمبر وفات پا جاتا تھا۔ دوسرا پیغمبر اس کی جگہ قائم مقام

وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم۔ (متفق علیہ)

ہو جاتا تھا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ میرے بعد میرے خلفاء ہوں گے اور بہت سے ہوں گے لوگوں نے پوچھا پھر ہم کو آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ فرمایا ترتیب وار ہر ایک کے عہد کو پورا کرو تم ان کے حق کو ادا کرو۔ ان سے اللہ تعالیٰ رعیت کے حقوق کا سوال کرے گا۔

پس سب سے آخر میں اسی نظامِ خداوندی کو مکمل طور پر لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے جو کہ نہایت واضح اور صاف طور پر موجود ہے اور وہی عالمِ انسانی کے لیے ہر قسم کی بہبودی کا خواہ روحانی ہو یا مادی، اخروی ہو یا دنیاوی شخصی ہو یا جماعتی، سیاسی ہو یا اقتصادی بین الاقوامی ہو یا ایک ہی قوم کا کفیل اور ضامن ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ مائدہ رکوع ۱)

(آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی)

دوسرے مذاہب اگرچہ آسمانی ہونے کے دعویدار ہیں، مگر ان میں اس قدر تحریف اور تبدیلی اور خود غرضی کے قوانین اور نفسانی چیزیں داخل ہو گئی ہیں کہ ان میں اصلی احکام کا پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بہت سی چیزیں ضائع کر دی گئی ہیں اور بہت سی ان میں داخل کر دی گئی ہیں

بہر حال آج ہم تمام دنیائے انسانی کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ امن عام اور کارآمد ترقی اور حقیقی رفاہیت اور خوش حالی چاہتے ہیں، تو صرف اسلامی

نظام میں ہی پا سکتے ہیں۔ بالشویزم یا نازی ازم یا یورپ کا نیشنلزم، ڈیموکریسی یا اور کوئی نظام جو کہ انسانی عقل و دماغ کا اختراع کیا ہوا ہے ہرگز اس کی کفالت نہیں کر سکتا نہ اس میں رب العلمین کے حقوق کی کفالت ہے نہ مخلوقات اور اقوام و افراد انسانی کے حقوق کی۔

محترم بزرگو! کوئی نظام کیسا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، جب تک اس پر مضبوطی سے عمل نہ کیا جائے اس وقت اس کے ثمرات و فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ متقدمین اُمت محمدیہ نے اس نظام کو نہایت مضبوطی سے پکڑا تو اعلیٰ درجہ کے کامیاب ہوئے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے کہ جو لوگ تم
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	میں تم سے ایمان لائے اور نیک کام
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	کیے ضرور ان کو حاکم کرے گا ملک میں
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	جیسا کہ ان سے اگلوں کو حاکم کیا تھا اور
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	جما دے گا ان کے اس دین کو جس کو
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	پسند کیا ہے اور ان کو ان کے ڈر کے
اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ	بدلے امن دے گا میری بندگی کریں
بِيْ شَيْئًا۔ (سورہ نور ع ۷)	گے اور میرا شریک کوئی نہ کریں گے۔

حسب وعدہ ان کو وہ کامیابی حاصل ہوئی جس کی نظیر دکھلانے سے تاریخ کے صفحات عاجز ہیں، مگر افسوس کہ قرون اخیرہ میں ہم اس مکمل نظام پر عمل کرنے سے قاصر رہے۔ اسی کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ فلاکتوں میں مبتلا ہو گئی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا	(یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ بدلنے والا
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى	نہیں ہے اس نعمت کو جو دی تھی اس نے
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ	کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدل دیں اپنے
(انفال ع ۸)	دلوں کی بات کو یعنی جب تک وہ اپنے

اعتقاد اور نیت نہ بدلیں اس وقت تک
اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمت نہیں چھینی
جاتی۔

اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اس نظام خداوندی کو مضبوطی سے قائم کیا جائے اور اس پر عمل درآمد ہونے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ ہر فرد بشر کو اس کی طرف بلایا جائے اور ہر مسلمان اس کا عامل ہو۔

جمعیۃ علمائے ہند کی جدوجہد آزادی

آپ کو تاریخ کے صفحات دیکھنے بالخصوص "علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ علمائے ہند نے ہمیشہ سے اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کوشش کی ہے (حالانکہ شاندار ماضی میں ان کی جدوجہد کے سمندر میں سے چند قطرے ہی دکھائے گئے ہیں) مگر وائے بدقسمتی کہ باوجود انتہائی جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے اصل مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ تب موجودہ احوال اور گردوپیش کی انتہائی مشکلات سے جو کہ داخلی اور خارجی بیحد و بے شمار ہیں ضروری معلوم ہوا کہ اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے مشترکہ جدوجہد میں حصہ لیا جائے۔ اہون البلیتین کو اختیار کرنا شرعی اصول ہے اور ہر زمانہ میں معمول بہ رہا ہے اور اگرچہ مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہونے والی آزادی نظام اسلامی نہ کہلا سکے گی۔ تاہم بہت سی مشکلات اور سخت موانع کے رفع ہوجانے سے حقیقی نصب العین کے لیے راستہ کھل جائے گا۔

جمعیۃ علماء کی ضرورت

میرے بزرگو! جب کہ مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور تمام دنیا کے لیے عموماً کوئی نظام مکمل طریقہ پر سوائے نظامِ اسلامی کے کامیابی کا منہ نہیں دکھا سکتا تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کو بالخصوص اسی نظام کی روشنی میں چلایا جائے اور ان کی اسی کے ماتحت رہنمائی کی جائے، بغیر اس کے نہ وہ خوشنودی خداوندی حاصل کرسکتے ہیں اور نہ خدا کی نعمتوں سے خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی مستفید ہوسکتے ہیں۔ وہ جس قدر بھی اس سے دور ہوں گے

اسی قدر ان کو فلاکت و ذلت کا سامنا ہوگا اور دنیا اور آخرت میں محروم ہوں گے
اسی ضرورت کی بنا پر جمعیۃ علماء قائم کی گئی، کیونکہ جماعت بجز اس جماعت اور اس کے
نظام کے مسلمان کو ان کی منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتی اور اسی بنا پر اس کا قائم رہنا
ہمیشہ کے لیے ضروری ہے اور اگر ہندوستان میں خالص مسلمانوں کی حکومت بھی قائم
ہو جائے جب بھی جمعیۃ علماء کا وجود ناگزیر اور ضروری ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کیا ہے؟

جمعیۃ علماء ہند مسلمانان ہندوستان کی وہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی
مسلمانوں کی تمام ضروریات میں شریعت کی روشنی میں کرتی ہے۔ اس کے دستور
اساسی دیکھنے والے اور اس کے اغراض و مقاصد پر مطلع ہونے والے بخوبی جانتے
ہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام ضروری خدمات کو انجام دینے والی جماعت
ہے۔ اس کے ریکارڈ سے بخوبی عیاں ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مذہبی اور ملی، اقتصادی
اور سیاسی اور جملہ دیگر امور میں ہمیشہ بر وقت رہنمائی کی اور دیگر خدمات انجام دی
ہیں (دیکھو "تذکرہ" مصنف مولانا سجاد صاحب مرحوم) مخالفین کا یہ پروپیگنڈا کہ
جمعیۃ کانگرس کی آلہ کار ہے، بالکل غلط اور افتراء اور ناقابل التفات ہے۔
اب ہم چند ضروری اور اہم چیزیں واقعات حالیہ ملکیہ کے متعلق عرض کر دینا
چاہتے ہیں۔

موجودہ جنگ کے متعلق جمعیۃ علماء کی رائے اور پالیسی

حضرات! ستمبر ۱۹۳۹ء سے قدرت جس
ہولناک تصادم کا تماشا کر رہی ہے وہ اگرچہ ہندوستان سے بہت دور تھا اور
وہ اس کے مفادات سے صرف اسی قدر متعلق تھا کہ ہندوستان کو اس کی "آزاد مرضی"
"آزاد پسند اور آزاد رائے" سے محروم رکھنے والے آقا اس تصادم میں اپنی شہنشاہیت،
اپنی سیادت و اقتدار، اپنی تجارت، اپنی قومی زندگی اور امپیریل اغراض کی بازی

لگا چکے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی طرف سے بھی جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور باوجود یہ کہ برطانوی شہنشاہیت کے تمام ملکوں کو کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے اس جنگ کے متعلق اپنے اپنے طرزِ عمل کا فیصلہ کرنے کے لیے موقع بہم پہنچایا گیا لیکن ہندوستان کو ٹھیک اس وقت اس کی آزاد مرضی اور آزادانہ انتخاب کے حق سے محروم رکھا گیا جب کہ برطانوی مدبّرین خود ہندوستان اور تمام دنیا کو یہ یقین دلانا میں معروف تھے کہ برطانوی حکومت کی ان فیاضیوں کے طفیل ہندوستانی بہت جلد مگر ایک غیر معین مدّت میں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے والے ہیں۔ جنگ کے ان اوّلین لمحات میں برطانیہ کے اس طرزِ عمل نے واضح کر دیا تھا کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے برطانوی شہنشاہیت اپنی روائتی خصوصیات کے ساتھ زندہ ہے اور ہندوستان کے قومی حق اور مطالبہ کی طرف اس کا رویّہ قطعاً غیر اطمینان بخش ہے اس تمام صورتِ حال کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند نے جنگ کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے اس مذہبی تصوّر کو بھی پیشِ نظر رکھا جو اس کی تمام سیاسی سرگرمیوں میں بنیادی اہمیت کا مالک رہا ہے۔ اسلام نے صرف خاص حالات میں اور خاص خاص شرائط کے ساتھ اجتماعی مقاصد کے لیے جنگ کی اجازت دی ہے۔ اگر کسی جدوجہد کے نتیجہ میں خدا کی ایک فرمانبردار ملّت کو دنیا کے کسی حصّہ میں خدائی احکام کے مطابق یا اس سے قریب تر کوئی اجتماعی نظام قائم کرنے کے مواقع حاصل کرنے ہوں تو اس کو اسلام کی تائید حاصل ہو سکتی ہے اور صرف اسی جدوجہد کو اسلام نے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی جنگ کا نتیجہ ایسی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے حق کی راہ میں مزید مشکلات پیدا ہو جائیں اور حق پرستوں کی پابندی اور مجبوریوں میں مزید اضافہ ہو جائے، تو اسلام کی شرعی زبان میں اس کو محض قتال فی سبیل الطاغوت ہی کہا گیا ہے۔ اس لیے جس وقت موجودہ جنگ کے سطحی مقاصد کا اعلان کیا گیا تو جمعیۃ علمائے نے مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ لیا اور اکتوبر ۱۹۳۹ء میں

ایک مفصل تجویز کے ذریعہ پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے دو ٹوک فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ اور اب تک وہ مضبوطی کے ساتھ اپنے اسی محکم فیصلے پر قائم ہے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے اس وقت تک اگرچہ حالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں، لیکن ہر جانے والی گھڑی جمعیۃ علماء کے فیصلے کے لیے یقین و اطمینان کی بنیادیں مضبوط کرتی ہوئی جاتی ہے اور ہر آنے والا لمحہ اس کی صحت و صداقت کا ایک تازہ ثبوت لے کر آتا ہے۔

ہندوستان کے مطالبہ کا جواب اور اس کی حقیقت

حضرات! چونکہ ہندوستان کے عموماً اور مسلمانوں کے خصوصاً دینی اور دنیوی مصائب کا ازالہ اور ان کے ہر قسم کے حقوق کا تحفظ، ان کی ہر قسم کی ترقی آزادی ہی پر منحصر ہے۔ اس لیے تمام جماعتوں اور افراد کا اولین نصب العین یہی ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے سوال پر برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان تقریباً ایک صدی سے کش مکش جاری ہے جو مختلف حالات اور مختلف منزلوں سے گزر کر آج ایک خاص مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔ گذشتہ ایک صدی میں ہندوستان کی طرف سے جب کبھی اپنے حقوق خود اختیاری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ برطانوی مدبرین نے اس کے جواب میں صرف ایک ہی بات کہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب کے بعد ملکہ وکٹوریہ کے اعلان میں ہندوستانیوں کے قومی حق کا اعتراف کرتے ہوئے ہندوستان کی سیاسی منزلِ مقصود کے متعلق کہا گیا تھا۔

"جو لوازم بر نسبت اپنی دوسری رعایا کے ہم پر واجب ہیں وہی لوازم بہ نسبت اپنی رعایائے ہند کے ہم اپنے ذمہ لازم بنائیں گے اور بفضل خدا وفاداری اور راستی کے ساتھ ہم لوازم مذکور کا لحاظ کرتے رہیں گے، یعنی آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، ماریشس کیپ کالونی، ساؤتھ افریقہ، نیوزی لینڈ وغیرہ کی بسنے والی انگریزی رعایا اور ہندوستان کے بسنے والی رعایا کے حقوق برابر رکھے جائیں گے اور جو مراعات

دوسروں کے ساتھ کی جائیں گی وہ ہندوستانیوں کے ساتھ بھی ضرور بالضرور کی جائیں گی۔"

نومبر ۱۸۵۸ء سے اکتوبر ۱۹۲۹ء تک برطانوی حکمرانوں، امراء، وزراء کی طرف سے اسی قسم کے اعلانات اور وعدوں کا اعادہ کیا جاتا رہا۔ ان تمام خوش آئند اور امید افزا وعدوں سے قطع نظر جو گذشتہ جنگِ عظیم سے پہلے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق کیے گئے تھے۔ خود جنگ عظیم ہی کے دوران میں برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو اعلان کیا گیا تھا کہ:۔

"حضور ملک معظم کی پالیسی جس سے حکومت ہند بالکلیہ متفق ہے۔ یہ ہے کہ ہر انتظامی شعبہ میں ہندوستان کا اضافہ ہو اور رفتہ رفتہ خود مختار جماعتوں کو اس غرض سے نشوونما کیا جائے کہ ہندوستان میں بتدریج حکومت خود اختیاری قائم ہو جائے اور وہ سلطنتِ برطانیہ کا ایک جزو اعظم بنے۔"

لیکن جنگ کے بعد برطانوی وزیر اعظم نے حکومت کے تمام پچھلے وعدوں سے گریز کرتے ہوئے ۳ راگست ۱۹۲۲ء کو دارالعوام میں اپنی تقریر کے دوران اعلان کیا کہ "اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے، تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔"

آپ نے کہا کہ:۔

"میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو گا کہ ان کا کام انگریزی عہدیداروں کی ایک تھوڑی تعداد کے بغیر چل سکے گا۔"

پھر اس کے بعد ۲۰ر جولائی ۱۹۲۸ء کو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ (RAMBAY MCDONALD) نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

" مجھے امید ہے کہ چند سال کے اندر نہیں ،بلکہ صرف چند ماہ کے اندر ہماری دولتِ مشترکہ کی اقوام میں ایک نئی نوآبادی کا اضافہ ہونے والا ہے ایک دوسری نسل کی نوآبادی کا جو دولتِ مشترکہ میں مساوی حیثیت سے حقِ نفس رکھتی ہو گی۔ میری مراد ہندوستان سے ہے"۔

پھر ۷ نومبر ۱۹۲۹ء کو مسٹر بالڈون (MR. BALDWIN) نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :۔

" کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ جب ہندوستان کو ذمہ دار حکومت مل جائے گی تو درجہ نوآبادیات کیا ہوگا۔ انتقالِ اختیارات کی یہ تاریخ قریب ہو یا بعید لیکن کسی شخص کے دماغ میں یہ تصور نہیں آ سکتا کہ خود مختار ہندوستان کا درجہ کسی طرح کمتر ہوگا۔ کوئی ہندوستانی اس خیال کو دل میں نہیں لا سکتا اور ہم بھی اس کو پسند نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کمتر درجہ سے مطمئن ہو جائے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم ہندوستان کے مشن میں ناکام رہے"۔

• لارڈ ولنگڈن (LORD, WILLINGDON) نے ۲۸ اگست ۱۹۳۳ء میں فرمایا :۔

" حکومت کی پالیسی میں ان دو حقائق سے کلی تطابق موجود ہے کہ ہندوستان کو جلد سے جلد اصلاحات جتنے بھی دیئے جا سکیں دے دیئے جائیں تاکہ اسے درجہ نوآبادیات اور دوسری نوآبادیات کے ساتھ مساوی حیثیت حاصل کرنے میں مدد ملے اور دوسرے ملکوں کی طرح اپنے قانون کا اجراء و نفاذ اور احترام کر سکے"۔

دسمبر ۱۹۳۳ء میں مدراس میں ایک دوسری تقریر کے دوران میں کہا :۔

" میرے ہر اقدام کا صرف ایک مقصد ہے۔ یعنی اطمینان آفرین اور

پُرامن فضا پیدا کرنا اور دستوری اصلاحات کے لیے آگے بڑھنا
تاکہ ہندوستان کو سلطنت کی دوسری نوآبادیات کے ساتھ مساوی
پوزیشن حاصل کرنے میں مدد ملے اور یہ کام میں ہندوستان سے تعلق پیدا
ہونے کے وقت ہی سے کر رہا ہوں۔

مسٹر چرچل (SIR, WINSTON, CHURCHILL) نے جب کہ وہ وزیر
بادیات تھے۔ ۱۹۳۱ء میں امپیریل کانفرنس میں فرمایا تھا کہ:۔

"ہندوستان اب ہمارے معاملات اور ہماری مشاورتی کونسلوں میں
برابر کے شریک اور ایک طاقت ور حصہ دار کی حیثیت سے حصہ لے
رہا ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہندوستان نے جنگ عظیم میں ہماری
کتنی زبردست امداد کی ہے اور محاذ جنگ کے ایک حصہ کو جب کہ دنیا
کے کسی گوشہ سے سپاہی لاکر اس کے پُر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا
دو شاندار ہندوستانی فوجوں نے پُر کیا اور دونوں فلانڈرس کی
سردی میں ٹھٹھر کر اور دشمن کی گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوتے قریب
قریب برباد ہوگئیں۔"

پھر مسٹر چرچل نے نوآبادیات اور ہندوستان کے نمائندوں کے سامنے تقریر
کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے :۔

"ہم پر ہندوستان کا زبردست احسان ہے اور ہم اعتماد کے ساتھ
اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب کہ ہندوستان کی حکومت
اور ہندوستان کے عوام مکمل طریقہ پر درجہ نوآبادیات حاصل کریں گے"

لیکن دس سال گزر جانے کے بعد مسٹر چرچل (SIR, WINSTON, CHURCHILL)
فرماتے ہیں:۔

"میں نے اُس وقت لفظ درجہ نوآبادیات رسمی مفہوم کے لیے استعمال کیا تھا۔"

ذرا غور فرمائیے کہ برطانیہ کے اعلیٰ مدبرین اور ذمہ دار اشخاص کی سچائی اور حق پرستی کہاں تک اور کیسی ہے۔ دارالعوام میں جوائنٹ کمیٹی کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے سرجان والرڈلا (SIR JOHN, WARDLAW) قدامت پسندوں کی ہندوستانی کمیٹی کے صدر فرماتے ہیں :۔

"کسی وزیر یا وائسرائے کا کوئی وعدہ قانونی جواز نہیں رکھتا۔ پارلیمنٹ جس چیز کی پابند ہے وہ صرف ۱۹۱۹ء کا آئین ہے۔"

برطانیہ کے چوٹی کے ذمہ دار عہدیداروں کی ہمیشہ سے یہی وعدہ خلافی کی عادت ہے جس سے وہ کبھی نہیں شرماتے چنانچہ لارڈ لٹن (LORD, LYTTON) نے ۱۰ مئی ۱۸۷۸ء میں جب کہ وہ وائسرائے تھا۔ وزیر ہند کو مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے۔

"مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ انگلستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی حکومتوں کے پاس اس وقت تک اس الزام کا کوئی جواب نہیں ہے کہ انہوں نے جو وعدے کیے ان کی خلاف ورزی کرنے کے کسی ذریعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔"

یہی وہ چیز ہے کہ جس نے یورپ میں آگ لگا دی ہے۔ چنانچہ مارک سوریزن .... جنگ ...... اور بے چینیوں کے اسباب کی تشخیص کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

"اس کی ذمہ داری انہی وعدہ خلافیوں پر عائد ہوتی ہے۔"

ہندوستان برطانوی حکومت کے اسی سامراجی مزاج کا تجربہ کر رہا تھا کہ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ کی طرف سے جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور جنگِ عظیم کے بعد دنیا پھر ایک مرتبہ آزادی پر جمہوریت اور امن کے دلفریب نعروں سے گونج اٹھی۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے برطانوی ذہن کی آزمائش کا یہ نازک ترین لمحہ تھا۔ لیکن برطانوی مدبرین نے تمام مصلحتوں اور وقت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر برطانوی ذہنیت کو اپنے اصلی رنگ و روپ میں ظاہر کر دیا اور ہندوستان کو اپنے خود اختیاری فیصلے سے محروم

رکھ کر اس کی طرف سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ ان حالات میں یہ بالکل قدرتی امر تھا۔ برطانوی پالیسی کے اس نشیب و فراز میں ہندوستان اپنی سیاسی منزل کے متعلق یقین آفرینی کا مطالبہ کرتا۔ یہ مطالبہ کیا گیا اور برطانوی مدبرین کی طرف سے اس مطالبہ کے جواب میں دور از کار بیانات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن یہ تمام بیانات ان وعدوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے جن کا تجربہ ہندوستان ۱۸۳۲ء کی لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) کی تقریر سے اگست ۱۹۳۹ء کے وائسرائے ہند تک کرتا رہا۔ مسٹر چیمبرلین (MR CHAMBERLAIN) نے برمنگھم میں تقریر کرتے ہوئے ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء کو یہ واضح کر دیا کہ:

"ہمارا مقصد جنگ یہ ہے کہ ہم یہ ضمانت حاصل کر لیں کہ یورپ کی چھوٹی قومیں آئندہ اپنی آزادی و خود مختاری کو بے جا زیادتیوں اور دھمکیوں سے بالکل محفوظ پائیں گی۔"

جہاں تک ہندوستان کی آزادی کا تعلق ہے اس طویل تقریر میں کہا گیا کہ:

"برطانوی حکومت نے ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تمہید میں اپنی جس پالیسی کا اعلان کیا تھا اور جس کے نتیجے میں ۱۹۳۵ء کا ایکٹ سامنے آیا ہے آج بھی وہی پالیسی اس کے پیش نظر ہے اس سے زیادہ برطانوی حکومت ہندوستان کے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کر سکتی۔"

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے لیے یہ جواب اطمینان بخش نہیں تھا۔ ۱۹۱۹ء کی وہ پالیسی جس کا حوالہ مسٹر چیمبرلین (MR CHAMBERLAIN) نے اپنی تقریر میں دیا ہے اور اس پالیسی کی وہ تشریح جو مسٹر لائڈ جارج (MR LLOYD GEORGE) نے ۲ اگست ۱۹۲۲ء کو دارالعوام میں کی تھی۔ ہندوستان کے پیش نظر تھی اور اس کی موجودگی میں یہ بالکل واضح تھا کہ برطانوی حکومت خواہ اس کی کتنی ہی پُرجوش خواہش رکھتی ہو کہ ہندوستان ایک نامعلوم مدت میں دولتِ مشترکہ برطانیہ کی دوسری

نوآبادیات کے مساوی درجہ حاصل کرے، لیکن وہ ہندوستانیوں کے اس حق کو آج بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ وہ اپنی قسمت کے خود مالک ہوں اور دنیا کی دوسری قوموں کی طرح انہیں بھی خود اختیاری فیصلے کا حق حاصل ہو۔

بہرحال مسٹر چیمبرلین (MR, CHAMBERLAIN) کی اس تقریر کے بعد برطانوی مدبرین کے بہت سے بیانات سامنے آئے، لیکن بنیادی طور پر وہ اس پالیسی پر مبنی تھے۔ جس کا اعلان مسٹر چیمبرلین (MR, CHAMBERLAIN) نے اپنی تقریر میں کیا تھا۔ اس لیے ہندوستان کی تمام ذمہ دار جماعتوں نے برطانیہ کے اس مایوسانہ طرزِ عمل کے بعد اپنے لیے ایک راہ متعین کر لی اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں کی وزارتیں مستعفی ہو گئیں، بلکہ ہندوستان کی بعض ذمہ دار جماعتوں کی طرف سے مشترکہ قومی مطالبات کے لیے تحریک شروع کر دی گئی۔

اٹلانٹک کا نوشتہ

اس آئینی جمود سے ہندوستان میں خود ہندوستان اور برطانیہ کے مفادات کے لیے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی وہ برطانیہ کے لیے خوش آئند نہ تھی۔ اس لیے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ برطانوی مدبرین زندگی کے اس نازک مرحلہ پر اپنے ارادوں میں صداقت اور اپنی نیتوں میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی قسم کی فضا میں "اٹلانٹک چارٹر" دنیا کے سامنے آیا جس کو کمزور اور پامال قوموں کے لیے زندگی اور آزادی کے ایک دلفریب پیغام کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔

ہندوستان کی مردہ امیدوں میں پھر زندگی کی ایک لہر پیدا ہوئی اور یہ خیال کیا گیا کہ جنگ کے بعد دنیا میں زندگی، آزادی اور جمہوریت کا جو نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ ہندوستان بھی اس نظام میں اپنا باعزت مقام حاصل کرے گا، لیکن ستمبر ۱۹۴۲ء کے آغاز میں دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے واضح کر دیا کہ صدر جمہوریہ

امریکہ اور برطانوی وزیرِ اعظم کے اس چارٹر سے ہندوستان کو یہ توقع وابستہ نہ کرنی چاہیے کہ اسے بھی آزادی اور جمہوریت کی ان نعمتوں سے استفادہ کا کوئی موقع میسر آسکے گا جو جنگ کے بعد یورپ کی چھوٹی اور ناقابلِ اعتبار قوموں کے لیے عام ہوں گی۔ ان ملکوں پر اس نوشتہ کا کوئی اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ جو برطانوی حکومت کے سامنے جواب دہ ہیں اور ہندوستان کو اسی قسم کے ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا نوشتہ تقدیر جنگ کے بعد بھی برطانیہ کے ہی ہاتھوں میں رہے گا۔ ابھی ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو دارالعوام میں بحث کرتے ہوئے مسٹر میکگورن (MR, MCGOVERN) نے اٹلانٹک چارٹر کے متعلق کہا تھا:۔

"یہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا دھوکہ ہے اس چارٹر کی رو سے ان قوموں کو آزادی دلائی جائے گی جنہیں ہٹلر (RDOLF, HITLER) نے مغلوب کیا ہے۔"

ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے مقرر مذکور نے کہا کہ :۔

"مسٹر چرچل (SIR WINSTON, CHURCHILL) یہ فرما چکے ہیں کہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کو درجہ نوآبادی یا ذمہ دار حکومت نہیں دی جائے گی۔ یہ سوال ایسا ہے کہ اس پر غور کیا جانا چاہیے۔"

آزادی کی جدوجہد

محترم بزرگو! یہی مایوس کن صورتِ حال ہے جس سے آج ہم گزر رہے ہیں۔ تباہیوں اور بربادیوں کا ایک خوفناک سیلاب ہے جو دبے پاؤں مشرق و مغرب سے ہندوستان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ دوسری طرف برطانوی حکومت کا وہ یاس انگیز طرزِ عمل ہے جس نے ہندوستان کے احساس میں مزید تلخیاں پیدا کر دی ہیں، لیکن ان مایوس کن حالات میں بھی ہم اپنی تمام مجبوریوں اور لاچاریوں کے باوجود اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھانے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر تاریخ کے اس نازک ترین دور میں برطانوی شہنشاہیت کا مقام ناقابلِ

تبدیل ہے اگر مصیبت و ابتلا کی اس کٹھن گھڑی میں بھی برطانوی مدبرین کی اس تاریک ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی، تو برطانیہ اور تمام دنیا کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ہم اس کی اور اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اپنی آزادی و خودمختاری کے نصب العین کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ہم اس جابرانہ تصور کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرتے ہیں۔ جو ہمارے نصب العین سے متصادم ہے اور زندگی کی ہر اس فرصت میں جس میں ہمارے لیے اپنی منزل کی طرف سفر کرنا ناممکن ہے ہم اپنے نصب العین کی طرف قدم بڑھاتے رہیں گے۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی میرے بزرگو! میں اس موقع پر اس تازہ صورت حال کی طرف بھی آپ حضرات کی توجہ منعطف کرانا ضروری سمجھتا ہوں جو سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بعد سے ملک میں پیدا ہو چکی ہے حالات کی موجودہ سنجیدگی کے پیش نظر اس وقت آئینی طبقہ میں یہ ایک عام رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ موجودہ کش مکش کو وقتی طور پر ختم کر دیا جائے اور ہندوستان کے مستقبل کے متعلق برطانیہ کے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے اس وقت جو کچھ بھی اس کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے اس کو قبول کرنے پر اکتفا کی جائے۔ پارلیمنٹری گروپ کے اسی احساس سے متاثر ہو کر حکومت نے سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے یہ توقع قائم کی ہے کہ وہ ہندوستان کے مطالبات کی طرف کوئی حوصلہ افزا اقدام کیے بغیر اپنے موجودہ رویّہ کے لیے ہندوستانی رائے عامہ کی تائید حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن وقت کی تمام نزاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں تک ہندوستانی عوام کے جذبات کا تعلق ہے۔ یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اگر حالات کی ان تاریکیوں میں جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ہم زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے سفر کو جاری نہیں رکھ سکتے، تاہم جو قدم منزل کی طرف بڑھایا جا چکا ہے اُسے بھی واپس نہیں لیا جا سکتا۔ آزادی کی موجودہ جدوجہد میں آج

ہم جس نازک اور اہم مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ وہاں سے ایک قدم ہٹانا بھی ہمارے لیے ناممکن ہے، اگر ہم نے اپنی راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنے کی کوشش کی، تو ہم ناکامیوں کے ایک عمیق غار میں گر جائیں گے اور آزادی کی وہ منزل جو اس وقت ہمارے سامنے ہے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حکومت نے قیدیوں کی رہائی میں جو امتیازی سلوک روا رکھا ہے وہ بھی ایک ناقابلِ برداشت طرزِ عمل ہے اور باشندگانِ ہند کی وطنی وملّی محبت وہمدردی اور غیرت وحمیت کو کھلا چیلنج ہے، کیا یہ کھلا ہوا ظلم نہیں ہے کہ حکومت نے بہت سے شریف ومظلوم ہندوستانیوں کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی آڑ میں نظر بند کیا ہوا ہے اور ان کو جرم کو ظاہر کیے اور کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر ان کو قید وبند کی مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ہندوستانیوں کا فرقہ وارانہ اختلاف

مدبرینِ برطانیہ ہندوستانیوں کے آپس کے اختلافات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ذکر فرما رہے ہیں اور اسی بنا پر اپنے ایفائے وعدۂ آزادی اور اجراءِ لوازمِ جمہوریت سے معذوری کو ہر خاص و عام کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اختلاف برطانیہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ برطانیہ کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ہندو اور مسلمان آپس میں نہ جھگڑتے تھے نہ ان میں منافرت تھی، بلکہ شاہانِ مغلیہ کی اتحادی پالیسیوں نے ہر طرح آپس میں تعلق وارتباط پیدا کر دیا تھا اور یہی تربیتِ اسلامی چلی آتی تھی۔ جیسا کہ ہم نے اسلامی اصول پہلے ذکر کیے ہیں، شہنشاہ بابر نے اپنی وفات کے وقت شہزادہ ہمایوں کو خفیہ وصیت کی تھی جس کی فارسی عبارت کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے۔ الحمدللہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام

تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ الطاف شاہانہ ہی سے مرہون منت ہوتی ہے جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں۔ عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ اور سُنّی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتفاق و اتحاد کا مالک تھا اپنی نظر کے سامنے رکھو۔ تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔"

(روزنامہ خلافت جلد ۵ نمبر ۱۶۰ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۲۶ء از پرنسپل راجہ رام کالج ڈاکٹر مال کرشن)

شہنشاہ اورنگ زیب مرحوم نے مندرجہ ذیل مکتوب ابوالحسن حاکم بنارس کو ۲۵ جمادی الاوّل ۱۰۶۵ھ میں لکھا تھا۔

"ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے۔ ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے۔ ان کو ان کے حقوق سے

محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی شخص ہندوؤں
اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور نہ ان پر کسی قسم کا
ظلم کرے۔"

(روزنامہ خلافت)

کپتان الگزنڈر ہملٹن (ALEXANDER, HAMILTON) اپنے سفرنامہ میں
جلد اصفحہ ۱۲۷/۱۲۸ میں دوبارہ شہر ٹھٹھہ ملک سندھ لکھتا ہے:۔

"ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں
تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی
جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں
جیسے کہ اگلے زمانہ میں کرتے تھے جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی
تھی وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں، لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں
ہے کہ شوہروں کے مردوں کے ساتھ ستی ہوں۔"

دوسری جگہ صفحہ ۱۵۹ جلد اول میں لکھتا ہے:۔

"پارسی بھی ہیں اور وہ اپنے رسوم مذہب زردشت کے بموجب ادا
کرتے ہیں عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے
مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض مرتبہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے
ہیں جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں۔ ان کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں
سے بدتر ہوتے ہیں۔"

جلد اصفحہ ۱۶۲ میں لکھتا ہے (دوبارہ شہر سورت)

"اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، لیکن ان میں
کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات و طریقہ عبادت کے متعلق
نہیں ہوتے ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے

اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلاف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے"۔

یہ مصنف کپتان الگزنڈر ہملٹن (ALEXANDER HAMILTON.)
اورنگ زیب مرحوم کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور پچیس برس ہندوستان میں رہا تھا اس نے اپنا سفرنامہ دو جلدوں میں لکھا ہے، وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم نہیں تھا۔ ڈبلیو ایم ٹارانس (W.M.TORRENS) اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں لکھتا ہے :۔

سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے، لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخل ہونا شروع کیا۔ اس وقت اس کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریباً سب حصوں میں مخلوق کو تباہ کر رکھا جاتا ہے۔ جب کہ آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی جاگیر کا حق دار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا۔ جب سویڈن میں سوائے لوتھر (MARTIN LUTHER) کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی ملازم نہیں ہو سکتا ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے"۔

محترم بزرگو! ہندوستانیوں کے اندر انگریزی راج سے پہلے نہ یہ فرقہ وارانہ منافرت تھی نہ آپس میں عداوت اور خونریزی ہوتی تھی باوجود اختلافات عقائد واعمال و مذاہب سب شیر و شکر ہو کر محبت اور ہمدردی کے ساتھ گزر بسر کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی شادی اور غمی میں شریک ہوتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی امداد کرتا تھا حکومت کے صیغوں میں کوئی مذہبی امتیاز نہ تھا۔ جہانگیر کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ

راجہ بکرماجیت تھا جو کہ پچاس ہزار توپچیوں کا افسر تھا اور تین ہزار توپیں اس کے زیر کمان تھیں۔ یہ راجہ بکرماجیت کھتری تھا اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا فیل خانہ کے داروغہ مشرقی سے خدمت دیوانی اور مرتبہ امرائی کو پہنچا تھا فن سپہ گری اور تدابیر جنگ کو خوب جانتا تھا (ترجمہ تزک جہانگیری صفحہ ۲۱)

اسی طرح مرہٹوں کا توپ خانہ مسلمانوں کے زیر کمان تھا حالانکہ احمد شاہ ابدالی سے لڑائی ہو رہی تھی، احمد شاہ ابدالی کو اپنے یہاں بلایا تو انھوں نے جواب دیا کہ نمک خلالی کے خلاف ہے۔

شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ہندوؤں کے اعلیٰ عہدوں کی فہرست حسب ذیل ہے

نام عہدہ	اکبر مرحوم	جہانگیر مرحوم	شاہجہان مرحوم	اورنگ زیب مرحوم
ہفت ہزاری		•	•	۲
شش ہزاری	. .	-	-	۲
پنج ہزاری	معلوم نہیں	معلوم نہیں	معلوم نہیں	۵
چار ہزاری	"	"	"	۵
ساڑھے تین ہزاری	"	"	"	۴
تین ہزاری	"	"	"	۱۳
ڈھائی ہزاری	"	"	"	۵
دو ہزاری	"	"	"	۱۶
ڈیڑھ ہزاری	"	"	"	۲۷
ایک ہزاری	"	"	"	۱۵

(کتاب اورنگ زیب اور اس کا عہد مولفہ ظہیر الدین فاروقی بی اے علیگ بیرسٹر ایٹ لار) سر سی پی رائے صدر بنگال مسلم فیڈریشن کانفرنس فرماتے ہیں۔

"اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور بڑے بڑے جاگیردار بنا دیئے گئے اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ وائسرائے بنایا۔ یہاں تک کہ اس نے خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب دارالسلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا۔ (روشن مستقبل صفحہ ۲۸)

یہ حال اس بادشاہ کا ہے جس کو یورپین پروپیگنڈے میں نہایت متعصب مذہبی اور تنگدل دکھلایا گیا ہے اور جس کے ذریعہ سے ہندوستانی نوجوانوں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی جاتی ہے اور یہ واقعات اس زمانہ کے ہیں۔ جب کہ اسلامی اقتدار کا آفتاب انتہائی عروج پر تھا۔

"شیر شاہ سوری مرحوم کے بیٹے عادل شاہ نے جب کہ ہاتھی پر سوار ایک ہندو عورت کو جو کہ اپنے کھلے ہوئے احاطہ میں نہا رہی تھی دیکھ کر پان کا بیڑہ پھینکا تھا۔ بادشاہ مذکور نے خبر ہونے پر حکم دیا کہ عادل شاہ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے۔ اس کی بیوی ننگی کی جائے اور اس ہندو عورت کا خاوند اس کو دیکھ کر پان کا بیڑا پھینکے۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۲۹ و ۳۰)

شہنشاہ جہانگیر اور اس کی محبوبہ نورجہاں کا قصہ جب کہ اس نے ایک ہندو مرد کو جو کہ بے خبری میں پردہ کی جگہ پر گھس آیا تھا۔ ریوالور سے قتل کر دیا تھا مشہور و معروف ہے۔ شہنشاہ نے نورجہاں کی مشکیں بندھوا کر قتل کا حکم بطور قصاص دے دیا تھا جس کو مولانا شبلی مرحوم نے واضح طور پر نقل کیا ہے۔

(روشن مستقبل صفحہ ۳۰)

یہ اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت سے تمام مختلف المذاہب رعایا کے باہمی تعلقات نہایت

خوشگوار تھے اور حکومت کا سلوک بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس قدر رواداراتہ تھا کہ بعض واقعات میں شرعی معیار سے بھی متجاوز ہو جاتا تھا۔ ہمارا مقصود تاریخی واقعات سے اس وقت کی انتہائی رواداری دکھلانا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ مختلف المذاہب رعایا کی باہمی تلخی اور روزانہ فسادات انگریزی حکومت کے ہی ثمرات ہیں۔

سر جان مینارڈ (SIR JOHN MAYNARD) لکھتا ہے :۔

" ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی"

(روشن مستقبل از ان ہیپی انڈیا)

(لاجپت رائے صفحہ ۲۶۶)

سر جان میلکم (SIR JOHN MALCLOM) کہتا ہے :۔

" اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہ کر سکے گی۔

(کمپنی کے عہد کی تاریخ تعلیم انگریزی از میجر باسو صفحہ ۱۸۷)

سر جان مینارڈ (SIR JOHN MAYNARD) لکھتا ہے (لندن کے اخبار موسومہ معاملات خارجیہ میں) یہ شخص پنجاب اگزیکٹو کونسل کا سینئر ممبر تھا۔

" ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے جس کا ایک نمونہ ہندو مسلم عناد ہے اور یہ واقعہ ہے کہ یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی نہ برقرار رہ سکتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ برطانیہ سے پہلے بھی ظالم سلاطین گذر چکے ہیں۔ جنہوں نے کبھی غیر

مسلمین پر جزیہ لگایا اور کبھی گائے ذبح کرنے پر مجنونانہ جوش میں سزائیں دیں، لیکن یہ واقعات گاہے گاہے پیش آتے تھے۔ بنجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا۔"

(ان ہیپی انڈیا لاجپت رائے صفحہ ۴۰۸)

ح خ صفحہ (۵۲)

لارڈ الفنسٹن (LORD, ELPHINSTONE) گورنر بمبئی ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء میں لکھتا ہے:-

"نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیے۔"

اسی اصول کو میجر جرنیل سمتھ کے سی بی (SMITH K-C-B) لکھتا ہے جس کو پراسپرس برٹش انڈیا (PROSPEROUS, BRITISH INDIA) میں ڈگبی ——— (WILLIAM, DIGBY) نے نقل کیا ہے اور اسی اصول کی تلقین کارٹیکس ۱۸۲۸ء میں کرتا ہے۔

مسٹر چرچل (SIR, WINSTON, CHURCHILL) اپنی تقریر مورخہ ۸ جون ۱۹۳۱ء میں فرماتے ہیں۔

"وزیر اعظم نے طے کر لیا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ فیصلہ دیں گے۔ میرے نزدیک اس میں سخت خطرہ ہے۔ اگر انہوں نے جملہ جماعتوں کے خوش کرنے کی کوشش کی تو وہ کسی کو بھی خوش نہ کر سکیں گے۔ اہل روم کا اصول تھا کہ نفاق ڈال کر حکومت کرو، لیکن ہم نے بالاتفاق طے کر لیا ہے کہ یہ اصول نامناسب ہے مگر اسی کے ساتھ اس اصول کو بھی اختیار نہ کرنا چاہیے جو اس کے برعکس ہو اور وہ یہ ہے کہ رعایا کو متحد کر دیا جائے جس کا نتیجہ سلطنت سے دست کشی ہوگا۔ دراصل یہ ایک بڑا خطرہ ہے اور

اندیشہ ہے کہ ہم اس بڑی غلطی میں نہ پڑ جائیں"۔

اخبار لیڈر ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء

حضرات! مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف طور پر واضح ہے کہ ہندوستان بادشاہوں اور راجاؤں کے زمانہ میں افتراقات اور عام خانہ جنگی سے بالکل پاک صاف تھا اور ان میں آپس میں اعتماد اور اتحاد و یگانگت کا دور دورہ تھا اور اسی کی بناء پر قدیمی حکومتیں مستحکم اور استوار تھیں۔ مگر مدبرین برطانیہ نے انسانیت سوز اصول اختیار کیا اور افتراق و شقاق کی آگ اس ملک میں اپنے استحکام کے لیے سلگائی اور اس کے لیے گائے، باجا، تفرقہ انگیز پراپیگنڈا، مذمتوں سے بھری ہوئی کتب ہائے تاریخ، سیاسی افتراقات فرقہ وارانہ انتخاب وغیرہ پھیلائے گئے اور آج یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ ہندوستانی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ان میں فرقہ وارانہ اختلافات ہیں یہ آپس میں متحد نہیں ہیں۔ ان کا نظریہ ایک نہیں ہے۔ اس لیے ہم اپنا قدیمی وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کو خود مسٹر چرچل (SIR WINSTON, CHURCHILL) کے بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ ہندوستانیوں کے متحد ہونے کو اپنی حکومت کے زوال کا باعث سمجھ کر ان کے مطلوبہ اتحاد کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ اس قسم کے جھگڑے اور اصول پیدا کیے جاتے ہیں جن سے اختلاف کی خلیج روز افزوں ہوتی جائے۔ فرقہ وارانہ انتخاب قائم کرنا اسی کا ایک کرشمہ ہے جب بھی کوئی آواز اتحاد کی اٹھائی جاتی ہے یا سیاسی مطالبات میں سرگرمی دکھائی جاتی ہے، تو ان اختلافات کے نئے نئے واقعات بکثرت پیدا کر لیے جاتے ہیں۔ یہ مدبرین برطانیہ ہی کی کارروائی نہیں ہے جس کی وجہ سے عام ہندوستانی اور بالخصوص مسلم عوام انتہائی مصائب میں برباد ہو رہے ہیں۔

برطانیہ کے چوٹی کے عہدہ دار ادھر تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو متحد ہونا چاہیے اور بڑے زور سے اس کی ترغیب اور خواہش ظاہر کی جاتی ہے اور بار بار اتحاد کے وعظ سنائے جاتے ہیں اور دوسری قوموں کے سامنے ہندوستانیوں کو بوم اور اپنے

آپ کو معصوم بتایا جاتا ہے اور ہندوستانی حقوق جمہوریت کے نزدیک اپنی معذوری ظاہر کی جاتی ہے اور اُدھر حالت یہ ہے کہ ڈیوایڈ اینڈ رول کو اپنی استحکام حکومت کا ذریعہ اور نفاق ڈال کر حکومت کرنا اصل اصول قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوستانی اتحاد کی انتہائی مخالفت کی جاتی ہے۔ برطانوی ملاء اعلیٰ سے ملاء سافل کو ہندوستان میں احکام (ایسی حالت میں تفرقہ اندازی کے پہنچنے ضروری ہیں اور اگر نہ بھی پہنچیں جب بھی اس قدر روشنی ان کو تفرقہ کی جدوجہد کے لیے کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ ہندوستان میں تفرقہ اور اختلاف فرقہ ورانہ ہے اس کا تمام یا اکثر حصہ برطانیہ ہی کی عنایتوں اور ریشہ دوانیوں سے پیدا ہوا ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو
ہندوستانیوں کے سر اس کو تھوپنا سراسر بے ڈہی اور ظلم ہے۔

جداگانہ انتخاب اس مختصر وقت میں اس طویل الذیل مسئلہ پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں ہے تاہم میں بالاجمال اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ مفکرین ملت کے پورے غور و توجہ کا مستحق ہے۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری نے اپنے رسائل اور اخباری بیانات میں جامع تقریر پر مو ثر و مبسوط بحث کی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ مسلمانوں کے ایک ذی بصیرت اور ماہر سیاست طبقہ کی رائے میں جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے لیے زیادہ مضر ہے اور یہ تو یقینی ہے کہ اس کی موجودگی میں مختلف فرقوں کے درمیان آشتی اور سیاسی اور معاشرتی یگانگت اور اتفاق پیدا ہونا ناممکن ہے جو ہندوستان جیسے ملک کے لیے ناگزیر ہے جمعیتہ علمائے ہند نے اس پر متعدد مجالس میں غور و بحث کر کے یہ سمجھا ہے کہ جمہوری اور نیابتی طرز حکومت کی صورت میں مخلوط انتخاب ہی پبلک کے درمیان رابطہ مودت و اتحاد قائم رکھ سکتا ہے اور جداگانہ انتخاب ہمیشہ ہمیشہ باہمی اختلاف اور کش مکش بلکہ فتنہ و فساد پیدا کرنے کے سوا کسی مفید نتیجے پر نہیں پہنچا سکتا۔ جمعیتہ علماء نے اپنے سہارن پور والے فارمولا میں مسلم حقوق کی حفاظت کے تمام ذرائع اور شرائط محفوظ

کرتے ہوئے مخلوط انتخاب قبول کرنے کی تجویز اسی نظریہ کے ماتحت رکھی تھی۔
تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت یا کوئی غیر مسلم طاقت مسلمانوں کو مخلوط انتخاب قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی اور جبراً مخلوط انتخاب جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی صورت تو یہی ہے کہ مسلمان ٹھنڈے دل سے خود مسئلہ پر غور کریں اور مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے منافع اور مضار کا مقابلہ کر کے دیکھیں اور ان کی معتمد جماعتیں باہم تبادلہ خیالات کر کے اجتماعی طور پر فیصلہ کریں کہ ان کے لیے اب بھی اور آئندہ آئین میں بھی ان دونوں میں سے کون سا طریقہ انتخاب بہتر اور مفید ہے اور جو طریقہ مفید قرار پائے اس کو اپنے اتفاق یا اکثریت سے منظور کرنے کا اعلان کر دیں۔

مسلمان اور آئندہ آئین حکومت

ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں برطانیہ کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں میں داخل کر کے ان کے متعلقہ مسائل کو اقلیتوں کے مسائل سے وابستہ کر دیا ہے۔ برطانوی سیاسیین اور مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملات میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر ہندوستان کی غیر مسلم قومیں بھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے متعلقہ مسائل کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہیں جو اقلیتوں کے مسائل کے ساتھ کرنے والی ہیں، یہ خیال انگریزوں اور غیر مسلموں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اس وجہ سے وہ تمام اندیشے اور دوسرے اور خطرات ان کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں، لیکن یہ بھی

یقینی ہے کہ بجائے خود ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے خطے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے نیز ہندوستان کی تعمیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ان کی تعداد نو اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں جغرافیائی حیثیت سے انہیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں اور اگر صوبوں کی از سرِ نو تحدید اور توسیع کی جائے تو وہ تیرہ مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کر لیں گے۔ ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دے کر دیگر اقلیتوں میں انہیں شامل کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑا اور کیا فریب دنیا کو دیا جا سکتا ہے اور اگر مسلمان ابھی تک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی بغیر برطانیہ کی سرپرستی کے قائم نہیں رہ سکتی تو مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ المناک کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مسلمان ہندوستان میں اپنی پوری مذہبی آزادی اور پوری تہذیب اور ثقافت کے ساتھ زندہ رہیں گے اور کسی غیر کی غلامی قبول کرنے سے وہ عزت کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔

هُمَا خُطَّتَا اِمَّا اَسَارٌ وَ ذِلَّةٌ ‌ ‌ ‌ وَ اِمَّا دَمٌ وَالقَتلُ بِالحُرِّ اَجدَرُ

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی مقام

آئندہ آزاد ہندوستان میں برطانیہ نے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لیے کون سا سیاسی مقام تجویز کیا ہے۔ میں اس وقت اس بحث کو چھیڑ کر تلخیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن خود ہندوستان کے سیاسی مفکرین کے سیاسی تصورات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین حکومت کی تشکیل اس طریق پر کرنا چاہتا ہے کہ فرقہ وارانہ اکثریت کی ایسی

مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو کہ مسلمانوں کو تمام ہندوستان میں ایک اقلیت کی جگہ ملے اور ان کی زندگی اور بقا تمام تر ایک طاقتور اور ناقابلِ تسخیر اکثریت کی مرضی سے وابستہ ہو لیکن یہ تصور محض ایک پریشان کن خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ یہ تصور اندھی سیاست ہونے کے علاوہ صائب الرائے مفکرین کے نزدیک ناقابلِ عمل بھی ہے اس تصور کو جس قدر جلد دماغوں سے محو کر دیا جائے اسی قدر ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لیے بہتر اور ہندوستانیوں کے لیے مفید ہوگا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو پہلے گروہ کے تصور اور اس کے عواقب و نتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لیے صرف یہ راستہ تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اپنے جداگانہ سیاسی منطقہ بنا کر براہِ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے۔ اس گروہ نے اپنے تقسیمِ ہند کے مطالبہ کو نہایت بلند آہنگی اور شدت کے ساتھ منظر پر لانا شروع کر دیا ہے لیکن اس کے کسی پہلو پر ہلکی سی روشنی بھی نہیں ڈالی ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمانوں کی آبادی ان کے مذہبی مقدس شعائر، مساجد، مزارات، علمی ادارے اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیمِ ہند کی صورت میں ان کا حشر کیا ہوگا اس پر مجوزین تقسیم بالکل خاموش ہیں اس لیے جب تک یہ نظریہ پوری تفصیل کے ساتھ روشنی میں نہ آئے اس وقت تک اس پر کوئی بحث بے سود اور بے نتیجہ ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزہ تقسیم کے نزدیک بھی اسلامی منطقہ میں قائم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی بھی اسلامی اور الٰہی حکومت کا دستور نہ ہوگا۔ اس کی بنیاد بھی یورپین طرزِ حکومت پر ہوگی اور اپنے تحفظ کے اطمینان ہو جانے پر اسے قبول کرنے میں وہی اصول البلیتین اختیار کرنے کا اصول برتنا ہوگا۔ نیز اس نظریہ کے ماتحت ہندو منطقے اور مسلم منطقے قائم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں

مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۴۰ فی صدی اور اکثری طور پر ۲۰ یا پانچ فی صدی ہوگی بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فی صدی تک ہوگی مسلم حکومت کے لیے وبالِ جان ہوں گے۔

پس مسلم منطقے ہند و منطقوں کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور اور ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کرکے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب موثر اقلیتیں ان کے لیے وبالِ جان ہوں حاصل کرکے کون سی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکیں گے کیا یہ غضب کچھ کم ہے کہ مسلم اقلیتوں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جو کام کیا گیا ہو وہ ایسے طرز پر کیا جائے کہ انہیں غریب بے کس مسلمانوں کی ساڑھے تین کروڑ کی تعداد ہلاک و برباد کر دی جائے اور اپنی اکثریت بھی شدید خطرات میں مبتلا ہو جائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کو وفاقی لامرکزی اصول پر مرتب کرنا ہندوستان کے لیے اور اس کے تمام صوبوں اور قوموں کے لیے مفید اور قابلِ عمل سمجھتا ہے۔ وفاق میں شامل ہونے والی حکومتیں اپنی اپنی جگہ کلیتہً آزاد اور خود مختار ہوں گی۔ مرکزی حکومت ان کی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی۔ مرکز کو صرف وہ اختیارات ملیں گے جو وفاق کے اجزا اس کو اتفاق رائے سے سپرد کریں گے اور غیر مصرحہ اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل رہیں گے۔ ہر حکومت میں اقلیتوں کے تہذیبی سیاسی، مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی صوابدید کے موافق تحفظات دیے جائیں گے۔ اکثریت اپنے حقوق اکثریت سے مستفید ہوگی اور اقلیتیں امن و امان کی زندگی بسر کریں گے۔ غیر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیت کو کسی تکلیف اور بے انصافی کا خوف نہ ہوگا۔ ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور مقدس شعائر بجائے خود محفوظ ہو جائیں گے اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیتیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں گی اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی

نہ کی جائے گی اور ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور شعائر محفوظ ہو جائیں گے
ہندوستان کے ذی بصیرت اصحاب رائے اس تجویز کو موجودہ ماحول میں قابل عمل اور
ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں۔ آزاد مسلم کانفرنس
منعقدہ دہلی کی تجویز اس رائے کی آئینہ دار ہے جس کا اجمال خاکہ یہ ہے کہ ہندوستان
کے آئندہ دستور اساسی میں مندرجہ ذیل اصول کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۔ مسلمانوں کے شخصی قانون (پرسنل لا) اور ان کے مذہب اور تہذیب کی حفاظت
۲۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور ان کی حفاظت
۳۔ آئندہ حکومت کی ایسی تشکیل جس میں صوبہ دار کامل خود مختاری کے ساتھ لامرکزیت کے اصول پر وفاق کے لیے ناگزیر وفاقی امور کی تشریح۔
۴۔ مسلمانوں کے اقتصادی معاشرتی تمدنی حقوق اور ملازمتوں میں تناسب کی تفصیل اور ان کے لیے تحفظات۔

جمیعۃ علمائے ہند اور آزاد مذہبی طاقت

حضرات! ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان میں قومی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے ایک باعزت مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں جمیعۃ علمائے ہند کا اولین مقصد مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت ہے اس لیے جس طرح وہ آزاد ہندوستان کے آئین حکومت میں کسی ایسی چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جو مسلمانوں کی داجبی سیاسی اہمیت پر اثر انداز ہو اسی طرح وہ کوئی ایسا اصول بھی تسلیم نہیں کر سکتی، جو مسلمانوں کی مذہبی تمدنی اور لسانی آزادی اور ترقی کے لیے سد راہ ہو سکتا ہے تعمیر اس کا واحد نصب العین ہے اور اس کے لیے جن تدریجی اور ارتقائی منزلوں سے گزرنا ضروری ہے جمیعۃ علمائے ہند ان کو بالکل قدرتی سمجھتی ہے۔ وہ ان ارتقائی منزلوں سے گزرتے ہوئے پوری احتیاط کے ساتھ اپنے اس مقصد کو پیش نظر

رکھتی ہے کہ آنے والے حالات میں مسلمانوں کی شرعی تنظیم اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی معاشرتی اصلاح و تعمیر کے لیے صحیح مقام حاصل کیا جائے۔

نظارت امورِ شرعیہ

مستقبل کے ہندوستان میں خواہ کسی قسم کا نظامِ حکومت قائم کیا جائے، مسلمانوں کی عام شرعی، معاشرتی اقتصادی اور مجلسی اصلاح کے لیے جمعیۃ علمائے ہند یہ ضروری خیال کرتی ہے کہ مسلمانوں کے اس قسم کے معاملات کی نگرانی کے لیے ایک نظارت شرعیہ قائم کی جائے جس کا نظام اسلامی شریعت کے مطابق ہو اور اس کے لیے یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی مجلسی اور اقتصادی اصلاح و ترقی کے لیے قوانین بنا سکے۔ نظارتِ شرعیہ کے نظام کو آئینِ حکومت میں ایسی جگہ ملنی چاہیے کہ وہ مشترکہ حکومت کی مداخلت سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے پروگرام کی تنفیذ کے لیے آئینی طاقت رکھتی ہو۔

مذہبی رہنمائی کی ضرورت

حضرات! یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی عملی زندگی روز بروز اسلامی روح اور اسلامی تصور سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان کے فکر و عمل کی بنیادیں غیر اسلامی نظریات و افکار پر قائم ہیں ان کی اجتماعی اور شخصی زندگی میں اس وقت جو عوامل کام کر رہے ہیں ان کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور اس طرح ہم مسلمان بجائے خود اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بنے ہوئے ہیں میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام اور اس کی روح سے یہ بے نیازی ہی مسلمانوں کی تمام اجتماعی اور انفرادی مشکلات کا واحد سبب ہے اور جب تک ہم اپنے آپ کو اسلام کے دامن سے وابستہ نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری مشکلات کا یہ تاریک دور ختم نہیں ہو سکے گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

لا یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها۔
اس لیے جب تک ہم اپنی بقا اور زندگی کے طلب گار ہیں اس وقت تک کسی ایسی جماعت کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے جو اسلامی روح اور اس کی تعلیمات کے مطابق ہماری رہنمائی کا فرض ادا کرتی رہے۔

جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے یوم تاسیس سے آج تک مسلمانوں کی دفاعی اور تعمیری سرگرمیوں میں اسی اصول کو مشعلِ راہ بنایا ہے۔ زندگی کے تمام مسائل میں اسلامی تصور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اور جب کبھی ایسے حالات پیش آئے ہیں جو مسلمانوں کی شرعی اور اسلامی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ جمعیۃ علماء نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ ان کے دفاع اور مزاحمت کا فرض انجام دیا ہے اس لیے مسلمانوں کی یہ ایک اہم مذہبی اور سیاسی ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء کے نظام کو زیادہ سے زیادہ وسعت دے کر ایک ایسی جماعت کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ایک باعزت مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے، بلکہ مذہبی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے کوشاں ہے۔

جمعیۃ علماء کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لیے میں اس جگہ سے پنجاب اور مسلم اکثریت کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ ان صوبوں کی بہ نسبت جن میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے کم ہیں۔ اکثریت کے صوبوں میں جمعیۃ کے نظام کو پھیلانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ان صوبوں میں مسلمانوں کے لیے دفاع اور تعمیر کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور وہ معمولی جدوجہد کے ساتھ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے متصادم حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں، بلکہ تعمیری طور پر ان کے لیے ایک پروگرام کو لے کر چلنا بھی زیادہ آسان ہے۔

مسلمانوں کے اختلافات

حضرات! مسلمانوں کے اندرونی اختلافات اس وقت جو نوعیت اختیار کر چکے ہیں وہ

ہر ایسے شخص کے لیے انتہائی رنجیدہ اور افسوس ناک ہیں جو مسلمانوں کے ملی مقاصد سے محبت اور ہمدردی رکھتا ہے۔ ان اختلافات نے نہ صرف مسلمانوں کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے، بلکہ ان کی قومی اور مجلسی زندگی میں غیر معمولی مشکلات کا ایک دروازہ کھول دیا ہے مسلمانوں کے درمیان عقیدہ اور مذہبی خیالات کے جو اختلافات موجود تھے۔ وہ بجائے خود افسوس ناک تھے، لیکن سیاسی اختلافات کو اس وقت جو حیثیت حاصل ہو چکی ہے وہ نہ صرف مسلمانوں کے موجودہ قومی اور ملی مقاصد کے لیے خطرناک ہے، بلکہ ان کے مستقبل کے لیے براہ راست ایک تہدید ہے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اور ان کے مفاد کی حفاظت اور ان کا اولین نصب العین ہے یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی مسئلہ کے متعلق رائیں مختلف ہوں۔ مختلف خیالات پر اصولی تنقید اور نکتہ چینی بھی ناقابل برداشت نہیں ہے، لیکن اس قسم کے اختلافات رائے کو ایسی منزلوں تک پہنچا دینا کہ اتحاد اور اشتراک عمل کی تمام بنیادیں منہدم ہو جائیں۔ کسی طرح پسندیدہ طرز عمل نہیں ہے کم از کم جمعیۃ علمائے ہند نے اس قسم کے اختلاف کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ نقطۂ نگاہ کے اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے لیے اجتماعی مسائل میں جن کے اندر اتحاد عمل ہو سکتا ہے نہ صرف مسلم جماعتوں کے اتحاد عمل اور مشترکہ جد و جہد کو جمعیۃ علماء نے پسندیدہ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے لیے دوسری جماعتوں کو دعوت دی ہے، بلکہ وہ خود بھی اس قسم کے مسائل میں اتحاد عمل کے لیے تیار رہی ہے اور آج بھی آمادہ ہے کہ متفقہ مفاد کے لیے دوسری جماعتوں کے ساتھ اتحاد عمل کر لے اور میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی راہ یہی ہے اور انہیں اسی راہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ اختلاف رائے کے اظہار کے لیے ذاتی توہین کو کبھی بھی درمیان میں نہیں لانا چاہیے اور نہ ایسی خفیف حرکات کرنی چاہئیں جس پر خود ہمارا ضمیر بھی ملامت کرے اور دوسروں کی نظر میں بھی حقیر و ذلیل ہو جائیں۔

ممالک اسلامیہ

گزشتہ مئی اور جون میں عراق اور ایران وغیرہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں وہ جمعیۃ علماء کے فیصلہ میرٹھ کی صداقت کے لیے روشن دلیل ہیں۔

ان ممالک پر برطانیہ کے اقدامات نے برطانوی مدبرین کی نیتوں اور ان کے تمام گذشتہ وعدوں کی حقیقت اور بھی بے نقاب کر دی ہے۔

عراق اور ایران دو اسلامی حکومتیں تھیں جنہوں نے اس جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کی غیر جانبداری کا برطانیہ نے جو احترام کیا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آج عراق اور ایران دونوں میں حقیقتہً برطانوی حکومت ہے اور وہاں کی موجودہ حکومتیں محض نمائشی ہیں۔

سید راشد علی گیلانی نے انگریزی عراقی معاہدے کی پابندی اور اس پر عمل کرتے ہوئے صرف یہ کیا تھا کہ برطانیہ سے بھی پابندی معاہدے کا مطالبہ کر دیا اور برطانیہ کی طرف سے پابندی معاہدہ سے انکار اور خلاف معاہدہ عراق میں برطانوی فوجوں کو رکھنے پر اصرار کرنے کی وجہ سے اختلاف ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ برطانیہ نے عراق پر قبضہ کر لیا اور اس ضمن میں وہاں جو تشدد ہوا اس کی تفصیل کے لیے طویل وقت درکار ہے۔

ایران کے متعلق یہ کہہ کر کہ وہاں نازی ازم قوت پکڑ رہا ہے اور روس کو امداد پہنچانے کے لیے ہمارے لیے یہی راستہ اہل ہے۔ اس کی غیر جانبداری کو توڑ کر ایران میں برطانوی فوجیں داخل ہوگئیں اور اس کے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا گیا۔

جمعیۃ علماء یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ممالک اسلامیہ میں کسی بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ممالک اسلامیہ کے خلاف کسی یورپین یا ایشیائی طاقت کی تعدی خواہ وہ جرمن ہو یا اٹلی یا روس یا برطانیہ یا جاپان ان کے نزدیک یکساں قابل نفرت و مذمت ہے اور وہ ان اغدار بار دہ

سے مطمئن نہیں ہوسکتے جو خوش آئند الفاظ میں دنیا کے سامنے اپنی معصومیت ظاہر کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرات محترمین! میں اس وقت آپ کو وقت کی نہایت اہم اور اشد ضروری چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جنگ کی ہلاکت آمیز چنگاریاں اور اس کے امن و امان کو بھسم کرنے والے شعلے بحرالکاہل سے اٹھ کر بڑھتے بڑھتے ہندوستان کی مشرقی سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں۔ نیز مغربی جانب میں بھی اگرچہ وہ ہمارے وطنِ عزیز سے قدرے دور ہیں مگر کچھ عجیب نہیں کہ اسی موسم بہار میں ان کی آتش فشاں موجیں ہمالیہ اور دریائے سندھ سے ٹکرانے لگیں۔ ایسی صورت میں ہمارے وطن میں جس طوفان بربادی کے مظاہرے کا خوف ہے اس کا تصور کرتے ہوئے بھی جسم کا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے۔ ہم ہندوستانی جو کہ تقریباً سو برس سے بزدلانہ ناز و نعم کے عادی بنا دیے گئے ہیں۔ ہمارے ان کانوں کو توپ اور مشین گنوں کی آواز تو درکنار کبھی رائفل یا ریوالور کی آواز سننے کی بھی عادت نہیں ہوئی۔ ہماری ان آنکھوں کو ہوائی جہازوں کی آتش فشانی تو درکنار کبھی کارتوسوں کی چمک اور بندوقوں کے دھوؤں کو دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ہم نے مشین گنوں اور بڑے دھانے والی توپوں کے گولوں اور گولیوں کی جھڑی اور بارش تو درکنار معمولی اسلحہ کی جھنکار بھی نہیں سنی۔ ہم کو ہوائی جہازوں اور رایر دپلینوں کی جاں گداز آوازیں تو درکنار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی کبھی سنائی نہیں دیں۔ آگ لگنے والے بم، شور مچانے والے گولے زمینوں کو لرزانے والے آلات جن سے بڑے بڑے شجاعانِ عالم آج کانپ رہے ہیں۔ اگر ہمارے شہروں میں ظہور پذیر ہوئے تو یہاں کی آبادی کی جو کچھ حالت ہوگی۔ ظاہر و باہر ہے۔ پھر ایسے وقت میں اچکوں، لیٹروں، ڈاکوؤں، چوروں، بدمعاشوں منچلوں، اہلِ فتنہ و فساد سے جو کچھ بھی بربادی کا اندیشہ کیا جائے۔ وہ نہایت ہی کم ہے۔ ہمارے سامنے ملایا، برہما، سماٹرا، جاوا وغیرہ کی عام بربادی کا سماں موجود ہے۔

ایسی صورت میں اگر ہم نے کوئی متحدہ قدم نہ اٹھایا اور منظم اقدام نہ کیا تو یقیناً وہ ہلاکت و بربادی اور موت سرخ کی نوبت آئے گی کہ الامان والحفیظ۔

میرے محترم بزرگو! اسی خطرہ کو محسوس کر کے جمعیۃ علماء نے ۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء میں مندرجہ ذیل الفاظ میں تجویز پاس کی تھی۔

"جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تمام امن پسند باشندگان ہند سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پریشان کن فضا میں جو جنگ یورپ کے سلسلے میں روزانہ تشویشناک خبروں اور صبح و شام کی افواہوں سے موجب اضطراب ہو رہی ہے، ضبط و نظم قائم رکھنے کی پوری سعی کریں اور فساد انگیز طاقتوں اور شرارت پسند افراد کو اتنا موقع نہ دیں کہ وہ ہندوستان میں فتنہ و فساد پیدا کریں۔ قیام امن کے سلسلہ میں لازم ہے کہ حلقہ وار اور محلہ وار محافظ امن جماعتیں قائم کر لی جائیں اور تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے حفاظت امن کے نیک اور اعلیٰ مقصد میں باہمی تعاون سے کام کریں۔"

اور اسی بنا پر مرکزی جمعیۃ کی طرف سے تمام صوبہ وار اور ضلع وار جمعیتوں کے نام مسلمانوں اور عام پبلک کے لیے سرکلر جاری کر دیے گئے۔ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ہے۔

"جنگ کی وجہ سے جو مہیب خطرات روز بروز قریب ہوتے جا رہے ہیں، وہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ دشمن کی طاقت سے قطع کرنے کے باوجود داخلی فتنوں کی ہولناکی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ایسے ہنگاموں میں ہوش و حواس قائم رکھنا۔ استقلال سے کام کرنا۔ کمزوروں کی ڈھارس بندھانا مظلوموں اور آفت زدوں کی امداد کرنا ایک اہم ترین اسلامی خدمت ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ اپنے اجلاس منعقدہ

۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء مطابق ۷ جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ میں اس کی اہمیت
واضح کر چکی ہے۔ اب کہ خطرات کی قوت و شدت میں اضافہ ہوگیا
اور وقت کا تقاضا ہے کہ مزید ایک دن ضائع کیے بغیر خدمت خلق کا
عملی نظام قائم کیا جائے اور مجلس عاملہ کی تجویز کی روشنی میں نہایت ضروری
ہے کہ خدام خلق کے نام سے عاملین کی جماعتیں فوراً قائم کر دی جائیں ان
جماعتوں میں جمعیتہ انصار اللہ (والنیٹر ان جمعیتہ علماء) کے علاوہ تمام
مسلمان جو نظام کے قواعد کی پابندی اور مخلصانہ خدمت خلق انجام دینے
کا معاہدہ کریں شریک ہو سکیں گے۔"

اس جماعت کا کام اپنے امیروں کے احکام کے تحت بندگان خدا کی خدمت
ان کے جان و مال کی حفاظت اور ان کو استقلال و امن پسندی کی تلقین کرنا ہوگا، یہ جماعت
ان تمام جماعتوں سے جو ان مقاصد کے لیے کام کریں اشتراک عمل کرے گی اور کوئی ایسی
صورت وجود میں نہ آنے دے گی جو موجب تصادم ہو حکومت کی طرف سے جو لوگ
ان مقاصد کے لیے کام کریں گے۔ ان سے مزاحمت نہ کرے گی، بلکہ اگر وہ کسی جگہ اس
جماعت کی امداد چاہیں گے تو اس جماعت کے عامل اپنے امیر کی قیادت میں ان کی
امداد کریں گے۔ اس جماعت کا مرکز دہلی میں ہوگا۔ خدمات کی نوعیت مقرر کرنے کے
لیے ایک سب کمیٹی بنا دی گئی ہے۔

محترم حضرات! میں آپ سے پر زور درخواست کرتا ہوں کہ حالات حاضرہ کی
ہولناکی کو محسوس کرتے ہوئے جمعیتہ عاملہ کی مذکورہ بالا قرار داد اور مذکورہ بالا سرکلر کو
جلد از جلد عملی جامہ پہنائیے اور ہر جگہ میں امن و امان اور خدمت خلق کا مکمل انتظام کر
دیجیے۔ بغیر اجتماعی نظام کے ایسے فتنوں کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ یہ وقت کی شدید ترین
ضرورت ہے اس میں غفلت اور کسلمندی کو ہرگز ہرگز راہ نہ دیجیے۔

حضرات محترمین! میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا ہے۔ میں آپ کا صدق دل

سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے میری معروضات کو سکون قلب سے سنا۔ اب میں التجا کرتا ہوں کہ آپ میری معروضات مذکورہ کی طرف توجہ فرمائیں اور مجلس انتخاب مضامین میں شرکت فرما کر ملک اور قوم اور مذہب کی اہم ضروریات کے متعلق فیصلے کریں اور جمعیۃ کے نظام کو بیش از بیش مضبوط بنا کر اس کو ملک اور قوم میں پھیلائیں اور مسلم قوم کو جادۂ مستقیم پر چلا کر ان کے مصائب و آلام کو دور کریں۔ مسلمانوں کو ہر قسم کی بہبودی اور فلاح سے دوچار کریں۔ ان کی ہر طرح ترقی کے لیے شریعت کی روشنی میں صورتیں پیدا کریں۔

فجزاکم اللہ احسن الجزاء واللہ معکم اینما کنتم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہ — ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء

خطبہ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے چودہویں سالانہ اجلاس میں

—— مؤرخہ ——

۲۱-۲۲-۲۳ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ بمطابق ۴-۵-۶ مئی ۱۹۴۵ء

—— بمقام ——

سہارنپور

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن
بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا
و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ
و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ
لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہٗ
و رسولہٗ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و صحبہ و بارک و سلم
کما یحب و یرضٰی عدد ما یحب و یرضٰی۔ امّا بعد

میرے محترم بزرگو اور علمائے کرام! مجھ کو واقعات حاضرہ کی بنا پر عرصہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا ہے مجھ کو اس کا سخت افسوس ہے کہ آپ حضرات نے باوجود اس کے کہ آپ کی جماعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے اہل فضل و کمال، اصحاب حفظ و ذکار، ارباب قلم و زبان، جامعین دیانت و سیاست، تقوی اور سچائی کے ماہر بکثرت موجود ہیں جو کہ میرے جیسے نااہلوں سے بدرجہا تفوق اور استحقاق صدارت رکھتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ یہ ثقل گراں میرے کمزور کندھوں پر کئی برسوں سے چلا آتا ہے اور آپ حضرات بارہا مجھ کو سبکدوش کرنے کی امیدیں بھی دلا چکے ہیں پھر بھی مجھ پر امسال یہ ثقل گراں رکھ دیا گیا اور میرے اعذار کی شنوائی نہ کی گئی۔ علاوہ میری نااہلیتوں کے میری بیحد مصروفیتیں بھی مجھ کو اس میدان میں اقدام کرنے سے روکتی ہیں۔ کاش آپ حضرات میری معروضات پر توجہ فرماتے۔

میرے محترم بزرگو! میں آپ حضرات کے حکم سے باہر نہیں ہوں۔ تابعداری کرنا ضروری

سمجھتا ہوں نیز قدر افزائی اور ذرہ نوازی کا شاکر بھی ہوں مگر اپنی عاجزی اور نا اہلی کی وجہ سے مستنزانہ شکوہ کرنا بھی فرض منصبی سمجھتا ہوں ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری کوتاہیوں اور تقصیرات پر جن کا بکثرت پایا جانا مجھ جیسے نا اہل سے ضروری ہے مواخذہ نہ فرمائیں اور میری معروضات پر غیر معمولی توجہ فرماتے ہوئے عملی میدان میں اُتر کر اُن کو جامہ وجود پہنائیں تکاسل اور بے عملی سے حتی الوسع احتراز فرمائیں اور موجودہ مشکلات اور مصائب کو دُور کرنے کے لیے مردانہ وار اقدام کریں۔

ذرا گورِ غریباں کی طرف بھولے سے آ جاؤ ملک اس ویرانہ کو دیکھو جسے آبادی کہتے ہیں

ہندوستان کی غلامی ! کالا اور بدترین دَور !

محترم حضرات ! باوجودیکہ انتہائی خود غرض اور بے رحم آقاؤں کی انسانیت کش پالیسی کی وجہ سے تقریباً دو سو سال سے ہندوستان گھلتے گھلتے جاں بلب اور نیم مردہ ہو چکا تھا جیسا کہ مسٹر ہیگڈ ملنڈ ریفرے "اویکننگ آف انڈیا صفحہ ۱۴" میں لکھتے ہیں۔

"روزانہ ہر روز کوئی اس ملک میں دورہ کرے تو سوائے دبلے ناتواں اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا جن کی زندگی سراپا محنت ! محنت !! محنت !!! مشقت ! مشقت !! مشقت !!! ہے۔ ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گئی ہے اور ان غریبوں کی مصیبت اور بھی میرے دل میں گڑ گئی جب کہ میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کی پُر سکون اور پُر عظمت خاموشیوں میں مستور ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کلیہ نہیں ہے بلکہ ایک امر واقع ہے"

(اویکننگ آف انڈیا صفحہ ۱۵۹)

سر جان سائمن اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

"عام آبادی انتہائی افلاس میں ہے"

ایچ۔ ایم۔ ہنڈرسن کہتا ہے:۔

"ہندوستان روز بروز کمزور ناتواں ہوتا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جا رہا ہے۔"

(ایچ ایم ہنڈمینس کرائپٹ سی آف انڈیا صفحہ ۱۵۲)

(۱) ایسے ناتواں اور نیم مردہ جاں بلب ملک کو ان سخت دل اور بے رحم آقاؤں نے ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیمی میں بغیر اس کی رضامندی اور خواہش کے اور بغیر اس سے پوچھے گچھے دھکیل دیا اور پروپگنڈا کر دیا کہ وہ ہمارے ساتھ شریک جنگ ہے۔ اُس نے شور مچایا کہ میں خود غلامی کی زنجیروں میں اس طرح جکڑا ہوا ہوں کہ میری جان نکل رہی ہے، مجھ کو آزادی کی سانس چاہیئے۔ مجھ کو کسی کی دشمنی اور دوستی کسی کی لڑائی اور صلح سے کیا غرض ہے۔ میں نہ جرمن کا دشمن یا دوست ہوں نہ امریکہ کا دوست یا دشمن۔ مجھ کو تو ایک چیز کی اور صرف ایک چیز کی سخت تشنگی ہے اور وہ آزادی ہے۔ مگر ایک نہ سنی گئی اور اس کی طرف سے اعلان جنگ کر دیا گیا۔ نیشنلسٹ اور اور کانگریس جمعیۃ علماء وغیرہ نے پروٹسٹ کیا، صدائے احتجاج بلند کی، اپنی کمزوری اور عدم استطاعت اور اپنی عدم خوشنودی کا آوازہ بلند کیا۔ مگر سب صدا بصحرا ثابت ہوا۔ لارڈ ہیلی فیکس اور دوسرے برطانوی ایجنٹوں نے پروپگنڈے کے وہ طومار تصنیف کیے کہ الاماں الحفیظ۔

(۲) آرڈی ننسوں کی بوچھاڑ کی بوچھاڑ کی گئی۔ روزانہ کئی کئی آرڈی ننس جاری کیے جانے لگے۔ اور اس قدیمی دعوے کو بالکل بھلا دیا گیا جو کہ شیکسپیئر نے اپنے ان الفاظ میں کیا تھا: "آرڈی ننس سے بڑھ کر انگریزیت کے منافی دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔"

(۳) جنگ کی مخالفت کرنے والوں بلکہ اُس کے خلاف میں لفظاً مخالفت بولنے والوں

پریس صحافت تنگ کر دیا گیا جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ جرمانے کیے گئے، مقدمے چلائے گئے، حالانکہ خود انگلستان میں جنگ کی مخالف پارٹیاں تھیں، اور ان کے لیڈر عام طور پر مخالفت میں لکچر اور بیانات دیتے تھے۔ مگر ان کی آزادی پر حرف نہیں آنے دیا گیا۔

(۴) ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ پاس کیا گیا اور اس کو ایسی وسعت دی گئی کہ کوئی شعبہ زندگی ایسا باقی نہیں رہا جس پر یہ ایکٹ عائد نہ ہو سکتا ہو۔ لاکھوں بے قصوروں کو اس کے تیر کا نشانہ بنایا گیا اور اس قدر اس میں عموم پیدا کیا گیا کہ ہائی کورٹوں کے ججوں نے بھی چیخ اٹھے کہ ڈیفنس رولز نے ہم کو مفلوج بنا دیا ہے۔ ہم اس کے ہوتے ہوئے اپنی بے بسی پر سوائے ماتم کے کیا کر سکتے ہیں۔

(۵) آرمی بل پاس کیا گیا جس کی بنا پر آزاد انسانوں کو غلام بنانے والی غیر مسلم حکومت کے لیے خون بہانے سے منع کرنا جرم ہو گیا۔ اور اس کی سزا ایک سال کی قید مقرر کی گئی۔

(۶) ڈاک اور تار پر سنسر بٹھا دیا گیا۔ ادنیٰ ادنیٰ اشتبہ پر قید و بند اور جرمانوں کی بوچھاڑ کی گئی خطوط کو معدوم کیا گیا۔ ڈاک کو اپنے وقت پر پہونچنے سے روکا گیا۔ غیر ملکی ڈاک تقریباً بند ہو گئی۔

(۷) پریس اور اخباروں کی آزادی بالکل چھین لی گئی۔ ان کو واقعات جنگ کی ان خبروں سے بھی روکا گیا جن کو رپورٹر یا انگریزی اخبار لکھتے تھے، بلکہ ان کو خود ہندوستان کے واقعات کے شائع کرنے سے سختی سے روکا اور جنہوں نے خلاف منشا کچھ لکھ دیا تھا۔ ان پر انتہائی سختیاں کی گئیں۔ حالانکہ خود انگلینڈ میں پریس کو بہ نسبت ہندوستان کے بہت زیادہ بلکہ مکمل آزادی رہی، ان کو قحط کے احوال، بیماریوں کی شدت، اہل ملک کے مصائب، پولیس اور حکام کی بے عنوانیوں اور مظالم کی اشاعت وغیرہ سے سختی سے روکا گیا۔ مقدمے چلائے گئے ضمانتیں ضبط کی گئیں۔ جرمانے کیے گئے اور فقط ان چیزوں کی اشاعت کی اجازت دی گئی۔ جن کو محکمہ اطلاعات شائع کرے۔

(۸) ملوں اور کارخانوں پر قبضہ کر لیا گیا اور ان کو پبلک کی ضروری چیزوں سے روک کر نام نہاد فوجی ضرورتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ عموماً ہر قسم کی صنعتوں پر کنٹرول قائم کر دیا گیا۔

(۹) غلہ کے گوداموں اور دیگر ضروریات کے مخزنوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور ان کو من ملنے

طریقوں اور مقاصد میں خرچ کیا گیا۔

(۱۰) اناج کے کھیتوں پر تیار ہوتے ہی قبضہ کر لیا گیا، کاشتکاروں اور زمینداروں کو اُن سے محروم کر دیا گیا۔

(۱۱) ریلوں اور انجنوں پر کنٹرول کر دیا گیا۔ بکثرت گاڑیاں اور انجن بیرون ہند بھیجے گئے، بہت سی لائنیں اکھاڑ دی گئیں، مسافروں کی ٹرینیں کم کر دی گئیں۔ جس کی وجہ سے مسافروں کو تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لوگ ریل کے ڈبوں کی چھتوں اور باہر کے پائیدانوں پر سفر کرنے پر مجبور ہوئے، گاڑیاں اس قدر بھری چلنے لگیں کہ مسافروں کو کھڑے کھڑے سفر کرنا پڑا، ہجوم مسافرین کی وجہ سے لوگ انٹر کلاس اور سکنڈ کلاس وغیرہ میں بھرنے لگے۔ بہت سے لوگ جو چھتوں یا باہر پائیدانوں پر ہوتے تھے ٹکرا کر مر گئے۔

(۱۲) پٹرول اور مٹی کے تیل وغیرہ پر کنٹرول کر لیا گیا، اور نہایت ہی قلیل مقدار میں مشکل دیا گیا جس سے پبلک کی نقل و حرکت میں انتہائی مشکلات کا سامنا ہو گیا۔

(۱۳) نیشنلسٹ جماعتوں اور افراد کو پکڑ پکڑ کر جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ اور بلا مقدمہ چلائے ہوئے سالہا سال تک اُن کو حقوق شہریت اور آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ ایسے سیکورٹی پرزنروں (نظر بندوں) کی تعداد تقریباً چوبیس ۲۴ ہزار یا اس سے زائد بتائی گئی ہے۔ باوجودیکہ بمبئی میں کانگریس کا اجلاس ۸ راگست ۱۹۴۲ء کو ہونے والا تھا، مگر نیشنلسٹوں اور کانگریسیوں کے لیے وارنٹ گرفتاری ۵ راگست سے جاری کر دیے گئے تھے۔ اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا، مگر اُن کو مجرم قرار دے دیا گیا۔ اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کا پروگرام گاندھی جی کو سونپا تھا۔ اور گاندھی جی نے اس کے بنانے کو وائسرائے کی ملاقات ہونے پر موقوف رکھا تھا۔ مگر سب کو آناً فاناً میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور بالخصوص کانگریس ورکنگ کمیٹی کو دفعتہً گرفتار کر کے غیر معلوم جگہ میں خفیہ طریقہ پر پہنچا دیا گیا۔ اور اسی دن تمام ملک اور تمام صوبوں میں یکبارگی گرفتاری جاری کر دی گئی۔ اپنے محبوب اور جانباز لیڈروں کی یہ اہانت اور مظلومیت دیکھ کر عام پبلک میں اشتعال کا پیدا ہو جانا طبعی امر تھا۔ کانگریس کا اصول ہمیشہ

عام تشدد اور آہنسا چلا آتا تھا اور اسی کی سخت تاکید بمبئی کے اس اجلاس میں بار بار کی گئی تھی۔ مگر کانگریسیوں اور قومی کارکنوں اور جمعیت علماء کے ممبروں اور کارکنوں پر تشدد اور بدامنی کا الزام تراشا گیا۔ خصوصاً جمعیۃ علماء صوبہ آسام پر نہایت سختی کی گئی۔ گویا کہ اس کو خلاف قانون سمجھا گیا! گاندھی جی پر بھی جاپان کے ایجنٹ ہونے کا الزام رکھا گیا۔ اور امریکہ میں اس کا پورا پروپیگنڈا کیا گیا۔ مگر دو برس گذر جانے کے بعد مسٹر ایمری نے فرمایا کہ ہمارا یہ خیال گاندھی کے متعلق کبھی بھی نہیں تھا اگرچہ مختلف مقامات پر گورنمنٹ کی اس امن سوز کارروائی سے مشتعل ہو کر عام لوگ تشدد آمیز کارروائی بھی کر بیٹھے۔ مگر وہ کسی نیشنل ادارے کے پروگرام کا نتیجہ نہ تھا بلکہ گورنمنٹ کی اشتعال آمیز غلط کارروائی کا ثمرہ تھا جس کی ذمہ دار خود گورنمنٹ تھی متعلقہ حکام اور پولیس اور فوج کو اس سلسلہ سے غیر محدود اختیارات دیدیے گئے جس کی بنا پر ظلم و ستم، مار دھاڑ، قتل و غارت، رشوت ستانی اور لوٹ وغیرہ کا چاروں طرف بازار گرم کر دیا گیا۔ بہت سے باامن مجمعوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ ہزاروں غیر مجرموں کو جیل کی کوٹھڑیوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اُن پر مقدمات چلائے گئے۔ اسپیشل کورٹ قائم کر دیے گئے۔ بلا تحقیق اور بغیر ثبوت اور بغیر صفائی سزائیں دیدی گئیں۔ دہشت انگیزی کے مظاہرے چاروں طرف جاری کر دیے گئے۔ عام لوگوں کے جان و مال، عصمت اور عفت خطروں میں ڈالدیے گئے اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا ہو کر رہا اور پھر اس سب پر اپنی معصومیت کا ایسا پردہ ڈالا گیا کہ گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

(۱۴) ان تشددات ناجائز کے کرنے والے حکام اور پولیس اور فوجیوں کو خصوصی کمیونکوں سے آئندہ کے لیے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ کہ اُن کی کسی زمانہ میں کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ اور نہ کسی کورٹ میں ان پر کوئی مقدمہ دائر ہو سکے گا۔

(۱۵) دیہاتیوں اور کاشتکاروں اور زمینداروں کے مکانوں میں گھس گھس کر جبراً اُن سے غلوں کے ذخیرے جو کہ انہوں نے اپنے بال بچوں کے سال بھر کے گذارے کے لیے جمع کر رکھے تھے چھینے گئے اور صرف اتنا غلہ اُن کے پاس چھوڑا گیا۔ جو کہ بمشکل ۲ مہینے کے لیے کافی ہو سکتا تھا، چنانچہ اس پر بارہا مرکزی اسمبلی میں سوال بھی اٹھایا گیا۔

(۱۲) مختلف طریقوں سے چاروں طرف سے غلّوں کے ذخائر جمع کر لیے گئے۔ اور ان میں غیر ہمدردانہ من مانی کارروائی کی گئی۔ ملک سے باہر بڑی بڑی مقداروں میں یہ ذخائر بھیج دیے گئے۔

نہ صرف ہندوستانی فوجوں کی ضرورتوں کے لیے بلکہ غیر ہندوستانی فوجوں کے لیے بھی اور صرف فوجوں ہی کے لیے بلکہ روس وغیرہ دوسری اتحادی حلیف قوموں اور ملکوں کے لیے بھی۔

اور اس کے لیے ایک خالص یورپین کمپنی بنائی گئی جس کا نام یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن ہے۔ غلہ کپڑا اور دیگر سامان روس، مشرق وسطیٰ، افریقہ وغیرہ میں بے شمار مقدار میں بطور تجارت اور امداد پہنچایا جس میں ہندوستانیوں کی ضرورت اور بھوک کا کوئی خیال نہیں کیا گیا تا آنکہ چاروں طرف ہندوستان میں بالخصوص صوبہ بنگال و آسام اور جنوبی ہند میں قحط اور کال پھوٹ پڑا۔ اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔

نیو اسٹیٹسمین لندن لکھتا ہے۔

"ہندوستان کا موجودہ قحط قدرت کی طرف سے نہیں بلکہ انسانی ہاتھوں کی طرف سے لایا گیا ہے، اس لیے کہ ہندوستان کا گیہوں مشرق وسطیٰ کی فوجوں کا پیٹ بھرنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔ نیز لنکا اور ایران کی فوجی ضروریات کے لیے کثیر مقدار میں جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں گیہوں کو باہر بھیجنا غلط ہی نہیں ایک مجرمانہ فعل بھی تھا۔ موجودہ سرکاری مشین بالکل بیکار ہے۔ اس لیے کہ عوام کو بیجا لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لیے اور لوگوں میں باہمی امداد و ہمدردی کے جذبات کو تحریک میں لانے کے لیے صرف وہی نظم و نسق کامیاب ہو سکتا ہے جو عوام کے ہر دلعزیز افراد پر مشتمل ہو۔"

(مدینہ ۱۲ر جولائی ۴۲ء ۱۹ء ص۵ جلد ۲۲)

انگلستان کے بورڈ آف ٹریڈ کے سیکرٹری نے دارالعوام میں ایک مزدور ممبر کے سوال

کا جواب دیتے ہوئے یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن کے اغراض اور انجمن مذکور میں ہندوستانیوں کے دخل و اختیار کے متعلق فرمایا کہ :-

"یہ انجمن حکومت برطانیہ کی طرف سے روس کو سامان خورد و نوش اور دوسری اشیاء ضروریہ فراہم کرتی ہے۔ انجمن میں کوئی ہندوستانی ڈائرکٹر نہیں ہے بلکہ یہ حکومت ہند کے مشورہ کے مطابق کام کرتی ہے، جو ہندوستانیوں کے مفاد کی محافظ ہے" (مدینہ بجنور ۵ راگست ۴۳ء)

مسٹر وینڈل ولکی نے اپنے سفر روس سے واپسی پر اعلان کیا تھا کہ روس کے پاس نہ کھانے کا سامان باقی رہا ہے نہ پہننے کا۔ اور روس کی کامیابی کو اس زمانہ میں اس بنا پر نہایت مشکل قرار دیا تھا، مگر ہندوستان کے رحمدل آقا نے اس قدر غلہ اور کپڑا وغیرہ وہاں پہنچایا کہ تمام ملک روس اور اس کی فوجیں بھوک اور ننگے ہونے سے آزاد ہو کر اس قدر قوی ہو گئیں کہ جرمن کو شکست پر شکست دینے لگیں۔ غور کیجئے کہ اتنے بڑے ملک اور اتنی بڑی فوج کے لیے کس قدر غلہ اور کپڑا بھیجا گیا ہوگا۔ اگرچہ اس کو صیغہ راز میں رکھا گیا ہے۔ تاہم بعض اعداد ملاحظہ ہوں۔

دار العوام میں مسٹر چرچل نے اپنے ایک بیان میں ان امدادی اشیاء کی تفصیلات بتائیں جو گزشتہ ڈھائی سال میں روس کو ہم پہنچا گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء سے ۳۱ مارچ ۴۴ء تک ہم نے سوویٹ یونین کو (۵۰۳۱) ٹینک بھی پہنچائے جن میں سے (۱۲۲۳) کناڈا کے تھے ہم نے (۶۷۷۸) ہوائی جہاز ہم پہنچائے جن میں سے (۲۷۲۶) امریکہ کے بھیجے ہوئے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے (۸۰) کروڑ پونڈ کی مالیت کی خام اشیاء مثل نلز مشینیں۔ صنعتی پلانٹ اور طبی اشیاء اور آسائشی چیزیں بھی بھیجی ہیں۔

(روزنامہ حقیقت لکھنؤ جلد ۲۴ نمبر ۸۶ ۲۴ رمئی ۴۴ء)

سرکاری بیان کے موافق ۳۹، ۱۹۴۰ء میں ۸۰۰، ہزار ٹن گیہوں ہندوستان سے باہر گیا۔ اور ۴۲، ۴۳ء میں ۸۰۰، ۸۵، لاکھ ٹن گیہوں باہر بھیجا گیا۔ (اجمل بمبئی ۵ جولائی ۴۳ء)

مسٹر عزیز الحق صاحب ممبر محکمہ خوراک حکومت ہند فرماتے ہیں۔

> ہندوستان سے ماہ جنوری ۱۹۴۳ء سے اب تک (اگست ۴۳ء) ۵۸ ہزار ٹن گیہوں اور چاول باہر بھیجا گیا۔ اس میں وہ گیہوں اور چاول بھی شامل ہے جو یہاں سے لنکا کو بھیجا گیا۔ فوجوں کے لیے جنوری سے جولائی تک دو لاکھ اُنشتر ہزار ٹن گیہوں اور چاول خریدا گیا۔ (تیج ۱۱ اگست ۱۹۴۳ء)

مذکورہ بالا بیانوں اور اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ہندوستان سے غلہ کے بڑے بڑے ذخائر دوسرے ملکوں اور بالخصوص روس کو بھیج کر ہندوستان میں قحط ڈالا گیا ہے۔ مسٹر فضل حق آف بنگال کے بیانات گورنر بنگال کے غلہ کے مخزنوں کے متعلق مستبدانہ تصرف کر کے غائب کر دینے کے شائع ہو چکے ہیں۔ نیز غلوں کے مخزنوں میں سے پبلک کو وقت پر غلہ نہیں دیا گیا۔ حالانکہ پبلک بھوک سے مر رہی تھی۔ قریبی اطلاعات میں شائع کیا گیا ہے کہ مدارس پورٹ ڈوائز ن میں (۵۰) ہزار من چاول سرکاری گوداموں میں سڑنے لگا ہے۔ یہ وہ چاول ہے جو کہ بنگال کی حکومت نے سال گذشتہ وہاں بھیجا تھا۔ مگر نرخ کی گرانی کی وجہ سے فروخت نہ ہو سکا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہتیس ہزار من گیہوں اور دالوں کا بھی بڑا ذخیرہ اسی طرح خراب ہو رہا ہے صوبوں کی حکومتیں اور ان کے حاشیہ نشیں حکام نفع خوری کی حرص میں پڑ گئے۔ اناج پر قبضہ کر کے یا بلیک مارکیٹ میں پہنچایا یا ان پر نفع خوری کی غرض سے اس قدر مہنگائی کا بوجھ رکھ دیا کہ عام پبلک ان کی خریداری سے عاجز آ گئی ان کی فروختگی کے لالچ میں باہر سے غلہ آنے نہیں دیا۔ یا اگر پہنچا بھی تو ان کو چھپا دیا۔ ان منحوس کارروائیوں کی تفصیل بارہا اخباروں میں آ چکی ہے نیز فوجی مخازن میں بے تعداد غلہ بھر دیا گیا۔ جو کہ خرچ سے زیادہ تھا۔ مدت گزرنے کے بعد جب وہ سڑنے لگا تو اس کو جلا دیا گیا۔ اور پھر ان مخازن میں دوسرا غلہ لا کر بھر دیا گیا۔ ایسے معاملات بہت زیادہ ہوتے رہے چونکہ فوجی حکام اور کارکنوں پر دیکھ بھال رکھنے والی مثل انگلینڈ یہاں کوئی جماعت نہیں تھی۔ اس لیے فوجی حکام بے خوف و خطر اور بغیر ہمدردی و محبت من مانی کارروائیاں عمل میں لاتے رہے۔ مرکزی اسمبلی میں بارہا یہ سوال اٹھایا گیا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

اگر قومی حکومت خواہ عارضی ہی ہوتی تو جانچ پڑتال کرتی۔ اور اس طرح فوجی حکام کو مطلق العنان نہ ہونے دیتی۔ ظاہر ہے کہ پردیسی آقاؤں کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ مسٹر جیمس میڈس امریکی جنہوں نے ۵۴ ہزار میل کا سفر کر کے دنیا کو دیکھا ہے۔ اور انہوں نے اپنے احوال سفر کی دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار نیویارک ٹائمز مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۴۴ء لکھتا ہے۔

"ہندوستان دیکھ کر وہ (مسٹر جیمس میڈس) بہت منغض ہوئے۔ انہیں یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ کہ اس وقت جب کہ کلکتہ کی سڑکوں پر ہزاروں آدمی بھوک سے دم توڑ رہے تھے۔ اس وقت حکام سامان لیجانے والے موٹروں اور ریلوں میں کلکتہ کی ریس کے لیے گھوڑے لیجانے کی اجازت دے رہے تھے۔"

(اجمل بمبئی ۱۹ مئی ۱۹۴۴ء زیر عنوان ریلوں پر بھوکوں کے اناج نہیں ریس کے گھوڑے لائے جاتے ہیں۔ برطانوی حکام کی سنگدلی پر امریکن ممبر سینٹ کا غصہ)

مسٹر ایمری وزیر ہند کی ۸ جون ۱۹۴۴ء کی تقریر میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہندوستان نے امریکہ کو جنگی مقاصد کے لیے خام اشیاء اناج اور دوسرا سامان بھی دیا ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی دوسری وجوہ قحط کی ہیں۔ رسالہ لائف نیویارک ۷ دسمبر ۱۹۴۳ء لکھتا ہے۔

"دس لاکھ ہندوستانیوں نے اپنی جانیں دیکر مصنوعی افزایش زر کے ہولناک نتائج کو بے نقاب کیا۔"

تعداد اموات کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اس خوفناک حادثہ کے لیے ہر قسم کے وجوہ پیش کیے جاتے ہیں۔ جہاں تک غلہ کا تعلق ہے وہ ملک میں ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۱ء کے مقابلہ میں زیادہ تھا یعنی ۵،۲۵،۶۷،۰۰۰ کروڑ ٹن بعض مقامات پر کمی ضرور پڑی لیکن اصل اسباب دو ہیں اول ذمہ دارانہ حکومت کا ٹوٹ جانا اور دوسرے زر کی مصنوعی افزایش۔" (اجمل بمبئی ۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء)

قحط سے صرف بنگال میں مرنے والوں کے اعداد و شمار کے متعلق اگرچہ

وزیر ہند صرف اٹھارہ لاکھ تہتر ہزار سات سو پچاس آدمیوں کا اقرار کرتے ہیں۔

(حقیقت لکھنؤ ۲۷ اپریل ۱۹۴۴ء)

لیکن ڈاکٹر بی رسی رائے صدر میڈیکل ریلیف تیس لاکھ فرماتے ہیں۔ دوسرے اخبارات میں نوے لاکھ تک اعداد آئے ہیں اگرچہ اٹھارہ لاکھ کا عدد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ چھ برس کی لڑائی میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجوں سے مرنے والوں کی تعداد اُس سے آدھی بھی نہیں ہے جتنی کہ بنگال جیسے باامن صوبہ میں بلا جنگ و جدال حکومت ہند کی بدعنوانیوں سنگدلیوں اور مذکورہ بالا بےہمدرد اہل خود غرضیوں کی بنا پر واقع ہوئی۔ اگرچہ بنگال کی دردناک موت کے احوال پر بہت سخت اور موٹا پردہ ڈالا گیا۔ مگر جس قدر بھی بیانات اخباروں میں اس زمانہ میں شائع ہوئے نہایت ہی ہولناک ہیں جن کو سن کر سخت سے سخت دل والے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خلافت اخبار لکھتا ہے کہ حکومت ہند نے ساڑھے چار کروڑ روپیہ دو سال میں کھایا۔ اسی قسم کی شکایتیں حکومت پنجاب، سرحد، بنگال وغیرہ کے متعلق بار بار شائع ہو چکی ہیں مگر حکومت ہند کان میں تیل ڈالے ہوئے بیٹھی ہے۔ اور سب کچھ کر رہی ہے۔

(۱۷) باوجودیکہ برہما اور ہندچینی وغیرہ کے نکل جانے کی وجہ سے وہاں سے چاول ہندوستان میں آنا بند ہو گیا تھا۔ اور باوجودیکہ حکومت کو مشرق وسطی اور افریقہ کی فوجوں اور اپنے حلفاء کے کے لیے غلہ بھیجنے کی ضرورت معلوم تھی، مگر اناج کی کاشت کی فراوانی کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی بلکہ اور جنگی ضرورتوں کی فراوانی کاشت میں کمی کی گئی۔ سرکاری بیان جولائی ۴۴ء کا حسب ذیل ہے

"اس سال جوٹ میں پچاس فیصدی اضافہ ہوا۔ ارنڈ میں ۶۲ فیصدی مونگ پھلی میں ۴ فیصدی السی میں ۱۴ فیصدی گیہوں میں ۹ فیصدی گنا تیس فیصدی۔ چاول کم پیدا ہوا۔"

ان تمام سالوں میں بارش بہت اچھی ہوئی تھی پیداوار بھی بہت اچھی ہوتی رہی مگر اس خود غرضی اور مجرمانہ غفلت اور بیدردی کی وجہ سے وہ ہولناک قحط پیدا کیا گیا کہ جس کو سن کر دل کانپنے لگتا ہے۔

(۱۸) ہندوستان کی برآمد پر کنٹرول کیا گیا۔ جو مال ہندوستان سے امریکہ وغیرہ کو گیا اس کی قیمت وصول کر کے برطانیہ نے اپنے قرضہ میں دے دیا۔ اور اس قیمت کے بدلہ میں گورنمنٹ انگلستان نے ہندوستان کو قرض کے چک (ضمانتی تمسکات) دے دیئے جس کو اسٹرلنگ قرضہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انگلستان میں جو اور دوسرا روپیہ موجود تھا اس سب کو لے لیا گیا اور سب کو قومی قرضہ اور اسٹرلنگ قرضہ میں محسوب کر لیا گیا۔ ہندوستان سے زائد برآمد ہر سال کروڑوں کی مقدار میں ہوتی رہی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۹۳۸-۳۹ء	۷ کروڑ روپیہ
۱۹۳۹-۴۰ء	۴۸ " "
۱۹۴۰-۴۱ء	۴۲ " "
۱۹۴۱-۴۲ء	۸۰ " "
۱۹۴۲-۴۳ء	۸۴ " "

اس مقدار اور ۴۴-۴۳ء اور ۴۵-۴۴ء مقدار کے جملہ قرضوں کو اسٹرلنگ قرضہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس میں سے ہندوستان کو ایک حبہ نقد نہیں ملا۔ بلکہ یہ وعدہ کیا گیا کہ جنگ کے بعد اس کے مقابلہ میں تم کو سامان اس وقت کی قیمت سے دیا جائیگا۔ اسی کے متعلق جناب وائسرے نے اپنی کلکتہ والی تقریر میں دسمبر میں فرمایا ہے کہ اسٹرلنگ قرضہ کا پورا احترام کیا جائے گا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ (الف) روپیہ نقد نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ مال لے لیا گیا ہے سب کا سب قرض شمار کیا جاتا ہے (ب) اس کی ادائگی بعد از جنگ ہوگی، جس کی مدت کچھ معلوم نہیں ہے۔ آج ہی آج کرتے چھ برس گذر چکے ہیں۔ اگر وہ نقد ہندوستانی ارباب اموال کو مل جاتا تو وہ دوسرے وجوہ تجارت میں خرید و فروخت کر کے ترقی حاصل کرتے (ج) قرضہ بھی نقد کی صورت میں ادا نہیں کیا جائیگا بلکہ سامان کی صورت میں ہوگا جس میں برطانوی سرمایہ دار کی منفعت ہی منفعت ہے برطانیہ نے یہ مقدار روک کر بھی نفع اٹھایا اور ادا کر کے بھی نفع حاصل کیا۔ (د) اس مال کی قیمت بھی برطانیہ اور اس کا سرمایہ دار تشخیص کرے گا۔ ہندوستان اور اس کے

تاجروں کو تشخیص قیمت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس لیے منہ مانگے منافع وصول کیے جائیں گے۔ اگر نقد ہندوستان کو دیدیا جاتا تو جہاں سے اس کو مال سستا ملتا خرید لیتا (۵) یہ مال چونکہ ایام جنگ کا بنا ہوا ہوگا اس لیے نہایت گراں ہوگا کیونکہ مزدوری اور جملہ اشیاء اس زمانہ میں نہایت گراں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایسی عجیب و غریب تجارت قائم کی گئی ہے۔ جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ برطانیہ کو اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے۔ اور ہندوستان کو سراسر نقصان ہی نقصان۔

(۱۹) ہندوستان سے اصلی زر سونا اور چاندی اور اس کے سکے مختلف طریقوں سے لے لیے گئے اور ان کے بدلہ میں کھوٹا کرنسی نوٹ اور نہایت کم چاندی والا کھوٹا سا روپیہ دے دیا گیا۔ کرنسی نوٹ (مصنوعی زر) کی نہایت کثرت کر دی گئی۔ ماہوار اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ ایک ارب کچھ کروڑ سے بڑھ کر دس ارب سے زیادہ ہو گئی۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

۱۹۳۹-۴۰ء	۳۹۰/۴۵	کروڑ روپیہ	۱۹۴۰-۴۱ء	۱۹/۱۱	کروڑ روپیہ
۱۹۴۱-۴۲ء	۱۵۲/۳۰	کروڑ روپیہ	اکتوبر ۱۹۴۲ء	۱۲۲/۴۴	کروڑ روپیہ
اپریل ۱۹۴۲ء	۳۲/۵۵	" "	نومبر ۱۹۴۲ء	۱۵۹/۱۱	" "
مئی ۱۹۴۲ء	۵۰/۵۹	" "	دسمبر ۱۹۴۲ء	۱۸۹/۱۱	" "
جون ۱۹۴۲ء	۶۱/۹۴	" "	جنوری ۱۹۴۳ء	۲۱۲/۰۰	" "
جولائی ۱۹۴۲ء	۶۹/۷۵	" "	فروری ۱۹۴۳ء	۲۳۸/۰۰	" "
اگست ۱۹۴۲ء	۹۳/۰۱	" "	مارچ ۱۹۴۳ء	۲۶۷/۰۰	" "
ستمبر ۱۹۴۲ء	۱۱۱/۳۴	" "	اپریل ۱۹۴۳ء	۳۰۲/۰۰	" "

(مدینہ بجنور ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

اس زور شور سے اضافہ ہوتے ہوتے اب اس کی مقدار مارچ ۱۹۴۵ء تک دس ارب کانوے کروڑ اسی لاکھ روپیہ تک پہنچ چکی ہے۔ مدینہ ۲۱ اپریل

زیادہ ہوگئیں بلکہ اوقات یہ ضروریات زندگی ملنی دشوار ہوگئیں اور اس قدر گرانی ہوگئی کہ خود ان ممالک میں جہاں غلہ وغیرہ کی پیداوار بھی نہ تھی اور وہ بالذات جنگ میں مشغول تھے، اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوا۔

لندن ۲۸ اگست معاصر اسٹیٹسمین کا نامہ نگار لکھتا ہے۔

ہندوستان میں کھانے پینے کی جو حالت پیدا ہوگئی ہے اس سے یہاں بڑی تشویش ہوگئی ہے۔ خاص کر اس قسم کی خبروں سے کہ کلکتہ میں لوگ بھوکے تڑپ کر جان دے رہے ہیں۔ برطانیہ کا کنٹرول ہندوستان کے مقابلہ میں کامیاب رہا برطانیہ کی رسد وزارت نے خوراک کے متعلق جو انڈکس شائع کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ میں کھانے پینے کی چیزوں میں ستمبر ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ بہت معمولی اضافہ ہے لیکن یہ اضافہ صرف روٹی دودھ گوشت پنیر وغیرہ میں ہوا ہے اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس قسم کی کھانے پینے کی چیزوں اور ایندھن اور کرایہ ریل کم رکھنے کے لیے حکومت ۱۸ کروڑ پونڈ سالانہ کی مالی امداد مالدار لوگوں سے ٹیکسوں کے ذریعے وصول کرتی ہے جن چیزوں کے لیے مالی امداد نہیں ملتی ان کا بھاؤ تین گنا تیز ہوگیا ہے۔ اس میں سبزی اور پھل شامل ہیں۔ کپڑے کا بھاؤ بھی دوگنا اور تین گنا ہے۔ برطانیہ میں کھانے پینے کی چیزوں میں جہاں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ ہندوستان میں پانچ سو فیصدی سے لے کر چھ سو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ (مدینہ ۵ ستمبر ۱۹۴۳ء)

اگرچہ گورنمنٹ نے قیمتیں مقرر کیں اور کنٹرول کے احکام نافذ کیے مگر یہ عمل اس وقت میں شروع کیا گیا جب کہ انڈکس تین سو تک بڑھ گیا تھا اور بازار میں قیمتوں کا اضافہ فیصدی دو سو چالیس[۲۴۰] اور دو سو پچاس[۲۵۰] تک ہوگیا تھا۔ نیز بد انتظامی اور بے توجہی کی بنا پر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی مؤثر طریقہ پر قوانین نافذ نہ ہوسکے، بلیک مارکیٹ میں غلہ اور دیگر اموال جمع ہیں۔

اور کنٹرول کا فائدہ پبلک ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو پولیس گرفتار بھی کر رہی ہے۔ مقدمات بھی چلائے جا رہے ہیں۔ بھاری بھاری جرمانوں کی چھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ مگر خدا جانے موجودہ گورنمنٹ ہی ناقابل ہے یا وہ اپنی توجہ پوری طرح اس طرف منعطف نہیں کرتی کہ پبلک کی مصائب میں کمی کی صورتیں پیدا ہوں۔ جنگ کے زمانہ میں کنٹرول کی ضرورت مسلم ہے مگر سوال محض کنٹرول کا نہیں ہے بلکہ اُس کے طریقوں اور ان پر عملدرآمد کا ہے تجربہ نے بتا دیا کہ اس باب میں حکومت کی کارگذاریاں قابل اطمینان اور قابل تحسین نہیں ہوئیں بلکہ سراسر ناقص رہیں۔

(۲۱) جس طرح اناج کے متعلق گورنمنٹ کی غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں نے انتہائی گرانی اور قحط میں مبتلا کر کے لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اسی طرح کپڑوں کے متعلق نہایت نازیبا اور انسانیت سوز کارروائیاں کی گئیں۔ تدریج کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ ۱۸۰۰ء کے بعد بھی نصف صدی تک ہندوستان باوجود دخانی ملوں کی عدم موجودگی کے اتنا کپڑا تیار کرتا تھا جو کہ تمام ہندوستانیوں کی پوشاک سے بڑھ کر ستر۔ اسی ہزار گانٹھوں سے زائد ہندوستان کے باہر دیگر ممالک میں دور دور تک تجارت کے لیے جاتا تھا۔ (ڈاکٹر فرانسس بکانن) مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی رقابت اور اس کی ملعون مساعی سے جن کی ابتداء ۱۷۶۹ء سے شروع ہوتی ہے ہندوستانیوں کی کپڑے اور سوت کی صنعت بلکہ عمدہ روئی کی کاشت تک کو بالکل برباد کر دیا۔ اور ہندوستان کو مجبور کر دیا کہ وہ انگلینڈ کی ملوں کے بنے ہوئے کپڑوں ہی کو خریدے اور استعمال کرے چنانچہ انگلینڈ اور پھر جاپان وغیرہ سے کپڑا لالا کر ہندوستان میں ٹھونسا گیا۔ ہندوستانی کپڑا بننے والا تقریباً زندہ درگور کر دیا گیا۔ اس صنعت کو اس کے مراکز کو، اس کے صناعوں اور آلات وغیرہ کو تقریباً فنا کر دیا گیا۔ مگر بیسویں صدی کی ابتداء میں کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی اور احمد آباد، بمبئی، شولاپور وغیرہ میں کچھ دخانی ملیں کپڑے اور سوت کی بنائی گئیں۔ اگرچہ اُن پر قیود اور گراں گراں ٹیکس عائد کیے گئے جن کی بناء پر وہ حسب خواہش و ضرورت ترقی نہ کر سکیں تاہم اُن سے ملک کو فائدہ پہونچا اور گذشتہ جنگ عظیم میں

انہوں نے بہت کچھ کام کیا جنگ عظیم کے بعد اگرچہ ان ملوں میں اضافہ ہوا مگر یہ تمام ملیں
ہندوستان کے لیے کسی طرح کافی نہیں تھیں۔ اس لیے ہمیشہ ہندوستان انگلینڈ اور جاپان
وغیرہ کا بڑے درجہ میں محتاج اور کپڑوں کا خریدار رہا۔ ۱۹۱۹ء کے بعد گاندھی جی نے جو کہ جنگ عظیم
کے بعد خوب چوکنے ہو گئے تھے کھدر اور چرخے کی اسکیم پھیلائی۔ یقیناً اس اسکیم سے ملک
کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہوا، کاش عام طبقہ متفقہ طور پر اس اسکیم پر عامل ہو جاتا تو آجکل کی مصیبتیں
بھی سامنے نہ آتیں اور نہ ہندوستان کا عظیم الشان مال حصہ باہر جاتا۔ گاندھی جی نے منظم تحریک
چرخا سنگھ کی چلائی اور وہ تحریک خدا کے فضل سے بڑی کامیاب ہوئی جا بجا اس کے مراکز
اور دفاتر قائم ہو گئے اور ہندوستان پبلک کو بہت زیادہ فائدہ پہنچنے لگا اس شعبہ (چرخا سنگھ)
کے کارکن اگرچہ عموماً کانگریسی ہی تھے مگر وہ ستیہ گرہ اور قانون شکنی وغیرہ سے بالکل علیحدہ
تھے اور نہایت پُرامن رہتے تھے۔ اگست ۱۹۴۲ء میں ان سبھوں کو بھی گورنمنٹ نے
جیلوں میں بند کر دیا ان کے مخازن اور گھروں اور آلات اور اموال پر قبضہ کر لیا بڑے بڑے
کارکن جیلوں کی نذر ہو گئے اور چھوٹے کارکن بیکاری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آلات سوت
کشی، جامہ بافی آلات رنگینی (نقش و نگار وغیرہ) کے سب کوٹھریوں میں بند کر دیے گئے اور بکثیر خراب
ہو گئے یا کر دیے گئے۔ حالانکہ خیال کرنے اور سوچنے کی بات تھی کہ جب کہ سمندری راستے
سب بند ہیں باہر سے کپڑا آ نہیں سکتا انگلینڈ کی ملیں گو بند ہیں یا سامان جنگ کی تیاری میں
مشغول ہیں ہندوستانی ملیں پارچہ بافی کے لیے کافی نہیں ہیں تو اس ادارہ سے فائدہ اٹھانا
چاہیئے تھا مگر تنگدلی اور غلط کاری اور استبداد ملعون کو کیا کیا جائے۔

کپڑے اور سوت کی ملوں پر کام کا بوجھ زیادہ ڈالا گیا اور جنگی ضروریات سے فاضل
کپڑا بازار اور منڈی میں نکالا گیا۔ ناکافی ہونے کی وجہ سے اس میں کشمکش ہوئی گورنمنٹ نے
تمام ملوں اور ان کی پیداوار کو اپنے کنٹرول میں لے لیا اور پھر اسی مثل کے مطابق "اندھا
بانٹے شیرنی اور اپنوں کو دے" روس کو چین کو مصر کو ایران وغیرہ کو بڑی بڑی مقدار میں بھیجنا
شروع کر دیا۔ فوجوں کے لیے علیحدہ کوٹہ مقرر کر دیا۔ صوبوں پر تقسیم میں غلطیاں کی گئیں ۔

حسبِ تقسیم مقررہ مال پہنچنے اور عام ہندوستانیوں تک پہنچنے میں سخت بدنظمیاں ہوئیں نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے عام پبلک تک پہنچنے کے بلیک مارکیٹ میں اور بجائے غریب طبقے تک پہنچنے کے امرا اور حکام، نوابوں اور سروں کے بنگلوں میں اور بجائے سول آبادی کے فوجی افسروں کے میاں پہنچ گیا۔ آئے دن اخباروں میں واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں عورت نے خودکشی کرلی کیونکہ ستر ڈھانپنے کے لیے اس کے خاوند کو باوجود جدوجہد کپڑا نہ مل سکا قریبی زمانہ میں اخباروں میں شائع ہوا ہے کہ بنگال کے کسی مقام پر ننگی عورتوں بچوں اور مردوں کا جلوس نکالا گیا۔ مُردوں کے کفن کے لیے کپڑا نہیں مل سکتا۔ (اجمل ۶ر مارچ)

ٹیکسٹائل کنٹرول بورڈ کے چیئرمین ایم ڈی تھیکر کا بیان ملاحظہ ہو:۔

۱۹۳۹ء میں ہندوستانی ملوں کا تیار کردہ سوت ایک ارب چھبیس کروڑ چالیس لاکھ (۱۲۶۴۰۰۰۰۰) پونڈ تھا ۱۹۴۴ء میں ایک ارب باسٹھ کروڑ تیس لاکھ پونڈ ہو گیا۔ اس سوت سے ہر سال چھ ارب ستر کروڑ گز کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چار ارب اسی کروڑ گز ٹیکسٹائل ملوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اور باقی ایک ارب نوّے کروڑ گز پاور ہاؤس اور کرگھوں پر تیار ہوتا ہے اگر یہ سارا کپڑا ملک میں شہری آبادی پر تقسیم کرنے کے لیے مل جائے تو فی کس ۲۵ - ۱۶ گز کپڑا تقسیم کیا جا سکے (جنگ شروع ہونے سے پہلے تقریباً اسی مقدار میں ہندوستان کے بازاروں میں کپڑا رہتا تھا) مگر بدقسمتی سے اس پیداوار کا بہت بڑا حصہ شہری گاہکوں تک نہیں پہنچتا۔ کل پیداوار میں سے کچھ کروڑ گز اور بعض اوقات میں ایک ارب گز دفاعی افواج کے لیے فراہم کیا گیا۔ اور پھر زیادہ سے زیادہ ساٹھ کروڑ گز کی مقدار ملک کے باہر بھیجی جاتی ہے۔

ہم نے کنٹرول بورڈ کے چیئرمین اور ٹیکسٹائل بورڈ کے چیئرمین نے "حکومت ہند کو بارہا توجہ دلائی کہ جو کپڑا باہر بھیجا جا رہا ہے۔ اس کی مقدار کم کی جائے مگر شنوائی نہیں۔ اور کیوں ہوتی یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن کو نفع کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔ حلفاء جنگ کی خبرگیری کس طرح کی جا سکتی تھی۔ بلا سے ہندوستانی ننگے رہیں۔ (اجمل ۲۸ر مارچ)

اخبار ہندوستان اسٹینڈرڈ نے مندرجہ ذیل سرخی کے ماتحت ایک خط کی نقل چھاپی ہے۔

"جب کپڑے کا قحط پڑ رہا تھا حکومت ہند نے کلکتہ سے چین میں کپڑا بھیج کر کلکتہ کو کپڑے سے محروم کر دیا۔ (اجمل بمبئی ۱۲ اپریل)

ٹائمز آف انڈیا کی رائے ہے کہ بنگال میں سر ناظم الدین کی وزارت کی شکست کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کپڑے کا قحط پڑ گیا ہے۔ ادھر تو سول سپلائز کے وزیر مسٹر سہروردی نے اس الزام کی تردید کی کہ بنگال کو جو کپڑا بھیجا جاتا ہے وہ بلیک مارکیٹ میں چلا جاتا ہے۔ ادھر دوسرے ہی دن پولیس نے کپڑے کی گیارہ ہزار ایسی گانٹھوں کا پتہ چلایا جو ذخیرہ بازوں نے چھپا رکھی تھیں۔

ٹائمز آف انڈیا اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ سر ناظم الدین کی وزارت صوبہ کے اقتصادی حالات کا ٹھیک انتظام کرنے سے قاصر رہی۔ (اجمل ۱۴ اپریل)

الحاصل ان غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں کی بنا پر کپڑوں کا ملنا سخت دشوار کر دیا گیا اور خدا جانے کتنی جانیں برہنگی کی وجہ سے تلف ہو گئیں یا سردیوں کے زمانہ میں بیماریوں وغیرہ میں مبتلا ہو گئیں۔

(۲۲) ہندوستان پر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ڈیفنس کا اس قدر عظیم الشان بوجھ سالانہ پڑتا تھا کہ اس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ جو کہ تقریباً ستر کروڑ روپیہ ہوتا ہے اسی میں خرچ ہو جاتا تھا اور یہ تمام دنیا کے ممالک سے زیادہ تھا۔ سر جان سائمن ڈیفنس کے اس قدر بار کو ہی ہندوستان کی بدحالی اور افلاس کا سبب قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے: "ہندوستان کی مشکلات کی جڑ بالیقین فوج ہے۔ مرکزی حکومت ہند کے موجودہ اخراجات کا ½ ۶۲ فیصدی ڈیفنس پر صرف ہو جاتا ہے۔ جو دنیا بھر سے زائد صرفہ ہے۔ تمام مملکت برطانیہ کی نسبت دو سے تین گنا تک ہندوستان ڈیفنس پر زائد صرف کرتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۲۸ء میں برطانیہ عظمیٰ کے مصارف حرب ۴۹ فیصد بڑھے تو آبادیات کے ۲۲ فیصد۔ مگر ہندوستان کے اعداد اس مدت میں دو گنے ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریزی افواج کے اخراجات ہندوستان میں ہیبتناک ہیں۔ ایک انگریز سپاہی کا صرفہ

ہندوستانی سپاہی سے چوگنا پانچ گنا زیادہ ہوتا ہے توپ خانہ اور ہوائی فوج میں ہندوستانی کو کمیشن ملنا ممنوع ہے۔ (ہندوستان ٹائمز اقتباس از سائمن رپورٹ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۰ء)

ایسے غریب اور ناتواں مفلس ملک پر یہی بوجھ کس قدر ثقیل اور مہلک تھا مگر اس کے سنگدل آقاؤں نے جنگ میں دھکیل کر اس سے کئی گنا زائد بوجھ اور اس پر رکھ دیا۔

ممبر مالیات سر جرمی ریسمین فرماتے ہیں

۴۴، ۱۹۴۳ء میں ہندوستان کے دفاعی اخراجات سات ارب چوہتر کروڑ روپے تھے۔ ان میں سے تین ارب اٹھتر کروڑ روپیہ برطانوی حکومت نے ادا کیا ۴۵۔ ۱۹۴۴ء میں جنگی اخراجات آٹھ ارب چھیانوے کروڑ روپے تھے جن میں سے ملک معظم کی حکومت نے چار ارب انتالیس کروڑ روپے ادا کیے ۴۶-۱۹۴۵ء کے بجٹ میں نو ارب ایک کروڑ روپے ہیں ان میں برطانوی حکومت چار ارب اسی کروڑ روپیہ ادا کرے گی۔ جنگ کے چھ سال کے اخراجات میں ہندوستان نے جو رقم دی ہے وہ کل اخراجات کے نصف سے کم ہے۔

(راجبل ۲۷ رمارچ)

لندن ۸ رجون مسٹر ایمری نے دار العوام میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ہندوستان نے جنگ میں کیا مالی مدد کی ہے۔ فرمایا ۱۹۴۰ء کے انتظامات کے مطابق ہندوستان جنگ سے قبل کی فوجوں کا بار اٹھا رہا ہے اس کے بعد بیرونی دفاعی فوجوں کے اخراجات امن کے زمانہ کے اخراجات مزید کے لیے دس لاکھ روپیہ سالانہ دے رہا ہے۔ ہندوستان نے مقامی دفاعی امور کا خرچ بھی اٹھایا ہے۔ اس میں وسیع پیمانوں پر فوجیں بھرتی کرنا ان کو مسلح کرنا ہندوستان میں موجودہ برطانوی سپاہیوں کی تنخواہ دینا ہوائی بیڑوں کے لیے اڈے بحری بیڑوں کے لیے بحری مراکز اور فوجوں کے لیے ضروری مراکز کی تعمیر کا خرچ ادا کرنا بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کو جنگی مقاصد کے لیے خام اشیاء اناج اور دوسرا سامان بھی دیا ہے اسی طرح مذکورہ بالا انتظام کے مطابق ۳۱ مارچ تک ہندوستان نے مذکورہ بالا امور پر ساٹھ کروڑ پونڈ (تقریباً ساڑھے آٹھ ارب روپیہ) خرچ کیا ہے اور اب سالانہ سوا دو سو ملین پونڈ (تین ارب

پندرہ لاکھ) روپیہ خرچ کر رہا ہے۔ جنگ سے قبل ہندوستان پچھتر کروڑ روپیہ سالانہ دفاعی امور پر خرچ کرتا رہا۔ انڈی پنڈنٹ لیبر پارٹی کے رکن مسٹر اسٹیفن نے پوچھا کہ کیا ان لغزیات کے متعلق مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھیوں سے استصواب رائے کیا گیا ہے۔ مسٹر ایمری نے جواب میں فرمایا کہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرکزی اسمبلی میں بجٹ پر بحث و مباحثہ کے دوران میں اس سوال کو اٹھائیں (اجمل بمبئی۔ ۱۰ جون ۱۹۴۴ء)

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسٹر ایمری اس سے ناواقف ہیں کہ مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھی بجٹ کے مباحثہ میں سوال اٹھا کر بجٹ کو اکثریت کے ووٹ سے مسترد کر دیتے ہیں مگر نہ حکومت دفیل ہوتی ہے نہ بجٹ مسترد ہوتا ہے بلکہ وائسرائے اپنے ویٹو کو عمل میں لا کر بجٹ جاری کر دیتا ہے۔ (اجمل ۲۷ مارچ)

خلاصہ یہ کہ وہ ہندوستان جس کو بڑے بڑے مدبرین اور مؤرخین انگریز اور غیر انگریز انتہائی مفلس انتہائی مفلاچ فاقہ مست افلاس اور فاقوں کا گھر تھا اور ہے لکھتے ہیں اس پر پبلک چار ارب سے زیادہ روپیہ سالانہ کا بوجھ جبراً و قہراً رکھ دیا گیا اور پسلنے تک کی اجازت نہیں دی گئی۔ جب زیادہ عرض و معروض کی نوبت آئی تو یہ کہہ کر جھڑک دیا گیا کہ انگلستان اور امریکہ پر اس سے زیادہ بوجھ رکھا گیا ہے کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ چیونٹی جیسی ضعیف ہستی پر ہاتھی کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس کی آمدنی فی نفر یومیہ ایک پنس ہے۔ (پراسپرس برٹش انڈیا) یا بعد کے لوگوں کے تخمینوں کے مطابق چند آنہ ہیں اس ملک کے برابر کس طرح بوجھ اٹھا سکتا ہے جس کی آمدنی کا اوسط حسب ذیل ہو۔

انگلینڈ فی کس یومیہ $\frac{1}{12}$ ۔ امریکہ فی کس یومیہ ۔

وہ ہندوستان جس میں ۷ کروڑ باشندے مسلسل فاقہ کرنے والے ہیں اور پچیس کروڑ سے زائد ایسے ہیں جن کو تمام عمر میں کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتے (مسٹر اے اے پرسل ڈیلی ہیرالڈ لندن ۱۹۲۸ء) اس پر چار ارب سالانہ سے زائد کا بوجھ علاوہ ان ٹیکسوں کے بوجھ کے جو ہمیشہ اس پر لدا ہوا ہے اور جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔

رکھنا کس قدر ظلم اور برباد کرنے والا امر ہے۔

۱۸۷۱ء میں ان ٹیکسوں کا فی کس اوسط ۱۲/۶ ۹ پائی تھا

۱۸۸۱ء میں ——————— ۲/۶ ۱۱ پائی ہوا

۱۸۹۰ء " ——————— ۳/۶ ۱۱ " "

۱۹۰۱ء " ——————— ۱۰/۶ ۲ " "

۱۹۱۱-۱۲ء میں ٹیکس کا اوسط ۱۱/۶ ۸ پائی ہوا

۱۹۱۴-۱۵ء میں ——————— ۱۲/۶ ۷ پائی ہو گیا

۱۹۱۸-۱۹ء میں ——————— ۱۱/۱ ۸ پائی " "

۱۹۱۹-۲۰ء میں ——————— ۹/۱ ۲ پائی " "

۱۹۲۰-۲۱ء میں ——————— ۱۴/۱ ۲ پائی " "

۱۹۲۱ء کے بعد اور بھی ٹیکس لگائے جا چکے ہیں مجموعی طور پر یہ اندازہ غلط نہیں ہو سکتا کہ موجودہ مقدار ٹیکسوں کی سات روپیہ فی کس ہو گی۔ وکیل امرتسر جلد ۲۹ نمبر ۹۳، ۲۴ نومبر ۱۹۲۲ء)

۱۹۲۶ء تک ٹیکس اور بھی بڑھائے گئے اور آمدنی ایک ارب اکتالیس کروڑ سے کچھ زائد کر دی گئی ۱۹۲۵-۲۶ء کا جملہ خرچ ایک ارب اکتالیس کروڑ چھہتر لاکھ اٹھاسی ہزار سات سو پچاس روپیہ ہے (۱۴۱۷۶۸۸۷۵۰) رسالہ مالیات عامہ۔

اور پھر ان ٹیکسوں کا گراں بار ایک سال کے لیے نہیں دو سال کے لیے نہیں مسلسل چھ سال ہو چکے ہیں۔ جاری ہے۔ اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ لڑائی اپنی شہنشاہیت اور اپنی خود غرضیوں کے لیے کی جائے ہندوستان کو نہ اٹلانٹک چارٹر میں جگہ دی جائے، نہ سان فرانسسکو میں نہ اور کسی دستور میں نہ اُن کی آزادی کے لیے کوئی حصہ تجویز کیا جائے بلکہ وزیر اعظم صاف الفاظ میں اعلان کریں کہ میں برطانیہ کا دیوالہ نکالنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے وزیر اعظم نہیں بنا ہوں اور پھر ہندوستان سے اس قدر خون پیا جائے۔ اس بوجھل ثقل کی وجہ سے اس قدر عظیم الشان بربادی غریب ہندوستانیوں کی ہو رہی ہے کہ الامان الحفیظ

ہندوستان اپنے سابقہ ہی ٹیکسوں کی بنا پر موت اور زیست کی کشمکش میں جان توڑ رہا تھا۔ ان سے تمام آمدنی ڈیڑھ ارب روپیہ کے قریب ہوتی تھی اب اس پر چار ارب سے زیادہ روپیہ خرچہ جنگ بڑھاکر نئے نئے اور بھاری ٹیکس لگادیئے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان ٹیکسوں سے کس قدر ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ ہندوستانیوں کے لیے خرچ تعلیم کی اوسط فی کس ۸ ؍ سالانہ ہوتا ہے اور خرچہ ڈیفنس فی کس دس روپیہ سالانہ پڑ رہا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا۔ اور عموماً ان ٹیکسوں کا بوجھ غربا ہی پر پڑ رہا ہے۔ امرا اور بڑی بڑی تنخواہ والوں پر بہت کم بوجھ پڑا ہے۔ وہ نفع اندوزی اور آرام وراحت میں مشغول ہیں۔ اور بیچارہ غریب سخت نزع کی حالت میں۔ کیا اس سے بڑھ کر استبداد اور درندگی کا کوئی مظاہرہ ہوسکتا ہے ؟۔

(۲۳) ہندوستانیوں سے قرضہ جنگ کے نام پر زر نقد وصول کرنے کی اسکیم جاری کی گئی اور بعد از جنگ اس کی ادائگی مع سود کا وعدہ کیا گیا۔ اور اس کے وصول کرنے کے لیے ہر ممکن اثر سے کام لیا گیا۔ بقول ممبر مالیات سرجریمی ریسمین اس کی مقدار مارچ ۱۹۴۵ء تک آٹھ ارب تینتیس کروڑ روپیہ تک جا پہنچی ہے ۔

(۲۴) امداد جنگ کے نام سے چندہ جاری کیا گیا اور نہ صرف بڑے بڑے شہروں میں بلکہ دیہات اور قصبات میں بھی زور شور سے برابر اس کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر جگہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مختلف اثروں اور طریقوں سے وصول کیا جارہا ہے ۔

اگرچہ زبان اور قلم سے کہا جاتا ہے کہ ہم دینے والوں کی رضا اور خوشنودی سے وصول کرتے ہیں۔ بڑے حکام بھی اپنے ماتحتوں کے سامنے لوگوں میں بار بار یہی بات دہراتے ہیں۔ مگر معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اگر کسی غریب نے انکار یا اپنی عدم استطاعت کا اظہار کیا تو اس کو پٹواری، قانونگو، تحصیلدار، تھانہ دار، پولیس کے ذمہ دار دیگر حکام زمیندار (نمبردار) وغیرہ اس قدر ستاتے اور دھمکاتے ہیں کہ اس کی زندگی وبال جان ہوجاتی ہے۔ اس کی کاشت اس کے مویشی اس کا مال اس کا گھر بار سب خطرے میں پڑ جاتے ہیں، بیچارہ دیہاتی کاشتکار مرعوب ہوکر اور غریب متوسط طبقہ قصباتی اور شہری مجبور ہوکر قرض دام کسی طرح کرکے

زیادہ سے زیادہ پیش کرتا ہے تب اس کو نجات ملتی ہے، اسی بنا پر کانپور میں ۹ جنوری ۱۹۴۵ء کو صوبہ جاتی کانگریس کمیٹی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رزولیشن پاس کر کے حکومت صوبہ سے مطالبہ ذیل کیا۔

"گورنر صوبہ جات متحدہ کے اس اعلان کے باوجود کہ چندہ ہائے جنگ رضاکارانہ طور پر دیئے جائیں ڈ سرکاری افسران جنگ کے لیے قرضہ اور چندہ حاصل کرنے میں جبر و تشدد عمل میں لاتے رہتے ہیں، اس لیے گورنمنٹ سے صوبہ کانگریس کمیٹی کی یہ میٹنگ مطالبہ کرتی ہے کہ گورنمنٹ سرکاری طور پر اس کی تحقیقات کرے اور اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے افسران کو ہدایت کرے کہ وہ بجبر کچھ وصول نہ کریں۔

حکام متعلقہ کو اگر اس قسم کی ہدایتیں بھی ہیں تب بھی وہ سرخروئی اور حکام بالا سے شاباشی اور خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بہت زیادہ تشدد اور ناجائز کارروائیوں کو عمل میں لاتے رہتے ہیں اور بہت سی جگہوں میں تو اسی بہانہ سے تشدد کر کے رشوتیں لی گئیں اور لی جا رہی ہیں بلکہ اسکی اور کنٹرول وغیرہ کی وجہ سے اس زمانہ میں جس قدر رشوتوں کا بازار گرم ہے کبھی کسی زمانہ میں نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا، بلیک مارکیٹ اور نفع اندوزی کا کاروبار چند دن کی سرگرمیاں رشوتوں ہی پر موقوف ہیں پھر یہ بازار کیوں نہ گرم ہوتے

برنیم بیضہ چوں سلطاں ستم روا دارد   زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

بیچارے غریب اور مفلس کا جنازہ نکل رہا ہے اس کے بچے اور بیوی بلک بلک کر رو رہے ہیں اور یہ حکام اور ارباب دولت دسرا یہ مزے اڑا رہے ہیں سنگدل آقاؤں کو خون چوسنے کی فکر ہے۔ بہت زیادہ خیانتیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور اگر سَو وصول کیا گیا تو چالیس پچاس خود رکھا اور باقی گورنمنٹ کو پہنچایا۔ شور وشغب پر جب سے کہ تحقیقاتی محکمہ قائم کیا گیا ہے بہت سی خیانتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ بیچارے غریب کسان کے لیے ان امور سے زندگی دوبھر ہو گئی اور بال بچوں کا پالنا سخت مشکل ہو گیا۔

(۲۵) باوجودیکہ ہندوستانیوں نے تمام میدانوں میں انتہائی جرأت اور بہادری سے کام کیا ہے اور بسا اوقات اس قدر جوانمردی سے لڑے ہیں کہ یورپین اور امریکن کینیڈین آسٹریلین نیوزی لینڈ وغیرہ کے سپاہی اس کا آدھا تہائی بھی نہیں لڑ سکے مگر ہندوستانی فوجی اب بھی بالائی عہدوں سے محروم ہیں۔ بڑی بڑی تنخواہیں اور سمندری الاؤنس صرف یورپین کے لیے مخصوص ہیں ان کے سپاہیوں اور افسروں کو خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اب بھی یورپین چھوٹے اور بڑے افسروں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے وہ اب بھی وائسرائے ہند کے غلام کہے جاتے ہیں اور یورپین سپاہی اور آفیسر شہنشاہی سپاہی شمار ہوتے ہوئے نسلی اور قومی افتخار اور تمیز کے نشہ میں سرشار پائے جاتے ہیں۔ ایسے الزامات واقعیہ کے دفع کرنے اور شرم اتارنے کے لیے فوجی وزیر اسمبلی میں بار بار ہندوستانیوں کی اعلیٰ عہدوں کی اور ہوائی اور بحری کمانوں کی ناقابلیت کا راگ الاپتے رہتے ہیں چنانچہ حال ہی میں بھی مرکزی اسمبلی میں یہی کیا گیا۔ تعجب ہے کہ یہی ہندوستانی انگریزی اقتدار سے پہلے ہندوستان میں تمام بالائی اور تحتانی فوجی خدمتیں نہایت قابلیت اور ہوشیاری سے انجام دیتے رہتے تھے جس کی شہادتیں نہ صرف ہندوستانی مؤرخین کی تصانیف دیتی ہیں بلکہ یورپین مؤرخین بھی منہ بھر بھر کر شہادتیں دیتے اور معترف ثنا و صفت نظر آتے ہیں، مگر انگریزی اقتدار کے ہوتے ہی یہ قابلیت ان سے بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ یہی ہندوستانی اگر امریکہ میں سکونت پذیر ہو کر یا کسی دوسرے ملک چین جاپان وغیرہ میں فوجی خدمات پر یا ہوائی صیغہ یا بحری صیغہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں تک فائز ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی قابلیت اور حسن کارکردگی اس میں پیدا ہو جاتی ہے مگر ہمارے رحمدل اور مہربان آقاؤں کے یہاں آکر سب کی سب مسلوب ہو جاتی ہے۔ یا للعجب!

(۲۶) اتحادیوں اور بالخصوص مسٹر چرچل نے بار بار اعلان کیا ہے کہ یہ جنگ محض انسانیت اور اس کی آزادی کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ حال میں بھی رہائن کو پار کرنے والے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے فرمایا "تم انسانیت کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہو" اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ پچیس لاکھ ہندوستانی سپاہی جو کہ چھ برس سے ہر محاذ اور ہر

میدان میں نہایت بہادری سے اپنا خون بہا رہے ہیں اور یہ ملک ہندوستان جس نے اپنی ہر عزیز متاع کو لڑائی میں جھونک دیا ہے کس کی آزادی کے لیے لڑ رہا ہے اور کون سی قطعی آزادی اس کو حاصل ہوئی ہے۔ یا حاصل ہونے والی ہے، کیا یہ وہی آزادی ہے جس کو وزیر ہند کرپس تجاویز کے نام سے بار بار گا رہے ہیں یا یہ ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے سر فیروز خاں نون کے ذریعہ سے شہادت دلائی گئی ہے۔ اور جس کے لیے نون صاحب اور سوامی مدلیار کو سان فرانسسکو بھیجا جا رہا ہے اور جس کے متعلق مسٹر چرچل نے ہاؤس آف کامنس میں اعلان کیا ہے کہ:-

"سان فرانسسکو کانفرنس میں نوآبادیات اور برطانیہ کے محکوم ممالک کا کوئی سوال زیر بحث نہیں آئے گا۔"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے متعلق وزیر نوآبادیات برطانیہ نے امریکہ کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

"اگر محکوم ممالک اور نوآبادیات کو آزادی دیدی گئی تو اس طرح چالیس نئے ممالک ظہور میں آجائیں گے۔ اور اس عالمگیر تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے متعلق مسٹر چرچل بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ:

"میں برطانیہ کو دیوالیہ بنانے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے منصب وزارت پر نہیں آیا ہوں۔"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے لیے مسٹر چرچل نے فرمایا تھا کہ وہ اٹلانٹک چارٹر مشرقی ممالک اور ایشیا اور افریقہ کی قوموں پر عائد نہیں ہوتا ہے"! کیا یہ وہی آزادی اور سر فیروز خاں نون کی ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے ماتحت ہندوستانیوں کو بھوک میں روٹی اور ننگے پن میں کپڑا اور مرنے کے بعد کفن نصیب نہیں ہوتا اور جس کے ماتحت تمام دنیا کی پانچواں حصہ آبادی والا ملک انتہائی فلاکت اور مفلسی کا شکار ہو کر سسکتا ہوا جان دے رہا ہے۔

کیا یہ وہی آزادی یا ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے متعلق مسٹر فلپس امریکی فرماتے ہیں کہ:-

"موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی دنیا کے اور ممالک کو پہنچا ہو۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔"

(۲۷) اسی وجہ سے کہ ہندوستان کو جنگ میں دھکیلا گیا ہر ہر صوبہ اور صوبوں کے ہر ہر ضلع اور ضلعوں کے ہر ہر مناسب مقامات پر ہوائی اڈے بنائے گئے، چھاؤنیاں قائم کی گئیں فوجی ضروریات کے لیے مراکز قائم کیے گئے سڑکیں نکالی گئیں جن کی وجہ سے ہزاروں دیہات اور لاکھوں مکانات اور لاکھوں کھیت اور باغات اجاڑے گئے اور برباد ہو گئے زمینوں پر قبضہ کیا گیا بہت سی جگہوں پر معاوضہ تک نہیں دیا گیا اور جہاں دیا بھی گیا وہ نہایت قلیل اور غیر کافی تھا بہت سی جگہوں میں مابعد جنگ پر تحویل کی گئی لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی بے گھر اور بے خانماں کر دیے گئے۔ بنگال و آسام میں بہت سے دیہات میں زرو پوش ٹینک دیہات کو خالی کرنے کے لیے غربار کے مکانات پر چلا دیے گئے۔ مذکورہ بالا مصائب مہلکہ کی بنا پر غریبوں کو جن تکالیف کا تحمل کرنا پڑا وہ بیان سے باہر ہیں۔ شہروں میں صرف قومی اور تعلیمی اداروں پر قبضہ کیا گیا بلکہ بہت سے رہائشی مکانات بھی خالی کرا لیے گئے بمبئی میں ایک سو پچاس رہائشی مکانات پر فوج کے قبضہ کر لینے کا اقرار خود وزیر جنگ نے اسمبلی میں کیا ہے (انجمل ۲۸ مارچ) اس طرح کے تمام بڑے شہروں میں واقعات کم و بیش پیش آئے ہیں اگرچہ بعض مقامات پر معاوضہ بھی دیا گیا اور بعض بعض مقامات پر دباؤ میں آکر خود لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات خالی کر دیے۔ آسام اور بنگال میں ایسے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں۔ اور جہاں معاوضہ بھی دیا گیا ہے عموماً مناسب مقدار پر نہیں دیا گیا اگرچہ بعض مقامات پر زیادہ بھی کسی وجہ سے دیا گیا ہو۔ بہر حال پبلک کو پریشانیاں انتہائی درجہ پر پیش آئیں اور آ رہی ہیں۔

(۲۸) ہندوستانیوں کی لاریاں، موٹر، سواری گاڑیاں، بیل گاڑیاں، کشتیاں ضروریات جنگ کے لیے رنگروٹ فوجیوں کے کھانے کے لیے جابرانہ طریقہ پر لی گئیں ناواقف رنگروٹوں نے عمدہ سے عمدہ لاریوں اور موٹروں کو برباد کر دیا، معاوضہ اگر دیا گیا تو نہایت کم

جو کسی طرح ان لاریوں اور موٹروں کی قیمت کے لیے کافی نہ ہو سکتا تھا۔ لاری والے جن کی معاشی زندگی اور ان کے بال بچوں کی پرورش اسی پر تھی بے دست و پا اور مجبور محض ہو گئے۔ نئی لاریوں کی قیمتیں اس قدر زیادہ ہو گئی تھیں کہ ان کا از سر نو خریدنا ان کی طاقت سے باہر تھا اور خریدتے بھی تو ہر وقت یہ خطرہ سوار تھا کہ اُن کو بھی ضبط کر لیا جائے گا اُن کے بال بچے بھوکوں مرنے لگے پٹرول بند کر دیا گیا۔ یا اس قدر قلیل مقدار میں دیا گیا کہ وہ کاروبار جاری رکھنے کے لیے کافی نہ تھا۔ قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ پابندیاں اور تسیو دا ور ٹیکس اس قدر بڑھا دیئے گئے کہ ان کے ہوتے ہوئے نفع حاصل کرنا سخت دشوار ہو گیا۔ صوبہ بنگال اور آسام میں اس خطرہ کے ماتحت کہ جاپان آجائے گا۔ اس کے پیرا شوٹ اتر آئیں گے۔ وہ آسام کی سرحدوں پر پہنچ گیا ہے بہت سے ذرائع نقل و حرکت پر قبضہ کر لیا گیا چونکہ صوبہ آسام و بنگال میں دریا بہت ہیں اس لیے ذرائع نقل و حمل کشتیاں زیادہ تر ہوتی ضرور ہیں اُن کو اپنے قبضہ میں لایا گیا اور ان کو ڈبو دیا گیا یا اور کسی طرح تلف کر دیا گیا جس کی بنا پر وہ غریب آبادی جس کی گذران مچھلی کے شکار یا کشتیوں میں اموال کے نقل وغیرہ پر تھی بالکل مجبور ہو گئی۔ اور بھوکوں مرنے لگی۔ ہم کو بنگال میں معلوم ہوا کہ اس قسم کے غریب لوگ عموماً قحط کا شکار ہوئے اور مر گئے۔

(۲۹) نئے رنگروٹوں اور دوسرے فوجیوں کو جو لاریاں بطور ٹریننگ دی گئی تھیں یا نقل سامان وغیرہ کے لیے استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ بے تحاشا تیزی کے ساتھ سڑکوں پر چلاتے تھے اور پبلک کے تحفظ کا خیال بہت کم کرتے تھے۔ بالخصوص افریقہ کی سیاہ فام فوجیں یا دوسرے غیر ممالک کے سپاہی اس کے نتیجہ میں بہت سے آدمیوں کی جانیں لاریوں سے ٹکرا کر یا نیچے دب کر ضائع ہوئیں مگر حکام نے کوئی پروا نہ کی۔

(۳۰) باہر سے آنے والی فوجوں اور سپاہیوں کی ہندوستانی عورتوں پر دست درازی اور عصمت دری بد اخلاقی اور بدمستیوں کی حکایتیں بکثرت ہوئیں جن میں سے کبھی کبھی بعض حکایتیں اخبارات میں بھی آئیں جو کہ فیصدی دو چار بھی نہیں کہی جا سکتیں۔ مواقع پر جانے اور تفتیش سے ایسے بہت سے واقعات کا پتہ چلتا ہے ان کی بنا پر ہندوستانی غرباء اور امراء کو اپنی عزت تو

درکنار زندگی کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اسمبلی میں اس قسم کے سوالات اٹھائے بھی گئے تو معمولی طور سے ان کو ٹال دیا گیا۔

(۳۱) صوبہ سرحد میں آزاد قبائل کی سول آبادی پر ہوائی جہازوں کے ذریعے سے بمباری کی گئی جبکہ بعض قبائلی علاقوں پر پانچ مہینہ تک برابر جاری رہی۔ حالانکہ مجلس اقوام اور اس کے شرکار نے جس میں سے خود برطانیہ بھی تھا اس کو وحشیانہ اور سخت قابل نفرت اور ناجائز فعل قرار دیا تھا اس پر مرکزی اسمبلی میں جب کہ حال میں سوال اٹھایا گیا تو وزیر جنگ کا جواب اس قدر تلخ اور نازیبا اور مستبدانہ تھا کہ بقول نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل ڈائر کی یاد تازہ ہو گئی۔

(۳۲) ہمیشہ سے اور بالخصوص ابتدار جنگ سے امریکہ میں ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ جاری ہے اور امریکی رائے عامہ کو ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی اور اس کے استحقاق سے برگشتہ کرنے کا کام بڑے زوروں پر کیا جارہا ہے۔ اسی سلسلہ میں مدر انڈیا امریکی عورت سے لکھوا کر بکثرت شائع کرائی گئی۔ اور اسی سلسلہ میں لارڈ ہیلی فیکس سابق لارڈ ارون مدتوں تک امریکہ میں رونق افروز رہے اور نہایت غلط بیانی سے دن کو رات اور رات کو دن بناتے رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مسٹر بھولے اور مسٹر غیاث الدین وغیرہ کو حال میں امریکہ بھیجا گیا تھا جن کو ہندوستان کے خزانہ سے فی کس یومیہ بیس ڈالر دیا گیا (روزنامہ انصاری ۲۷ جون ۴۴ء) آنجہانی مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کے دورہ ۳۳-۱۹۳۲ء اور دیگر آزاد خیال ہندوستانیوں مسٹر سید حسین وغیرہ کے حقیقت افروز اور سچائی سے بھرے بیانات پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوششیں جاری رہیں اور ہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ امریکہ اتحادیوں کے ساتھ ہو کر میدان جنگ میں اترا ہوا ہے اور امریکی سیاستداں اور فوجی آفیسر یہاں آکر ہندوستان کے احوال سے واقف ہو گئے ہیں۔ مسٹر فلپس اور مسٹر وینڈل ولکی وغیرہ کے بیانات منصہ ظہور پر آچکے ہیں اور برطانیہ کو اپنی استعماریت اور استبدادیت کے لیے خطرے محسوس ہو رہے ہیں۔ فلاڈلفیا کانفرنس کے رکن مسٹر ملیر کرنے ایک کانفرنس میں بتلایا کہ امریکہ میں ہندوستان کے خلاف عجیب پروپیگنڈا کیا جارہا ہے، امریکہ میں ہر شخص ہندوستان کی اس جدوجہد کے متعلق معلوم کرنے کو بیتاب ہے۔

جو وہ عزت حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ امریکنوں کے اشتیاق کی تکمیل حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کے پروپیگنڈے سے کی جا رہی ہے ان حکومتوں نے تنخواہ دار ہندوستانیوں کو پروپیگنڈا کے لیے بھیجا ہے اور ان کو ممتاز صحافی یا لیڈر کہہ کر مشہور کر رہی ہے ان کے ذریعہ سے ہندوستان دشمن پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکن عوام اس طرح دھوکے میں پڑتے ہیں مگر خواص ان لوگوں کو ہندوستانی کوئزلنگ (ہندوستانی غدار) سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں ہندوستانی عوام کو یہ معلوم کرنے کا پورا حق ہے کہ امریکہ میں ہندوستانی خزانوں کے روپیہ سے جو ہندوستان دشمن پروپیگنڈہ ہو رہا ہے وہ کیا ہے تقریباً تین سو آدمی امریکہ میں بھیجے گئے ہیں جو عورتوں اور شراب کی محفلوں میں ہندوستان کے متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور کرتے ہیں اس پروپیگنڈے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ برطانی سفارت خانہ کی سرپرستی میں کیا جا رہا ہے، پروپیگنڈے کے عجیب امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امریکنوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان سے ہٹ گئے تو ہندوستان سے مسیحی مذہب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (اجمل بمبئی ۲۴ جون ۱۹۴۴ء)

حقیقت کو چھپانے اور دروغ کو ابھارنے کے لیے حکومت انگلینڈ اور حکومت ہند لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہے اور ہزاروں ایجنٹ تنخواہ دار کام کر رہے ہیں۔ سر پنڈرک بکل سر جو سلین، حکومت ہند کے محکمہ انفارمیشن کے سکریٹری مسٹر جی۔ ایس بوزین، ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے پبلک ریلشنز ڈائرکٹر بریگیڈیر، آئی۔ ایس جوہر وغیرہ وہاں جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں، برطانوی حکومت اس بے چینی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جو امریکہ میں ہندوستان کے متعلق پھیلی ہوئی ہے۔ (مقتبس از انصاری دہلی ۲۷ جون ۱۹۴۴ء)

ملاحظہ ہو تازہ بیان از مسٹر چمن لال مشہور جرنلسٹ (صحافی) جو کہ اسی سال میں امریکہ سے واپس آئے ہیں اور ان کے اعزاز میں سندھ سکرٹریٹ کے ریسٹورنٹ میں سندھ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے چائے پارٹی دی گئی تھی فرماتے ہیں کہ

امریکہ میں ہندوستان کے خلاف زور شور کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے دس ہزار تنخواہ دار

برطانوی ایجنٹ امریکہ میں اس لیے مقرر ہیں کہ وہ ہندوستانی تحریک آزادی کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں اور ہندوستان کے مطالبہ کے خلاف امریکن ٹئے عامہ کا رجحان پیدا کر دیں، برطانیہ ان لوگوں پر چھ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے حکومت ہند اس مقصد کے لیے چھبیس لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے، سر گرجا شنکر باجپئی اس تحریک کے خاص کارکنان میں سے ہیں پاکستان کی حمایت میں کتابیں، رسائل پمفلٹ برطانیہ میں چھاپ کر امریکہ روانہ کیے جاتے ہیں۔

(اجمل ۱۵؍جنوری ۱۹۴۵ء)

روزنامہ ملاپ مورخہ ۱۶؍جنوری میں ان کی تقریر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ جس میں برطانیہ کے مصارف کو بجائے ۶ کروڑ روپیہ کے ۲ کروڑ پونڈ ذکر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ تر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ نیز اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ:-

امریکن گورنمنٹ نے ہندوستان کے متعلق جو برانچ ڈیپارٹمنٹ کھول رکھا ہے۔ اس کی افسر اعلیٰ ایک انگریز لیڈی ہے۔ کئی امریکنوں کو سکالرشپ اور قیصر ہند میڈل دیکر برٹش گورنمنٹ نے اپنا حامی بنا رکھا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں۔ برطانوی سفارت خانے کی طرف سے انہیں تنخواہ دیجاتی ہے سنٹرل اسمبلی کو اس مطلب کا رزولیشن منظور کرنا چاہیئے کہ حکومت ہند اپنے ایجنٹ سر باجپئی کو امریکہ سے فوراً واپس بلالے کیونکہ ان کی سرگرمیاں بے حد ہندوستان آزار ہیں، ان کی تنخواہ پچیس ہزار ڈالر ہے۔ یعنی پریذیڈنٹ روزویلٹ کی تنخواہ سے بھی زیادہ ایک مرتبہ مسٹر ایری وزیر کے کہنے پر سر باجپئی کینیڈا گئے اور وہاں وزیر اعظم مسٹر میکنزی کنگ سے کہا کہ ہندوستان میں خوراک کی کمی نہیں اور وہاں خوراک بھیجنے کی ضرورت نہیں، مسٹر باجپئی نے ایک نئی کوشش شروع کر رکھی ہے اور وہ امریکہ میں ہندو دیسھا کھولنے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ وہ ہندوستانی نوجوانوں کو امریکن فوج میں بھرتی کرا رہے ہیں لیکن اپنے تین بیٹوں کو بھرتی نہیں کرایا۔ آپ نے مزید کہا امریکن عوام اب کافی بیدار ہو چکے ہیں کہ ہندوستان کے خلاف برطانوی پروپیگنڈا مضحکہ خیز ہے۔ اس لیے اب اس پروپیگنڈے کا پہلے جتنا اثر نہیں ہوتا۔ ہندوستانی قوم پرست بھی برطانوی پروپیگنڈے کا اثر زائل کرنے

میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے امریکہ کے قوم پرست ہندوستانیوں کے ایک سرکردہ لیڈر مسٹر سید حسین ۲۰ سال سے ہندوستان کے حق میں پرچار کر رہے ہیں وہ کم و بیش ۱۵ ہزار لیکچر دے چکے ہیں۔ انہوں نے اخبار وائس آف انڈیا بھی نکال رکھا ہے (ریوٹر)

اس تازہ بیان سے معصوم برطانیہ کے نہ صرف مشئوم ارادوں پر بلکہ اس کی مردم کش عملی کارروائیوں پر بھی نہایت تیز روشنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ ہند کی بھی ہندوستانیوں سے ہمدردیوں کا پول کھلتا ہے۔ نیز مسلم لیگی حقائق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ حضرات کو غور کرنا چاہیئے اور حقائق کو گہری نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

(۳۲) اتحادیوں اور بالخصوص برطانیہ کی طرف سے ابتدا جنگ سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، کہ یہ جنگ جمہوریت اور آزادی کے لیے ہے، نازیت، ڈکٹیٹرشپ، فسطائیت مطلق العنانی، استبداد کو مٹانا اور بجائے اس کے جمہوریت ڈیموکریسیت کو زندہ رکھنا مقصد اصلی ہے۔ ضعیف اقوام کو آزاد کرنا اور آزاد رکھنا نصب العین ہے اس کے لیے نہایت زوردار آرٹیکل اور بیانات شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ تمام دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ والے ملک اور قوم پر ایسے طریقہ پر حکومت کی جا رہی ہے جس کو جمہوریت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، مرکز میں مطلق العنانی اور صوبوں میں گورنری راج ہے۔ سیاسی ترقی میں جمود مطلق ہے۔ جس سے ہندوستان کی تمام پارٹیاں سخت متنفر ہیں۔ اور جلد از جلد اس کو دور کرنا چاہتی ہیں ——————

—————— وائسرائے اپنی کانفرنسوں میں گورنروں کو بلا کر مشورے کرتے ہیں جن صوبوں میں نام نہاد نمایندہ وزارتیں قائم بھی ہیں ان کے بھی گورنر ہی بلائے جاتے ہیں وزراء کو پوچھا تک نہیں جاتا حالانکہ یہ امر ۱۹۳۵ء ایکٹ کے بالکل خلاف ہے، سیاسی جمود کے حل کرنے کے لیے باوجود بار بار توجہ دلانے اور اور پروٹسٹ کرنے کے کوئی اقدام نہیں کیا جاتا بلکہ آئیں بائیں شائیں کر کے ٹالدیا جاتا ہے صوبہ بلوچستان کو اصلاحات سے اب تک محروم کیا ہوا ہے۔ مرکز میں نامزد افراد کی

کونسل بنادی گئی ہے، جس میں گیارہ ممبر ہندوستانی ہیں۔ اور ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں ہی کی قومی حکومت ہے۔ کیونکہ وائسرائے کی کونسل میں اکثریت اور مجارتی ہندوستانیوں ہی کی ہے حالانکہ ان میں سے ایک شخص کو بھی ملک کی تائید اور نمائندگی حاصل نہیں ہے یہ سب کے سب وائسرائے ہی کے ملازم اور نوکر ہیں وہ ہر امر میں وائسرائے کے چشم وابرو کے اشاروں پر ناچنے والے ہیں۔ اہل ملک کے سامنے مسئول اور ذمہ دار ہونے کے قابل نہیں ہیں۔

حکومت برطانیہ ہندوستان کو محکوم مطلق اور غلام رکھنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہندوستانیوں سے شہری آزادیاں پامال کی جا چکی ہیں۔ قومی حکومت کا تصور اور خیال تک ہندوستانی اذہان سے مفقود کیا جا رہا ہے۔ حکومت کی غلط کاریوں نے عوام پر زندگی دوبھر کر رکھی ہے ملک کی خواہشات کا قطعاً کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔ بار بار پیش ہونے والے مطالبات آزادی کو ٹھکرا کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ محبان وطن کے ساتھ تشدد اور سخت گیری کے وہ تمام طریقے عمل میں لائے گئے ہیں جن کا ادنیٰ تصور بھی دل میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے، اس لیے ہندوستانی اس سے آزردہ ہیں۔ ہندوستانی عوام میں اس کو ذرا بھی مقبولیت نہیں ہے۔ ملک کے ہر طبقہ کے لوگ اس کی مخالفت پر متحد ہیں اس کے رویہ نے پورے ملک کو مخالف بنا رکھا ہے اگر حکومت ہندوستانیوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرتی۔ ان کی دلجوئی کرتی ان کے آرام و راحت کا بندوبست کرتی۔ خود غرضیوں اور نسلی امتیازات کو چھوڑتی، شہنشاہیت کے تجبر اور غرور کو چھوڑ کر ان کو محکومیت کی ذلیل اور مردہ کر دینے والی فضا سے آزاد ہو کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق عنایت کرتی ان کے منتخب کیے ہوئے محبوب نمائندوں کو مناصب وزارت پر فائز کرتی ان کے رہنماؤں کے خلاف منتقمانہ ذہنیت کا مظاہرہ نہ کرتی۔ ان کے حقیقی دوستانہ تعاون کی طالب ہوتی تو عام اور خاص ہندوستانی اس کے ساتھ مکمل تعاون کرتے۔ اور اس کی ہر ممکن امداد کرتے ہوئے سیاسیات عامہ اور خاصہ میں اپنا اخلاقی اور ملکی فرض ادا کرنا ضروری سمجھتے۔ مگر یہاں تو برطانیہ کے مشہور معروف پولیٹیکل سائنٹس مسٹر لسمچ کی کا مقالہ صادق آ رہا ہے، جس کو ہندوستان ٹائمز ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء

نے زیرِ عنوان مطلق العنانی شائع کیا تھا۔

مہذب دنیا میں دو بڑے مطلق العنان تھے (۱) زار روس (۲) وائسرائے ہند۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے زار کا خاتمہ کر دیا۔ صرف اب اس دنیا میں سب سے بڑا مطلق العنان وائسرائے باقی رہ گیا ہے۔

خدا کرے کہ جس طرح دنیا سے زاریت کا خاتمہ ہو گیا جلد از جلد وائسرایت اور مطلق العنانی کا بھی خاتمہ ہو جائے اور ہندوستانی قوم کا منتخب شدہ ہر دلعزیز صدر جمہوریت کا پریذیڈنٹ ہو اور اس استبدادیت کے دیو کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے۔

(۴۴) گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ہندوستانی نمائندے صلح کے فارموں پر دستخط کرنے کے لیے جنیوا بھیجے گئے تھے۔ اس وقت میں بھی یہی آواز روئے زمین کے فضائی کرہ میں گونجائی گئی تھی کہ آزادی اور انسانیت ہی کے لیے جنگ کی جا رہی ہے اور یہی نصب العین ہم تمام جنگ کرنے والوں کا ہے۔ مگر جس روز ہندوستانی نمائندے آزادی کی امنگوں سے بھرے ہوئے دلوں اور ہاتھوں سے خوشی خوشی دستخط کر کے فارغ ہوئے اسی کے اگلے دن یہ اعلان کیا گیا، کہ "جنیوا کی کمیٹی کے سامنے جو مسائل آئیں گے وہ آزاد اقوام کے ہوں گے محکوم ممالک کے مسائل پر غور نہیں کیا جائے گا۔"

ہندوستانی نمائندوں اور خود ہندوستان میں رہنے والے باشندوں کے دلوں اور دماغوں کی اس وقت جو حالت ہوئی وہ یا تو خود جانتے ہیں یا ان کا خدا جانتا ہے۔ یہی منظر آج سان فرانسسکو میں پیش کیا جا رہا ہے ہم نہیں جانتے کہ سر فیروز خاں نون اور سوامی مدلیار جو کہ حقیقۃً اسی مطلق العنان وائسریت اور برٹش امپائر کے نمائندے ہیں ہندوستان اور اس کے باشندوں کے ہرگز نمائندہ نہیں ہیں کیا کر کے آئیں گے۔ مطلع تو ہر طرح مایوس کن ہے۔ بہر حال بساط سیاست پر یہ بھی ایک محکومیت اور غلامیت کا کھیل ہے جو کہ مثل سابق آقاؤں کی اغراض کے لیے کھیلا جا رہا ہے۔ اور نتائج معلوم ہیں۔

محترم بزرگو (۱) پاک غلامی اور کالی محکومیت کے زہرہ گداز واقعات اس منحوس زمانہ کے

بہت زیادہ ہیں۔ مگر مشتے نمونہ از خروارے چیدہ چیدہ واقعات میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں جن سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اس ملعون غلامی کا ایسا کالا دور کبھی نہ ہندوستان میں گذرا ہے اور نہ دنیا بھر میں کوئی ملک اس کی نظیر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر فلپس کہتے ہیں کہ :-

" موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی دنیا کے اور اور ممالک کو پہنچا ہو۔"

یہ اُن کا فرمانا اس امر کو جانتے ہوئے ہے کہ روس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ چین میں کیا کیا واقعات پیش آچکے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان ممالک میں باوجودیکہ جنگ جاری رہی اور سب اور نفوس واموال واملاک کی بربادی بھی ہوئی اور ہو رہی ہے مگر مجموعی حیثیت سے جو مصائب ہندوستان کو پیش آئے اور آ رہے ہیں اُن سے دنیا کا کوئی ملک دوچار نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی اور مسز پنڈت ہندوستان کو بڑا جیل اور وائسرائے کو اس کا جیلر قرار دیتے ہیں یعنی بحیثیت غلامی اگرچہ دو سو برس سے ہندوستان کو ہندوستانیوں کے لیے جیل قرار دیا جاتا تھا۔ مگر اس وقت میں اس کو جیل کہنا مجازاً تھا جیسا کہ شاعروں کے اشعار اور غزلیات وقصائد میں خوبصورت کو آفتاب ماہتاب اور بہادر کو شیر کہا کرتے ہیں۔ مگر اب تو موجودہ دَور میں اس کو حقیقی معنوں میں جیل کہنا چاہیے جب کہ ہر قسم کی آزادی چھین لی گئی ہے اور ہر قسم کی بندشیں زیادہ سے زیادہ عائد کر دی گئیں ہیں۔ اس لیے اس جیل کے جیلر وائسرائے سپرنٹنڈنٹ وزیر ہند، ڈپٹی جیلر وائسرائے کی کونسل کے چودہ ممبر اور صوبوں کے گیارہ گورنر ہیں مگر میں تو گاندھی جی اور مسز پنڈت کا اس میں مخالف ہوں اور دونوں کو غلطی پر جانتا ہوں کیونکہ جیل میں کبھی بھی کوئی قیدی بھوکا نہیں رہنے پاتا بلکہ بھوکا رہنا وہاں جرم ہے۔ کوئی قیدی بھوک کی وجہ سے وہاں نہیں مرتا اور نہ مر سکتا ہے۔ یہاں صرف صوبہ بنگال میں تیرہ لاکھ یا اس سے زیادہ تک تعداد اخبارات میں بھوک سے مرنے والوں کی شائع ہو چکی ہے۔ تمام ہندوستان میں بھوک سے مرنے والوں کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں مسٹر ایل برسل

نے لکھا تھا کہ ۔

"تدریجی فاقہ کشی سے ہزارہا انسان مرتے رہتے ہیں"

جیل میں کوئی قیدی بلا علاج نہیں مرتا۔ ہر جیل میں شفاخانہ، ڈاکٹر، کمپوڈر۔ ادویہ اور تمام لوازم علاج موجود کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے ہر مریض قیدی کا کچھ نہ کچھ علاج ہو ہی جاتا ہے کوئی قیدی بلا علاج اور بلا دوا نہیں مرتا۔

مگر صوبہ بنگال میں اس زمانہ میں ملیریا، ہیضہ، چیچک اور دیگر امراض سے مرنے والوں کی تعداد اخباروں میں تیس لاکھ یا اس سے زائد تک کی آچکی ہے اور تمام ہندوستان میں تو حسب بیان چیف ہیلتھ کمشنر ۱۹۳۲ء ، ۸۷ فیصدی بغیر طبی امداد کے مرنے والے ہیں۔

نیز جیل میں ہر قیدی کے لیے کچھ نہ کچھ کپڑا ضرور مہیا ہوتا ہے کوئی قیدی ننگا نہیں رہتا مگر اس زمانہ میں جب کہ کپڑوں کا قحط پڑا ہوا ہے ننگے ہونے کی وجہ سے صوبہ بنگال میں عورتیں خودکشی کر رہی ہیں اور ننگوں کے جلوس نکالے جاتے ہیں کفن کو کپڑا نہیں ملتا اس لیے ہندوستان کو جیل کہنا یقیناً صحیح نہیں ہے جیل سے بھی بدتر کوئی ادارہ قرار دینا چاہیئے۔ ہاں اگر اس کو جہنم قرار دیا جائے اور وائسرائے کو داروغہ جہنم اور ان کے کونسل کے ممبروں وغیرہ کو زبانیہ جہنم کہا جائے۔ تو شاید قرین قیاس ہو سکے ہمارے لنگڈل آقاؤں نے آخر ہندوستان جنت نشان کو جہنم نشان بنا دیا ہے۔ والعیاذ باللہ

ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد اور قربانیوں کی اشد ضرورت

میرے محترم بزرگو! وہ وجوہ ہندوستان کی آزادی کی اشد ضرورت اور اس کے انتہائی جدوجہد کی فرضیت کی جو کہ تحریک خلافت کے وقت سے بلکہ اس سے پہلے سے آپ کے سامنے لائی گئی تھیں اور لائی جاتی رہیں وہ سب تو بعینہا باقی ہی ہیں۔ اور بار بار آپ کے سامنے دہرائی گئی ہیں ان کے ساتھ اس تیرہ و تاریک حکومت کے یہ واقعات جو کہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں پیش کر کے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اب بھی کسی صاحب دین و دل اور صاحب غیرت کو ایمیں

شبہ کرنے یا گفتگو کرنے کا موقع باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آزادی کی جد وجہد انتہائی ضروری ہے اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر ہندوستانی کو تیار ہونا عقلاً شرعاً، انسانیۃً فرض ہے۔ ایسی غلامی میں نہ مذہب محفوظ ہے نہ زندگی نہ رفاہیت و امن ہے نہ خوشحالی نہ جماعتوں کے لیے زندگی ہے نہ افراد کے لیے نہ ہندوستان کے لیے امن وچین ہے نہ آپ کی بیرون ہند کی اسلامی اور انسانی برادریوں کے لیے یہی وہ امور ہیں جن کی بنا پر جمعیۃ علماء ۱۹۱۹ء سے سر بکف چلی آتی ہے وہ اپنے اصول پر برابر قائم ہے یقیناً اس راستہ میں امن وامان کو ہاتھ سے دینا تشدد اور اہنسا کو اختیار کرنا ہمارے لیے موجودہ گردوپیش میں کسی طرح درست نہیں ہے مگر آزادی کی جد وجہد سے تقاعد اور تکاسل یا روگردانی بھی کسی طرح جائز نہیں ہے وطن اور ابنائے وطن کی بربادی اور اس کے اسباب کسی خاص مذہب کسی خاص شخص تک محدود نہیں ہو سکتے وطن اور ملک کی بربادی جملہ ساکنین ملک کو برباد کریگی اور کر رہی ہے، ناؤ ڈوبتی ہے تو تمام اس کے سوار ڈوبتے ہیں۔ گاؤں میں آگ لگتی ہے تو سبھی کے گھر جلتے ہیں۔ زلزلہ آتا ہے تو سبھی کے گھر بار گرتے ہیں۔ سوکھا پڑتا ہے تو سبھوں کی کھیتیاں اور باغات برباد ہوتے ہیں وبائی امراض آتے ہیں تو سبھی مرتے ہیں۔ ژالہ باری ہوتی ہے تو سبھوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کالی غلامی اور محکومیت جملہ اہل وطن کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے آپ نے دیکھا کہ صوبہ بنگال میں جو قحط ڈلوایا گیا (خود انگلینڈ کے اخبار اقرار کرتے ہیں کہ یہ قحط ان کے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا) کیا اس میں فقط ہندو مرے یا فقط مسلمان مرے نہیں نہیں سبھوں کی بربادی ہوئی۔ ایسے وقت میں ہر ادنیٰ سمجھ والا بھی اپنے داخلی اور خارجی جھگڑوں کو چھوڑ کر ضروری سمجھتا ہے کہ مصیبت عامہ کو سب سے پہلے زائل کر دینا چاہیئے اور اس وقت تک چین نہ لینا چاہیئے اور نہ اپنے داخلی اور خارجی جزئی جھگڑوں کو چھیڑنا چاہیئے۔ جب تک یہ عام مصیبت نہ ٹل جائے۔ جب کبھی گاؤں یا محلہ میں آگ لگتی ہے یا سیلاب آتا ہے یا ڈاکو چڑھ آتے ہیں تو کیا آپ اپنے گھر بار کے جھگڑوں پٹی داری اور برادری کے تنازعات کو لے کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک ان کا فیصلہ نہ ہو جائے گا میں آگ کو نہ بجھاؤنگا

بند باندھ کر سیلاب کو نہ روکوں گا۔ ڈاکوؤں کو نہ ہٹاؤں گا۔ میرے محترم حضرات اس ملعون غلامی کے اثرات آگ سے زیادہ سیلاب سے بڑھ کر ڈکیتی سے مہلک تر ہیں آگ سے اگر نقصان ہوتا ہے تو صرف ایک بستی اور ایک گاؤں میں۔ اگر ضرر پہنچتا ہے تو محض دنیاوی سامان میں مگر اس غلامی کی لعنت تو ہندوستانیوں کو جس طرح برباد کر رہی ہے اسی طرح افغانستان کو بلوچستان کو ایران کو شام کو عراق کو فلسطین کو حجاز کو یمن کو حضرموت کو مصر کو سوڈان کو الجیریا کو ٹیونس کو ٹرکی وغیرہ کو اور آپکے ان برادران اسلام کو جو کہ بیرون ہند ساؤتھ افریقہ یا ایسٹ افریقہ یا ہند چینی یا جزائر جاوا سماٹرا ، ملایا وغیرہ میں بستے ہیں۔ آپنے دیکھا کہ کس طرح اسی زمانہ میں آزاد قبائل پر پانچ مہینہ برابر وحشیانہ بمباری جاری رہی اور فوجی ممبر نے اسمبلی میں کس قدر تلخ اور دور از حقیقت جواب دیا۔

جمعیتہ علماء کا جدوجہد آزادی میں کانگریس کے ساتھ شریک ہونا

بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر تو صحیح ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانا فرض اور ضروری ہے مگر جمعیتہ کے ساتھ ہم کس طرح ہوں وہ تو کانگریس کے ساتھ اور اس کی تابعدار اور دم چھلا ہے بلکہ بعض تو جمعیت کو کانگریسی جمعیت کہتے ہیں۔ اس لیے اس میں شبہ کے ازالہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ ہندوستان کے باشندے ہیں۔ یہاں ہی پیدا ہوئے اور یہاں ہی ہم کو رہنا ہے ہندوستان چھوڑ کر ہم دس کروڑ مسلمان کسی دوسرے ملک میں نہیں بس سکتے، ہندوستان مختلف المذاہب انسانوں کا گہوارہ ہے دس کروڑ مسلمان اور تیس کروڑ غیر مسلم یہاں کے باشندے ہیں۔ ہر جگہ اور ہر صیغہ میں مسلم اور غیر مسلم کا اشتراک ہے۔ غلامی اور محکومیت بھی سبھی کو برباد کر رہی ہے ۔ جس طرح مسلمان اپنے لیے ـــــ اس غلامی کی زنجیروں کو توڑنا ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح ہندو اور دیگر غیر مسلم دیکھتا ہے کہ میں اپنے وطن میں راحت و آسائش بلکہ زندگی کے سانس بجز آزادی کے نہیں لے سکتا اس لیے وہ بھی اپنا نصب العین وہی بناتا ہے جو کہ مسلمان کا تھا جب کہ دو شخصوں کو ایک ہی منزل پر جانا ہوگا تو یقیناً راستہ اور سڑک میں اتحاد ہوگا ہاں اگر ایک منزل کی سڑکیں متعدد ہوں تو ممکن ہے کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ سڑک پر گامزن ہو کر منزل مقصود

کو پہنچ جائے مگر یہاں پر بدقسمتی سے موجودہ احوال میں ایک ہی سڑک ہے۔ اس سے پہلے متعدد مسلم جماعتوں اور غیر مسلم جماعتوں نے دوسری سڑکیں اختیار کیں مگر تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ منزل تک نہیں پہنچا سکتیں۔ اس لیے ہر دو فریق کے لیے ایک ہی راستہ رہ گیا۔ جس پر جمعیۃ اور کانگریس درباره آزادی گامزن ہیں، جمعیۃ کے مقاصد (جیسا کہ دستور اساسی میں مفصل مذکور ہے) علاوہ آزادی ہندوستان اور بھی ہیں مگر آزادی ہندوستان کے نصب العین ہونے میں ہر دو شریک ہیں اس لیے عمل میں بھی شرکت ہوگی اس کو اشتراک عمل کہا جائے گا۔ تقلید یا اتباع کہنا یا استمداد اور استعانت قرار دینا غلط ہے۔ جمعیۃ نے کبھی بھی آنکھ بند کر کے کانگریس کی تقلید نہیں کی جمعیۃ نے ابتدا آفرینش یعنی ۱۹۱۹ء سے ہی اپنا نصب العین آزادی کامل قرار دیا تھا مگر کانگریس سوراج کی بھول بھلیاں میں پڑی ہوئی تھی اور عام طور سے اس کی تفصیل ہوم رول یا حکومت خود اختیاری سے کی جاتی تھی۔ چونکہ موجودہ غلامی سے نکلنے اور مکمل آزادی تک پہنچنے میں ایک سیڑھی ہوم رول کی بھی آتی ہے اس لیے اس زمانہ میں بھی کوئی اختلاف عمل نہیں ہوا جس زمانہ میں نہرو رپورٹ تیار کی گئی اور لکھنؤ میں آل پارٹیز کو بلا کر سمجھوں پر نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔ چونکہ اس زمانہ میں کانگریس کی تیار کرائی اور پاس کی ہوئی تھی تو اس کے ان دفعات میں جن میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ جمعیت نے مخالفت برسر اجلاس کی۔ اس مخالفت میں خلافت کمیٹی بھی علاوہ پنجاب پارٹی کے جمعیۃ کے ہم نوا تھی۔ جمعیۃ نے ایک پمفلٹ بنام تبصرہ لکھا اور اس میں ان غلطیوں کی توضیح کی جو نہرو رپورٹ میں واقع ہوئی تھیں اور وہ شائع کر دیا۔ نہرو رپورٹ میں نصب العین ڈومینین اسٹیٹس قرار دیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں آپس میں جدائی زیادہ رہی۔ کانگریس نے جب کہ وہ اس رپورٹ کی جدوجہد میں ناکام رہی تو لاہور کے اجلاس میں کنڈم کر کے دریائے راوی میں غرق کرتے ہوئے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا اب اس کا اور جمعیۃ کا نصب العین ایک ہی ہو گیا۔ اور دونوں میدان عمل میں برابر گامزن رہیں ہاں ایسے اعمال جو کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف تھے ان میں افتراق رہا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے وقت میں جمعیۃ نے سہارنپور میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کر کے مستقل فارمولا تیار کیا اور

ممبروں کو کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے دیا۔ کانگریس نے ولائتی کپڑوں اور شراب کی دوکانوں پر پکٹنگ کرنے کے لیے عورتوں کی والنٹیر کور کو مقرر کیا۔ جمعیۃ نے اس میں خلاف کیا۔ علاوہ ازیں جمعیۃ نے دوسرے مذہبی امور میں بغیر اشتراک کانگریس کام کیے۔ شدھی کے زمانہ میں اپنے وفود میدان ارتداد میں بھیجے۔ دیہاتوں میں ابتدائی مدارس قائم کیے اور تقریباً ۱۱ ہزار مرتدین کو اسلام کی طرف کھینچا۔ ایک سو تیس سے زیادہ مکاتیب قائم کیے۔ مولوں کے لیے فنڈ جمع کرکے ان کی امداد کی۔ سارداایکٹ، وقف بل، شریعت بل، حج بل، معلم بل وغیرہ میں اپنی پوری جدوجہد عمل میں لاتی رہی۔ فلسطین کے متعلق حجاز اور ابن سعود کے متعلق اور دیگر اسلامی امور میں اس نے کبھی بھی حتی المقدور کوتاہی نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ امور کانگریس سے تعلق نہیں رکھتے۔ الغرض جمعیۃ اپنے استقلال اجتماعی کے ساتھ خودداری رکھتے ہوئے محض آزادی کی جدوجہد میں اشتراک عمل کانگریس سے رکھتی ہے نہ اس میں منضم ہے اور نہ تابعدار محض ۳۲-۱۹۳۱ء میں جس زمانہ میں پنڈت موتی لال نہرو کانگریس کے صدر تھے اور کانگریس سول نافرمانی کر رہی تھی جمعیۃ بھی سول نافرمانی کا پروگرام لیے ہوئے میدانِ عمل میں اتری ہوئی تھی مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے جمعیۃ کی سول نافرمانی کمزور رہی تھی۔ پنڈت جی نے مالی امداد دینا چاہا تو صاف الفاظ میں جمعیۃ نے انکار کر دیا کہ ہم آپ سے اور کانگریس سے امداد لینا نہیں چاہتے۔ ہم اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں ہم مسلمانوں ہی سے مدد طلب کریں گے اور جو کچھ ان سے ملے گا اسی سے کام چلائیں گے۔ ریکارڈ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

جمعیۃ کے کارکنوں کے متعلق غلط اور جھوٹا پروپیگنڈا کہ وہ کانگریس کے تنخواہ دار ہیں

بہت مرتبہ یہ پروپیگنڈا کیا گیا اور مفسدوں نے شہرت دی کہ جمعیۃ والے کانگریس کے تنخواہ دار ہیں اور ہندوؤں کے خریدے ہوئے ہیں مگر یہ بالکل جھوٹ اور افترا تھا اور ہے۔ بارہا برسرِ اجلاس حضرت مولانا احمد سعید صاحب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور کاتب الحروف نے قسمیں کھائیں کہ کبھی ایسا نہ شخصی طور پر ہوا نہ اجتماعی طور پر۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے تو یہاں تک

بھرے مجمع میں کہدیا کہ اگر میں نے یا جماعت کے کسی ذمہ دار نے ایسا کیا ہو تو خدا ہم کو مستدقت کلمہ نصیب نہ کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کر دے۔ بس یہ زبانی اطمینان دلانے کے لیے ہمارے پاس کیا طریقے ہو سکتے تھے؛ واقعہ یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ذمہ دار جمعیۃ ایسی بے غیرتی اور بے ایمانی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اگر ہم کو ایمان فروشی کرنی ہی ہوتی تو انگریز کے ہاتھ کرتے جس کے پاس دولتوں کے خزانے اور حکومت کی طاقت ہے کانگریس تو ہماری طرح غلام اور مسکین ہی ہے اُس کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ انگریز کے سرمایہ کے سامنے ایسی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ ذرہ کو پہاڑ سے ہوتی ہے۔ ہم نے قسمیں کھا کر اور مغلظ قسمیں کھا کر مجامع میں لوگوں کو یقین دلایا مگر وہ بے ایمان جو کہ اغراض فاسدہ رکھتے ہیں یا حکومت کے ایجنٹ ہیں یا خود ہی کے عادی ہیں اپنی زبانوں اور قلموں کو نہیں روک سکتے اس کا علاج بجز تفویض الی اللہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

قد قیل ان الالٰہ ذو ولد وقیل ان الرسول قد کہنا
ما نجی اللہ والرسول معا من لسان الوری فکیف انا

کانگریس کی حقیقت اور اسمیں شرکت

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود کانگریس کی شرکت کا کیا حکم ہے اور کیا وہ اس لائق ہے کہ اس سے مسلمان نفرت کریں یا اسمیں داخل ہو کر اپنے ملکی حقوق حاصل کرنے کے لیے سعی کرنی چاہیئے اس لیے عرض ہے کہ موجودہ غلامی کی بناء پر تمام ہندوستان کے باشندے برباد ہیں ۱۸۵۷ء کی سعی آزادی اور انقلاب میں ہندوستانی ناکام ہوئے اور انگریزوں کو کامیابی ہوئی انہوں نے تمام ہندوستان کے باشندوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سخت اور دردناک مظالم کیے اُن کے تمام حقوق وطنیہ اور ملکیہ اپنے قبضہ میں کر لیے۔ عہد اور مواثیق جو سابق سے چلے آتے تھے سب کو توڑ ڈالا۔ خود غدار تھے مگر ہندوستانیوں کو غدار مشہور کیا، آزادی کی سعی کو غدار قرار دیا حالانکہ یہ فریضہ وطنی اور سیاسی اور انسانی تھا۔ کمپنی کے مطلق العنان بدکار رعیت پسند ظالم ڈائرکٹروں اور جرنیلوں کے سیاہ کارناموں پر مطلع ہو کر تاج برطانیہ نے

ہندوستان کو اپنے زیر سایہ لینا اور براہ راست انتظام کرنا ضروری سمجھا اور کمپنی سے پونے چار کروڑ پونڈ کے بدلے ہندوستان کو خرید لیا (افسوس کہ وہ مقدار اب تک ہندوستان پر قرض چلی آتی ہے اور ہندوستان کو سالانہ اس کا سود اور سود در سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ جس کو بیچا تھا اسی سے قیمت دلوائی جاتی ہے۔ آج برطانیہ نے افریقہ وغیرہ میں ٹانگانیکا وغیرہ کو کمپنیوں سے خریدا مگر ان کی قیمتیں تاج برطانیہ کے خزانوں سے ادا کی گئیں) کوئن وکٹوریہ نے اپنا مشہور اعلان ہندوستان میں نشر کیا اور تمام ہندوستانیوں کو مستقبل کے متعلق اطمینان دلایا۔ ہندوستانی مطمئن ہو گئے اور یقین کر بیٹھے کہ بادشاہی اقتدار سچائی اور انصاف کے ساتھ ہماری پوری نگرانی کرے گا۔ اس کے وعدے اور عہود سچے ثابت ہوں گے کمپنی کے عہود اور مواثیق افراد کے تھے ان میں سچائی اور انصاف کا نہ ہونا مستبعد نہ تھا وہ تاجروں اور سرمایہ کے حریصوں کے وعدے تھے جو کہ کوڑی کوڑی کے لیے ایمان فروش ہوا کرتے ہیں مگر افسوس کہ ہندوستانیوں کا شہنشاہی اعلان کے متعلق بھی حسن ظن غلط ثابت ہوا۔ اعلان مذکور میں گذشتہ معاہدات کی جو کمپنی سے ہندوستانیوں کے ہوئے تھے تقدیس کی گئی اور ان کے بحال رکھنے کا قوی وعدہ کیا گیا تھا اور دیگر اور عہود بھی کیے گئے تھے مگر رجعت پسند اور قاسی القلب انگریز حکام نے کوئی پرواہ نہ کی انہوں نے سب کو بالائے طاق رکھدیا اور نہ صرف پرانے عہود کو بلکہ کوئن وکٹوریہ کے اعلان کو بھی شرمندہ عمل نہ ہونے دیا اور انتہائی استبداد اور ڈکٹیٹری کو ہر صیغہ میں جاری کر دیا اور نہایت بے پرواہی کے ساتھ من مانی کارروائی عمل میں لاتے ہے عام ہندوستانی ۱۸۵۷ء کی سنگینوں اور گولیوں، پکڑ دھکڑ، قید و بند سے اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ حق تلفیوں پر حق تلفیاں مظالم پر مظالم ناانصافیوں پر ناانصافیاں دیکھتے تھے اور چوں نہ کرتے تھے مگر بالکل آخر کار نئے تعلیم یافتہ پیدا ہوئے زمانہ نے پلٹی کھائی لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور، حق طلبی کی جرأت، مظالم اور استبدادیت سے اکتاہٹ پیدا ہوئی زبانیں کھلیں شکوے شکایت ہونے لگے، تحریری بیانات اور کاغذی گھوڑے دوڑنے لگے اور استبداد و مطلق العنانی کی شکایات کی گئیں۔ حقوق طلب کیے گئے، پروٹسٹ کیا گیا

مگر سخت دل کنسرویٹیو خیال کے انگریزوں پر کوئی اثر نہ ہوا تاہم بعض انصاف پسند رحمدل انگریز اس استبداد اور مطلق العنانی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے رائے دی کہ انفرادی شکایات اور خواہشات موثر نہیں ہوسکتیں اجتماعی طور پر باقاعدہ احتجاج کرو۔ اپنی ضروریات پیش کرو۔ گورنمنٹ سے اصلاحات کی خواہش کرو تو اس پر دھیان دیا جاسکتا ہے۔ اگر یہاں نہ شنوائی ہو تو پارلیمنٹ اور وزرائے انگلینڈ کو توجہ دلاؤ کم وبیش کامیابی ضرور ہوگی۔ بنا بریں ۱۸۸۵ء میں بزمانہ لارڈ ڈفرن اس کی بنیاد بمبئی میں رکھی گئی۔ اس کے مشورے میں لارڈ ڈفرن موصوف کا ہاتھ ضرور تھا مگر آگے چل کر چند برسوں کے بعد جب کانگریس کے مطالبات بڑھے اور اس نے اچھی خاصی قبولیت عامہ پیدا کرلی اور اجتماعی قوت ایسی پیدا ہوگئی کہ انگریز قوم اور وطن کے مفادات کے لیے خطرے معلوم ہونے لگے تو وہ خود اس کے مخالف ہوگئے۔
اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اور اس میں کانگریس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی گئی۔

> "کانگریس ایک قومی مجمع ہے جو فکر اور تدبیر کے ساتھ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ ایسے طریقوں سے جو قانوناً جائز ہوں اور اصول سلطنت انگلستان کے خلاف نہ ہوں جناب قیصرہ ہند کی رعائے ہندوستان کی بہبودی اور ترقی کی کوشش کی جائے۔"

دیکھو آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ وکیل ہائیکورٹ الٰہ آباد ممبر کونسل ۲۰ اپریل ۱۸۸۸ء)
یہ اجلاس ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء اور زیر صدارت مسٹر سریندر ناتھ بنرجی وکیل ہائی کورٹ کلکتہ شہر بمبئی میں ہوا۔ اس اجلاس میں ۸۰ ممبر شریک ہوئے جن میں دو مسلمان تھے ان ہی میں سے ایک مسٹر رحمت اللہ سیانی مرحوم بھی تھے ۳۲ بنگالی تھے۔ جو الفاظ کانگریس کی تعریف میں یہ ہر قسم کی رعائے ہندوستان کے ذکر کیے گئے ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ یہ ادارہ فقط ہندوؤں کے لیے نہیں بنایا گیا تھا بلکہ تمام ہندوستانیوں کے لیے بنایا گیا تھا۔
دوسرا اجلاس اس کا کلکتہ میں زیر صدارت دادا بھائی نوروجی پارسی ماہ دسمبر ۱۸۸۶ء

میں منعقد ہوا۔ اس میں کُل ممبر ۴۳۶ تھے جن میں ۳۳ مسلمان تھے۔

تیسرا اجلاس مدراس میں زیر صدارت بدرالدین طیب جی دسمبر ۱۸۸۷ء میں منعقد ہوا اس کے ممبروں کی تعداد ۶۰۴ ہے اس میں مسلمان ممبر ۸۲ تھے۔ تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ دور دور کے صوبجات سے بڑے بڑے مسلمان وکلاء اور زمیندار تعلقدار اس میں شریک ہوتے رہے۔

چوتھا اجلاس الہ آباد میں زیر صدارت مسٹر جارج یول عیسائی یورپین تاجر کلکتہ ہوا۔ اس میں کل ممبروں کی تعداد ۱۲۴۸ ہے۔

چوتھے اجلاس کے زمانہ میں حکومت ہند اور ان انگریزوں نے جو کنسرویٹو تھے کھلی مخالفت شروع کی۔ انہوں نے دیکھا کہ کانگریس کا وقار بڑھ رہا ہے ملک میں اس کو بیحد مقبولیت حاصل ہوتی جارہی ہے وہ ایسے ایسے رزولیشن پاس کر رہی ہے جس سے انگریزوں کے استبداد اور مطلق العنانی کو ٹھیس لگتی ہے اس لیے اس کو مٹانا چاہیئے۔ چنانچہ مسٹر بیک پرنسپل علی گڑھ مسلم کالج نے (جو کہ پہلے ہی سر سریندر ناتھ بنرجی کی تقریروں پر چراغ پا ہو گئے تھے اور سر سید کو دن رات جدوجہد کر کے کانگریس کا مخالف بنا چکے تھے) سر آکلینڈ کالون لیفٹننٹ گورنر یوپی کو کانگریس کے مقابل کھڑا کر دیا اور کھلے بندوں یہ کوشش ہوئی کہ الہ آباد میں کانگریس کے اجلاس کے لیے کوئی جگہ نہ ملے۔ مگر باوجود ان مخالفتوں کے کانگریس کا اجلاس کامیاب ہوا اور وہ آگے بڑھتی رہی اور روز بروز اس کی مساعی اور ہمتوں میں ترقی ہوتی رہی رجعت پسند انگریزوں کی مساعی بھی اس کے خلاف میں بطور رد عمل ترقی پذیر رہیں۔ علاوہ مسٹر بدرالدین طیب جی کے کانگریس کے مندرجہ ذیل صدر مسلمان ہوئے۔

۱۸۹۶ء میں مسٹر محمد رحمت اللہ سیانی کلکتہ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک فرائض صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۱۳ء میں نواب سید محمد بہادر کراچی کے اجلاس میں صدر ہوئے " " " " " " " " "

۱۹۱۸ء میں مسٹر سید حسن امام بمبئی کے اسپیشل اجلاس میں صدر ہوئے " " " " " " " " "

۱۹۲۱ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم احمد آباد کے اجلاس میں صدر ہوئے " " " " " " "

۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد دہلی کے اسپیشل اجلاس کے صدر ہوئے " " " " " " " "

۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کوکناڈا کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔
۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری مرحوم مدراس کے اجلاس میں صدر ہوئے " " " "
۱۹۴۰ء میں مولانا ابوالکلام آزاد رام گڑھ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور ابتک صدارت کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب تک کانگریس کے ۹ صدر مسلمان مقرر ہو چکے ہیں ۲ صدر عیسائی رہے جن میں مسز اینی بسنٹ بھی ہیں۔ ۴ صدر پارسی ہیں۔ اگر کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلا تفریق مذہب جماعت نہ ہوتی بلکہ مثل مہاسبھا اور مسلم لیگ وغیرہ فرقہ وارانہ جماعت ہوتی تو یہ لوگ کبھی صدر مقرر کیے جاتے جس طرح کہ مہاسبھا کا صدر مسلمان اور لیگ کا صدر غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ اس کا صدر بھی کوئی غیر ہندو نہ ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ رجعت پسند اور مطلق العنان کنسرویٹو انگریزوں کو کانگریس سے نہایت زیادہ دشمنی ہے ان کو کسی طرح اپنے اقتدار اور استبداد میں تل برابر کی کمی گوارہ نہیں ہے اس لیے وہ کانگریس کو ہمیشہ سے اپنا بدترین دشمن دیکھتے ہیں اور اس سے لوگوں کو متنفر کرانے اور اس کے اقتدار اور قبولیت کو گھٹانے کی فکروں میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ اسی امپرٹ بن میں مسٹر بیک، مسٹر ماریسن، مسٹر آرچبولڈ علی گڑھ کالج کے یکے بعد دیگرے ہونے والے پرنسپل لگے رہے۔ یہ تبلیغی دور پچیس سال تک قائم رہا۔ کانگریس کی دشمنی میں بار بار انجمنیں بنائی گئیں تحریریں شائع کی گئیں، پمفلٹ چھاپے گئے بے شمار لیکچر دیے گئے جس کی بنا پر مسلمانوں میں کانگریس سے نفرت اور فرقہ وارانہ دشمنی بہت بڑے پیمانے پر پیدا کر دی گئی (دیکھو روشن مستقبل از صفحہ ۲۸۸ تا صفحہ ۳۷۵) اور پھر اسی پالیسی کے ماتحت ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ اور مہاسبھا کی بنیاد رکھائی۔ دونوں کی ابتدا ایک ہی سال میں لارڈ منٹو اور ان کے ہوم سیکریٹری کی توجہات عالیہ سے ہوتی ہے اور دونوں جماعتیں ایک ہی راہ پر بدمقابل گامزن ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلا تفریق مذہب و نسل جماعت ہے اس کا مقصد تمام ہندوستانیوں کی بھلائی ہے کسی فرقہ اور مذہب

کی اس میں خصوصیت نہیں ہے ہاں اس وجہ سے کہ ملک ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں اور اس وجہ سے کہ ہندو رجعت پسند انگریزوں کے دام مکر میں اتنا نہیں پھنسا جتنا کہ مسلمان پھنسے اور اسی بنا پر وہ کانگریس سے متنفر ہے۔ کانگریس میں ہندو کی اکثریت ہونی طبعی ہے۔ مگر کیا یہ امر کانگریس سے تنفر اور علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے اور اگر اس کو کوئی شخص سبب قرار دے تو کیا وہ حق پرست کہا جا سکتا ہے۔ نہیں نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ٹاؤن ایریا میں نوٹیفائڈ ایریا میں میونسپل بورڈوں میں لوکل بورڈوں میں ڈسٹرکٹ بورڈوں میں صوبوں کی کونسلوں میں مرکزی اسمبلی میں تجارتی تعلیمی بورڈوں وغیرہ میں بسا اوقات غیر مسلم ممبروں ہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ بالخصوص یوپی۔ بہار۔ مدراس۔ بمبئی برار وغیرہ اقلیت کے صوبوں میں اور اسی طرح مرکزی اداروں میں اور پھر انتہائی جدوجہد کی جاتی ہے کہ اس میں شرکت کی جائے۔ الیکشن لڑے جاتے ہیں ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں مقابلے سخت سے سخت عمل میں لائے جاتے ہیں یہاں تک کہ مسلمان خاندانوں اور افراد میں سخت سے سخت رنجشیں بلکہ عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ووٹ نہ دینے والوں سے سلام کلام آمد و رفت بیاہ شادی، شرکت موت وجنازہ وغیرہ بھی بسا اوقات چھوٹ جاتی ہیں حالانکہ انقطاع تعلقات کی کارروائیاں ناجائز اور حرام ہیں اگر غیر مسلم کی اکثریت ان ملکی اور سیاسی اداروں میں شرکت سے مانع نہیں ہے بلکہ اپنے حقوق وطنیہ ملکیہ سیاسیہ دینیہ وغیرہ کی حفاظت اور حصول کے لیے ان میں شرکت ضروری ہے اور بے شک ضروری ہے تو کانگریس نے کیا قصور کیا ہے وہ بھی تو ایک سیاسی ادارہ ہے اور وہ بھی اپنے ملکی اور سیاسی حقوق کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے ہاں فرق اتنا ضرور ہے کہ مندرجہ بالا ادارے انگریز کی غلامی کے دم بھرنے ٹولے ہیں وہاں جانے سے صاحب بہادر کی پیشانی پر شکن نہیں پڑتی اور کانگریس صاحب بہادر کی مٹھی سے اپنے ملکی حقوق نکلوانا چاہتی ہے اور ہضم کی ہوئی چیزوں کو اگلوانا اس کا نصب العین ہے۔ کیا یہ وہی معاملہ نہیں ہے کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز ہو۔ ملکی اداروں میں خواہ تعلیمی ہوں یا انتظامی پوسٹ آفس کے ہوں یا ریلوے کے ٹیلیفون کے ہوں یا ٹیلیگرام کے فوجی ہوں یا پولیس کے تجارتی ہوں

یا صنائع کے عموماً اکثریت ہندوؤں کی ہوتی ہے اور بسا اوقات اس ادارہ کا افسر بھی غیر مسلم
ہی ہوتا ہے مگر ان میں ملازمت حاصل کرنے اور پہنچنے کے لیے کیا کیا جد وجہد نہیں کی جاتی
یہاں یہ کہنا کہ یہ ادارہ ہائے حکومت حاکم وقت کے ماتحت ہیں اس کے افسر خود مختار نہیں
ہیں۔ اُن کا کارکن افسر قانون حکومت کے چلانے اور اتباع پر مجبور ہے اس لیے وہاں جانے
میں حرج نہیں ہے ہمارے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ (الف) وہ حکومت اور اس کے
بالائی کارکن بھی تو غیر مسلم ہی ہیں خواہ عیسائی ہوں یا ہندو (ب) ان کے قوانین بھی غیر اسلامی ہیں اور
پردیسی ہونے کی بنا پر اپنے دیس اور قوم کی خود غرضیاں ہر قانونی دفعہ میں ملحوظ رکھتے ہیں۔
(ج) کسی ڈیپارٹمنٹ کا افسر اگر چاہتا ہے تو ماتحتوں کو ہر طرح تنگ کرتا ہے اور حکام بالا تک
پہنچنے کی صورتیں ہی نہیں ہونے دیتا حکام بالا کو ان ماتحتوں سے بدظن کرنے میں کامیاب
ہو جاتا ہے۔ آئے دن ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ تو چاہیئے کہ ان صیغوں میں
جانا اور ملازمت کرنا متروک ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ چونکہ یہ جواب بالکل لچر اور پوچ ہے۔ اگر اکثریت
غیر مسلمہ کی وجہ سے شرکت ناجائز ہے تو پھر ہندوستان میں بود و باش ہی کس طرح جائز ہے
ملک میں صوبوں۔ شہروں میں قصبوں میں اور دیہاتوں اور محلوں وغیرہ میں بسا اوقات غیر مسلموں
کی اکثریت ہی پائی جاتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اسی بنا پر تو ہم پاکستان کے لیے جد وجہد
کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ پھر آپ حکم صادر کر دیجئے کہ اقلیت والے صوبوں کے باشندے
اپنی مساجد، خانقاہیں، مقابر، زمینداریاں، مکانات وغیرہ سب سے دستبردار ہو کر آپ کے مزعومہ
پاکستان میں ہجرت کر جائیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے۔ اور آپ پاکستان حاصل کرنے سے
پہلے کے مسلمانانِ ہند کو حرام موت مرنے والے یا گنہگار مرتے کا فتویٰ صادر کر دیں۔ والعیاذ باللہ

میرے محترم بزرگو! سوچیئے آپ اپنی تجارتوں اور لین دین میں، کھیتی باڑی میں
درختوں کے نصب کرنے اور باغبانی میں، مقدمہ بازی اور کورٹوں کے کاروبار میں، ریلوے شپ
اور تعلیمات وغیرہ میں، زمینداریوں اور سیر و سفر میں تو ہندوؤں کے پاس بیٹھنا اُن سے صلاح
اور مشورے لینا، اُن سے بحث اور سوال کرنا وغیرہ ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ بغیر اس کے اپنی زندگی

نہیں گذار سکتے اور ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور غلامی سے نجات حاصل کرنے اور ملکی مفاد و ترقی کے لیے کانگریس میں جانے اور اجتماعی طور پر جدوجہد کو عمل میں لانے کو حرام و ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یک بام و دو ہوائے کا معاملہ کیوں ہے اور کس طرح قرین قیاس ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو تنگدل ہے۔ وہ مسلمانوں کے لیے ہر چیز میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور بربادی ہی کی نیت رکھتا ہے اس سے علٰحدہ رہنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں (الف) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تنگدل ہے مگر اس کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا وہ ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے غلام چلا آتا ہے غلامی کا اثر تنگدلی ہوتا ہے۔ مگر آپ اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھیئے کیا آپ اس سے فراخدلی اور فیاضی کا معاملہ کر رہے ہیں کیا آپس میں آپ فیاضی کر رہے ہیں۔ آپکے مختلف فرقے آپس میں اور آپ کے تعلقہ دار اور زمیندار اپنی برادریوں میں اور اپنے پٹی داروں میں اور آپکے مختلف ادارے اپنے اپنے اداروں میں کیا کیا تنگدلیاں نہیں برتتے۔ حالانکہ آپ کو غلامی میں آئے ہوئے دو سو ہی برس گزرے ہیں۔ پھر ہندو پر کیا اور کیوں ملامت ہے۔

(ب) کیا یہ تنگدلی صرف سیاسی ادارہ کانگریس ہی میں مؤثر ہوگی اور حرمت پیدا کرے گی۔ اسمبلیوں، کونسلوں، بورڈوں وغیرہ میں مؤثر نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو حکومت کے جملہ ادارں کو بھی چھوڑ بیٹھیئے۔ اور زاہدانہ زندگی اختیار کیجیئے (ج) یہ تنگدلی تو اور اس کی موجب ہے کہ ہم اپنے حقوق کے لیے پُرزور طریقہ پر اور بکثرت داخل ہوں اور تنگ دلوں کے حلق سے اپنی چیزیں اور اپنے حقوق انگلی ڈال ڈال کر نکالیں اور اگلوائیں نہ کہ نفرت کر کے علیحدہ ہو جائیں۔ اور دوسروں کو اپنے حقوق نگلنے اور ہضم کر لینے دیں۔ ایک ایک انچ زمین اور ایک ایک پیسہ کے لیے تو آپ فوجداری کرتے ہیں مقدمہ بازی کرتے ہیں ہزاروں جتن اور رات عمل میں لاتے ہیں اور کسی غیر کو خواہ غیر مسلم ہو یا مسلمان ہضم کرنے نہیں دیتے اور اس کے لیے ہر طرح جدوجہد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر ملک میں سیاسی حقوق کے حاصل کرنے اور غلامی سے نجات حاصل کرنے میں علیحدہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب ہندو جدوجہد کر کے کچھ

حاصل کر لیتا ہے، تو یا تو آپ شور و شغب مچاتے ہیں کہ ہندو کو یہ مل گیا وہ مل گیا ہم کو کیوں نہ ملا۔ یا شیعوں کی طرح ماتم اور سوگ وملال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ محترم بزرگو! اس عالم اسباب کا یہ قانون نہیں ہے۔ جو جاگے گا قربانی کرے گا، جد وجہد کرے گا۔ وہ حاصل کرے گا۔ اور جو سوئے گا نامرد بنا ہوا ہے گا۔ تن پروری اور باتیں بنانے میں مصروف رہے گا صرف رونے دھونے باتیں بنانے میں دن رات کاٹے گا وہ محروم رہے گا۔ سوائے نکبت اور ذلت اس کو کہیں بھی کچھ حاصل نہ ہو گا۔

محترم بزرگو! اس غلامی کی لعنتوں سے نکلنا اور آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا بھی فرض اور نصب العین ہے۔ اور ہندو سکھ پارسی وغیرہ کا بھی فریضہ اور نصب العین ہے۔ ہر ایک اپنے لیے جد وجہد کرتا ہے اور کرے گا۔ کسی کا دوسرے پر احسان نہیں ہے تمام باشندگان ہند اس ملعون غلامی سے برباد ہو رہے ہیں۔ ہاں مسلمان کا فریضہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ (الف) مسلمان برسر اقتدار تھے انگریزوں نے اقتدار اور حکومت مسلمانوں سے چھینی ہے۔ (ب) ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے صوبہ سرحد کے مسلمان آزاد قبائل غلام بنائے گئے اور بنائے جا رہے ہیں اور اب بھی ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے (ج) ہندوستان کی غلامی کی بنا پر مسلمانوں کے ملک افغانستان پر چار دفعہ چڑھائی کی گئی اور کوشش کی گئی کہ وہاں پر مسلم حکومت کو ہٹا دیا جائے (د) ایران پر سے آزادی کا پرچم اٹھا دیا گیا۔ بالخصوص اس جنگ میں آج تک وہاں انگریزی ہندوستانی فوجیں موجود ہیں اور ایران کے آزاد ہونے میں کھنڈت ڈال رہی ہیں (ہ) عراق، شام دونوں جگہوں میں انگریزی ہندوستانی فوجیں بجنسہٖ پڑی ہوئی ہیں اور ہر وقت دونوں کو تہدید کر رہی ہیں۔ اب بھی یہی منصوبے ہیں کہ شام اور لبنان کو پھر فرانسیسی انتداب میں دیدیا جائے۔ حالانکہ ۴۲-۱۹۴۳ء میں اس کی مکمل آزادی اور فرانس سے بے تعلقی کا اعلان ہو چکا تھا۔ (و) فلسطین کے مسلمانوں کو دبانے اور ہر طرح مجبور اور محروم الملکیت کر دینے کی صورتیں برابر جاری ہیں۔ یہودی لا لا کر بسائے جا رہے ہیں۔ ملکیت اور ثروت کی حیثیت سے تو یہودیوں کا غلبہ ہو ہی چکا تھا مردم شماری کی حیثیت سے بھی مساوات ہو لے

میں تھوڑا سا ہی فرق رہ گیا ہے (دیکھو بیانات مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی) (ز) حجاز، یمن، نجد، عمان، حضرت موت صوبہ ہائے عرب ہر وقت برطانیہ کی تہدید میں آئے ہوئے ہیں ان کی زندگیاں تقریباً ہندوستانی ریاستوں جیسی ہوکر رہ گئی ہیں (ح) وفاق عرب کی اسکیم زیر نظر اور سایہ برطانیہ جاری ہے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں کیا عرب ممالک اور عرب اقوام حقیقی آزاد ہوں گے اور کیا چالاک ڈپلومیٹک برطانیہ ان کے لیے چین اور راحت اور آزادی کامل کی زندگی حاصل ہونے دیگا اور کیا اگر وہ چاہیں بھی تو اس کمزوری کے ساتھ جو ان کو جغرافیائی سمندری اور پیداواری اور اقتصادی حیثیت سے حاصل ہے وہ مکمل آزاد رہ سکتے ہیں (ط) ممالک ترکیہ، مصر، سوڈان، الجیریا، تیونس، لیبیا وغیرہ کے مسلمان تمہاری غلامی کی وجہ سے ہر وقت خطرے میں ہیں جب بھی کوئی موقع ہوتا ہے ہندوستان سے بیشمار فوج بے شمار رسد بیشمار ہتھیار لیجا کر کچل دیا جاتا ہے (ی) تمہارے احتجاج اور پروٹسٹ کو کبھی دھیان بھی نہیں دیا جاتا خواہ خلافت کے لیے ہو، ترکوں کے لیے ہو، مقامات مقدسہ کے لیے ہو، فلسطین کے لیے ہو یا دوسری جگہوں کی مسلم برادران کے لیے۔ غلام کی آواز آواز ہی نہیں شمار ہوتی، آزاد قوم خواہ یونان ہی جیسی اقلیت والی کیوں نہ ہو دنیا میں اودھم مچا دیتی ہے۔ مگر غلام قوم خواہ تمام دنیا کی پانچواں حصہ ہی ہو اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے (ک) تمہارے مذہبی اور وطنی ہر دو قسم کے بھائی ایسٹ افریقہ ساؤتھ افریقہ کیپ کالونی، مارشیش جزائر، بحر ہند جنوبی وغیرہ میں بستے ہیں ان پر سخت سے سخت قانون پاس کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں مگر آپ کی آواز آپ کا پروٹسٹ کچھ کارگر نہیں ہوتا، کیا اگر آپ آزاد ہوتے تو کیا آپ کی آواز اسی طرح غیر موثر ہوتی۔ بہر حال مذکورہ بالا امور اور ایسے اور بھی متعدد امور ہیں جو کہ مسلمانوں پر موجودہ محکومیت اور غلامی سے آزاد ہو جانا زیادہ تر ضروری اور لازم ہونے کو بتلا رہے ہیں خود ہندوستان میں موجودہ غلامی سے جسقدر ضرر مسلمانوں کو حاصل ہوا ہے اور حاصل ہو رہا ہے ہندوؤں کو نہیں ہوا۔ اگرچہ سب کے سب برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر مسلمان بہت برباد ہوا۔ دیکھو کتاب ڈبلو ڈبلو ہنٹر (ہمارے ہندوستانی مسلمان) نیز کتاب

مسلمانوں کا روشن مستقبل (حالانکہ ان میں بھی جو احوال اور اعمال درج ہیں دریا میں سے چند قطرے ہیں) برٹش گورنمنٹ کی پالیسی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو کچلا جائے۔ آج یہی پالیسی تم کو سیاسیات اور کانگریس سے علیحدہ رکھنے میں برتی جا رہی ہے ہندوستان آزاد ہوگا اور ضرور آزاد ہوگا۔ ہاں لیگ وغیرہ کی مخالفتوں اور آپس کے نفاق اور رجعت پسند انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے کی وجہ سے ممکن ہے کہ دس بیس برس کی دیر لگ جائے تو سوچو اور سمجھو کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی اور اس وقت کی حکومت کے سامنے کس درجہ کے مستحق سمجھے جاؤگے۔ اگر اس وقت کانگریس معتوب ہے تو کیا ہے۔ غیر معتوبین کونسی جنت کے مزے اڑا رہے ہیں۔ آزادی چاہنے والے ہر ملک میں مصائب اور تکالیف کے شکار رہے ہیں اور بالآخر وہی برسر حکومت آئے اور انہوں نے غداروں اور خائنوں سے عبرت انگیز انتقامات لیے دُنیا کی تاریخیں اٹھا کر دیکھو۔

باقی رہا ہندوؤں کا تنگدل یا دشمن ہونا تو اول تو آپ حضرات حسن اخلاق اور حسن معاملہ اور شرکت جدوجہد آزادی، شرکت مصائب کی بنا پر ان کو اپنا مخلص دوست بنا سکتے ہیں۔ قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے، وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ الآیۃ یعنی بھلائی اور برائی برابر نہیں ہیں برائیوں کو بھلائیوں سے رفع کرو (یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دو) تو جو تمہارا دشمن تھا وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا یہی وہ تلوار تھی جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت اور جانی دشمنوں کو اپنا پروانہ بنا لیا۔ تم خوش اخلاقی سے دشمن کو دوست بنا سکتے ہو اور اسی طرح بداخلاقی اور بدزبانی سے اپنوں کو بھی اپنا نہیں رکھ سکتے (دوسرا) یہ کہ ہمارے ملک کے ہندو اگرچہ مذہب میں ہم سے جدا ہیں اور اگرچہ رجعت پسند انگریزوں کی ان بنیت کش پالیسی نے لڑاؤ اور حکومت کرو نے ان میں جذبہ ہائے نفرت پیدا کر دیے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان ہندوؤں کا اور ہمارا خون ایک ہی ہے ہمارے اور ان کے قدیمی رشتے ناتے ہیں، ہمارے ان کے تعلقات ہیں ہمارا ان کا رنگ ایک ہے۔ ہماری ان کی بودوباش کے طریقے اور بہت سی اشیاء مشترک ہیں۔ ان کی زمینداریوں میں مسلمان رعایا اور کاشتکار و

کارکن ہیں۔ ہماری زمینداریوں میں ہندو رعایا اور کاشتکار اور کارکن ہیں۔ ہماری اور ان کی زندگیوں میں اکثر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے۔ بیرون ہندوستان سے آنے والے مسلمان ایک کروڑ بھی نہیں ہیں۔ آدھے کروڑ بھی نہیں اور چوتھائی کروڑ بھی نہیں ہیں۔ اسلام کی حقانیت اور صداقت سے سمجھدار انصاف پسند لوگوں اور قوموں کو مسلمان ہو جانے اور باپ دادا کے غلط طریقوں کو چھوڑنے پر آمادہ کر دیا وہ مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان باہر سے آئے تھے عموماً اپنے ساتھ عورتوں کو لے کر نہیں آئے تھے۔ یہاں آکر یہاں کی عورتوں سے شادیاں کیں اس لیے اس کلیہ میں ذرا بھی شک نہیں، کہ مسلمان ہند اور ہندوان ہند دونوں کے خون آپس میں ملے ہوئے ہیں اور آپس میں رشتہ دار ہیں۔ قدیم زمانہ میں آپس میں بہت میل ملاپ اور محبت والفت پائی جاتی تھی۔ مگر برطانوی رجعت پسند پالیسی نے ایسی بے شمار باتیں پیدا کیں جس سے آپس میں منافرت اور جذبات دشمنی پیدا ہو گئے۔ سر جان مینارڈ اور دوسرے مورخین اس کا اقرار کرتے ہیں یہ منافرت اور تنگدلی برطانیہ کی پیداوار ہے، مذہب اس کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ پرانے لوگ اب کے لوگوں سے زیادہ مذہبی تھے۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی مگر ان میں یہ منافرت اور تنگدلی نہ تھی، بلکہ بجائے اس کے محبت اور میل جول تھا، اگرچہ کبھی کبھی جھگڑا لڑائی بھی کسی دنیاوی بات سے یا مذہبی بات سے ہو جاتی تھی مگر وہ گاہے ماہے ہوتی تھی۔ خود مسلمانوں میں آپس میں بھی ایسے جھگڑے قدیم زمانے میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہر دو قوم میں بکثرت ایسے ایجنٹ بھی پائے جاتے ہیں جو کہ باطن میں رجعت پسندوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر میں نیشنلسٹ معلوم ہوتے ہیں اور وہ نفاق و عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔ نیز ہر دو قوم میں جس طرح چور، ڈاکو، شرابی، بدمعاش ہیں، کوئی بڑی سوسائٹی ایسے غلط کاروں سے خالی نہیں ہو سکتی اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی غلط کار بے سمجھ بھی ہیں ہاں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان میں بے سمجھ اور غلط کار بھی زیادہ ہوں گے اور چونکہ ان میں غلامی ایک ہزار برس سے زیادہ سے چلی آتی ہے۔ اس لیے اس کا اثر بھی ان میں زیادہ ہوگا۔ مگر جس طرح آپ اپنے

غلط کاروں اور نا سمجھوں کی وجہ سے اپنی توم مسلم کو نہیں چھوڑ سکتے اسی طرح ان غیر مسلم نا سمجھوں اور غلط کاروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کی اصلاح کیجئے، ان سے میل ملاپ پیدا کیجئے اور ملک کو آزاد کرا کر اپنی اور ان کی اپنے مذہب اور ملک کی، زراعت اور تجارت کی دین اور دنیا کی اصلاح اور ترقی کی صورتیں کرتے ہوئے مصیبتوں کو زائل کیجئے۔

محترم بھائیو اور بزرگو! موجودہ غلامی اور اس کی بے نہایت مصیبت پر اس وجہ سے قناعت کرنا اور راضی رہنا کہ ہندو سنگدل اور دشمن ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھروں اور بھڑوں کے کاٹنے کی وجہ سے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے اور بل میں پناہ پکڑے اس ملعون غلامی کی وجہ سے بربادی جس درجہ ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ سانپ اور بچھو کے زہر سے بہت زیادہ ہے۔ تنگدلی اور غلط کار ہندو کی وجہ سے جو خطرات آپ کے سامنے ہیں وہ ان موجودہ مصائب کے سامنے اتنی بھی وقعت نہیں رکھتے جو مچھر اور زنبور کے کاٹنے کی سانپ اور بچھو کے زہر کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اتنی بھی اس کو وقعت نہیں ہے جو کہ ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہوتی ہے۔ غور کیجئے اور غلط کاری مت اختیار کیجئے علاوہ ازیں کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اپنی رواداریوں اور اخلاق حسنہ کی بناء پر اپنے مذہب پر مضبوط رہتے ہوئے ان کی دشمنی اور سنگدلی کو دور کریں۔ کیا مسلمانوں نے زمانہ ہائے سابق میں ایسا نہیں کیا۔ آپ دور کیوں جاتے ہیں شاہان مغلیہ کے کارناموں ہی پر نظر ڈال لیجئے۔

محترم بزرگو! اگر آپ کو ان کی طرف سے مایوسی ہی ہے اور ان کو اپنا ایسا ہی دشمن سمجھتے ہیں کہ جن کو اپنانا ممکن نہیں (حالانکہ یہ آپ کا مذہبی فریضہ بھی ہے) تو وہ معاملہ کیجئے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر کیا تھا کہ دو دشمنوں میں سے بڑے دشمن سے جنگ کی اور چھوٹے اور کمزور دشمن یہود سے صلح کی اور ہر دو یعنی مسلمانوں اور یہود کو اپنے اپنے مذاہب پر مضبوط رہتے ہوئے مصالح وطنیہ وغیرہ میں ایک قوم بنایا۔ کانگریس میں داخل ہونا اور باشندگان ہند کے لیے ایسے اصولی قوانین بنانا جن سے سب کا تحفظ کے لیے ترقی اور خوشحالی ہو سکے اور مسلمانوں کے لیے ایسے تحفظات اصول (فنڈامنٹل)

میں مقرر کرا لے جن کی بنا پر وہ اکثریت کی دست درازیوں سے محفوظ اور مطمئن ہو سکیں۔ نیز حکومت میں ایسی اطمینانی صورتیں بنوائی جن کی بنا پر اقلیتیں اکثریتوں کے رحم و کرم پر گذران کرنے کے لیے مجبور نہ ہوں۔ یہی اقدام اور عملدرآمد جمعیۃ کا ہے۔ اُس کی تجاویز پر غور کیجئے جن کا اعلان جمعیۃ کی طرف سے بار بار ہو چکا ہے۔

بعض حضرات ایسے مقام پر کہنے لگتے ہیں کہ تمام خطرات اور مشکلات کا مکمل علاج پاکستان ہی میں ہے۔ کیونکہ جو معاملہ ہندو اپنی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ کریں گے وہی ہم بھی پاکستان میں کریں گے۔ تو اولاً عرض یہ ہے کہ اس کا تو موقع آپ کو آج بھی بغیر پاکستان حاصل ہے ہر صوبہ کی کونسلوں کو اپنے داخلی معاملات میں اختیار ہے کہ کثرت سے رائے پر فیصلہ کر کے من مانی کارروائی کرے جن صوبوں میں آپ کی اکثریت ہے ووٹوں کی مجارٹی سے آپ جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں البتہ مرکز میں اندیشہ ہے کہ ان امور میں جو کہ مرکز کو دیے جائیں گے ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ وہاں ہم اقلیت میں ہوں گے ہمارا مفاد کچلا جائے گا۔ مگر اس کا علاج تو یہ ہے کہ مرکز کو وہ ہی امور دیے جائیں جن میں فرقہ وارانہ اندیشہ نہ ہو یا اگر ایسے امور اُن کو دیے بھی جائیں تو یا تو مرکز کے ممبروں کا عدد مساوی ہو۔ یا ایسے امور کے لیے سپریم کورٹ مقرر کر دیا جائے جس کے مسلم اور غیر مسلم ممبر برابر ہوں یا اور کوئی ایسی دفعہ رکھدی جائے جس سے اکثریت کی دست درازی کا خطرہ باقی نہ رہے۔

(ثانیاً) یہ عرض ہے کہ واقعات تاریخیہ اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان میں سب کچھ کیا مگر افغانستان کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ ٹرکی کی رگ خلافت و حمیت میں گرمی پیدا نہ ہوئی انگریزوں سے پروٹسٹ بھی نہ کیا گیا۔ فیروز شاہ مرحوم استنبول تک پہنچے اور ان کو یقین تھا کہ چونکہ ہمارے دادا تیمور لنگ نے سلطان بایزید یلدرم مرحوم کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا تھا (سلطان مرحوم کو قید کر لینے کے بعد) اس لیے ہماری مدد کی جائے گی مگر کوئی توجہ نہ کی گئی بلکہ کچھ تنخواہ مقرر کر کے مکہ معظمہ میں رہنے کا سامان کر دیا گیا اور ان کی وہاں ہی وفات ہوئی۔ اندلس

میں مسلمانوں پر کس قدر مظالم ہوئے ترکی حکومت اس وقت شباب پر تھی مگر عیسائی دنیا کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا گیا نہ اندلس قرطبہ وغیرہ سے عیسائیوں کو نکال کر مسلمانوں کو قبضہ دلایا گیا نہ یہی کیا گیا کہ رومانیہ، بلگیریا، بوسنیا، ہرزی گونیا، مانٹی نیگرو، البانیہ، یونان وغیرہ کے عیسائیوں سے وہ معاملہ کیا جاتا جو عیسائیوں نے اندلس اور قرطبہ واشبیلیا وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ دور کیوں جایئے فلسطین میں کیا کچھ نہیں ہوا مسلمانوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے گئے، جنینہ جیسے قصبہ کو جس کی آبادی سات ہزار مسلم نفوس سے زیادہ تھی اور عمارات و باغات وغیرہ اس قدر اور ایسے تھے کہ اس کو چھوٹی جنت کہا جاتا تھا مگر سب کو ایک رات میں ڈائنامیٹ سے معدوم محض کر دیا گیا، ٹرکی کو مصر کو، شریف عبداللہ والی شرق اردن کو، عراق کو ابن سعود کو ذرا بھی حرکت نہ ہوئی۔ یہ تو بیرون ہند کا واقعہ ہے۔ خود ہندوستان میں یو۔پی۔ بہار وغیرہ میں نام نہاد پیرپور رپورٹ والے مظالم ہوئے۔ مگر لیگی وزارتوں اور پاکستانی حکومتوں کی رگ حمیت میں ذرا بھی گرمی پیدا نہ ہوئی۔ یہ بھی نہ ہو سکا کہ ہندوؤں سے وہ معاملات کرتے جو پیرپور رپورٹ میں مزعومہ مظالم مسلمانوں پر کیے گئے تھے۔ مسٹر فضل حق نے باوجودیکہ لکھنؤ کے اجلاس لیگ میں کہا تھا کہ اگر ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں پر کوئی تعدی کی تو ہم اس کا بدلہ اپنے صوبے میں ہندوؤں سے لیں گے۔ وہ بدلہ تو کیا لیتے لکھنؤ ہی میں جب ہندو رپورٹروں نے جلسہ کے بعد گفتگو کی تو ان سے معافی مانگنے لگے۔ الغرض یہ امر نہ واقعات عالم کی حیثیت سے ممکن ہے اور نہ عقلاً درست ہے اگر کسی مجرم نے یو۔پی میں جرم کیا ہے۔ تو پنجاب کے غیر مجرم کو سزا دینا کونسی عقل اور دیانت کی بات ہے، یہ محض دھوکہ دینے یا دھوکا کھانے کی باتیں ہیں، بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکا ہے یا دھوکا دیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت بطرز خلفاء راشدین قائم کی جائیگی، یہ خواب تو نہایت شیریں ہے کاش ایسا ہو اگر اس کا ذمہ داران لیگ اطمینان دلا دیں تو ہم اراکین جمعیۃ سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ کہ جن کو دین اور مذہب اسلام اور شعائر اسلام سے دور کا واسطہ بھی

نہیں۔ نہ صورت اسلامی ہے۔ نہ سیرت وہ اسلامی حکومت قائم کریں اور مذہب کے اصول و
ضوابط پر بطرز خلفاء راشدین چلائیں۔ وہ حضرات جن ہیں اور دین و مذہب میں وہ تعلق ہو جو اندھیرے
کو روشنی سے ہے اور آگ کو پانی سے ہے وہ دین و مذہب کا احیاء کریں۔ کیا مسٹر محمد علی جناح
اور راجہ محمود آباد یا دوسرے ممبران ہائی کمان لیگ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے
طریقہ کا احیاء کریں گے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو کیا وہ اقلیت پنجاب اور بنگال کی جو کہ معمولی
اقلیت ہے یعنی صرف پانچ یا سات عدد سے وہ ایسا ہونے دیگی اور بالفرض ایسا ہو
بھی گیا تو کیا مسلم اقلیت والے صوبوں میں اس کا ایسا ردعمل نہ ہوگا کہ وہاں پہ خالص ہندو راج
اور رام راج قائم کیا جائے اور حسب خواہشات آریہ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے سامان کر دیئے
جائیں۔ ان صوبوں میں جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہ بہت ہی کمزور اور حقیر اقلیت
والے ہیں۔ ان کو ہر طرح دبا لینا اور مجبور کر دینا بات ہی کیا ہے۔ قائد اعظم کے وہ بیانات
جو انہوں نے نیوز کرانیکل کے نمائندے کو دیئے ہیں پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے انہوں نے
اس میں صاف طور سے کہا ہے کہ پاکستان کی حکومت یورپین جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی۔ ہندو
اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کر کے فیصلے صادر کریں گے
اور وزارتوں اور لیجسلیچر میں سب حصہ دار ہوں گے۔ نیز لیگ کی وزارتوں کے طرز حکومت اور
طرز عمل سے حقائق کا اندازہ کیجیئے۔ ؎ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

سیاسی جمود

حضرات! ان گذارشات کے بعد میں آپ کی توجہ اس آئینی جمود کی طرف
مبذول کرانا چاہتا ہوں جو پچھلے چار سال سے ہندوستان کی سیاسی فضا میں
پیدا کر دیا گیا ہے۔ اور جس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ
نے مزید ایک سال کے لیے گورنروں کے ڈکٹیٹرانہ اختیار کی توسیع کی ہے۔ یہ جمود موجودہ
جمہوری دور کا ایک زبردست سانحہ ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر
ہے جو دنیا میں جمہوریت اور آزادی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے ایک طرف وہ اپنی زبان
سے جمہوریت کے نعرے بلند کرتی ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کو اس کی حمایت و حفاظت

کی دعوت دیتی ہے۔ اور دوسری طرف اس کے کارندے ہندوستان میں بدترین قسم کی آمریت کی داد دے رہے ہیں۔

اس جمود کے جواز میں برطانوی مدبرین کی طرف سے ہمیشہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے باہمی اختلافات کو بہت زیادہ نمایاں کرکے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چونکہ خود ہندوستانی آپس میں ہندوستان کے کسی دستور پر متفق نہیں ہیں۔ اس لیے برطانوی حکومت مجبور ہے جب تک تمام عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں۔ ہم آئینی ترقی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور ان کے مفادات کو نظر انداز کرکے ان پر زبردستی کوئی فیصلہ نافذ نہیں کر سکتے۔

بلاشبہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ صرف برطانوی حکومت کے لائے ہوئے ہیں اور خود ہی وہ ان کو ہندوستان کی آئینی ترقی کو روکنے کے لیے بہانہ بنا رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اختیارات منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور بدنیتی کے ساتھ وہ ہندوستانیوں کے باہمی اختلافات کو تمام دنیا میں اچھال رہی ہے۔ ورنہ ہندوستان کا یہ اختلاف ان فیصلوں کے لیے کبھی رکاوٹ نہیں بنا جو اس کے اپنے مفاد میں تھے۔ جب بھی اس نے اپنے کسی فیصلہ کو نافذ کرنا چاہا ہے تو تمام اختلافات اور مزاحمتوں کو نظر انداز کرکے اُن کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ برطانیہ کی بارگاہ سے جب فرقہ وارانہ سمجھوتہ صادر کیا گیا تو ہندوستان کی اکثریت اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتی تھی ہندو اس سے اس وجہ سے متفق نہیں تھے کہ وہ اس ایوارڈ کو اپنے حقوق میں دست اندازی سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اس ایوارڈ میں ایسے حقوق دیے گیے ہیں جن کا وہ استحقاق نہیں رکھتے اور مسلمانوں کے لیے وہ اس لیے قابل اطمینان نہیں تھا کہ اس میں ان کا جائز حق پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اس اختلاف کے باوجود حکومت نے اس ایوارڈ کو برقرار رکھا۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء کے دستور کو ہندو اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا تھا لیکن حکومت اس کے نفاذ پر مصر تھی۔ آخر کار ہندوستان کی متحدہ مزاحمت اور استرداد کے باوجود اس ایکٹ کو اس کے سر پر تھوپ دیا گیا۔ موجودہ جنگ میں بھی حکومت نے اپنے عزائم اور فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لیے اس کا انتظار نہیں کیا کہ ہندوستان کے تمام عناصر متفقہ طور

پر ان کو تسلیم کریں اور اس کے بعد اُن کو نافذ کیا جائے۔ اس لیے ہندوستان کی آئینی ترقی
کے سلسلہ میں اس کی قومی زندگی کے ان اختلافات کو نمایاں کرنا یقیناً کسی دیانتدارانہ احساس
پر مبنی نہیں تھا۔ تاہم یہ ہندوستان کے لیے ایک چیلنج تھا اور ہندوستان کی سیاسی جماعتوں
کا یہ اولین فریضہ تھا کہ وہ اپنے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے برطانیہ کے اس چیلنج کو قبول کرتیں۔
اور باہمی رواداری کے ساتھ کسی ایک نتیجہ پر پہنچ کر ہندوستان کی دستوری ترقی کے متعلق کوئی
متحدہ نظریہ پیش کرتیں۔

سپرو کمیٹی کی سفارشات

حضرات! اس وقت ہندوستان کے سیاسی جمود کو دور کرنا قومی و ملکی ضروریات کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔
ملک کی اہم جماعتیں جمود کو حل کرلے اور ملکی ترقی کی طرف قدم بڑھانے کے لیے مضطرب
ہیں۔ صوبوں میں نمائندہ حکومتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو غیر معمولی مشکلات پیش
آرہی ہیں۔ ملک کی بعض جماعتوں کی طرف سے اس جمود کو حل کرنے کے لیے متعدد بار
کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ حال ہی میں سپرو کمیٹی نے اس سلسلہ میں چند سفارشات کی ہیں اور
ان کی بنیاد پر ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند
کی ورکنگ کمیٹی ان سفارشات کے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ واضح کر چکی ہے۔ ورکنگ کمیٹی
نے سفارشات کے اس حصہ سے اتفاق کیا ہے جس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی، شہنشاہ
برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کے لیے اعلانِ آزادی، صوبوں میں آئین کی بحالی اور مرکز
میں ذمہ دار قومی حکومت قائم کرنے کے مطالبات کیے گئے ہیں۔ لیکن ورکنگ کمیٹی
کو ان اصولوں سے اختلاف ہے جن پر یہ سفارشات مبنی ہیں۔ ان سفارشات کو پیش
کرتے ہوئے بطور اصول یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انگریزوں کو بہر حال ہندوستان میں رہنا
چاہیے۔ اس لیے کمیٹی کے نزدیک ہندوستان کی آزادی کا تصور انگریز کی بالادستی سے
آزاد نہیں ہے۔ اور اسی بنیاد پر کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتیں
کسی متفقہ حل تک نہ پہنچ سکیں تو برطانوی پارلیمنٹ کو خود ہی کوئی دستور مرتب کر کے نافذ
کر دینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول ہندوستان کے آزادی پسند جذبات کو مطمئن

نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ کمیٹی نے نمائندہ اسمبلی میں نمائندگی کے جس تناسب کی سفارش کی ہے جمعیۃ علماء کے نزدیک وہ ناقابل قبول ہے۔ اگرچہ بظاہر مسلمانوں کو ہندوؤں کے مساوی نمائندگی دی گئی ہے۔ لیکن اچھوتوں کے لیے جداگانہ نمائندگی تجویز کر کے اس توازن کو ختم کر دیا گیا ہے مجموعی حیثیت سے ۱۶۰ کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب ۳۱ فیصدی رہ جاتا ہے جو ان کے موجودہ تناسب سے بھی کم ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دیانتدارانہ پوزیشن نہیں ہے کہ ایک طرف اچھوتوں کو ہندو قومیت کا ایک ناقابل انفصال جزو بتایا جاتا ہے اور ان کے مسئلہ کو ہندوؤں کا ایک داخلی مسئلہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ گاندھی جی ان کی جداگانہ نمائندگی کے سوال پر برت رکھ کر آخری قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور پونا کا مشہور پیکٹ کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ان کے لیے جداگانہ نمائندگی کی سفارش کی جا رہی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کو جو نام نہاد مساوی تناسب دیا گیا ہے وہ مخلوط انتخاب کے ساتھ اس طرح مشروط کر دیا گیا ہے کہ اگر یہ سفارش بہ تمام وکمال منظور نہ کی گئی تو ہندو آزاد ہوں گے کہ نہ صرف مساوی نمائندگی کو منظور نہ کریں بلکہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ پر بھی نظر ثانی کا مطالبہ کریں۔

جہاں تک مخلوط انتخاب کا تعلق ہے جمعیۃ علماء اس کو مسلمانوں کے جملہ حقوق کی قابل اطمینان حفاظت کے ساتھ ملک اور مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتی رہی ہے تاہم اس فیصلہ کا حق صرف مسلمانوں ہی کو ہے کہ وہ کس طریق انتخاب کو منظور کرتے ہیں۔ کوئی جماعت ان کو مخلوط انتخاب قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

کمیٹی نے ہندوستان کی وحدت پر زور دیتے ہوئے صوبوں کے حق خود ارادیت کی بھی کلیتہً نفی کی ہے جو نہ ملک کے بہترین مفاد کے مطابق ہے اور نہ مسلمان اس حق کو کسی قیمت پر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک سپرو کمیٹی کی یہ سفارشات ملک کے موجودہ آئینی جمود کا منصفانہ حل نہیں ہو سکتیں۔

جمعیۃ علماء کا نقطۂ نگاہ | حضرات! ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے متعلق جمعیۃ علماء ہند بارہا اپنے نظریہ کا اظہار کر چکی ہے۔ لاہور کے گزشتہ اجلاس

میں اپنی ایک تجویز کے ذریعہ جمعیۃ نے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا تھا۔ آج بھی جمعیۃ علماء اس اصول کو ہندوستان کے مسئلہ کا آخری حل سمجھتی ہے۔ جس کو ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مخصوص حقوق و مسائل کے تحفظ کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لاہور کی تجویز میں پیش کیا تھا۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

(۱) ہندوستان کا دستور حکومت وفاقی اصول پر مرتب کیا جائے۔

(۲) تمام صوبے (یا وفاقی وحدتیں) مکمل طور پر آزاد ہوں اور غیر مصرحہ اختیارات انہیں کو حاصل ہوں۔

(۳) وفاقی مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں۔

(۴) وفاقی وحدتوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کیا جائے۔

(۵) وفاق کی تشکیل ایسے اصول پر کی جائے جس میں مسلمانوں کے مذہبی۔ سیاسی اور تمدنی حقوق کا اس طرح تحفظ کیا جائے جو مسلمانوں کے لیے قابل اطمینان ہو۔ جمعیۃ علماء کی رائے میں یہ اطمینان ذیل کے اصول میں سے کسی اصول پر وفاقی حکومت کی تشکیل سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱) مرکزی ایوان میں نمائندگی کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۴۵ مسلمان ۴۵ دیگر اقلیتیں ۱۰ جمعیۃ علماء نے اس دفعہ کی روح کو بطور اصول پیش نظر رکھا ہے۔

(۲) اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان مرکزی کی ⅔ اکثریت اپنے مذہبی، سیاسی، تمدنی اور ثقافتی آزادی کے خلاف قرار دے تو قانوناً وہ بل ایوان میں زیر بحث نہ آسکے۔

(۳) ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کے تنازعات۔ صوبوں کے باہمی نزاع، اور ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے اور جس میں مسلم و غیر مسلم ججان کی تعداد مساوی ہو۔ سپریم کورٹ کے ججوں کے تقرر کا اختیار مسلم اور غیر مسلم صوبوں کی ایک ایسی کمیٹی کو دیا جائے۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہو۔

(۴) یا اس کے علاوہ کوئی اور اصول جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے کیا جائے۔ جمعیۃ علماء کے نزدیک اگر مذکورہ اصول پر وفاق کی تشکیل کی جائے تو وفاقی مرکز میں مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کا مسئلہ فریقین کے لیے قابل اطمینان طور پر حل

ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جمعیۃ علمار کا جو اصول کار رہا ہے، اس کے پیش نظر اس نے دفعہ ۳ میں مجوزہ صورتوں کے علاوہ کسی ایسے اصول کے لیے گنجائش باقی رکھی ہے جو وفاق میں مسلمانوں کے مذہبی سیاسی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہو سکے۔

علمار کا نصب العین اور اصول فکری محترم بزرگ علمار کا وہ نصب العین جو ایک ازلی و ابدی صداقت کے طور پر ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا ہے، اسلام کا اجتماعی اور سیاسی نظام ہے۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں انہوں نے اسی نظام زندگی میں انسانوں کی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا ہے اور ان ہی اصول کے ماتحت مسلمانوں کے تمام مسائل میں راہنمائی کی ہے۔ آج بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے یہی نظام ان کا آخری نصب العین ہے۔ اس نصب العین تک پہنچنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی تنظیم کے ہر اس موقع سے استفادہ کیا ہے جو مختلف احوال و ظروف میں ان کو میسر آیا ہے مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی آزادی کی راہ میں انہوں نے ہر وہ قدم اٹھایا جس کا اٹھانا ممکن تھا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ حالات بدلتے رہے ان کے ساتھ جدوجہد کی نوعیتیں بھی بدلتی رہیں۔ لیکن حالات کے اختلاف اور مصائب کے ہجوم میں ان کا نصب العین کبھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ آج میں اپنے مقدس بزرگوں کے عظیم الشان ملی و مذہبی کارناموں کو سامنے رکھ کر یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ ان کی حمیت دینی و ملی جوش عمل اور قربانی نے علمار کی دینی و ملی جدوجہد کی ایک شاندار تاریخ مرتب کی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حکومت نے مسلمانوں کے متعلق جو پالیسی اختیار کی تھی اس نے ان کی صفوں میں ایک انتشار پیدا کر دیا۔ ان کی قومی اور سیاسی زندگی پراگندہ ہو گئی۔ ان کے معاشرتی نظام کا شیرازہ بکھر گیا تعلیمی و فکری نظام درہم برہم ہو گیا۔ غرض مجموعی حیثیت سے مسلمانوں پر ایک یاس انگیز جمود چھا گیا۔ علمار نے اس انتشار کو محسوس کیا اور انفرادی طور پر مسلمانوں کی تنظیم کے لیے متعدد مذہبی و سیاسی علمی و فکری اور اصلاحی تحریکات پیدا کیں۔ بالآخر ۱۹۱۹ء

میں مسلمانوں کی قومی زندگی کی تنظیم کے لیے علمار ملت کی ان کوششوں کو ایک جماعتی نظام کے ماتحت منظم کیا گیا۔ پچھلے چھبیس سال میں علمار نے اسی نظام کے ماتحت اپنی کوششوں کو مصروفِ عمل رکھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح اسلامی اصول اجماع ہی کو مشعل راہ بنایا۔ اور مسلمانوں کے تمام ملّی و ملکی مسائل کو ان ہی کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی

جمعیتہ علمار کی مذہبی و ملکی خدمات جمعیتہ علمار نے چوتھائی صدی کی اس طویل جد وجہد میں اسلامی اصول کو بروئے کار لانے کے لیے ملک و ملت کی جو زبردست خدمات انجام دی ہیں وہ نہ صرف جمعیتہ علمار بلکہ مسلمانانِ ہند کی مذہبی و سیاسی جد وجہد کا ایک شاندار باب ہیں اس موقع پر جمعیتہ کی خدمات کے تفصیلی تذکرہ کی گنجائش نہیں ہے مختصرہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی —— تبلیغی، سیاسی معاشرتی اور شرعی زندگی کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں جمعیتہ علمار کی شاندار خدمات کا سنگ نشان موجود نہیں ہے۔ جمعیتہ علمار ہی تھی۔ جس نے ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم و ترقی اور ممالک اسلامیہ کی آزادی و زندگی کی حفاظت کے لیے ہندوستان کی آزادی کو ایک مذہبی و ملکی فریضہ کی حیثیت سے محسوس کیا۔ اور اسی نے ہندستان کی دوسری سیاسی جماعتوں کو مکمل آزادی کا نصب العین عطا کیا۔

اگرچہ اس چھبیس سالہ جد وجہد میں جمعیتہ علمار کو اپنے نصب العین کی حد تک کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن جہاں تک عزم و عمل کا تعلق ہے۔ جب بھی کسی قربانی پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی جمعیتہ نے کبھی پس و پیش نہیں کیا اور آج بھی میں جمعیتہ کے ارکان اور ممبران عمومی کی طرف سے اس آخری فیصلہ کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ اس فیصلہ کو تمام آزادی پسند مسلم عوام کی تائید حاصل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری راہ خواہ کتنی ہی کٹھن ہو لیکن آخر کار ہم اپنی منزل کو پہنچیں گے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

علمار کی پالیسی سے اختلاف حضرات! علمار ہند کی مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کی تاریخ جس قدر قدیم ہے ان کی مخالفت اور ان کے

سیاسی و مذہبی افکار سے اختلاف بھی اسی قدر پڑانا ہے۔ ہندوستان میں انگریزی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ان میں دو خیال پیدا ہو گئے تھے جو بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک طرف آزادی پسند علمار اور مسلم عوام کا وہ گروہ تھا جو اپنے مذہبی اور قومی افکار کی روشنی میں اپنے لیے نئی حکومت کے ساتھ تعاون کی کوئی راہ نہیں پاتا تھا انہوں نے جس طرح ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لیے عظیم الشان کوششیں کی تھیں، اسی طرح اس دور میں بھی جب کہ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں پر ایک جمود چھا گیا تھا، ہر اس ترقی پسند کوشش کا ساتھ دیا جو ہندوستان کو منزل آزادی کے قریب لانے والی تھی۔ چنانچہ علمار نے ہندوستان کی آزادی کے لیے اس ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کے جواز میں فتوے دیے۔ اور ان انجمنوں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا جو برطانوی حکومت سے وفاداری، برطانوی سلطنت کے استحکام اور اس کی حفاظت اور گورنمنٹ سے عرضداشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا نصب العین لے کر اٹھیں تھیں۔ اور مسلمانوں کو سیاسی شورشوں میں حصہ لینے سے روکتی تھیں۔ علمار کی اس پالیسی کی وجہ سے نہ صرف حکومت نے شدومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی بلکہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے بھی ان کی مخالفت اور ان کے متعلق غلط بیانیوں کو اپنا شعار بنا لیا۔

رجعت پسندانہ افکار کی تنظیم

اس کے بالمقابل مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت ایسی بھی تھی جو نہ صرف حکومت کی وفادارانہ غلامی ہی کو مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی ترقی کا وسیلہ سمجھتی تھی بلکہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات و روایات اور ان کی تہذیب و معاشرت کو انگریزوں کی منشار اور مزاج کے مطابق ڈھال دینا چاہتی تھی یہ طرز فکر چونکہ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے استحکام کے لیے سازگار تھا۔ اس لیے حکومت نے اس کی سرپرستی کی، علماء کے خلاف ایک زبردست جدوجہد کی گئی جن کو حکومت انتہائی خطرہ کی نظر سے دیکھتی تھی۔ مسٹر بیک، ماریسن اور آرچ بولڈ جیسے انگریز مفکرین اس رجعت پسندانہ طرز فکر کی تنظیم میں مصروف ہو گئے اور اس کے خط و خال درست کر کے

اس کو مسلم عوام میں متعارف کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ نیشنل کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لیے جس میں شرکت کے لیے ملک کے مستند اور بارسوخ علماء مسلمانوں کو دعوت دے رہے تھے اور جس کو مسٹر بیک براہ راست انگریزوں کے خلاف سمجھتے تھے۔ انہوں نے محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس انجمن کی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

"مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کرکے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیے اور جمہوری طرز سلطنت کے اجرا کو اس ملک میں روکنا چاہیے جو اس ملک کے حسب حال نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحاد عمل کی تبلیغ کرنی چاہیے۔"

مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی

محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن کا یہی نصب العین بعد کو مسلم لیگ کا مرکزی محور بن گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کے سب سے پہلے سیکریٹری نے لیگ کی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری تعداد بمقابلہ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے۔ اب اگر کسی وقت ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہوکر رہنا پڑے گا۔ اور ہماری جان ہمارا مال ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا۔ اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے جب کہ ہم گورنمنٹ کی خاطر بہ کمربستہ رہیں اور ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم و ملزوم ہیں۔۔ انگریزوں کے بغیر ہم عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

لیگ کی بنیادی پالیسی کی اس تشریح کی روشنی میں اگر آپ ان بیانات کا جائزہ لیں جو مسلم لیگ کے موجودہ صدر نے حال ہی پاکستان کے متعلق ظاہر کیے ہیں تو پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ آج بھی مسلم لیگ کے افکار و نظریات اسی محور و فکر کے گرد گھوم رہے ہیں۔

جو اس کو رجعت پسند انگریز مدبرین سے بطور وراثت پہنچا تھا۔

۲۹ فروری ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے پاکستان کے متعلق اخبار نیوز کرانیکل لندن کے نامہ نگار کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

" اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد (جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگا) ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے۔ اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے "

۲۲ مارچ کو پاکستان کی پانچویں سالگرہ کے سلسلہ میں اپنے ایک مطبوعہ پیغام میں آپ نے فرمایا۔

" اسلامی ہند کے لیے یہ موت اور زندگی کی جدوجہد ہے حصول پاکستان میں ہماری نجات، سلامتی اور عزت و وقار کا راز مضمر ہے۔ اگر ہم اس مقصد کے حصول میں ناکام رہیں گے تو فنا ہو جائیں گے اور اس برِ کوچک میں مسلمانوں یا اسلام کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا "

مذہبی مسائل میں مسلم لیگ کا رویہ جہاں تک مذہبی مسائل کا تعلق ہے اسلام اور اسلامی احکام کے متعلق بظاہر اس قدر تشویش کا اظہار کرنے کے باوجود ان کی طرف لیگ کے ذمہ دار لوگوں نے کبھی کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ بلکہ اکثر ان کا رویہ اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف رہا۔ ۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر جب مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا گیا جو مسلمانوں کے حقوق وراثت میں قانون رواج کی بجائے اسلامی قانون کے اطلاق کو ضروری قرار دیتا تھا تو خود مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے اسلام کے صریح احکام کے خلاف آئین میں ترمیم پیش کر کے اس قانون کی روح کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جمعیۃ علماء نے قانون فسخ نکاح کا ایک مسودہ مرتب کر کے بعض ارکان اسمبلی کے ذریعہ اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کیا تو بعض دفعات کے حذف وغیرہ

کے بعد اس کو ایک ایسی شکل دیدی گئی جو نہ صرف اصول دین کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرت میں شدید قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ جمعیۃ علماء نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور ممبران اسمبلی کو اس کے مضر نتائج کی طرف توجہ دلائی لیکن مسلم لیگ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

مسلمانوں کے لیے واحد راہ عمل

حضرات! فکری و عملی اختلاف اور علماء کے متعلق غلط بیانیوں کا وہی قدیم سلسلہ آج تک بدستور قائم ہے۔ ایک طرف علماء ہیں جو آزادی پسند مذہبی طبقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلام کے اجتماعی اصول اور سیاسی احکام کی روشنی میں ملک و ملت کی رہنمائی کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ فکری اصول ہیں جو کل کی طرح آج بھی برطانوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنے ہوتے ہیں۔ اکثریت کا خوف ہندوستان میں جمہوری طرز حکومت کی مخالفت، مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق اندیشے اور وسوسے کل کی طرح آج بھی بدستور قائم ہیں۔ شریعت مطہرہ کی روشنی سے جس طرح وہ کل بے بہرہ تھے آج بھی وہ اس سے اسی طرح محروم ہیں۔ جمعیۃ علماء اور دوسری سیاسی جماعتوں کے اس فکری و عملی اختلاف کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہمارے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی زندگی کے لیے جمعیۃ علماء ہی پر اعتماد کریں جس کے افکار و نظریات میں اسلام کے اجتماعی و سیاسی اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جو آج بھی جد و جہد عمل اور ایثار و قربانی کے معاملہ میں سلف ہی کی راہ پر گامزن ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے پندرہویں سالانہ اجلاس میں

—— مورخہ ——

۱۵۔۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۶-۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء

—— بمقام ——

بمبئی

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ ۔ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہ و نؤمنُ بہ و نتوکل علیہ و نعوذ با للہ من شرورِ انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ و نشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و بارک و سلم

تمنا تھی کہ احباب اور بزرگ اس سال بارِ صدارت سے سبکدوش کر دیں گے اور مجھے موقع ملے گا کہ میں تدریسی اور تعلیمی مشاغل میں اپنا وقت اطمینان سے صرف کر سکوں گا۔ مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور فریضہ صدارت کے لیے اس ناتواں کو پھر منتخب کر دیا گیا۔ میں حیران ہوں کہ احباب کا شکوہ کروں یا ان کا شکریہ ادا کروں۔

احباب کرام۔ اگر آپ مجھے اس اعزاز و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں تو میں آپ کی قدر افزائی کا شکر گزار رہوں، لیکن ہماری تعظیم و تکریم شخصیت پرستی کی خطرناک حد تک نہ پہنچنی چاہیئے۔ ہمیں علم و فضل، صلاحیت و استعداد کے ان عظیم المرتبت امانت برداروں کو بھی سامنے لانا چاہیئے جو بفضلہ تعالیٰ جماعت کے حلقہ میں موجود ہیں اور فریضہ صدارت کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے تھے۔

ضرورت ہے کہ جماعتی تحریکات اس سے تمام متعلقین کے درمیان دائر و سائر رہیں۔

حاضرین کرام! سہارنپور کے بعد آج ہم بمبئی میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام میں شرکت کر رہے ہیں۔ سہارنپور اور بمبئی میں جو فاصلہ ہے اس سے کہیں زیادہ حالات اور ان کے مقتضیات میں بُعد پیدا ہو چکا ہے۔ سائنس کے اس دور میں جس طرح مہینوں اور ہفتوں کی مسافتیں گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہونے لگی ہیں۔ اسی طرح واقعات کی رفتار بھی اتنی تیز رہی کہ صرف دو برس کے عرصہ میں وہ واقعات ہو چکے ہیں جن کے لیے تاریخ عالم ایک صدی کی مدت قیاس کر رہی

تھی۔ جب ہم سہارنپور میں جمعیتہ علماء ہند کا اجلاس عام کر رہے تھے تو غلامی کا دور ہم پر مسلط تھا یونین جیک ہماری عمارتوں پر لہرا رہا تھا۔ جنگِ عظیم کا سلسلہ اتحادیوں کی فتح پر ختم ہو رہا تھا۔ اور دولتِ برطانیہ کی طرف سے جشن فتح کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن آج وہ فاتح ہندوستان کے حق میں مفتوح ہو چکا۔ اس نے اقتدار کی چادر سمیٹ لی اور اپنے جھنڈے ہماری عمارتوں سے اتار لیے۔

آج ہندوستان آزاد ہے۔ وہ اپنی قسمت کا خود مالک ہے وہ خود اپنی طاقت رکھتا ہے۔ اور اس کے ایوان حکومت پر نیشنل فلیگ لہرا رہا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

مبارک ہے یہ انقلاب اور باعث صد مسرت ہے یہ تبدیلی لیکن انقلاب کی اس گردش میں جو واقعات سرزمین ہند میں رونما ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ہمارے دلوں کو افسردہ اور ہمارے ملک کی جبین پیشانی کو داغدار کر رکھا ہے۔

ہمارے دل بے چین ہیں کہ کس طرح ان دھبوں کو مٹائیں اور دلوں کی تازگی کو بحال کریں۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر ہمیں کچھ ماضی کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں اور گذشتہ چند سالوں کے صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔

اجلاس سہارنپور کے موقع پر آزادی ہند کے جذبات دلوں میں، اور آزاد ہند کا تصور دماغوں میں تھا، لیکن جداگانہ انتخاب اور دو قومی نظریہ نے مختلف فرقوں کے مفادات کے سوال کو بہت پیچیدہ بنا رکھا تھا۔

تفرقہ ڈالو حکومت کرو کی برطانوی حکمت عملی۔ شد و مد کے ساتھ کار فرما تھی اور اختلاف و افتراق کا ہیولیٰ "مطالبۂ پاکستان" کی شکل میں سامنے آ چکا تھا جس کا مفاد یہ تھا کہ چونکہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ملک ہونا چاہیے۔ لہٰذا مادرِ وطن کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ ایک ہندو انڈیا۔ ایک مسلم انڈیا۔

جمیعتہ علمار ہند کا دماغ کبھی بھی اس اُلٹی منطق کو سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوا کہ ایک ملک کے باشندے جن کے مفادات ۔ ذرائع آمدنی، صنعت و حرفت ۔ رہن سہن کے طریقے ۔ بول چال کے طور و انداز مشترک ہوں ۔ اقتصادیات میں ایک دوسرے کا دامن چولی کا ساتھ ہو کس طرح متعدد نیشن ہو سکتے ہیں ۔ علمار کرام کی نظر قرآنِ حکیم پر رہتی ہے وہ ہر مسئلہ میں اس ھدیٰ و ذکریٰ اور تبیاناً لکل شیء کی طرف رجوع کرتے ہیں انہوں نے قرآنِ حکیم کی آیات میں دو سَو سے زیادہ مقام پر قوم کا لفظ پایا مگر کہیں بھی یہ نہ دیکھا کہ

کہ قوم کا مدار دین و مذہب کو قرار دیا گیا ۔ بلکہ جگہ جگہ یہ پایا کہ خداوند عالم کے پاک طینت اُوالوالعزم انبیار انہیں کفار کو جن کی ہدایت کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے ۔ جن کو کفر و شرک کے قعرِ مذلت سے نکالنے کے لیے ان کا جگر خون ہوتا رہتا تھا ۔ اپنی قوم قرار دیتے ہیں اور ۔ یا قوم یعنی "اے میری قوم" کہہ کر ان کو خطاب کرتے ہیں حضرت حق جل مجدہٗ بھی ان کفار کو اس اوالوالعزم رسول کا ہم قوم قرار دے کر ارشاد فرماتے ہیں ۔ "اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ" وغیر ذٰلك من الآیات الکثیرۃ ۔

علمار کرام نے دنیا سیاست پر نظر ڈالی تو انہوں نے دیکھا کہ انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس اٹلی، مصر وغیرہ میں باشندگان ملک کے مذہب مختلف ہیں مگر ملکی اقتصادی رشتہ کی بنا پر ایک نیشن اور ایک قوم مانے جاتے ہیں ۔

اس کے علاوہ وہ بھولے نہ تھے کہ ۱۹۳۱ء میں اخبارات نے ممالک متحدہ کے جج مسٹر ہلڈن کا ایک خط شائع کیا تھا جو کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا اور اتفاقاً سنڈے کرانک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا تھا ۔ اس خط کا بجنسہ ترجمہ درج ذیل ہے ۔

"مدت سے ہندوستان کی صورتِ حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے ۔ ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی ۔ برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے ۔ سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک کہ ہندوستانیوں سے بھر دیے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا ۔ میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لیے ۳۰۰ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔ ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے اب ہمیں مالیہ معاف کر دینا پڑا ہے تاکہ کاشت کار زندہ رہ سکیں، یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورتِ حالات ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیے جائیں۔ اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لیے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے، اب برطانوی حکومت کے پرانے طریق کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں، اب ہم دورِ ماضی کو قائم نہیں کر سکتے۔ نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم کی ہیں، اب اسے ایسا طرزِ حکومت دے دو جو اس کے لیے موزوں اور قدرتی ہو، لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے۔ ہمیں تحریک متالعہ کو پورے زور سے روکنا چاہیے۔ خونریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سدِباب کرنے کے لیے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہیے، جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہوگی، ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرضِ عمل میں نہ لائیں اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں۔ جب بحر قلزم اور بحیرہ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال جائے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں"۔

(مدینہ بجنور ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء)

اس کے علاوہ مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹ میں بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے"۔

مسٹر لوڈن کے خط اور بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کے مقالہ نے ہر ایک سنجیدہ شخص اور ہر صاحب ہوش و فکر انسان پر واضح کر دیا تھا کہ ڈونیشن یا تقسیم ہند کے نعرے ہندوستانیوں کے جذبات کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ مخفی اور پوشیدہ الہامات کی آوازیں ہیں جن کو ڈپلومیسی کے مخصوص

طرز نے ہندوستانیوں کے جذبات کا رنگ دے دیا ہے۔

چودھری رحمت علی صاحب کی تصنیف پاکستان نیشنل پوائنٹ اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب اور دوسرے حضرات کی تصنیفات جو ۱۹۳۳ء میں یا اس کے بعد شائع ہوئیں۔ قوم پرور زعما اور علماء کے خیال میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کر سکیں، کیونکہ یہ اسی سرچشمہ کا فیضان تھیں۔ جس کا نشان مسٹر بلاؤڈن کا خط ۱۹۳۱ء میں دے چکا تھا۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں از غلط تہمت بآہوئے ختن بنہادہ اند

جمعیۃ علماء کے دور اندیش مدبر اور فراست ایمانی کے حامل مفکر یقین رکھتے تھے کہ جس سیاست کا سنگ بنیاد۔ افتراق اور اختلاف ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ تصادم، کشت و خون اور وحشت و بربریت ہوگا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے کبھی بھی دو قومی نظریہ کی حمایت نہیں کی۔ نہ اس کے بدترین نتیجہ یعنی تقسیم ہند کی تائید کی بلکہ وہ ہمیشہ اس کو غیر فطری اور ملک و ملت کے لیے تباہ کن تصور کرتی آئی البتہ مختلف فرقوں کے مذہبی اور معاشرتی حقوق و مفادات کی حفاظت کو جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ ضروری سمجھا اور اسی بنا پر وہ پاکستان کی باقاعدہ تجویز سے پہلے ایک فارمولا مرتب کر کے ملک کے سامنے پیش کر چکی تھی جس کی تصدیق و تائید سہارنپور کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۵ء میں کی گئی۔ اس فارمولے کا بنیادی نظریہ وحدت مرکز تھا۔ تاکہ ہندوستان جیسے برِ اعظم کی جنگی اور دفاعی طاقتیں یکجا رہیں اور پورے ایشیا کا طاقتور رہنما بن سکے۔

البتہ ہر ایک صوبہ اور صوبہ کے ہر باشندہ کو حریت آزادی اور استقلال کی بدولت سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے فارمولا کی دفعہ ۲ میں تجویز کیا گیا تھا کہ جملہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں رہیں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دیے جائیں جو تمام ملک کے لیے مشترک اور یکساں ہوں مثلاً ٹرانسپورٹ، ڈاک خانہ جات، تار برقی وغیرہ۔ ان مشترک اختیارات کے سوا جن کی تصریح مرکز کے لیے کر دی گئی ہو۔ باقی تمام مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے حوالہ ہوں۔

وحدت مرکز کی صورت میں اقلیت کے خدشہ کو دور کرنے کے لیے فارمولا کی تیسری شرط

یہ تھی کہ مرکز کی تشکیل ایسے طرز پر ہو کہ اکثریت اقلیت پر زیادتی نہ کر سکے۔

فارمولا کی تشریح میں ایسی تشکیل کی چند صورتیں بھی بتادی گئی تھیں مثلاً یہ کہ کوئی مسئلہ جس کے متعلق کسی فرقہ کی اکثریت یہ فیصلہ کردے کہ اس کا تعلق اس فرقہ کے مفاد کے ساتھ مخصوص ہے وہ پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکے گا۔

اگر اس فرقہ کے مطالبہ میں اختلاف پیدا ہو تو فارمولا میں عدالتِ عالیہ سپریم کورٹ تجویز کیا گیا تھا جو اس اختلاف کے بارے میں فیصلہ صادر کرے۔ فارمولا کی تشریح میں ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ مرکز میں ہندو اور مسلمانوں کو مساوی نشستیں دی جائیں۔ مثلاً ۴۵ فی صدی مسلمان ۴۵ فی صدی ہندو اور ۱۰ فی صدی دوسری اقلیتیں پیریٹی اور مساوات کی دفعہ کے علاوہ باقی تمام دفعات کو انڈین نیشنل کانگریس تسلیم کر چکی تھی اور جب مارچ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن ہندوستان وارد ہوا اور جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے اس کے سامنے اپنا فارمولا پیش کیا۔ تو یہ فارمولا۔ اس کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔

انتہا یہ کہ تقریباً دو ماہ کی رد و قدح اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی مدبرانہ جد و جہد کے نتیجہ میں مئی ۱۹۴۶ء میں جو فارمولا تسلیم کیا گیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بجنسہ جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا تھا صرف پیریٹی اور مساوات کی شرط تشنۂ تکمیل تھی اور کانگریس اور کیبنٹ مشن نے فوراً اس کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن عارضی حکومت کی جب تشکیل کی گئی تو ۱۴ ممبران میں پانچ ممبر مسلمان تھے۔ اور اگر لیگ کے ناعاقبت اندیش لیڈران کی طرف سے بیجا ضد نہ کی جاتی اور اس مطالبہ پر احمقانہ اصرار نہ کیا جاتا کہ کانگریس کو قطعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے گروپ میں کسی مسلمان کو شامل کرلے۔ تو لیگ کے پانچ ممبران کے سوا ایک مسلمان کانگریس کا نامزد ہوتا اور اس طرح ۱۴ ممبران میں سے ۶ ممبر مسلمان ہو سکتے تھے۔ یعنی تقریباً ۴۵ فی صدی کی نسبت قائم ہو سکتی تھی۔

اقلیت اور اکثریت میں توازن قائم کرنے کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ قلمدان وزارت مساویانہ تقسیم کیے جاتے۔ ورنہ کم از کم امور خارجہ، دفاع اور امور داخلہ جیسے اہم محکمے مساوی طور پر تقسیم کیے جاتے۔

چنانچہ جب مسٹر جناح کیبنٹ مشن کی تجاویز کو منظور کر لینے کے بعد رجعت قہقری میں

معروف تھے اور متحدہ ہندوستان کی بنیادوں کو اکھیڑنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ اس وقت عارضی حکومت میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ۲۴ ؍ اگست ۴۶ء کو اپنی براڈ کاسٹ تقریر میں کہا تھا۔ مسلم لیگ کو اس بات کا کوئی خوف نہ ہونا چاہیئے کہ کسی اہم معاملہ میں اسے ووٹ کی کثرت سے شکست دے دی جائے گی۔ مخلوط حکومت صرف اس شرط پر ہی قائم رہ سکتی ہے اور کام کر سکتی ہے کہ اس میں شریک ہونے والی دو پارٹیوں کو اطمینان حاصل ہو۔ میں خیال رکھوں گا کہ وزارت کے اہم قلمدانوں کی تقسیم مساوی طور پر ہو۔ مجھے خلوص کے ساتھ اعتماد ہے کہ لیگ اپنی پالیسی پر دوبارہ غور کرے گی۔

تیج مورخہ ۲۸ ؍ اگست ۴۶ ۱۹ء

مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ اس فارمولا کا مفاد یہ تھا کہ

(۱) صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان اور اگر کشمیر کو ایک صوبہ کی حیثیت دی جاتی تو صوبہ کشمیر۔ مذہبی۔ معاشی اور کلچرل امور میں قطعاً خود مختار ہوتے۔

(۲) پورا صوبہ پنجاب اور پورا صوبہ بنگال جس کا دارالحکومت کلکتہ تھا مسلم اکثریت کے زیر اقتدار رہتا۔

(۳) صوبہ دہلی اور بشمول سلہٹ صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً مساوی ہوتا۔

(۴) ہندوستان کے باقی صوبوں میں مسلمان لاوارث یتیم کی طرح نہ ہوتے کیونکہ (الف) ملازمتوں اور اسمبلیوں میں ان کا حصہ ۳۰ یا ۳۳ فی صدی ہوتا (ب) وزارتوں میں ان کی موثر شمولیت ہوتی (ج) مذہبی اور تمام فرقہ وارانہ امور میں ان کو حق استرداد حاصل ہوتا۔ (د) وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے جس میں ان کی تعداد مساوی ورنہ کم از کم ۳۳ فی صدی ہوتی اور تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ کیونکہ اسمبلی یا کیبنٹ مسلم اکثریت کی موافقت کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فارمولے نے جس کو کیبنٹ مشن اور کانگریس تسلیم کر چکی تھی، اکثریت کو اقلیت کا پابند اور اس کا دست نگر بنا دیا تھا۔ مگر افسوس مسلمانوں کے دماغ سحر سامری سے ماؤف ہو چکے تھے اور تقریباً ۶۵ فی صدی مسلمان لفظ پاکستان کے سوا نہ کچھ سمجھتے

تھے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

جبکہ ۶ جون ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں مسلم لیگ کونسل نے صرف ایک ووٹ کے خلاف سے متفقہ طور پر کیبنٹ مشن کی سفارشات کو منظور کر لیا تھا تو پھر صرف (اکیاون) روز کے عرصہ میں کیا حادثہ پیش آیا جس نے دماغوں کو پلٹ دیا۔ حتیٰ کہ ۲۹ جولائی کو سابقہ فیصلہ پر خط نسخ کھینچ کر مطالبہ پاکستان کو پھر زندہ کیا گیا۔

عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ لارڈ ویول وائسرائے ہند اور کیبنٹ مشن کی بے اعتنائی نے مسٹر جناح کو مطالبہ پاکستان کے احیاء پر مجبور کیا، لیکن امریکہ کے مشہور مصنف مسٹر لوئی فیشر کا ایک بیان اس گہری سازباز کا انکشاف کرتا ہے جو مسٹر چرچل اور مسٹر جناح کے درمیان رہی ہے۔

مسٹر لوئی فیشر کا بیان ہے کہ

چرچل اور جناح میں گذشتہ مہینوں میں ہندوستان کی قسمت کے بارے میں نامہ و پیام ہوتا رہا ہے۔ ان دونوں نے نہایت ہی رازدارانہ طور پر آپس میں خط و کتابت اور رازد نیاز کی باتیں کی ہیں۔

یہ واقعہ چرچل کے ایک ایسے ہی نہایت خفیہ خط پانے کے بعد ظہور میں آیا کہ مسلم لیگ نے برطانوی وزارتی وفد کی تجاویز کی منظوری پر دوبارہ غور کیا اور دستور ساز اسمبلی کے مقاطعہ کا فیصلہ کر دیا جو آزاد ہندوستان کا دستور بنانے والی ہے برطانوی مشن نے انتھک کوشش کی کہ سیاسی طاقت برطانیہ کے ہاتھوں سے ہندوستان کو منتقل کرنے کا راستہ صاف کر دے، مگر چرچل اور جناح دونوں ان تمام کوششوں کو ناکام بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔

مسٹر لوئی فیشر اسی بیان کے آخر میں کہتے ہیں:

درحقیقت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جناح اور اس کی مسلم لیگ یعنی زمینداروں کی ایک انجمن چرچل کی شاہیت پسند ٹوری پارٹی کی طرف جھکی ہوئی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے سمجھدار اور روشن خیال مسلمان جناح کی رہنمائی میں چل رہے ہیں.... ہندوستان اسٹینڈرڈ۔ کلکتہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۴۶ء

٭ پارلیمنٹ کے فرد ممبر مسٹر مائیکل نے ایک پریس نوٹ میں یہی الزام لگایا تھا کہ مسٹر جناح اور

مسٹر چرچل کے درمیان سازباز اور رازدارانہ خط و کتابت ہو رہی ہے۔ ہندوستان اسٹنڈرڈ کلکتہ مورخہ ۱۲ دسمبر ۴۶ء بحوالہ "ڈیلی ہیرلڈ"۔

مسٹر جناح نے اس الزام کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی کیونکہ وہ اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکے کہ مسٹر جناح اور مسٹر چرچل میں خط و کتابت ہوتی رہی ہے۔

مسٹر جناح کا جواب ملاحظہ ہو۔

مسٹر مائیکل فوڈ ممبر کا الزام ——— غلط اور شرارت آمیز ہے میں نے مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ کو ۶ رجولائی ۴۶ء کو لکھا کہ کس طرح وزارتی وفد اور وائسرائے ہند نے مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا ہے اور اس کے ساتھ اپنے بیانات مورخہ ۲۸/۲۷ جون مع چند ضروری کاغذات کے شامل کر دیے تھے۔ یہ وزارتی وفد کی روانگی کے متعلق لکھا گیا تھا کیونکہ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ تمام معاملات پارلیمنٹ کے سامنے رکھے جائیں گے۔ اسی قسم کا ایک خط مسٹر چرچل کو بھی میں نے لکھا جس میں چند ضروری کاغذات و تفاصیل شامل تھیں اس کے بارے میں ایٹلی کو مطلع کر دیا تھا۔ مجھے دونوں سے جوابات موصول ہوئے ہیں۔ میں نے دونوں کو پھر تفصیل حالات سے مطلع کیا جو نازک صورتِ حالات اختیار کرنے والے ہیں۔ ہندوستان اسٹنڈرڈ کلکتہ مورخہ ۱۲ دسمبر ۴۶ء

یہ مسٹر جناح ہی کی جرأت ہے کہ خط و کتابت کے اعتراف کے باوجود مسٹر مائیکل کے اعتراض کو غلط اور شرارت آمیز قرار دے رہے ہیں۔

بہرحال ۲۹ رجولائی ۴۶ء کی تاریخ بمبئی والوں کو یاد ہو گی جب اسی بمبئی میں لیگ کونسل کے اجلاس نے کیبنٹ مشن کے فارمولے کو مسترد کر کے مطالبہ پاکستان کو دوبارہ زندہ کیا تھا اور ۱۶ راگست ۴۶ء ڈائرکٹ ایکشن کے لیے مقرر کر کے وحشت و بربریت کے راستہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس پروگرام پر عمل کرنے میں کلکتہ سب سے زیادہ جانباز اور سرفروش ثابت ہوا۔

وہاں لیگ کی وزارت قائم تھی۔ جس کو ہاؤس کی قابل اطمینان اکثریت حاصل تھی وزارت سے زیادہ کلکتہ کی مسلم لیگ مسلمانوں کے دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس "یوم" کی پوری شوکت و قوت سے منانے کے انتظامات کیے گئے۔ خود حکومت کی طرف سے ہڑتال کا اعلان ہوا۔ یعنی سرکاری محکموں کی تعطیل کر دی گئی۔ جو اس موقع پر ہڑتال کے مترادف تھی۔ ڈائرکٹ ایکشن انگریزی لفظ تھا

نفیر جہاد سے اس کی تعبیر کی گئی۔ چنانچہ کلکتہ ضلع مسلم لیگ کے سیکرٹری کی طرف سے جو پوسٹر شائع کیا گیا اس کا عنوان تھا "آل انڈیا یوم نفیر جہاد پاکستان اور دس کروڑ مسلمانوں کی لام بندی" پورے پوسٹر میں ضمنی سرخیاں اور بہت سے فقرے حد درجہ اشتعال انگیز تھے۔ بہرحال ۱۶ راگست آیا اور قتل و غارت کا محشر بپا ہو گیا۔ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر ایک ہفتہ تک وحشت و بربریت کی آماجگاہ بنا رہا۔ بوڑھوں، اپاہجوں، عورتوں اور بچوں کے ذبح کرنے میں درندگی اور سنگدلی کی بدترین مثالیں پیش کی گئیں۔ جائیدادیں تباہ کی گئیں۔ دوکانیں نذر آتش کر دی گئیں۔ مسٹر جناح اور ان کے ساتھیوں کے بیان کے بموجب ڈائرکیٹ ایکشن اس لیے تھا کہ وزارتی مشن نے لیگ کو نظر انداز کر دیا تھا اور لارڈ ویول نے مسٹر جناح سے وعدہ خلافی اور غداری کی تھی، لیکن عجیب بات یہ تھی اس ڈائرکیٹ ایکشن میں نقصان پہنچایا گیا۔ اپنے ہم وطنوں کو، اپنے دوستوں اور اُن ساتھیوں کو جن سے رات دن کے کاروباری اور دوسرے تعلقات قائم تھے۔ نہ کسی پولیس مین کو کوئی گزند پہنچا۔ نہ کسی یوروپین یا اینگلو انڈین کے کوئی خراش آیا۔

ہنگامۂ کلکتہ کے بعد فضا میں سکون ہوا تو نواکھالی میں ۱۵ فی صدی اقلیت کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا جانے لگا۔ ہزاروں خاندان ویران کر دیے گئے سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ہزاروں عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔

نواکھالی میں قتل و غارت کے شعلے بھڑک رہے تھے کہ صوبہ بہار کی اکثریت نے اقلیت سے انتقام لینا شروع کر دیا اور جبر و قہر کے وہ مناظر پیش کیے کہ کلکتہ اور نواکھالی کے واقعات ان کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئے۔ انتقام کا نامبارک سلسلہ گڈہ مکتیشر کو تباہ کرتا ہوا فرنٹیر تک پہنچ گیا اور کروڑوں مخلوق خدا اس منحوس اصول کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی جس کی تلقین لیگ کے پلیٹ فارم سے کی گئی تھی کہ ایک جگہ کے ظلم کا بدلہ دوسرے مقام کے غیر مجرموں سے لیا جائے گا۔ ان تمام واقعات نے اس الزام کی تصدیق کر دی جو مسٹر لوئی فیشر اور مسٹر مائیکل نے مسٹر جناح پر لگایا تھا اور اس راز کا پردہ فاش کر دیا جس کا انکشاف سی. پی. کے مشہور فارورڈ بلاک لیڈر مسٹر آر. ایس. روئیکار نے کیا تھا۔

جس زمانہ میں نواکھالی اور بہار میں فسادات کا جہنم بھڑک رہا تھا مسٹر روئیکار یورپ میں

تھے۔ آپ نے یورپ سے واپس ہوکر ۱۹ر نومبر کو ایک بیان فرمایا جب میں لندن میں تھا تو میں نے یہ افواہیں سنیں کہ برطانیہ کے کچھ کنسرویٹو۔ ہندوستان کے فسادات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا کہ وہ ہندوستان میں فسادات کرانے کے لیے رجعت پسند عناصر کو مالی امداد بھی دے رہے ہیں۔ ان دنوں وہاں یہ افواہ بھی گشت لگا رہی تھی کہ کنسرویٹو پارٹی کا ایک ایلچی فسادات کرانے کے لیے ہندوستان روانہ ہو چکا ہے۔ پرتاپ لاہور ۱۲ر نومبر ۴۶ء نمبر ۱۳۱ ج ۲۷

مختصر یہ کہ کلکتہ۔ نواکھالی۔ گڈھ مکتیسر۔ بہار اور پھر صوبہ سرحد اور پنجاب کے انسانیت سوز ہنگاموں نے ہندوستانیوں کے دماغوں پر وہ جنون مسلط کر دیا کہ کم و بیش ہر فرقہ تقسیم ہند کو نجات کا ذریعہ سمجھنے لگا۔

سکھوں نے تقسیم پنجاب کا مطالبہ کیا۔ مہاسبھا نے تقسیم بنگال کا نعرہ لگایا اور جب خود باشندگان ملک تقسیم کا مطالبہ کرنے لگے تو کانگریس کو بھی کیا حق پہنچتا تھا کہ "سیلف ڈیٹرمنیشن" اور ان کے حق خود ارادیت کو سلب کر لیتی۔

چنانچہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اپنی عظیم الشان تاریخ میں اس غلطی کا ارتکاب کیا۔ جس کے لیے زعماء کانگریس کے دل آمادہ نہ تھے اور زبانیں اعتراف کر رہی تھیں کہ ہم غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند نے اس غلطی میں کانگریس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس نے اجلاس لکھنؤ میں کانگریس کی اس عجیب و غریب غلطی سے بیزاری کا اعلان کیا مگر افسوس زمام اختیار ان کے ہاتھ میں تھی جو تقسیم ہند کا فیصلہ کر چکے تھے۔

تقسیم ہند کا اعلان

بہرحال ۳ر جون ۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان کیا گیا اور مسٹر جناح اور ان کے متبعین کو وہ "پاکستان" دے دیا گیا جو ۴۴ء میں مسٹر راجگوپال آچاریہ خود پیش کر رہے تھے اور جس کے لیے چشم ہندوستان اسی بمبئی میں ۱۴ روز تک جناح گاندھی گفتگو کا تماشہ دیکھتی رہی تھی اور جس کو مسٹر جناح نے لنگڑا۔ پاکستان اور چھلکا کہہ کر رد کر دیا تھا۔ غالباً لاکھوں کروڑوں انسانوں کی تباہی اور بربادی۔ اس کی دوسری ٹانگ اور اس چھلکے کے لیے مغز تھی۔ جو آج قبضہ میں آ چکی تھی۔

یہ اعلان بظاہر فیصلہ تھا۔ چنانچہ اس کو تقریباً ایک سال کے قتل وغارت کے بعد امن و اطمینان کا مژدۂ جان افزا سمجھا گیا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ انقلاب دشمن شکست خوردہ طاقتیں پسپائی کے وقت ساز باز کی پالیسی پر عمل کر رہی ہیں اور کچھ ایسے شعبدے ایجاد کر رہی ہیں جو وطن عزیز کے سبزہ زاروں کو قتل وخون کا لالہ زار بنا دیں اور اس کے پُر رونق محلوں اور بازاروں کو آتش زدہ ویرانوں میں تبدیل کر دیں۔

چنانچہ حدود پاکستان اور بالخصوص لاہور کے متعلق کچھ ایسے اصول اور نکات رکھے گئے کہ اعلانِ تصفیہ ایک ہولناک خانہ جنگی کا الٹی میٹم بن گیا اور ہر فرقہ دوسرے کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

مزید برآں باؤنڈری کمیشن جو اختلافی اور نزاعی حدود کے تصفیہ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے وہ ایسے فیصلہ کے تلاش کرنے میں کامیاب ہوا جو مخصوص طور پر مسلمانوں کے لیے اشتعال انگیز تھا۔

پنجاب خفیہ پولیس کے کمشنر "مسٹر" جینکس نے (JENKINS) برطانوی خفیہ پولیس کے افسرِ اعلیٰ کو، ۷ اگست ۴۷ء کو پنجاب کلب لاہور سے ایک خفیہ خط لکھا تھا جو کسی صورت سے لندن میں پکڑ لیا گیا اور اخبارات میں شائع کرا دیا گیا۔

مسٹر جینکس۔ اس خط میں تحریر فرماتے ہیں "امید یہی ہے کہ حد بندی کمیشن کے فیصلے سے مسلمانوں میں بے چینی بڑھ جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو بھی میرے خیال میں مسلمان برطانوی حفاظت کے زمرہ میں رہنا پسند کریں گے۔"

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان ٹائمز نے لکھا تھا پنجاب کے سابق گورنر سر ایوان جینکس کے رویہ پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اس خط سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری بہت سی مشکلات کا سرچشمہ ہمارے یہ سابق حکمران ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب برطانوی حکام انتقالِ اختیارات کے سلسلہ میں ہمارے لیڈروں سے بات چیت کر رہے تھے تو یہ برطانوی افسر ہمارے ملک میں خفیہ ایجنٹوں کا جال بچھا کر سازش کی تیاری کر رہے تھے۔

مسٹر جینکس کو کس طرح معلوم تھا کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے بے چینی کا

موجب بنے گا۔ گیا ہم یہ سمجھیں کہ حد بندی کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ غیر منصفانہ فیصلے سے ہی پاکستان اور انڈیا کے درمیان ناخوشگوار تعلقات پیدا کیے جا سکتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ اس لیے ناانصافی کی گئی کہ وہ کمزور پارٹی تھے اور اشتعال کے نتیجہ میں جب دوسری مصیبتوں سے پریشان ہوں تو لامحالہ انگریز کو یاد کریں اور اس کی مدد کے محتاج ہو کر شاطران برطانیہ کے پھندے میں دوبارہ پھنس جائیں (بیا دور۔ انصاری وغیرہ)

۱۵ اگست کی آمد

۳ جون کے بعد پورا ہندوستان ۱۵ اگست کا انتظار بے تابی سے کرنے لگا۔ کیونکہ وہ یوم حریت تھا۔ یوم آزادی تھا۔ ہندوستان کی گلو خلاصی کی تاریخ تھی۔ اُس روز پاکستان اور ہندوستان میں جشن آزادی منایا جانے والا تھا۔ لیکن ۱۵ اگست کے آفتاب کی کرنیں "پرچم پاکستان" یا "نیشنل فلیگ" سے پہلے ان ہزاروں لاوارث لاشوں، ستم رسیدہ عورتوں اور بچوں اور خون میں تڑپتے ہوئے زخمی اور مقتول نوجوانوں پر پڑیں جو انقلاب دشمن سازشوں کے خون ریز نتائج کا شکار ہو چکے تھے۔ فسادات کی ظاہری نوعیت فرقہ وارانہ تھی۔ مگر درحقیقت سنگدل اور ملوکیت پرست ٹوریوں کے ہاتھ اس فرقہ پرستی کے پردہ میں کام کر رہے تھے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کے فرستادۂ خاص پنڈت سندر لال نے پنجاب کے دورہ کے بعد اپنے طویل بیان میں فرمایا تھا۔

میرا یقین ہے کہ کسی غیر جانبدار عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ اسلحہ اور گولی بارود کا زیادہ تر ذخیرہ جو مختلف مقامات پر ہندو مسلمانوں یا سکھوں نے استعمال کیا یا استعمال کیا جانے والا تھا۔ وہ ذمہ دار برطانوی افسروں کی معرفت آیا۔

لائل پور کے مسلم ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے ہندو چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ سے کہا کہ اگر اس ضلع کے کرنل فنچ کو ہٹا دیا جائے تو پھر ایک ہندو یا سکھ بھی نہ لٹے گا۔

راولپنڈی کے تقریباً تمام سربرآوردہ ہندو اور مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ وہاں کے مارچ کے فسادات کی براہ راست ذمہ داری مسٹر سی۔ ایل۔ کوٹس۔ ڈپٹی کمشنر اور ہوم سیکرٹری۔ مسٹر میکڈانلڈ پر تھی۔

مشرقی پنجاب کے ایک ضلع میں جب ہندوؤں نے یہ طے کر لیا کہ اقلیت کے لوگوں کو نہ ستایا

جائے گا، تو ایک برطانوی فوجی افسر نے آگ کو دوبارہ سلگانے کی غرض سے موٹر میں طویل سفر کیا۔ راستہ میں لوگوں پر گولیاں چلائیں اور ان کو ہلاک کر دیا۔

ایک دوسرے ضلع میں جب ایک فرقہ کے لوگ پاس کی چھاؤنی میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے کمانڈر کے پاس گئے، تو اس برطانوی کمانڈر نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو برطانوی گورنمنٹ سے درخواست کرنی چاہیے کہ وہ ملک کے انتظامات کا پھر چارج لے لے اور اس درخواست پر زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کے دستخط کرائے جاویں۔ چنانچہ اس غرض کے لیے ایک فہرست مکمل دی گئی اور دستخط بھی کرا دیے جو لائل پور میں ایک برطانوی فوجی افسر نے ایک مسلم پولیس افسر سے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم ہندوستان سے جا رہے ہیں۔ نہیں۔ ہم ملایا میں چھپ جائیں گے اور جب یہاں کے حالات خراب ہو جائیں گے تو ہم واپس آ جائیں گے۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت دی جا سکتی ہیں اور اس سے بھی خراب قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ با اختیار برطانوی افسروں نے اپنے مواقع اور سامان کو فسادات کی آگ لگانے اور جگہ جگہ پہنچانے ہی میں نہیں۔ بلکہ اس کو مسلسل جلتا رکھنے میں بھی استعمال کیا۔ ہم کو شرم کے ساتھ اس امر کا اقبال کرنا پڑتا ہے کہ ہم بُرے ہیں لیکن یقیناً نہ ہندو نہ مسلمان نہ سکھ اتنا بُرا ہے جتنا کہ وہ اپنے فریق مخالف کو دکھائی دیتا ہے۔

(قومی آواز ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

ستمبر کا مہینہ جو فسادات کا دورِ شباب تھا اور قتل و غارت کا سلسلہ پنجاب اور دہلی سے گزر کر یوپی اور سی۔ پی۔ کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا۔ اس زمانہ میں جو گرفتاریاں کی گئی ہیں ان کی شہادت یہی ہے کہ برطانوی ٹوریوں کے ایجنٹ۔ نہ صرف یہ کہ فساد کو اُبھار رہے تھے۔ بلکہ فسادات کی آگ کو تیز کرنے کے لیے بڑی تعداد میں میگزین سپلائی کر رہے تھے۔ چنانچہ صوبہ سی۔ پی۔ میں انگریز افسروں کی گرفتاری کی اطلاع دیتے ہوئے نامہ نگار نے لکھا تھا۔

جس طرح جنکنس، میکڈانلڈ جیسے افسروں نے پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی ہے اسی طرح صوبہ متوسط میں بھی بدامنی پھیلانے اور اس صوبہ کو فرقہ وارانہ ہنگاموں کا مرکز بنانے کے لیے بعض انگریز افسروں کی خطرناک سازش پکڑی گئی ہے اور کئی افسروں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

یہ انگریز افسر اِن جبل پور کے اسلحہ خانہ سے باقاعدہ طور پر اسلحہ جات اور گولیاں، بارود۔

وغیرہ فتنہ انگیزوں اور مفسدوں کو دسے رہے تھے بڑے بڑے برطانوی اور اینگلو انڈین پولیس افسران کو گرفتار کرنے میں صوبائی حکومت بالخصوص پنڈت راوی شنکر شکلا وزیر اعظم نے بڑی جرأت سے کام لیا۔

لیفٹیننٹ کرنل جونس اور اسپیشل فورس کے "مسٹر بادل" کے گھروں کی تلاشی لیے جانے پر ساٹھ ہزار کارتوس اور بہت سی رائفلیں۔ ریوالور اور بندوق وغیرہ پکڑی گئیں۔

جبل پور کے پولیس انسپکٹر۔ٹائی منڈیز اور ایک اینگلو انڈین پولیس انسپکٹر کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ان کی گرفتاری پر سازش کی دستاویزات اور بہت سے اسلحہ جات برآمد ہوئے۔

میجر جنرل لوکس کے مکان کی تلاشی لیے جانے پر چوبیس ہزار کارتوس۔ دو رائفل اور دوسرے مہاتما گاندھی کے حادثہ قتل کے بعد جب تحقیق و تفتیش کی رفتار زیادہ تیز کر دی گئی، تو کونسٹ اخبار نیا زمانہ بمبئی نے لکھا تھا۔

یہ فسادات ریاستوں میں منظم کیے جاتے اور پھر شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتے تھے۔ چنانچہ حکومتِ ہند نے اس کی روک تھام کے لیے اپنا خاص عملہ مقرر کیا ہے۔ جس نے ریاستوں میں چھاپے مارے ہیں۔ پچھلے مہینہ حکومت ہند نے بھرت پور میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کو بھیجا۔ جس نے دو ہی روز میں اسلحہ کے کارخانے اور ہتھیاروں کے بھرپور گودام برآمد کر لیے۔ جب ریاست کے قلعہ کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے ایک ہتھیار بنانے کا کارخانہ اور ایک ہتھیار گھر ملا۔ جہاں سے بندوقیں، اسٹین گنیں۔ ٹامی گنیں۔ برین گنیں اور سینکڑوں بم اور ریوالور برآمد کیے گئے۔

پولیس کوارٹروں میں اسلحہ بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ملا جس میں ریاست کی بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں اور خود ریاست اس کارخانہ کو چلانے کے لیے بجلی مہیا کرتی ہے۔ جب ہتھیاروں کے گوداموں پر چھاپہ مارا گیا، تو وہاں سے ہزاروں بم برآمد ہوئے اور بم بنانے کی مشینری بھی ملی۔

اس اسلحہ خانہ کی کنجی ہمیشہ مہاراجہ کی تحویل میں رہتی تھی۔ جب راجہ کے شاہی محلوں کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے بھی ہتھیاروں کا وسیع ذخیرہ برآمد کیا گیا۔

اسلحہ کو چھپانے کے لیے ریاست کے تمام محفوظ مقامات بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرب و جوار کے جنگلوں میں وسیع تالاب بنائے گئے ہیں۔ جہاں تیزاب اور بارود کو محفوظ کیا ہوا ہے۔

معلوم ہوا ہے اس ریاست میں انقلاب کے دشمنوں کو پناہ دی جاتی ہے اور توڑ پھوڑ کی پالیسی کو کامیابی سے چلانے والوں کی بلا اجرت تربیت کی جاتی ہے۔

القصہ۔ واقعات کی شہادت یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان آزادی کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا اور ہندوستانی زعماء آئینی اور پُرامن طور پر برطانیہ سے حصول اختیارات کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ عین اسی زمانہ میں لُوری پارٹی کے انگریز کارکن سرزمین ہند میں فسادات کی بلدوی سرنگیں بچھا رہے تھے۔ ابھی ۱۵ر اگست آیا بھی نہ تھا کہ یہ سرنگیں بھڑکنے لگیں اور تقریباً پُلے ہندوستان کی اقلیتوں کو نذرِ آتش کرنے لگیں۔ تبادلۂ آبادی کی اسکیم نے اس آگ پر تیل کا کام کیا اور بربریت و وحشت کی وہ مثالیں پیش کر دیں جن کی نظیر سے ہندوستان کی تاریخ خالی تھی۔

تبادلۂ آبادی کا گناہِ عظیم | ۳ر جون یعنی مطالبہ تقسیم کی منظوری کے بعد اگر دونوں ڈومینین اپنے اخلاص کیمطابق اقلیتوں کی حفاظت کا پختہ عزم کرلیتیں تو تبادلہ آبادی کا سوال ہی پیدا نہ ہوسکتا تھا اور اگر بالفرض حالات کی انتہائی نزاکت نے تبادلۂ آبادی کی اسکیم پر مجبور کر دیا تھا اور اقلیتوں کی حفاظت کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی تھی تو لازم تھا کہ جبر و تعدی کی بجائے ترغیب و تحریص کا راستہ اختیار کیا جاتا۔ اس کے فوائد بتائے جاتے اور لوگوں کو اپنی مرضی پر عمل کرنے کا موقع دیا جاتا مگر جو صورتِ حال پیش آئی وہ اس کے برعکس تھی۔

ابھی ۱۵ر اگست کا غلغلہ خاموش نہ ہوا تھا اور جشنِ آزادی کے ترانے فضا میں گونج رہے تھے کہ یکایک اقلیتوں کے دروازوں کو کوٹا جانے لگا۔ حفاظت کی چار دیواریوں کو مسمار کیا جانے لگا۔ جائیدادوں کو تاراج، عزت و آبرو کو برباد کیا جانے لگا — اور نہ صرف مجنونانہ بلکہ وحشیانہ انداز میں وہ سب کچھ کیا جانے لگا جس کے سننے کے لیے بھی جگر کو پتھر بنانا پڑتا ہے۔

لاکھوں انسان تہ تیغ کیے گئے۔ تلواروں اور خنجروں کی خون آشامیاں نہ کسی شریف اور واجب الاحترام رہنما یا بزرگ کو معاف کرتی تھیں نہ کسی واجب الرحم ضعیف کمزور کو۔ وحشت و بربریت کے بحران نے نہ صنفِ نازک پر رحم کیا نہ ماں باپ کی جدائی سے تڑپتے ہوئے بچوں پر ان کو ترس آیا۔ معصوم بچوں کے سینہ و جگر سے انسان نما درندوں کے نیزے تفریح کرتے تھے اور پاک دامن شریف عورتوں کی عصمت دری اور آبرو ریزی ان کا لطف و کرم تھا (معاذ اللہ)

پنڈت سندر لال نے پاکستان، مشرقی پنجاب اور دہلی کے دورہ کے بعد اپنے ایک طویل بیان میں فرمایا تھا۔

"انتقالِ آبادی کی کارروائی انسانیت کے ساتھ ایک گناہِ عظیم ہے۔ شاید اس سے تاریک تر گناہ انسانی تاریخ میں نہ ہوا ہو گا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ مجھے تو اکثر خیال آتا ہے کہ کم از کم ہمارے ایک درجن چوٹی کے لیڈر جن میں سب پارٹیوں کے لیڈر شامل ہونے چاہئیں اور برطانوی قوم کے سیاسی لیڈروں پر اس جُرم کا مقدمہ انہیں پناہ گزینوں کے سیدھے اور غیر جانبدار نمائندوں کی عدالت میں چلایا جانا چاہیے جن پر ان مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔" (قومی آواز، ۳۰ نومبر ۴۷ء)

اغوائے خواتین

تبادلۂ آبادی کے اس گناہِ عظیم میں خواتین کا اغوا نفرت انگیز حادثہ ہے۔ بے بس ناتواں بہنوں اور بیٹیوں کو بہیمانہ ہوا پرستیوں کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ شرم و حیا کے دامن کو تار تار اور احساسِ ناموس کو آخری حد تک پامال و مجروح کیا گیا اور آج جب کہ پاکستان اور ہند میں امن و اطمینان کی فضا روز افزوں ہے۔ یہ درماندۂ صنفِ نازک وحشی انسانوں کے پنجۂ ظلم و استبداد کا شکار بنی ہوئی ہے اور بہیمانہ ہوا پرستی نے اس کی زندگی کو عذاب بنا رکھا ہے۔ ان ستم رسیدہ مظلوم خواتین کو اس عذابِ الیم سے نجات دلانا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

یہ حقیقت کسی حد تک اطمینان بخش ہے کہ ان مظلوموں کے دردِ دل کی خاموش کراہ۔ پاکستان اور ہند کے ذمہ داران حکومت تک پہنچ چکی ہے اور دونوں حکومتیں ان مظلوموں کو نجات دلانے میں کام کر رہی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عوام کے جذبات میں نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی، اگر عام ہندو مسلمان ان مظلوموں کو نجات دلانے میں حکومتوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں تو ایک ہی دن میں ان مظلوموں کی زندگی کا جہنم جنت بن سکتا ہے اور ہزاروں بچھڑی ہوئی مائیں اپنے ننھے بچوں سے اور بہنیں اور بیٹیاں اپنے بھائیوں اور ماں باپ سے مل سکتی ہیں۔

مسلمانوں سے خطاب

ظلم و ستم کو مٹانا اور مظلوموں کو نجات دلانا اسلام کے پروگرام کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ اس نصب العین کے لیے جدوجہد

ذلیلۂ مسلم ہے۔ یہ عورتیں اسیران جنگ کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ گرفتارانِ بلا لوٹ مار کا شکار ہوئی ہیں۔ اس لوٹ مار، قتل وغارت کو اسلامی جہاد کہنا اسلام کی ملحدانہ توہین اور اس کی تعلیمات کا استہزا ہے۔ اسلام کی طرف صرف وہی چیزیں منسوب کی جاسکتی ہیں، جن کو تفقہ اور صحیح بصیرت اسلامی قرار دے اپنی خواہشات کو اسلام کی طرف منسوب کرنا اور اپنی من مانی چیز کو اسلامی قرار دینا' اسلام پر ظلم عظیم اور ملت کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے۔ سیدھے سادے مسلمان ایک عرصہ تک تحریک پاکستان کو بھی اسلامی تحریک سمجھتے رہے لیکن اس سادگی اور غلط رہنمائی کے نتائج بدہمارے سامنے ہیں۔ اگر ہم چشم بصیرت رکھتے ہیں تو ہمیں سبق لینا چاہیے اور اپنے پروپیگنڈے کو اعتدال کی حد میں محدود رکھنا چاہیئے۔

مہاتما گاندھی کا حادثہ قتل

اس خونی ہنگامہ کا سب سے زیادہ شرمناک اور سنگین واقعہ مہاتما گاندھی کا حادثہ قتل ہے۔ گاندھی جی، تہذیب وانسانیت کے سچے خادم اور ملک کے حقیقی خیر خواہ تھے آپ نے اپنی تمام علمی اور عملی طاقت انسانوں کی خدمت، ملک کی آزادی اور پست اقوام کو قعر مذلت سے نکالنے کی جدوجہد میں صرف کی اور ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کی ابتدائی تاریخ کے بعد سے آپ کی تمام جدوجہد اور حیرت انگیز ایثار و فدا اس آگ کے بجھانے اور بربریت کے بحران کو فروکرنے میں صرف ہوئی جس کو فتنہ انگیز پوشیدہ طاقتوں کی طرف سے بھڑکایا اور ابھارا جارہا تھا۔ آپ نے نواکھالی پہنچ کر بگڑے ہوئے تعلقات کو درست کیا۔ ظالم کے دل میں احساس ندامت پیدا کرکے مظلوم کی دستگیری اور امداد پر اس کو آمادہ کیا۔ مظلوم میں خود بخود اعتمادی پیدا کیا۔ نواکھالی کے بعد آپ نے بہار پہنچ کر مظلوم مسلمانوں کی وہی امداد کی جو نواکھالی میں مظلوم ہندوؤں کی کی تھی، پھر آپ پیکر امن بن کر کلکتہ پہنچے اور صرف چند روز قیام کرکے وہ نسخہ شفا عطا فرمایا کہ قتل وغارت کا ایک سالہ جنون دفعتاً ختم ہوگیا اور پریم ومحبت نے عداوت و نفرت کی جگہ لے لی۔ کلکتہ کے بعد آپ دہلی پہنچے اور آپ کی راست بازی اور سچائی نے آپ کو مظلوموں کا پشت پناہ بنادیا۔

گاندھی جی کو یقین تھا کہ فرقہ پرستی مہلک وبا ہے جو اگر باقی رہ گئی تو ملک کو دسیوں جنموں

میں تقسیم کر دے گی اور وطنِ عزیز کی بلند پیشانی کو استعمار پسند طاقتوں کے آستانوں پر جھکا دے گی۔
چنانچہ آپ نے پیرانہ سالی کی تمام کمزوریوں کے باوجود جوان مردی سے اس مہلک وبا کا مقابلہ کیا
انتہا یہ کہ اس مقابلہ میں اپنی گراں قدر جان کو جو ملک کا بہترین سرمایہ تھی قربان کر دیا۔ یہ ایک
حقیقت ہے کہ تقریباً تین ماہ سے ہم اپنے اس سچے رفیق اور دنیا کے عظیم ترین انسان کی رفاقت
و قیادت سے محروم ہو چکے ہیں، مگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ گاندھی جی کی قربانی رائیگاں نہیں گئی، آپ
کی بجائی اپنی برتی طاقتوں کا آج بھی مظاہرہ کر رہی ہے اور مطالبہ کر رہی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں
کے تنازعات کو ختم کر کے اور متحدہ قومیت کو ترقی دینے میں جان کی بازی لگا کر اپنے ملک کو ترقی اور
عروج کے بلند مقام پر پہنچائیں۔

گاندھی جی کا حادثہ، آزاد ہندوستان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے لیکن اطالوی اخبار "یونٹا"
کے اس الزام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سفاکانہ واردات صرف ایک آدمی کی دیوانگی کا نتیجہ
نہیں بلکہ اس میں برطانوی استعمار کا ہاتھ کارفرما ہے۔

ہندوستان میں برطانوی خفیہ سروس کے آدمی موجود ہیں اور وہ اپنا کام کرنا جانتے ہیں اس
واردات میں یقیناً ان کا ہاتھ ہے۔

عراق، مصر، فلسطین، موگادیشیو (اٹلی) کے مقتولین اور یہ مقتول مہاتما، سب کے سب جارج
ششم کے تاج کے ہیرے ہیں۔ یہ سب کچھ اس سوشلسٹ کہلانے والے وزیر مسٹر بیون کی کارگزاریوں
کا مسرت انگیز نتیجہ ہے۔

انقلاب مورخہ ۵ فروری ۱۹۴۸ء) بحوالہ ٹائمز لندن ۲ فروری

فرقہ وارانہ سیاسی تنظیم کا خاتمہ

انڈین یونین کی سیاسی تاریخ میں مہاتما گاندھی اور بیدار
مغز وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی طرح حضرت
مولانا ابو الکلام آزاد کا اسم گرامی بھی روشن حروف سے لکھا جائے گا۔ اوّل الذکر جلیل القدر ہستیوں
نے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ کو اپنی انتھک مخلصانہ کوششوں سے فرو کیا اور مولانا ابو الکلام آزاد
کی حقیقت شناس فطرت نے اس مرض کے استیصال کی کوشش کی جو ملک کی اصلاح اور ترقی کے
لیے ام الامراض تھا۔

استیصال مرض کے لیے جو نسخہ آپ نے تجویز کیا تھا اس کو سنانے کے لیے ۱۵ ، نومبر ۴۷ء کو دہلی میں مسلم زعماء کا اجتماع کیا۔ آپ نے اس اجتماع میں مسلمانوں کو دعوت دی کہ فرقہ واریت کے جراثیم کو اپنے اندر سے نکال دیں، انڈین یونین سے نہ صرف لیگ کو ختم کریں، بلکہ لیگی ذہنیت کا بھی خاتمہ کر دیں۔ ہر ایک فرقہ وارانہ سیاسی تنظیم کو ختم کر کے ملک اور قوم کے مشترک مفادات کے لیے کسی مشترک جماعت کے پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ البتہ مخصوص ملی مفادات کی تحصیل و حفاظت کے لیے جمیعۃ العلماء ہند اور اس کے نظام کو مضبوط اور مستحکم کریں۔ مولانا آزاد کے پیش کردہ نظریات پر غور کرنے کے لیے دسمبر کے آخر میں لکھنؤ میں کانفرنس ہوئی اور کم و بیش ایک لاکھ کی تعداد میں انڈین یونین کے مسلم نمائندوں نے کانفرنس میں شریک ہو کر مولانا آزاد کے نظریات کو اپنا نظریہ بنایا اور ان کو جامہ عمل پہنانے کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔

جمیعۃ علمآ ہند کی سیاسیات سے علیحدگی اور اس کے موجودہ اغراض و مقاصد

جمیعۃ علمآ ہند ہمیشہ سیاسیات میں ہندو مسلم اشتراک و اختلاط کی قائل رہی ہے۔ چنانچہ اس نے ہمیشہ مسلمانوں کو ملک کی مشترک جماعت " کانگریس" میں شرکت کی دعوت دی۔ عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب ہندو مسلمانوں کے ملکی، اقتصادی اور شہری مفادات مشترک ہیں تو ان کی سیاست بھی مشترک ہو اور سیاسی پلیٹ فارم بھی اشتراک و اختلاط کا پلیٹ فارم ہو۔

جب میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ کونسلیں اور اسمبلیاں مشترک ہیں ان کے ایوانوں میں ہندو اور مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں، مشترک طور پر ان کے عہدہ داران اور سب کمیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں، مشترک طور پر رائے دے کر کسی قانون کو منظور یا مسترد کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ سیاسی اور ملکی حقوق کی تحصیل و حفاظت کا پلیٹ فارم مشترک نہ ہو۔

عقل و قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ ان مشترک جماعتوں کا انتخاب بھی مشترک اور مخلوط ہو، جداگانہ انتخاب ان جماعتوں کے نیچر اور فطرت کے سراسر مخالف ہیں۔

ہندوستان کبھی بھی سیاسی اور ملکی معاملات میں ہندو مسلم تفریق و امتیاز کا قائل نہیں ہوا۔ اس کی حکومتیں خواہ مسلم حاکم کے زیر اثر رہی ہوں یا ہندو فرمانروا کے زیر نگیں کبھی بھی افتراق و امتیاز

سے آشنا نہیں ہوئیں۔

اکبر بادشاہ کی قوم پرستی، کسی تحریر اور تفصیل کی محتاج نہیں۔ جہاں گیر بادشاہ کا عدل و مساوات بھی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کے توپخانے کے افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھے جن کے ماتحت پچاس ہزار توپچی اور تین ہزار توپیں رہتی تھیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے۔ مگر جب اس سے کہا گیا کہ حکومت کا منصب کسی غیر مسلم کے سپرد نہ کیا جائے تو اس نے نہایت تعجب اور حیرت سے اس اعتراض کو سنا اور بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ دنیا کے انتظامی امور میں منصب کا مدار قابلیت ہوتی ہے۔ مذہب کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس کے بڑے بڑے منصب داروں میں ساہو پسر راجہ سیتا جے سنگھ جسونت سنگھ سیواجی کے داماد راجندجی اور ان کے علاوہ بڑے بڑے راجپوت اور ہندو تھے جن کی تعداد بقول منشی کیول رام بٹالوی سو سے زیادہ تھی (ملاحظہ ہو تاریخ تذکرہ الامراء) مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسے کٹر مذہبی راجہ کی وزارت میں ہندو اور سکھوں کی طرح مسلمان شریک تھے۔ پیرزادہ عزیز الدین وزیر تھے اور الٰہی بخش توپخانہ کے سردار مرہٹوں کے توپخانہ کا اعلیٰ افسر ابراہیم گردی تھا اور حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے توپخانہ کا افسر راجہ رام راجپوت کو بنایا۔ لارڈ ولیم بینٹنگ نے ۱۸۸۲ء کی تقریر میں ڈبلیو ایم۔ ٹارٹس نے اپنی کتاب ایشیا میں شہنشاہیت سر۔ بی۔ رام آف بنگال نے اپنی تصنیفات میں اور پنڈت سندر لال آف الہ آباد نے اپنی کتاب بھارت میں انگریزی راج میں ایسی بہت سی مثالیں اور نظریں پیش کی ہیں۔ جن سے ہندو مسلمانوں کے باہمی بہتر تعلقات اور آپس کے اعتماد پر روشنی پڑتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے حکمران ہمیشہ اس اصول کے حامی رہے کہ "ملاؤ اور حکومت کرو"۔

حتیٰ کہ سلطنت مغلیہ کے بانی بابر بادشاہ نے اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت کی تھی۔ اے پسر سلطنتِ ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے۔ الحمد للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کار کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے، اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے جو قوم یا ملت حکومت

کی مطیع اور فرمانبردار رہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں۔ عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ و سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو۔ ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو طلاجلا رکھو اور ان میں اتحاد میل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگذشت تیمور کو جو کہ اتفاق و اتحاد کا مالک تھا۔ اپنی نظر کے سامنے رکھو۔ تاکہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔ (خفیہ وصیت ظہیر الدین محمد بابر شاہ بنام شہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں اطال اللہ عمرہ محررہ برائے استحکام و استقامت سلطنت) [1]

اسی اشتراک و اختلاط کا نتیجہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کی آبادیاں مشترک ہیں۔ بازار مشترک ہیں۔ عام کاروباری زندگی مشترک ہے۔ حتیٰ کہ اس اشتراک نے ایک مشترک زبان کے ایجاد پر مجبور کیا اور اس تقرب سے اردو یا "ہندوستانی" زبان عالم وجود میں آئی۔

اس مشترک زبان کے ایجاد میں جو خوشگوار تعلقات کے ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندوستان کے جلیل القدر شیخ یعنی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی (قدس اللہ سرہ العزیز) نے خاص حصہ لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خاص احباب کی ایک جماعت بنائی اور اس کو ہدایت کی کہ ایسی زبان تیار کریں کہ ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان اس کے ذریعہ لین دین اور دوسری ضرورتوں کی بات چیت کر سکیں۔ اس کمیٹی کے ارکان نو تھے۔ چار ہندو۔ ہر دیو۔ سیتل دیو چیتل دیو۔ سنبھل دیو اور پانچ مسلمان۔ امیر خسرو۔ خواجہ سید محمد۔ خواجہ حسن سجزی۔ خواجہ سیا موسیٰ اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون۔

امیر خسرو کی مشہور کتاب "خالق باری" اسی حسن تعلق کی یادگار ہے جو آج تک بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ برطانیہ کا دور حکومت سب سے پہلا دور تھا جس میں "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی نامبارک

---

[1] ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولاپور نے فارسی زبان کی قدیم تحریر حاصل کی تھی جس کا تذکرہ بالا ترجمہ روزنامہ اخبار خلافت بمبئی مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۴۶ء ملتا ہے پہلی میں شائع ہوا تھا۔

پالیسی اختیار کی گئی۔

اس تخم خبیث کو بارآور کرنے کے لیے بہت سے مٹے ہوئے نشانات ابھارے گئے اور نئے نئے اختلافی مسائل پیدا کرکے اس تخم خبیث کی آبیاری کی گئی۔

مسٹر ہندی ایلیٹ۔ اور مسٹر کیمس مامور کیے گئے کہ تاریخ میں اختراعات کریں اور فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کی بنیاد پر پرانے واقعات کو مسخ کرکے نئی تاریخ مرتب کریں اس مسخ کردہ تاریخ کو کورس میں داخل کرکے نوجوانوں کے دماغوں کو مسموم کیا گیا۔

اردو، ہندی کا قضیہ چھیڑ کر ملی جلی خوشگوار تہذیب کے جگر پر نشتر لگایا گیا اور اس قسم کے مہلک اور تباہ کن مسائل کی زہر افشانی کو مسلسل جاری رکھنے اور اتحاد و اتفاق کی کوششوں کو پیہم شکست دینے کے لیے جداگانہ انتخاب کا نرالا طریقہ جاری کیا گیا۔

جب ہم اس مطالبہ، اس کے پیش کرنے اور اس کی منظوری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ"۔

یعنی برطانوی مفاد کے ایجنٹوں نے خود ہی مطالبہ ایجاد کیا خود ہی درخواست لکھی خود ہی اپنے کاسہ لیس مسلمانوں کا ایک وفد مرتب کیا جو شملہ حاضر ہوا اور پھر اس کے مطالبہ کو منظور کرکے مسلمانوں پر احسانِ عظیم رکھا گیا اور اس طرح مسلسل احسانات کے ذریعہ سے، اتحاد و اتفاق کی تعمیر کو خاکستر کرکے دلوں کی سرزمین میں بغض و عناد کا وہ جوالا مکھی تیار کیا گیا جس کا پہلا نتیجہ مطالبہ پاکستان تھا دوسرا نتیجہ وہ عبرتناک اور لرزہ خیز کشت و خون جو ۱۶ اگست ۴۶ء سے شروع ہوا۔ جس نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک کروڑ سے زائد انسان بے خانماں ہوئے اور مہاتما گاندھی جیسا عظیم المرتبت انسان اس کی بھینٹ چڑھ گیا۔

محترم بزرگو اور دوستو! جب ہندوستان میں جداگانہ انتخاب کا فرقہ وارانہ اور غیر فطری طریقہ رائج تھا اور انتخاب کے موقع پر فرقہ وارانہ مسائل کو ابھار کر کامیابی کا مستحق اسی کو سمجھا جاتا تھا جو زیادہ سے زیادہ متعصب تنگ نظر اور فرقہ پرست ہو، تو مجبوراً قوم پرور جماعتوں کو بھی فرقہ واریت کے میدان میں آنا پڑتا تھا تاکہ فرقہ وارانہ انتخاب کے زہر کو جہاں تک ممکن ہو کم کرسکیں۔ اور جداجدا پلیٹ فارموں سے وہ مشترک ملکی مسائل پیش کرسکیں جو درحقیقت انتخاب کا معیار ہونے

چاہئیں۔ ۱۹۳۰ء کے بعد انڈین نیشنل کانگریس اس قدر رسوخ ملک میں حاصل کر چکی تھی کہ صحیح مینوفسٹو پیش کر کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیتی تھی، لیکن بدقسمتی سے مسلم ضلعوں میں اس کو یہ اقتدار حاصل نہ تھا لہٰذا مسلم حلقوں میں قوم پرور مسلمانوں نے جمعیۃ علماء ہند کی زیرِ قیادت یہ خدمت انجام دی اور انتخابات کے موقع پر صحیح مینوفسٹو مسلمانوں کے سامنے رکھا اور اس پر رائے دینے کا مطالبہ کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جب کہ ہندوستان اپنی قسمت کا خود مالک ہو گیا ہے اور انڈین یونین بھی دستور ساز اسمبلی جداگانہ انتخاب کی لعنت کو انڈیا سے ختم کر چکی ہے تو قدرتی طور پر جمعیۃ علماء ہند بھی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئی جو اس نے مجبوراً اپنے سر لی تھی، لہٰذا اس کی مجلس عاملہ یکم فروری کے اجلاس میں اعلان کر چکی ہے ۔

"جمعیۃ کا دائرہ عمل آئندہ صرف مذہبی، تمدنی اور تعلیمی حقوق و فرائض کے دائرے میں محدود رہے گا" ۲۲ مارچ کو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی نے مجلس عاملہ کے اس فیصلہ کی تصدیق بھی کر دی اور اب یہ اعلان اس کا مسلمہ اصول بن چکا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی ذمہ داری

حضرات اراکین و حامیان جمعیۃ علماء اس اعلان کا یہ اثر ہمارے داعون پر ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ ہماری ذمہ داریاں کم ہو گئی ہیں اور ملت اسلامیہ کی خدمت کا جو بار جمعیۃ علماء کی دوش پر ہے وہ ہلکا ہو گیا ہے۔

بیشک دائرہ عمل میں ایک حد بندی ضرور ہو گی، مگر محدود دائرہ عمل بھی وہ وسعت رکھتا ہے جس کی تکمیل کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنی ہو گی اور اگر آپ کی سعی پیہم میں کوئی فرق آیا تو عنداللہ اور عندالناس آپ جوابدہ ہوں گے آج ہمارے سامنے بہت سے اہم مسائل در پیش ہیں جن کا تعلق براہ راست مسلمانوں کے مستقبل سے ہے۔

آج اسلامی تعلیم کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے اگر حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ داری نہیں لیتی تو ہم کس طرح مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم سے آشنا کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضرات اراکین اس پر توجہ فرمائیں اور ایسا لائحہ عمل مرتب کریں جو اسلامی تعلیم کا ضامن ہو۔

ایک مختصر اور کامیاب صورت یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کا ہر ممبر اشاعت تعلیم کو اپنا فرض تصور کرے اور عملی، علمی یا مالی امداد کا ایک معتد بہ حصہ ان مکاتب و مدارس کے لیے وقف کر دے جو مذہبی تعلیم

کے لیے قائم کیے جائیں۔

ہر ایک جمیتہ علماء تعلیم و تربیت کو اپنا فرض تصور کرے اور اپنے حلقہ اثر میں ابتدائی مکاتب اور شبینہ مدارس قائم کرکے اس فرض کو انجام دے۔ یہ ظاہر ہے کہ خدام جمعیت کی کوششوں کی مکمل کامیابی کے لیے یہ شرط ہے کہ عام مسلمان بھی اپنی اولاد کے متعلق تعلیم و تربیت کے فرض کو محسوس کریں۔

یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیے کہ قرآن حکیم نے اولاد کی تعلیم تربیت ماں باپ پر فرض قرار دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ	اے ایمان والو اپنی جان اور اپنے اہل و
وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ	عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی
وَالْحِجَارَةُ ...	اور پتھر ہوں گے۔

نیز فرمان خداوندی ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ	اپنے گھر کے آدمیوں کو نماز کا حکم کرو اور
عَلَيْهَا۔	اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔

جو حضرات آیات بالا کے مخفی رموز سے واقف ہیں وہ انکار نہیں کر سکتے کہ اہل وعیال کے نان نفقہ کی طرح ان کی تعلیم و تربیت بھی مسلمان پر فرض ہے۔ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ہمارے عربی مدارس کا بھی فرض ہے کہ وہ نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور طریق تعلیم اور اس قسم کے دیگر اہم مسائل پر غور کریں۔

سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ تمام چھوٹے بڑے مدارس عربیہ ایک نظام میں منسلک ہو جائیں۔ اگر یہ تمام مدارس ایک نظام قائم کرکے کسی ایک مدرسہ کو مرکزی حیثیت دے دیں۔ اور ایک مرکزی مجلس علمی کے ماتحت اپنے نظام کو مرتب اور اپنے شیرازہ کو مجتمع کرلیں تو خود ان کے لیے بھی مفید ہو ان کی حفاظت اور بقاء کا ذریعہ ہو اور انڈین یونین کے مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہو۔

لیکن اس عظیم مقصد کے لیے اراکین جمیتہ علماء سے زیادہ خود مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات کا فرض ہے کہ وہ ضرورت کو محسوس کریں اور ایک ایسا جامع اور مستحکم نظام قائم کرنے کے لیے خود اپنی جانب سے اقدام کریں۔

مرکزی مجلس علمی نصاب تعلیم پر بھی غور کرے گی اور طریق تعلیم میں بھی ایسی ترمیم کرے گی کہ درس تدریس

کے ساتھ اخلاقی اصلاح، خدمت خلق، تبلیغ وارشاد نیز ترقی ملک وملت کے اعلیٰ مقاصد کے واسطے دماغی تربیت ہوتی ہے۔

اور ضرورت محسوس کرے تو ان جلیل القدر مقاصد کی عملی مشق کے لیے کوئی دارالتربیت بھی قائم کردے اور ایک ایسا دارالترجمہ بھی قائم کرے کہ ہم خداوندی ارشادات اور اسلامی تعلیمات کو ان بندگانِ خدا تک پہنچا سکیں۔ جو ہماری زبان اور ہمارے رسم الخط سے واقف نہیں ہیں۔

محاکم شرعیہ کا قیام

اس میں شک نہیں کہ اقتصادی اور سیاسی مفادات یکسانیت کے ساتھ ایسا اشتراک واتحاد رکھتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں کھینچا جاسکتا۔ بود وباش اور بالعموم خوراک اور پوشاک کے طور وانداز بھی وہ ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں میں تفریق مشکل ہے۔ فرنٹیئر، مغربی پنجاب کے ہندو کو مسلمان سے ممتاز کرنا مشکل ہے سی پی مدراس اور بہار وغیرہ کے مسلمان ہندو سے جدا نظر نہیں آتے۔

اس اشتراک ویکسانیت کے باوجود کچھ ایسے معاشرتی امور ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے بہت گہرا ہے اور جو ایک خاص نظام اور مخصوص اختیارات کے خواہاں ہیں مثال کے طور پر نکاح اور اس کے متعلقات یعنی طلاق، خلع، فسخ نکاح وغیرہ چنانچہ انگریزی حکومت نے اپنے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا اور ایسے معاملات کے تصفیہ کے لیے نظام قضا باقی رکھا گیا جو ۱۸۶۴ء تک اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں ۱۸۹۳ء تک جاری رہا، مگر جیسے جیسے غلامی کا دور ترقی کرتا رہا اس قسم کی تمام آزادیاں سلب کی جاتی رہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ انڈین یونین اس مبارک اصول پر عملدرآمد میں کوتاہی نہ کرے گی کہ فنڈامنٹل رائٹس (منظور کردہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس منعقدہ بمبئی ۸ اگست ۱۹۳۱ء کے بموجب جن کی تشریح اجلاس کلکتہ مورخہ ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۳۷ء میں کی گئی۔ اس کے بعد اجلاس عام منعقدہ ہری پورہ مورخہ ۱۹ تا ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء "اقلیت کے حقوق" کے عنوان سے توضیح اور تفصیل کی گئی) ان مسلمہ بنیادی حقوق کے مطابق اس کے قلمرو میں رہنے والا ہر ایک فرقہ اپنے مذہبی معاملات اور پرسنل لا میں آزاد ہوگا لہٰذا مسلمانوں اور ان کی واحد مذہبی جماعت یعنی جمعیۃ علماء ہند پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ محاکم شرعیہ کے نظام کی جدوجہد شروع کردیں اور ان کے لیے اختیارات حاصل کرنے کے واسطے مسودۂ

قانون مرتب کرکے صوبائی اسمبلی میں پیش کریں تاکہ انڈین یونین کے مسلمان سیاسی اور اقتصادی آزادی کی طرح مذہبی آزادی سے بھی ہمکنار ہوسکیں۔

اوقاف انڈین یونین میں اوقاف کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے اور جمعیۃ علماء کا یہ بھی فرض ہے کہ ان کے بقاء اور حفاظت کی کوشش کرے اگر انڈین یونین کے اوقاف اور ان کی آمد و صرف کا صحیح نظم ہو جائے تو مسلمانوں کے تمام مذہبی اداروں کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں بعض صوبوں میں حکومت نے وقف کمیٹیاں بنا کر اس اہم مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس ایکٹ میں کچھ ایسی خامیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ اس قانون کا منشاء پورا نہیں ہو سکا ہے۔ ایسے صوبوں کی جمعیتوں کا فرض ہے کہ وہ ایکٹ میں مناسب ترمیمات مرتب کرکے اسمبلیوں میں پیش کریں اور ان کو کامیاب کرنے کے لیے پوری جد و جہد کریں۔

انڈین یونین میں مسلمانوں کا مستقبل درست ہے کہ ہندوستان کی تقسیم نے وطن عزیز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، لیکن اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے لیے یہ تقسیم تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔

وطن عزیز کا صرف آٹھواں حصہ کٹ کر جُدا ہوا ہے، لیکن مسلمانوں کا نصف سے زائد حصہ جُدا ہو گیا۔ اور مسلمانوں کا تناسب ⅓ سے گھٹ کر تقریباً ⅒ رہ گیا ہے۔ اسمبلیوں، کونسلوں اور ملازمتوں میں پہلے ۳۰ یا ۳۳ فی صدی حقوق حاصل تھے۔ اب وہ ۱۲، ۱۳ فی صدی رہ گئے ہیں۔ تجارت کے سلسلہ میں جو حیثیت حاصل تھی۔ اس کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ چکا ہے، لیکن ان تمام نقصانات کے باوجود امید ہے کہ انڈین یونین کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک نہیں ہوگا۔

انڈین یونین کی دستور ساز اسمبلی طے کر چکی ہے کہ ہند کا نظام حکومت جمہوری ہوگا اور اس کی بنیاد کسی خاص فرقہ کے مذہب پر نہیں ہوگی۔ انتخابات میں مسلمانوں کے لیے بقدر تناسب آبادی نشستیں مخصوص کرکے باقی پر مقابلہ کا حق دے چکی ہے۔ ملازمتوں میں ایک تناسب معین کرکے قابلیت کے معیار پر مزید اضافہ کا حق تسلیم کر چکی ہے۔ صوبائی اور مرکزی وزارت میں مسلم وزراء موجود ہیں اور جن صوبوں میں اس وقت مسلم وزراء نہیں ہیں توقع ہے کہ آئندہ انتخابات اس خامی کو دور کر دیں گے۔

عام شہری زندگی کے لحاظ سے جو تلخی اس وقت موجود ہے وہ عارضی ہے جو تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تفرقہ انگیز برطانوی پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے اور گذشتہ دس سال کی رجعت پسند اشتعال انگیز تحریک نے اس کو ہوا دی ہے۔ یقین ہے کہ مخلوط انتخاب بہت جلد اس خلیج کو پاٹ دے گا اور یہ تلخی خوشگوار تعلقات کی شیرینی سے بدل جائے گی۔

یہ تمام حالات مستقبل کے متعلق ہمیں امید دلا رہے ہیں۔ البتہ اگر مسلمانوں کی خواہش ہے کہ ان کا مستقبل زیادہ شاندار اور روشن ہو تو ان کا فرض ہے کہ اپنے عمل اور کردار سے اپنی اہمیت اور افادیت کو ثابت کریں۔ انڈین یونین کے لیے جس قدر وہ زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اتنی ہی ان کی عزت اور وقعت ہوگی۔ جمہوری نظام حکومت میں نسل، مذہب یا خاندان، ترقی کا مدار نہیں ہوتا۔ خدمت اور قابلیت معیار ترقی ہوا کرتا ہے۔ ملک و ملت کی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا کریں۔ بہترین خدمت کی قابلیت پیدا کریں۔ لامحالہ کامیابی اور کامرانی ان کے ہم آغوش ہوگی۔

تقسیم ہندوستان نے مسلم مفادات کو بھی تقسیم کر دیا ہے جس طرح یہ ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستان کے لیے مفید ہو۔ وہ انڈین یونین کے لیے بھی مفید ہو۔ بلکہ بسا اوقات پاکستان اور ہند کے مفاد میں تضاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستانی مسلمانوں کے لیے مفید ہو وہ انڈین یونین کے مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہو، بلکہ ممکن ہے کہ کوئی معاملہ پاکستانی مسلمانوں کے لیے مفید ہو اور انڈین یونین کے مسلمانوں کے لیے تباہ کن ہو۔ جب مفادات میں اس طرح تضاد ہو تو سوال یہ ہے کہ ہمیں انڈین یونین کے مسلمانوں کے مفاد کا لحاظ رکھنا ہوگا یا پاکستانی مسلمانوں کے مفاد کا۔

ظاہر ہے کہ ہم پر پاکستانی مسلمانوں کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ خود اپنے ذمہ دار ہیں۔ ہم پر انڈین یونین کے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمیں ہر موقع پر وہ صورت اختیار کرنی ہے جو انڈین یونین کے مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔

ہماری خواہش یہی ہے کہ انڈین یونین اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں، لیکن اگر کسی موقع پر ان دونوں کے نقطہ نظر میں اختلاف ہو تو ہمیں اسی اصول کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ ہمارا سیاسی فریضہ بھی یہی ہے اور یہی اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔

ہم اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کرکے جس قدر اس پر صحیح طور سے عمل پیرا ہونے

کی کوشش کریں گے۔ اسی قدر ہم وطن عزیز کے لیے بہترین خادم اس کے بہادر محافظ اور اس کے اہم ترین جز ثابت ہوں گے۔ بے شک پاکستان بن جانے کے بعد مسلمان مجموعی طور پر بھی اور صوبجاتی لحاظ سے بھی غیر مؤثر اقلیت بن کر رہ گئے ہیں، لیکن کیا اقلیت کا مستقبل تاریک ہوا کرتا ہے۔ اپنے زمانۂ حکومت میں مسلمان اس سے کہیں کم تھے۔ ۱۸۵۷ء کی مردم شماری میں تمام ہندوستان میں چار کروڑ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عددی اکثریت یا اقلیت پر مستقبل کا مدار نہیں بلکہ مستقبل کا مدار اہل ملت کے کردار، اعمال اور اخلاق پر ہے آج جو کچھ مسلمانوں کی تعداد اور ان کے علمی آثار۔ آپ ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں کیا یہ ان کی اکثریت کے باقیات ہیں یا سیف وسنان کے کارنامے کی یادگار؟

بیشک ہندوستان میں آٹھ سو برس سے زیادہ مسلمانوں نے حکومت کی۔ مگر کثرت تعداد ان کی شوکت وحشمت کا نتیجہ نہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان پاکباز بندگان خدا کے اخلاق کا جنہوں نے اسلامی تعلیمات کا نمونہ بن کر دوسروں کے دلوں میں جگہ کی ان ستودہ صفات انسانوں نے دوسروں کی جاگیروں در ملکیتوں پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنے خصائل وشمائل سے ان کے دلوں کو مسخر کیا۔ دماغوں کو گرویدہ کیا اور ان کے جذبات کو اس درجہ فریفتہ کیا کہ جو پرائے تھے اپنے بن گئے اور جو بیگانہ تھے یگانہ ہو گئے۔ آج اسلامی تعلیمات قرآن حکیم کے حکم ومواعظ ربانی ارشادات آپ کے سامنے ہیں، اگر آپ صحیح طور پر ان پر عمل کریں، تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے اور ایسے پاک نفوس سامنے آسکتے ہیں۔ جو مرجع خلائق ہوں اور ہر فرقہ اور جماعت کے نیک سیرت انسان ان کی تعظیم وتکریم پر مجبور رہوں۔

آج مسلمانوں کو جہاد کا لفظ یاد رہ گیا ہے۔ مگر یہ یاد نہیں رہا کہ باشندگان مکہ جیسے معاندین اسلام اور دشمنان ملت کے مقابلہ میں صبر واستقامت اور ضبط وتحمل کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے مظاہرہ کو جہاد کبیر فرمایا گیا ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

اور خود اپنے نفس کے غیر صالح جذبات۔ غلط خواہشات اور اخلاق رذیلہ کو پامال کرنے اور ان کے بجائے صالح جذبات اور مکارم اخلاق سے مزین ہونے کو "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا گیا تھا۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔

اس جہادِ اکبر اور جہادِ کبیر میں نہ تیغ و تفنگ ہے نہ خنجر و سناں بلکہ ان میں مضبوطی اور پختگی کے ساتھ عمل ہے ان ارشادات ربانی پر جو تیغ و تفنگ سے بدرجہا مفید اور توپ اور بندوق سے بہت زیادہ زود اثر ثابت ہوتے ہیں اور جن پر عمل پیرا ہونے کے لیے میدانِ جنگ سے کہیں زیادہ ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ حاضرین کرام ایک طرف اندازہ کیجئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت، رأفت اور مہربانی کا جو آپ کو مخلوق خدا کے ساتھ تھی جس کی بنا پر ارحم الراحمین نے آپ کو "رؤف رحیم" کا لقب عطا فرمایا۔ دوسری جانب تصور کیجئے اس ظلم و ستم، جبر و تعدی، وحشت و بربریت، بدخلقی اور بہیمیت کا جو آپ کی حق و صداقت محبت اور ہمدردی کے جواب میں مشرکین مکہ کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ پھر غور فرمائیے حضرت حق جل مجدہ کے ارشاداتِ گرامی پر۔ مثلاً اس جبر و قہر وحشت و بربریت کے جواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے۔

اصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ	صبر کرو۔ جیسے کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر و استقامت سے کام لیا
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ	اور خدا پر بھروسہ کرو۔
دَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ	ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کردو اور خدا پر بھروسہ کرو۔
أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور پسندیدہ نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دو اور بحث و مباحثہ میں وہ طرز اختیار کرو کہ وہی طرز سب سے بہتر ہو
إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ	مخالفین کی مدافعت ایسی پسندیدہ صورت سے کرو کہ وہی صورت سب سے بہتر ہو اس طریقہ عمل کا نتیجہ تم یہ دیکھو گے کہ جس کو تم سے عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا گویا گہرا دوست ہے

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	قائم رکھو نماز، سکھلا بھلی بات۔منع کر برائی
انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا	سے اور برداشت کر جو اس کو جو تم پر پڑے
اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ	بیشک یہ ہیں ہمت کے کام۔
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ	———— عادت بنالو
وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ وَاِمَّا	درگزر کی۔حکم کرو بھلی بات کا اور کنارہ کرو
یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ	نادانوں سے اور اگر ابھارے تم کو شیطان
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ	کی چھیڑ تو پناہ مانگو اللہ سے وہی ہے سننے
	والا جاننے والا۔

اب غور فرمایئے کہ یہ ارشادات ہمیں کس درجہ ضبط و تحمل کی تلقین کرتے ہیں ہمیں بار بار ہدایت ہورہی ہے کہ درگزر اور معافی کو اپنی خصلت بنالیں۔ چھیڑ خانی کے مقابلہ میں چشم پوشی اختیار کریں۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں اور ہمیشہ جواب دہی کی وہ صورت اختیار کریں جو سب سے بہتر ہو محترم بزرگو اور دوستو ایک طرف غور کیجیے گذشتہ دو سال کے واقعات پر اور پھر تلاوت فرمایئے اس ارشاد کو

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ	اے ایمان والو۔قائم رہو انصاف پر اور
بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی	گواہی دو اللہ کی طرف کی خواہ نقصان ہو تمہارا
اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ	اگر چہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا
(سورۃ نساء ۱۳۵)	قرابت والوں کا۔
وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ	جب بات کہو تو حق کہو اگر چہ وہ اپنا قریب
ذَا قُرْبٰی (۱۹۶ سورہ انعام)	ہی ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیتیں اور احادیث ہیں۔جو ایک انسان کو سب سے اونچا انسان بنا سکتی ہیں بشرطیکہ اُن پر ہر وقت اور ہر حالت میں عمل پیرا ہو۔

آج مسلمان مایوس ہیں کہ ان کا اقتدار مٹ رہا ہے۔وہ حیران ہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے وہ اقتدار سے کیوں محروم ہوتے جارہے ہیں۔کیا خداوندی وعدے زائد المیعاد ہوگئے یا یہ وعدے (معاذ اللہ) خداوندی وعدے نہیں۔کاش مسلمان سمجھیں اور غور کریں کہ لفظ مسلم کے ساتھ اقتدار

کو لازم نہیں کی گئی، بلکہ اقتدار کی شرط اور اس کی غرض وغایت اعمال و اخلاق ہیں۔ مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ ان کی کھوئی ہوئی عظمت پھر لوٹے اور ان کی تہذیب جو فنا کے گھاٹ سے زندہ ہو۔ تو شرط اوّل یہ ہے کہ وہ زندگی کے اخلاق پیدا کریں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب دنیا کا اقتدار عطا فرمایا

گیا تھا تو اس کی غرض وغایت یہ بتائی گئی ہے۔

أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے بھلی
وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ	باتوں کی ہدایت کریں گے بری باتوں سے
الْمُنْكَرِ۔ سورہ حج	روکیں گے۔

کیا اچھا ہو کہ مسلمان اس نکتہ کو سمجھ لیں اور انتقام در انتقام کے افسانوں پر خاک ڈال کر اسلامی اخلاق اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات کو اپنا پروگرام۔ اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں خداوند عالم کی نصرت اُلفت کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ نصرت و امداد درحقیقت اُن اصول کی امداد ہوگی جن کی خود خداوندِ عالم نے تلقین فرمائی ہے اور جن پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کو خداوندِ عالم نے خود اپنی مدد قرار دی ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔ "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ"

حاضرین کرام۔ میں نے آپ کا کافی وقت لیا۔ سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے آپ کی توجہات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ احب خلقہٖ سید الرسل کما یحب ربنا ویرضیٰ عدد ما یحب ویرضیٰ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے سترہویں سالانہ اجلاس میں

—— مؤرخہ ——

۲۰-۲۱-۲۲ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۷-۲۸-۲۹ اپریل ۱۹۵۱ء

—— بمقام ——

حیدرآباد دکن

پیش فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمّدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلّم۔ کما یحب ربّنا ویرضٰی۔

اراکین کرام۔ نمائندگان محترم اور معزز حاضرین!

جمعیۃ علماء ہند کی صوبائی مجالس نے صدارت کا یہ بارِ گراں اس مرتبہ بھی بندہ ناچیز کے دوشِ ناتواں پر ڈال دیا۔ یہ منصب جلیل میری حیثیت سے بہت بلند ہے۔ مگر یہ ناکامی بھی کس قدر تعجب انگیز ہے کہ میری حقیقی معذرت بھی شرف پذیرائی حاصل نہیں کر سکی۔

دوستوں اور بزرگوں کی شفقت و محبت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ میری زحمت و کلفت کا بھی لحاظ کیا جائے۔ مگر ایک طرف اعتماد و التفات اور دوسری طرف یہ بے التفاتی۔ حیرت انگیز "تضاد" ہے۔

شاید بابِ محبت میں یہ تضاد بھی جائز ہو۔

تفرد بالاحکام فی اھلہ الھوی

بزرگانِ ملّت۔ اور برادرانِ عزیز

اس سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کے سلسلہ میں ہم لکھنؤ میں جمع ہوئے تھے اس سال ہم حیدر آباد میں یہ تقریب منا رہے ہیں لکھنؤ اور حیدر آباد۔ ایک دوسرے سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہیں، مگر مادرِ وطن کی سوانح حیات ان کو ایک دوسرے سے بہت نزدیک قرار دیتی ہے۔ نظام الملک آصف جاہ اور برہان الملک ایک ہی آسمانِ سیاست کے دو تارے تھے۔ ایک شمال میں چمکا اور دوسرا جنوب کا قطب بن کر تین سو سال تک سیاست و ریاست کا محور رہا۔ دورِ حاضر کی سیاست نے بھی ان کو بہت ہی قریب کر دیا ہے۔ یہ دونوں مرکز نوخیز جمہوریہ ہند کے دو بازو ہیں۔ ایک کی قوت سے دوسرے کو طاقت پہنچتی ہے اور کسی ایک کی بےچینی روحِ وطن کو بےچین اور مضطرب کر ڈالتی ہے۔ یہ حسنِ اتفاق کس قدر قابلِ مسرت ہے کہ لکھنؤ کے بعد حیدر آباد کی دعوت، مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند نے منظور کی اور تاریخی اور سیاسی مناسبت جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسوں میں بھی رونما ہوئی۔

بہرحال اس وقت ہم اس مبارک اجتماع میں شریک ہیں تاکہ وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اپنے فرض کو پہچانیں اور ادائے فرض کے لیے کمر ہمت چست کر کے میدانِ عمل میں اُتریں۔

جمعیۃ علمائے ہند اور داستانِ ماضی

بندگانِ محترم! جمعیۃ علماء ہند کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی اور ملّی نظم و ضبط اپنے مذہبی شعائر۔ مذہبی علوم۔ اسلامی تہذیب اور ملّی آثار و روایات کی حفاظت

کے ساتھ ملک کا اہم عنصر اور ایک مضبوط بازو بن کر رہیں اور ناموس وطن کے بہادر محافظ اور ترقی ملک کے جانباز علمبردار ثابت ہوں۔ علماء حق اور پیروان ملتِ بیضاء کے اس یقین اور اذعان میں کبھی بھی تذبذب نہیں آیا کہ مستقبل کو اپنے ہی عمل اور کردار سے تاریک یا روشن بنایا جاتا ہے۔ سیاست اور بالخصوص انقلاب انگیز سیاست لطف و کرم کے مفہوم سے نا آشنا ہوا کرتی ہے۔ وہ عطا کرنا نہیں جانتی۔ اس سے وصول کیا جاتا ہے۔ ایثار، قربانی اور جدوجہد روشن مستقبل کی بنیادیں ہیں۔ انہیں بنیادوں پر قوموں اور ملتوں کے شاندار مستقبل کی تعمیر ہوا کرتی ہے اگر یہ بنیادیں کھوکھلی ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت مستقبل کو روشن نہیں بنا سکتی کیونکہ خالق انقلاب کا یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (سورہ رعد)

جس کی تفسیر اس شعر میں کی گئی ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

چنانچہ علماء حق نے ترقی اقوام کے اس فلسفہ کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ آپ ان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اول سے آخر تک آپ کو مصائب کے خونیں دریا امنڈتے ہوئے نظر آئیں گے جن میں علماء ربانی شناوری کرتے ہوئے حق رہنمائی ادا کرتے رہے اور طوفان انگیز گردابوں کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے امتِ مرحومہ کی کشتی پار لگاتے رہے۔

یہ قریب کا زمانہ جس میں انگریزوں نے ہندوستانیوں کی آزادی سلب کی تھی۔ ہمارے سامنے ہے۔ اس کی چشم دید شہادتیں اپنے بزرگوں کی زبانی ہم نے سُنی ہیں اور پھر بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا اور بڑی حد تک اس رزمگاہ کو آزمایا ہے۔ اُن علماء حق اور ان پاکباز محبان ملک و ملت کی شمار مشکل ہے جنہوں نے انگریزی اقتدار کی بھینٹ ناکیوں کا استقبال اپنی تباہیوں اور بربادیوں سے کیا شمالی ہند میں بسنت سے دن ایسے گزرے جن کی صبح اس طرح شام لائی کہ حق پرست بندگان خدا کی گردنیں پھانسیوں کے "گوبند" پہن رہی تھیں اور ان کے معصوم لب

دار و رسن کو بوسے دے رہے تھے۔ آج کون سا تاریخی جیل خانہ بلاوث پیش کر سکتا ہے کہ وہ علماً ملت کے لیے دار محن نہیں بنا۔

جزائر انڈمان کا جگر آج بھی اُن شہدا ر کرام کا امانت بر دار ہے جنہوں نے برطانوی سامراج کی عنایت سے اپنی خدا پرستانہ زندگیاں اس کی تلخ اور ترش آب و ہوا میں ختم کیں۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا

یہی جذبات جو جانشین علما ر کو اپنے بزرگوں کی طرف سے ودیعت ہوئے تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں اس انقلابی جدو جہد کے محرک بنے، جو ریشمی رومال کی تحریک سے مشہور ہوئی۔

پھر جب پورے ملک میں بیداری کی لہر دوڑی اور انقلاب کی خفیہ کوششیں جو متعدد جماعتوں کی طرف سے ہو رہی تھیں، انہوں نے عوامی تحریک کی شکل اختیار کی۔ ہندو مسلم اشتراک و تعاون کے ساتھ مقاومتہ بالصبر یعنی عدم تشدد اور ستیہ گرہ کو لائحہ عمل قرار دیا گیا اور جو منصوبے نہاں خانوں اور تاریک کوٹھڑیوں میں ہوا کرتے تھے پلیٹ فارموں پر ان کی نقاب کشائی ہونے لگی، تو مجاہدین ملت، محبانِ وطن "علما ر" نے ایک طرف مشترک ملکی مقاصد کے لیے مسلمانوں کو مشترک وطنی پلیٹ فارم یعنی انڈین نیشنل کانگریس میں شریک ہونے کا مشورہ دیا۔ دوسری جانب ملی اور مذہبی مقاصد کے لیے ۱۹۱۹ء میں ایک نظام قائم کیا جس کا نام جمعیتہ علما ر ہند ہے۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۱ء تک جمعیتہ علما ر ہند کا بتیس سالہ دور نہ صرف جمعیتہ علما ر ہند بلکہ پورے ملک کے لیے انقلابی دور رہا ہے۔ اس ہنگامی اور انقلابی دور میں جس طرح جمعیتہ علما ر ہند اپنے فرائض کو انجام دینے میں اپنی پوری ہمت و کوشش صرف کرتی رہی جو مذہبی اور ملی لحاظ سے اس نے اپنے ذمہ لیے تھے۔ ٹھیک اسی طرح وہ اس انقلاب آفرین دور کے ان تقاضوں کو بھی پورے ایثار، سرگرمی اور سرفروشی کے ساتھ پورا کرتی رہی جو ملک کا ایک اہم عنصر ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتے تھے، چنانچہ ایک طرف مذہب یا کسی مذہبی شعار کے متعلق جب بھی خطرہ پیدا ہوا، جمعیتہ علما ر ہند کے خدام سامنے آئے اور مخالف طاقتوں کے مقابلے کے لیے اپنے سینے کھول دیئے اور دوسری جانب سامراجی برطانوی حکومت کے خلاف

مجاہدانہ سرفروشیوں کو لبیک کہا۔

تحریک خلافت کے دور میں اراکین جمعیۃ کی سرفروشانہ جدوجہد ۲۴ء تا ۲۷ء کے پُرآشوب زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی تبلیغی سرگرمیاں۔ حفاظت اوقاف شریعت کے مطابق تقسیم وراثت۔ شریعت مقدسہ کے دستور و آئین کے بموجب فسخ نکاح وغیرہ کے لیے قانون بنوانے کی سعیٔ پیہم۔ حج بیت اللہ شریف اور حضرات معلّمین کے لیے مشکلات اور پابندی پیدا کرنے والے برطانوی مسودات قانون میں ترمیم و اصلاح کی آئینی کوشش۔ علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لیے مدارسِ عربیہ کی سرپرستانہ تائید و حمایت۔ ارتداد زدہ علاقوں میں دینی مکاتب کا قیام۔ حجاز مقدس کی حفاظت اور ترقی کے سلسلہ میں مؤتمر اسلامی (منعقدہ مکہ معظمہ) میں شرکت و رہنمائی۔ دنیائے اسلام کو ایک سلک میں منسلک کرنے کے لیے مؤتمر اسلامی منعقدہ قاہرہ (مصر) میں مسلمانان کی جانب سے نمائندگی اور اصابت رائے کا مظاہرہ قبلۂ اولیٰ (یعنی بیت المقدس) کی حفاظت اور فلسطین میں صیہونی تحریک کو ناکام کرنے کے لیے ہندوستان میں سرفروشانہ مظاہرے۔ جدوجہد اور مالی امداد و اعانت (وغیرہ وغیرہ) جمعیۃ علماء ہند کی خدماتِ ملی کے چند باب ہیں۔ جو نہ صرف جمعیۃ علمائے ہند کی تاریخ بلکہ مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور ثقافتی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

ساتھ ہی سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء ہند کی یہ کوشش رہی کہ انقلاب ہندوستان کی جدوجہد میں مسلمانوں کا قدم پیش پیش رہے۔ وہ آزادی کے بہادر مجاہد اور اہلِ وطن کے بہادر رفیق ثابت ہوں۔ تاکہ آزاد ہندوستان کا نقشہ وہ خود اپنے قلم سے تیار کر سکیں اور نقشہ کی تکمیل میں کسی حالت میں بھی دوسروں کے دستِ نگر اور محتاج نہ ہوں۔ چنانچہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب جذبات حریت و استقلال نے مشترک مقاصد کے لیے انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم کو اختیار کر کے ملک کو امداد کے لیے پکارا تو افراد سے قطع نظر ملک کی تمام مذہبی جماعتوں میں سے صرف جمعیۃ علماء ہند ہی وہ جماعت تھی جس نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اپنی بضاعت و استطاعت سے زیادہ ہر موقع پر قدم آگے بڑھا کر فداکاری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک پورے ستائیس سال انڈین نیشنل کانگریس کی طرح جمعیۃ علماء ہند کے کیمپ بھی حریت نواز

سرگرمیوں کا مرکز بنے رہے اور جب بھی ملک کو آزادی کی طرف آگے بڑھانے کے لیے مقاومت بالصبر (یعنی ستیہ گرہ) کی شکل میں یا مقاصد آزادی کے پیش نظر آئینی سرگرمیوں کی صورت میں کسی تحریک کی ضرورت محسوس کی گئی جمعیۃ علماء ہند کے رہنما اس کے علمبردار رہے اور ارکان جمعیۃ کے قدم صفِ اوّل سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹے۔

حضرات! مجھے کہنے دیجئے کہ دلیل اور انصاف کی روشنی میں اس حقیقت سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر جمعیۃ علماء ہند کی تجویز کردہ لائنوں اور مرتب کردہ فارمولے پر آزادی کا راستہ طے کیا جاتا تو ممکن تھا کہ دس پانچ سال زیادہ صرف ہو جاتے، مگر وہ تباہیاں جو ہمارے سامنے آ چکی ہیں اور جس گردابِ بلا میں اس وقت تک ملک گھرا ہوا ہے ان سے ملک کا قافلہ یقیناً محفوظ رہتا اور کامیابی کے بعد دورِ حاضر کی ناکامیاں ہمارے سامنے یقیناً نہ آتیں، لیکن جف القلم بما ھو کائن ۔

ما درچہ خیالم و فلک درچہ خیال

مقدر یہی تھا کہ انگریز کی پالیسی کامیاب ہو۔ ہم خود اپنے دشمن بنیں۔ اپنے ہاتھوں اپنے ملک کو تقسیم کریں۔ انقلاب کے خون افشاں سیلاب کا رُخ انگریز کے بجائے خود اپنی طرف پھیر لیں اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنے گلے کاٹیں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو قربان کریں، اپنے ملک، اپنے وطن، اپنے شہر، اپنے محلّہ اور خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کر دیں۔

بہرحال ملک تقسیم ہو چکا، پاکستان کی تقسیم عرصہ ہوا حقیقت بن چکی اور جس طرح انڈین یونین پوری دنیا کی سیاست میں ایک مرکز ہے، پاکستان بھی انٹرنیشنل سیاست کا ایک مستقل یونٹ قرار دیا جا چکا۔ اب اس قصہ پارینہ کو دہرا کر مندمل زخموں کو کھرچنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب پورے ملک کا فائدہ اسی میں ہے اور نہ صرف انڈین یونین بلکہ پورے ایشیا کی مصلحتوں کا یہی تقاضا ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات خوشگوار ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر پورا اعتماد ہو آپس کے قضیوں کو خود طے کریں۔ دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے کے قریب ہوں، اُن کے تجارتی اور اقتصادی تعلقات زیادہ سے زیادہ بہتر اور مضبوط ہوں۔ آمد و رفت کے راستے

کھلے ہوئے ہوں اور جو تلخیاں برداشت کی جا چکی ہیں۔ ان کی جگہ محبت اور دوستی کے ترانے ہر جگہ گائے جائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

جمہوریہ ہند کا امید افزا دستور اساسی

برادرانِ محترم! ان تباہیوں اور بے پناہ مشکلات کے باوجود جو تقسیم ہند کے بعد برداشت کرنی پڑی ہیں، یہ بات قابلِ اطمینان ہے کہ انڈین نیشنل کانگرس کا اقتدارِ اعلیٰ (ہائی کمانڈ) اپنے نظریات کے محور سے نہیں ہٹا۔ گاندھی جی کی قربانی ایک کھلی حقیقت ہے۔ پنڈت نہرو، مولانا آزاد، راجگوپال اچاریہ جیسے گاندھی جی کے ساتھیوں اور سچے پیروؤں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ انڈین یونین کا دستورِ اساسی (کانسٹی ٹیوشن) جمہوریت اور غیر فرقہ واریت کے اصول پر وضع کیا گیا۔

یہ بات قابلِ مسرت ہے کہ یہ "دستور" ہندوستان کے ہر ایک باشندہ کو مساوی حیثیت دیتا ہے، بلا اختلاف مذہب و ملت ہر ایک کے لیے ترقی کے دروازے کھلے رکھتا ہے اور ہر ایک ملت کو موقع دیتا ہے کہ وہ بقاء و تحفظ اور ترقی کے راستے سوچے اور آزادی کے ساتھ ان پر عمل کرے۔ اس لیے اس دستور کے بموجب خود ذمہ داری ہمارے اوپر آ گئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ہم اس کو انجام دیں۔

جمہوریہ ہند اور ہمارے فرائض

جمہوری دستور، ساری ذمہ داری جمہور پر ڈالتا ہے۔ جمہوریہ کی حفاظت اور ترقی جمہور کا فرض ہے۔ جمہور کی اصلاح، جمہوریت کی درستی ہے۔ جمہور کی شائستگی، سرگرمی اور ایثار سے جمہوریہ ترقی کرتا ہے۔ آج مسلمانوں پر جمہوریہ ہند کا اہم عنصر اور دوسرے درجہ کی طاقت ہونے کے لحاظ سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کو وہ کس طرح انجام دے سکتے ہیں۔ کہاں تک اس ذمہ داری کو انجام دے چکے ہیں اور آئندہ انہیں کیا جدوجہد کرنی ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان تمام

باتوں پر غور کریں اور جسد ملک کا ایک بازو ہونے کی حیثیت سے ہمارے ملی اور اجتماعی فرائض کیا ہیں۔ ہم کس طرح اپنے مذہب، مذہبی علوم، اسلامی تہذیب، اپنے مآثر و معابد اور اپنے اوقاف کی حفاظت کر سکتے ہیں اور ان کو ترقی کے راستہ پر کس طرح لگا سکتے ہیں۔ کیا کیا مشکلات سنگ راہ ہیں اور ان کو رفع کرنے کی کیا صورتیں ہیں۔ بغرض اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت و ترقی کے ساتھ ساتھ ہم ملک کی "تعمیر جدید" میں اپنی حیثیت اور تاریخی عظمت کے مطابق ان کا محل تلاش کرنا جمعیۃ علماء ہند کا فرض ہے۔

یہی فرض اس اجلاس کا داعی اور محرک ہے۔ آج اس فرض کو انجام دیتے وقت چند بنیادی امور ہمارے پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان اساسی نقطوں کی طرف آپ حضرات کی توجہ منعطف کراؤں۔

چند بنیادی نظریات

بزرگانِ محترم اور عزیزانِ ملت۔ ایک مسلمان کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنا نصب العین معلوم کرے جب تک ہمارا نصب العین متعین نہ ہوگا نہ کوئی مفید لائحہ عمل بن سکتا ہے اور نہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

بزرگانِ محترم! ہمارا یہ عقیدہ بالکل صحیح ہے کہ "امتِ اسلامیہ" خیر الامم ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران)	تم بہترین ہو ایسی امت میں جو انسانوں کے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اچھی بات کا حکم کرتے ہو۔ بری بات سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان و یقین رکھتے ہو۔

لیکن یہ عقیدہ اور خیر امۃ کا قرآنی لقب ہمارے اوپر خاص خاص فرائض عائد کرتا ہے۔ کاش

ہم ان کو پہچانیں اور پوری مستعدی سے ان کو پورا کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

مَنْ سَرَّہٗ ان یکون من تلک الامّۃ فلیؤدّ شرط اللہ فینا۔	جو چاہتا ہے کہ اس کا شمار اس اُمت میں ہو۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس شرط کو پورا کرے۔ جو اللہ تعالیٰ نے لگائی ہے۔

آیہ کریمہ واضح کر رہی ہے کہ اس اُمت کی بعثت نہ صرف اس لیے ہے کہ اس امت کو دینی اور دنیاوی منافع حاصل ہوں، بلکہ اس اُمت کی بعثت کا اہم مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ تمام انسانوں کو اس سے نفع پہنچے۔ عالم انسانی اس کے "خیر" سے بہرہ اندوز ہو۔ یہ اُمت خیر الامم اس لیے ہے کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرتی رہے۔ یعنی امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے فرض کو حسن و خوبی سے انجام دیتی رہے۔ اس لیے وہ "خیر البریہ" ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ۔ (سورہ بینہ)	جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے وہی ہیں مخلوق میں سب سے بہتر۔

وہ آیت کریمہ جو ملّتِ اسلامیہ کو خیر امۃ قرار دیتی ہے اس کا دوسرا حصّہ عبرت آموز سبق بھی پیش کر رہا ہے۔ دوسرے حصّے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔	اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ہوتا خیر ان کے لیے ان میں سے کچھ صاحبِ ایمان ہیں اور اکثر فاسق و بدکار ہیں۔

(آل عمران ع ۱۲)

یہ چند الفاظ۔ بنی اسرائیل کی ہزار ہا سالہ تاریخ کی طرف ہماری توجہ منعطف کرا دیتے ہیں

اور اس انقلاب عظیم کی علت بھی واضح کر دیتے ہیں جو ملت اسلامیہ کے ظہور کے وقت ہوا تھا یعنی بنی اسرائیل کی شوکت وحشمت ان کی شاندار تاریخ اور تاریخی روایات کو آج اس لیے ختم کیا جا رہا ہے اور

اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ	میں نے فضیلت دی ہے تم کو تمام
(سورہ بقرہ ع ۶)	جہانوں پر

کا طرۂ امتیاز جو بنی اسرائیل کو عطا ہوا تھا اور جو انعام خداوندی ہزار ہا سال تک ان کے لیے مخصوص رہا تھا آج وہ سب ان سے اس لیے واپس لیا جا رہا ہے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کا جو فرض ان پر عائد ہوا تھا۔ اس کو انجام دینے کی اہلیت بنی اسرائیل نے فنا کر دی ہے۔ ایمان باللہ اور خوفِ خدا کے بجائے بارگاہِ رب العزت میں گستاخانہ جرأت ان کا قومی مذاق بن گیا ہے۔ لاحاصل تمناؤں اور غلط عقیدوں نے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تمام قدر و قیمت کو ختم کر دیا ہے۔

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ، مگر
مَّعْدُوْدَةً (سورۃ بقرہ)	گنتی کے چند روز۔
اور نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (مائدہ)	ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں

جیسے عقائد نے پاداشِ عمل کے عقیدہ کو مضمحل کر کے یوم الآخر، یوم الدین اور یوم الحساب کے تصور کو بے معنیٰ اور لاحاصل بنا دیا ہے۔

لہٰذا یہ منصب جلیل اُن سے واپس لے کر اُمت اسلامیہ اور اُمتِ محمدیہ علی مؤسسہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے کیا جا رہا ہے اور آج عرفات کی چوٹیوں پر یہ بشارت اصحاب محمد (صلوات اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین) کو سنائی جا رہی ہے کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ	تمہارا دین، پوری کر دی تمہارے اوپر
رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔	اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے
(سورہ مائدہ ع ۱)	دین اسلام۔

برادرانِ عزیز اور بزرگانِ ملت

جس طرح آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ کی ملت "خیر اُمّۃ" ہے اسی طرح آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ اس ذاتِ اقدس سے وابستہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رؤف رحیم فرمایا ہے اور رحمۃ کو دنیا میں اس لیے مبعوث فرمایا گیا کہ پوری کائنات پر خدا کی رحمت نازل ہو۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحم کرنے کے لیے تمام جہانوں پر

لیکن مجھے معاف فرمائیں۔ اگر میں بدقسمتی کا شکوہ کروں کہ اس آیت کے مفہوم میں دماغی اختراع نے بے جا مداخلت کی ہے اور عام طور پر سمجھا جانے لگا ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی کریں وہ غیر مسئول ہیں اور صرف اس بنا پر کہ وہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں مغفور ہیں جو چاہیں کریں۔ ان سے کوئی بازپرس نہیں یعنی اسرائیلی عقیدہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کو ختم کرنے کی بجائے معاذ اللہ اس کی نقل شروع کر دی گئی ہے۔

حالانکہ ہر ایک صاحبِ علم سمجھتا ہے کہ مفادِ آیت یہ ہے کہ جس طرح سرورِ کائنات سید الموجودات۔ محبوب رب العالمین (علیہ الف الف صلوات وتسلیمات) یتیموں کے والی بیکسوں کے وارث۔ غریبوں کے ہمدرد۔ غمزدوں کے غمگسار۔ مصیبت زدوں کے مددگار تھے۔ اسی طرح آپ کے متبع۔ آپ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے اور آپ کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہونے والے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا وجود کائنات کے لیے رحمت ہو وہ خدائے واحد کا پرستار اور عبادت گزار ہو۔ غریبوں کا ہمدرد ہو۔ یتیموں اور بیکسوں کا غمگسار ہو۔ ظلم وعدوان کا مخالف۔ مظلوموں کا حامی اور مددگار ہو۔ اس کے مکارم اخلاق ہر ایک کے لیے آیتِ رحمت ہوں اور اس کے اعمالِ خیر اور افعالِ حسنہ سارے عالم کے لیے

باعث خیر و برکت ہوں۔

اس کی پُرخلوص دعائیں لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (سورہ مائدہ)[1] کی تصدیق دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس کا پُرخشوع استغفار يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۔ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا[2] (سورہ نوح) کا نظارہ دنیا کو دکھائے۔

ملاءِ اعلیٰ اُن کے اعمالِ حسنہ اور خصائلِ حمیدہ سے لطف اندوز ہو۔ فرشتے ان کے لیے دعائے خیر و برکت کریں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کو اپنی فطری تسبیح و تقدیس کا ایک جز بنا لیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ	حاملینِ عرش اور جو عرش کے ماحول
حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ	میں ہیں اپنے رب کی حمد و ستائش
وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ	کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ	پر یقین رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے
كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا	لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں کہ
فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا	اے ہمارے پروردگار تو نے گھیر لیا ہے
سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ	ہر ایک چیز کو رحمت اور علم سے پس مدد
الْجَحِيْمِ (سورہ مومن)	فرما ان کو جو توبہ کریں اور تیرے راستہ پر
	چلیں اور ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ فرما۔

[1] سورہ مائدہ کی یہ آیت اہلِ کتاب کو تنبیہ کر رہی ہے کہ اگر وہ تورات و انجیل پر اور ان احکام پر جو توریت و انجیل کے علاوہ دوسرے صحیفوں میں نازل ہوئے تھے، پوری طرح عمل کرتے تو اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور پیروں کے نیچے سے بھی۔ یعنی آسمانوں سے بھی برکتیں نازل ہوتیں اور زمین کی برکتیں بھی ان کے اطمینان و مسرت میں اضافہ کرتیں (لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئے)۔

[2] حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا اپنے رب سے معافی کی دعا کرو۔

اس طرح ایک خیر و برکت کی فضا آسمان سے زمین تک عرش سے فرش تک قائم ہو۔
اور دنیا شہادت دے کہ آپ "خیر امتہ" ہیں آپ "خیر البریۃ" ہیں۔ آپ "شہداء علی الناس" ہیں۔ مختصر یہ کہ آیاتِ کریمہ نے اس کی بجائے کہ آپ کو فخر و مباہات کی کوئی سند عطا کریں آپ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور آپ کے فرائض کا دامن بہت وسیع کر دیا ہے۔

ایک مسلمان کی خدمت صرف اس کی ذات۔ اس کے اہل و عیال یا اس کے خاندان اور قبیلہ تک محدود نہیں ہو سکتی۔ اس کی خدمات کا دائرہ کسی طبقہ کی حدود میں محصور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی نفع رسانی۔ رنگ و نسل کے امتیاز سے آزاد ہوگی۔ اس کی محبت و شفقت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہوگی اور وہ تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد۔ ایک خالق کی مخلوق اور ایک رب کی عیال سمجھ کر امداد و اعانت۔ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کو عام کرے گا۔ اس کا ذاتی مفاد اس کی نظر میں ہیچ ہوگا اور اس کی تمام جدوجہد انسانیت کے مفاد کے لیے وسیع تر ہوگی۔ وہ ہر بات جماعتی نقطۂ نظر سے سوچے گا اور نوع انسان کی فلاح و بہبود اس کے نفع و نقصان کا معیار ہوگی۔

غرض ایک مسلمان کا کردار اور اس کی گفتار اس رحمتِ عالم کی زندگی پاک کا اسوہ ہونا چاہیے جس نے سارے عالم کو پیغام رحمت سنایا۔
جس نے ساری مخلوق کو اللہ کی عیال قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فَاَحبُّ الخلق اِلَی اللّٰہ من	اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ محبوب وہ
احسن الی عیالہ (مشکوٰۃ شریف حوالہ بیہقی)	ہے جو اس کی عیال پر احسان کرے۔

جس نے مومن کی تعریف یہ فرمائی۔

المومن من امنہ الناس علٰی دِمَاۤئِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ (بخاری شریف)

بیشک وہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے وہ آسمان کی دھاریں تمہارے لیے کھول دے گا اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ کرے گا اور تم کو سرسبز و شاداب باغ اور رواں دواں نہریں عطا فرمائے گا۔

المومن من امن الناس بوائقہ (ترمذی شریف)

یعنی مومن وہ ہے کہ تمام انسانوں کی جانیں اور مال اس کے ہاتھوں محفوظ رہیں اور کسی انسان کو بھی اس کی وجہ سے کوئی خطرہ پیدا نہ ہو۔

اور ہر ایک مومن کو یہ ہدایت فرمائی۔

صل من قطعك واعف	جوڑو اس سے جو تم سے توڑلے (قطع
عمن ظلمك واحسن الی من	تعلق کرلے) معاف کرو اس کو جو تم پر
اساءَ الیك	ظلم کرے اور بھلائی کرو اس کے ساتھ
(بخاری شریف)	جو تمہارے ساتھ برائی کرے۔

جو شب کے آخر حصہ میں جب طویل القیام نوافل سے فارغ ہو کر مناجات میں مشغول ہوتا تو بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کرتا تھا۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ	اے اللہ۔ اے ہمارے پروردگار اے
انا شهيد ان العباد كلهم	پالنے والے ہر چیز کے۔ میں گواہ ہوں
اخوة (ابوداؤد شریف۔	(اقرار کرتا ہوں) کہ تمام بندے بھائی بھائی
باب مایقول الرجل اذا سلم)	ہیں۔

بزرگانِ محترم! اگر ہم اپنے منصب کو پہچانیں اور منصبی فرائض کو انجام دینے کے لیے کمربستہ ہوں تو ہم رب العالمین کے سچے وفادار ہوں گے۔ اس کی بارگاہِ اقدس میں سرخروئی حاصل کریں گے اور یہی اوصاف و خصائل ہمیں جمہوریہ ہند کا سب سے بڑا عنصر بنا دیں گے یہ صحیح جمہوریت انہیں اوصاف کی متقضی ہے جمہوریت کی پائیدار ترقی، عددی اکثریت پر نہیں بلکہ مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کی استواری پر ہے۔ کردار کی خوبی اقلیت کو بھی اکثریت کا سرتاج بنا دیتی ہے گنتی میں کم ہونا خطرہ کی چیز نہیں۔ ہاں کوتاہی عمل۔ خرابی کردار اور دولتِ اخلاق سے محرومی سب سے بڑا خطرہ ہے۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

مشکلات اور مصائب

برادرانِ ملت! یہ درست ہے کہ آپ کے سامنے مشکلات اور پریشانیاں ہیں اور بسا اوقات مشکلات کی بے شمار نوعوں کو دیکھ کر ہم اپنے مستقبل سے مایوس ہو جاتے ہیں خصوصیت سے حیدر آباد دکن کے مسلمان جو دوہرے انقلاب کے شکار ہوئے ہیں۔ ان کا نظامِ معیشت بڑی حد تک درہم برہم ہو گیا ہے لیکن مشکلات کے وقت بھی ہمارے نقطۂ نظر میں وسعت ہونی چاہیے۔ آپ صرف اپنے اوپر نہیں بلکہ پورے عالمِ انسانیت پر نظر ڈالیے کیا دنیا میں آج کوئی زندہ قوم ایسی بھی ہے جو مشکلات میں محصور نہ ہو۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (سورہ روم)

خود انسان کے ہاتھوں کی کرتوتوں کی وجہ سے بحر و بر خشکی اور تری میں فساد رونما ہو گیا ہے۔

خود انسان کے غلط کارناموں نے سارے عالمِ انسانیت کو گرداب مصائب میں مبتلا کر دیا ہے۔ مصائب کی نوعیت میں بے شک فرق ہے، لیکن مصیبت سے کوئی قوم محفوظ نہیں۔ تاہم مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اپنی خوش نصیبی پر ناز کریں کہ اسلام کے نظریۂ کمال نے جس طرح عیش و راحت کے وقت خاص قسم کے اخلاق کریمانہ کی دعوت دی ہے اور قوت و طاقت کی موجودگی میں لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء[1] کا مظاہرہ کرایا ہے اسی طرح مصیبت و آلام کے تاریک اوقات میں بھی فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ[2] اور إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ جیسے عظیم الشان کردار و اخلاق کی تلقین فرمائی۔

---

[1] فتح مکہ کے بعد جب مکہ کے کفار جو تقریباً بیس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت۔ اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ جنگی قیدی کی حیثیت سے بارگاہِ رسالت میں پیش ہوئے تو رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بشارت سنائی تھی لا تثریب علیکم الخ آج کوئی ملامت کوئی شکوہ و شکایت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ [2] صبر کرو جیسا کہ بڑے بڑے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ ضبط و تحمل۔ استقلال۔ عالی حوصلگی اور توجہ الی اللہ یہ ایسی طاقتیں ہیں جن کے سامنے بالآخر ہر ایک طاقت سپر ڈال دیتی ہے۔ یہ طاقتیں امریکہ کے ایٹم بم اور روس کے ہیڈروجن بم سے بھی ایک مومن کو بے نیاز کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں انہیں طاقتوں سے امداد حاصل کرنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا	اے ایمان والو۔ مدد حاصل کرو۔ صبر
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (سورہ بقرہ)	سے اور نماز سے۔

دُنیا نے ایٹم کا نسخہ ضرور دریافت کر لیا اور وہ نسخہ بھی معلوم کر لیا جس سے ایٹم کی طاقت کو بے کار کیا جا سکے، لیکن افسوس کہ مادی دنیا کی نگاہیں اس روحانی کیمیائی نسخہ کی صحیح حقیقت نہ معلوم کر سکیں جس سے ضبط و تحمل اور توجہ الی اللہ کی سب سے بڑی طاقتیں حاصل ہو سکیں۔ ایک مومن کو خوش ہونا چاہیئے کہ قرآن حکیم نے یہ نسخہ بیش بہا مرحمت فرمایا ہے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جس کو "خشوع" کا نسخہ کیمیا حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے "صبر" "صلوٰۃ" یعنی ضبط و تحمل اور توجہ الی اللہ بھی سہل ہو جاتا ہے۔

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى	بے شک وہ (صبر و صلوٰۃ) بہت مشکل
الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ	ہے مگر وہ مشکل ان کے لیے آسان ہو
أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ	جاتی ہے) جو خشوع کرنے والے ہیں
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (سورہ بقرہ ع ۵)	جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے

ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف واپس ہونگے

خشوع خضوع یعنی بارگاہِ ربّ العزت میں عجز و انکسار اور حضرت حق کی جانب توجہ۔ وہ قیمتی جواہر ہیں جو آپ کو دنیا کا سب سے گراں قدر سرمایہ بنا سکتے ہیں۔ یہ جواہر بے بہا آپ کو خود اپنی نظر میں بے شک ہیچ کر دیں گے۔ لیکن دُنیا آپ ہی کے لیے جھکے گی۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِـ	بیشک عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے
لْمُؤْمِنِينَ (سورہ منافقون)	رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے

بہرحال صبر و ضبط" انابت الی اللہ" اور درگاہ باری میں سرنیاز جھکا کر" اعتماد علی اللہ" وہ گوہر و جوہر ہیں جو دشمنوں کو دوست، بداندیشوں کو خیر اندیش بناتے ہیں اور بچھڑے دلوں کو راہ مستقیم پر گامزن کر کے خیر و برکت کی فراوانی اور امن عام و فلاح دوام کی ضمانت پیش کرتے ہیں۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

برادران ملت۔ بے شک مشتعل جذبات کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے لیا جائے اور بسا اوقات مساوات قائم کرنے پر بھی جذبات کا اشتعال فرو نہیں ہوتا بلکہ ایک برائی کا بدلہ ہزاروں گنا برائیوں سے لیا جاتا ہے لیکن اس طرح آپ برائی کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس طرح آپ گردنوں کو تو جھکا سکتے ہیں، لیکن دلوں کو رام نہیں کر سکتے۔ البتہ برائی اس طرح ختم ہو سکتی ہے کہ سیئہ کا بدلہ حسنہ سے دیا جائے۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے، مگر قلوب کو اسی طرح مسخر کیا جاتا ہے اور سچے مشن کو کامیاب کرنے کی یہی صورت ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا	برائی کا جواب ایسی خصلت (اعمال ایسے
الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ	اخلاق) سے دیجیے جو بہت ہی بہتر ہو
كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَا	تو دیکھو گے کہ وہ شخص کہ تمہارے اور
اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا	اس کے درمیان عداوت ہے۔ وہ گویا
يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ	سرگرم دوست ہو جائے گا۔ یہ بات انہیں
(سورۃ حم سجدۃ)	کو ملتی ہے جو ضبط اور برداشت رکھتے

ہیں اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تکونوا اِمَّعَةً تقولون	تم عوام کی بھیڑ کے تابع مت بنو کہ تم بھی
ان احسن الناس احسنا و ان	یہی اصول بنا لو کہ اگر لوگ اچھا کرتے ہیں
ظلموا ظلمنا و لکن وَطِّنوا	تو تم بھی اچھا کرو اور ظلم کرتے ہیں تو تم بھی

افضل کم ان احسن الناس	ظلم کرنے لگو بلکہ اپنے نفسوں کو اس کا
ان تحسنوا وان اساؤا فلا	عادی بناؤ کہ اگر لوگ اچھا کریں تو تم احسان
تظلموا (ترمذی شریف)	کرنا اور لوگ ظلم کرنے لگیں تو تمہاری
	طرف سے کوئی ظلم نہ ہو۔

برادران ملت "صبر" سے میری مراد بزدلی اور نامرادی نہیں ہے، بلکہ انتقامی طاقت ہوتے ہوئے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی پیشکش سیئہ کے مقابلہ میں حسنہ کا مظاہرہ انتقام کے جواب میں عفو اور درگزر مراد ہے جو بزدل نہیں بلکہ مرد بہادر ہی پیش کر سکتا ہے۔

عزیزان محترم۔ جو مشکلات آپ کے سامنے ہیں۔ وہ آپ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں آئیں آپ کی تاریخ تو مشکلات کی نہ ٹوٹنے والی زنجیر ہے۔ آپ ہمیشہ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور آپ کا استقلال واستقامت اور آپ کے حسن اخلاق مشکلات کو آسان کرتے رہے ہیں اگر آپ کا نصب العین صحیح ہے اور آپ حق وصداقت کی مشکلات میں مبتلا ہیں۔۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ یقین رکھیے نصرت الٰہی آپ کی رفیق ہوگی اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اللہ تعالیٰ کا بہت مستحکم اعلان ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ	ہم پر لازم ہے امداد اہل ایمان کی
(سورہ روم)	

حضرت حق جل مجدہٗ کا پختہ وعدہ ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ	اللہ تعالیٰ یقیناً مدد کرے گا۔ ان کی
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورہ حج)	جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ
	صاحب قوت ہے غالب ہے۔

مشکلات مایوسی کی چیز نہیں ہے۔ زندگی کی علامات ہیں، مردہ قومیں مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتیں، کیونکہ ان کا کوئی اجتماعی نصب العین نہیں ہوتا۔ روح ارتقاء ان کے قالب سے

فنا ہو چکی ہوتی ہے، لیکن زندہ قومیں آزمائی جاتی ہیں اور وہ مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ کیا کرتی ہیں۔ مشکلات زندگی کا خاصہ ہیں۔

چنانچہ زندہ قوموں ہی کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ	ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف،
الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ	بھوک، جان، مال اور پیداوار کے نقصان
مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ	میں مبتلا کر کے۔

(سورہ بقرہ)

غرض مشکلات مایوسی کی چیز نہیں بلکہ بسا اوقات مشکلات روشن مستقبل کا طالع نیک ہوا کرتی ہیں۔ البتہ ایک شرط ہے کہ ہمارے اعمال میں خلوص اور مقاصد میں للّٰہیت ہو۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ	اگر تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ کی وہ تمہاری
وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد)	مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

جمعیۃ علماء ہند کا نصب العین اور ہمارے فرائض

حاضرین کرام۔ آپ جس جماعت کے اجلاس عام میں تشریف فرما ہیں۔ اس کا نصب العین اور اس کے سارے نظام کا مقصود اعظم یہی ہے کہ مسلمانوں میں وہ روح پیدا کی جائے جو خیر امۃ کے مبارک خطاب کا تقاضا ہے۔

ہم اپنی کمزوریوں کو دور کریں، تعلق باللہ کو مضبوط اور اپنے اندر وہ اخلاقی قوت پیدا کریں جو ملت کے وقار اور ناموس کو بلند و بالا کرے اور ملت کی حفاظت اور ترقی کے لیے فداکارانہ اولوالعزمی کا ثبوت دیں۔

آج ہمارا فرض ہے کہ اس معیار پر ہم اپنے افعال اور اپنے کردار کا جائزہ لیں اور اگر ہم مستقبل کو روشن دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا محاسبہ کریں کہ کیا ہمارے افعال و اعمال میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ روشن مستقبل کی تمہید بن سکیں۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورہ حشر)

فرائض وقت

پس اگر ہم اور ہماری روحانی قوت اور للّٰہیت اس معیار اور کسوٹی پر پوری اترتی ہے تو از بس ضروری ہے کہ دور حاضر نے ہمارے اوپر جو چند فرائض عائد کیے ہیں۔ ان کے لیے مسلسل جدوجہد اور وسیع پیمانے پر سعی پیہم کرتے رہیں۔

مذہبی تعلیم

ان میں سب سے اہم اور سب سے مقدم مذہبی تعلیم کا مسئلہ ہے جو ہر ایک مقصد خیر کی کامیابی کا اساس ہے۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر جدوجہد کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند مسلمانان انڈین یونین کے ہر ایک مذہبی ادارہ اور ہر ایک تعلیمی حلقہ سے امداد کی اپیل کرتی ہے جب تک تمام مسلمان یک جہتی کے ساتھ جدوجہد میں مصروف نہ ہوں گے۔ اس فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے جمعیۃ علماء ہند کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ تمام حلقے توڑ دیئے جائیں یا تمام ادارے نظام جمعیۃ میں لامحالہ جذب ہو جائیں۔ البتہ اس حقیقت سے کوئی صاحب بصیرت بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لیے تمام مذہبی حلقوں اور تمام اسلامی اداروں کی یک جہتی اور زیادہ سے زیادہ ہمنوائی ضروری ہے۔

ہم ملکی مصالح کے پیش نظر سیکولرازم (اور غیر مذہبی حکومت) کو خوش آمدید کہہ چکے ہیں۔ ملک کا ہر ایک خیر خواہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ حکومت کا موجودہ نظام تعلیم ناقص بھی ہے اور محدود اور گراں بھی۔ اس کو بہت زیادہ وسیع اور ارزاں ہونا چاہیے تاکہ جہالت کی تاریکی وطن عزیز سے دور ہو اور ملک کا ہر ایک باشندہ "خواندہ" ہو سکے۔ دائرہ تعلیم کے وسیع کرنے کے ساتھ سیکولر اسٹیٹ سے یہ توقع قطعاً بے محل اور غلط ہے کہ وہ تمام فرقوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام کرے گی۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب ہی حقیقی امن و امان کی جان ہے لیکن مجبور اور ان کی حکومت جو تعلیمی مصارف کی ذمہ دار ہو گی۔ غالباً ابھی اس حقیقت کا اعتراف نہ کر سکے گی۔ اس صورت میں لامحالہ مذہبی تعلیم کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر برداشت کر کے ہمیں آزاد اور زندہ قوموں کی طرح حیات ملی اور ایثار کا ثبوت پیش کرنا ہے آپ کو معلوم ہے کہ یورپ کے بہت سے ممالک میں ملکی تعلیم کی طرح مذہبی تعلیم کو بھی

سرگرم کر دیا گیا ہے۔ مگر مذہبی تعلیم کی ذمہ دار حکومت نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری کو وہاں کے مذہبی ادارے یعنی چرچ مشن پوری یک جہتی سے انجام دے رہے ہیں۔ امریکہ کا چرچ مشن نہ صرف یہ کہ اپنے ملک میں مذہبی تعلیم کے فریضہ کو پورا کر رہا ہے، بلکہ کروڑوں روپیہ سالانہ دوسرے ممالک میں مذہبی تعلیم اور مذہبی اداروں پر صرف کرتا ہے۔

اسلام مذہبی تعلیم کو ہر ایک مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے وہ جس طرح ہر مسلمان پر لازم کرتا ہے کہ تقویٰ اور طہارت کے ساتھ مضبوطی سے اسلام پر قائم رہے۔ اسی طرح ہر مسلمان پر یہ بھی لازم کرتا ہے کہ اپنے اہل وعیال میں بھی یہ صلاحیت پیدا کرے کہ وہ بھی اسی طرح اسلامی اعمال واخلاق کے خوگر ہوں اور ان کا قدم بھی صراطِ مستقیم پر جما رہے۔ چنانچہ جس طرح عام مسلمانوں کو ہدایت ہے۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا	اللہ تعالیٰ سے پورا پورا تقویٰ کرو اور
تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ	زندگی کے آخری سانس تک اسلام پر
(آل عمران)	ثابت قدم رہو۔

اسی طرح ہر ایک مسلمان کو یہ بھی حکم ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم)

ترجمہ: بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ جہنم سے۔

نارِ جہنم سے اہل وعیال کو بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی عقائد واحکام سے ان کو واقف کیا جائے۔ عبادت اور اسلامی اخلاق کا خوگر بنایا جائے اور حدیث پاک طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم اور آیت مبارکہ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا امتثال صدق و خلوص سے کیا جائے۔

ہندوستان میں خود مسلمانوں کے دورِ حکومت میں عموماً مذہبی تعلیم کی ذمہ داری عام مسلمان ہی برداشت کرتے رہے ہیں۔ باوجودیکہ تعلیم کا چرچا یہاں تک تھا کہ بقول کپتان الیگزنڈر ہملٹن اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانے میں سندھ کے صرف شہر ٹھٹھ میں چار سو کالج مختلف علم وفنون کے تھے۔"

بقول پروفیسر میکس مولر۔

" انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی (۸۰۰۰۰) ہزار مدرسے تھے۔ اس طرح چار سو آدمیوں کی آبادی کے لیے ایک مدرسہ کا اوسط تھا"۔

اور ریونٹ وارد کے بیان ۱۸۲۱ء کے مطابق

" انڈیا ڈسٹرکٹ اسکولوں سے بھرا ہوا ہے وہاں اکتیس لڑکوں پر ایک اسکول ہے"۔

اور بموجب رپورٹ انڈین رینارم سوسائٹی ۱۹۵۳ء

" پچھلے زمانہ میں ہر موضع میں ایک مدرسہ ہوتا تھا"۔

لیکن اس گورنمنٹ کے باوجود سو سال کے دور حکومت میں دو چار مستثنیات کے علاوہ نہ حکومت کی طرف سے مذہبی تعلیم کے ہمہ گیر نظم کا پتہ چلتا ہے اور نہ جامعہ قرطبہ، مدرسہ نظامیہ یا ازہر کی طرح کسی مذہبی یونیورسٹی کا تذکرہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ تب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس دور میں بھی چند مدارس کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر مذہبی تعلیم کی ذمہ داری مسلمان اٹھائے ہوئے تھے۔ جس طرح جگہ جگہ روحانی تربیت کے حلقے (خانقاہیں) قائم تھیں۔ ایسے ہی مذہبی تعلیم کی درس گاہیں بھی جگہ جگہ موجود تھیں بے شک حکومت کی طرف سے مشائخ اور علماء کرام کے وظائف مقرر کر دیے جاتے تھے اور کبھی ان کے گزر اوقات کے لیے جاگیریں بھی عطا کر دی جاتی تھیں، مگر ہندوستان کے طول و عرض میں ہر ایک مدرسہ یا خانقاہ کے لیے نہ جاگیر ضروری تھی اور نہ سرکاری وظیفہ لازمی تھا، بلکہ تاریخ میں ایسی بھی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ مشائخ کرام اور حضرات علماء کی خدمت میں جاگیریں پیش کی گئیں، مگر انہوں نے پورے استغناء کے ساتھ اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور عام مسلمانوں اور بالخصوص مزدور پیشہ غریبوں کی پبلک پر یا خود اپنے قوت بازو سے حاصل کیے ہوئے "کفاف" پر قناعت کی اور مذہبی تعلیم کو ہمہ گیر اصول بنا کر اپنا فرض عظیم ادا کیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے گذشتہ اجلاس لکھنؤ میں اس فرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر ایک مسلمان اور بالخصوص ہر ایک معاون اور جمعیۃ علماء کے ہر ایک رکن سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ معلّم کی حیثیت سے تعمیر ملت کے اس فرض کو انجام دے۔

دینی تعلیم کے سلسلہ میں وہ خود اپنا وقت اہل و عیال اور پڑوسی بچوں کی تعلیم و تربیت میں صرف کر دے اور اگر وہ کم از کم ایک گھنٹہ یومیہ بھی ایسا نہیں کر سکتے تو ایسے شخص کی امداد کرے جو اس فرض کو انجام دے رہا ہے۔

خدا کا شکر ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی اس تجویز کو مسلمانوں کی تائید حاصل ہوئی، ماتحت جمعیتوں نے جگہ جگہ شبینہ مکاتب قائم کیے، مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تباہ شدہ اور پس ماندہ علاقوں میں مکاتب قائم کیے گئے۔ ترتیب نصاب کے لیے ایک تعلیمی کمیٹی بنائی گئی جس نے ابتدائی درجات کا ایسا نصاب مرتب کیا کہ اگر پانچ سال تک بچوں کو ایک گھنٹہ یومیہ تعلیم دی جائے، تو بچہ تجوید و قرأت کے ساتھ قرآن کریم بھی ختم کر سکتا ہے اور حسب ضرورت عقائد، عبادات اور سیرت و اخلاق اور اسلامی تہذیب سے بھی پوری واقفیت حاصل کر سکتا ہے اور اگر نصاب کی ہدایات پر حضرات اساتذہ عمل کریں تو بچہ کی اخلاقی اور مذہبی تربیت بھی کافی حد تک ہو سکتی ہے، لیکن اس جد و جہد کے باوجود کامیابی کی منزل بہت دور ہے اور اس کے لیے لامحالہ عام مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔

اس پُر آشوب دَور میں اگر جمعیۃ علماء ہند کی تمام شاخوں کی جد و جہد اور دوسرے اسلامی اداروں کے تعاون سے مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کا مذاق پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ایک مسلمان اپنے فرض کو پوری طرح محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ ایک "معلم" ہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی (بعثت مُعلماً "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں") کو ہر ایک مسلمان اپنی زندگی کا لائحہ عمل قرار دینے لگتا ہے تو ملتِ اسلامیہ ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

حضرات کرام! ابتدائی مذہبی تعلیم کی جد و جہد کے ساتھ وہ تعلیمی مرکز اور علوم شرقیہ کے کامیاب ادارے نظر انداز نہ ہونے چاہییں، جن کی جلیل القدر علمی خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب بن چکی ہیں۔ یہ مسلمانوں کا گرانقدر سرمایہ ہیں اور ایک مقدس امانت ہیں جس کو ہمارے بزرگوں نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ اس امانت کو محفوظ رکھنا اور اس سرمایہ کو ترقی دینا ہماری دینی و ملی حمیت کا گراں بہا فرض ہے، جو ایثار و اخلاص کا مطالبہ کرتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں

ہے کہ ایک زندہ جماعت، ایثار میں کبھی کوتاہی نہیں کرتی۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ حشر)

ہمارے تعلیمی پروگرام کا ایک ضروری حصہ یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی ذمہ داری پر ایسے ابتدائی مدارس قائم کریں، جن میں اردو زبان اور ابتدائی مذہبی تعلیم و تربیت کے ساتھ سرکاری پرائمری سکولوں کے تمام ضروری مضامین بھی نصاب میں شامل کیے جائیں۔

ہمیں یقین ہے کہ اسٹیٹ ایسے مدارس کی حوصلہ افزائی کرے گی کیونکہ یہ مدارس رضاکارانہ طور پر خود حکومت کے ایک اہم فرض کو سرانجام دیں گے۔

اوقاف

وقف مذہبی حیثیت سے ہمیشہ قابلِ احترام رہا ہے۔ وہ واقف کی باقیات صالحات میں سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ضرورت مندوں کو دائمی فائدہ اور واقف کو ہمیشہ اجر و ثواب ملتا رہتا ہے، لیکن دورِ حاضر میں مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات نے وقف کو اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی بہت اہم بنا دیا ہے۔ مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں، قبرستانوں اور مذہبی و دینی درس گاہوں کی مالی ضرورتیں، تعلیمی وظائف، یتامیٰ اور بیرگان کی نگہداشت اور اسی قسم کی اہم دینی و ملی حوائج جن ذرائع سے پوری کی جاتی تھیں، دستِ انقلاب نے بڑی حد تک ان کو ختم کر دیا ہے۔

ملک کی عام اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی غرض سے جو اسکیمیں زیرِ غور ہیں۔ ان کی کامیابی عوام کے لیے مفید ہو سکتی ہے، لیکن اقتصادیات کا جو نظام باقی ہے اس کا سانچہ بڑی حد تک بدل جائے گا۔ یہ تبدیلی بھی مذہبی اداروں کی مالیات پر اثرانداز ہوگی۔

سیکولر اسٹیٹ کو اگر ہم سیکولرزم کے حدود پر باقی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، تو ہم یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے کہ مذہبیات کا بار اس کے کاندھوں پر ڈال دیں۔ تب قدرتی طور پر یہ مرحلہ سامنے آجاتا ہے کہ ان ناگزیر بدلے ہوئے حالات و کوائف میں صرف اوقاف ہی ایسا ذخیرہ ہیں جن

سے مذہبیات کی مالی ضرورتیں پوری کی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا اوقاف کی ضرورت دورِ حاضر میں ہمیشہ سے زیادہ ہے اور ان کی اہمیت جس درجہ آج محسوس کی جارہی ہے، شاید اتنی کبھی نہیں کی گئی۔

اس اہم نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ایک ایسے ملک میں جس کے عوام کا رجحان ہمیشہ ہمیشہ سے مذہبی رہا ہو سیکولر اسٹیٹ صرف اسی صورت میں کامیاب اور قابلِ قدر ہوسکتی ہے اور بین الاقوامی حیثیت میں وہ اسی وقت نیک نامی حاصل کرسکتی ہے کہ ملک کے مختلف فرقے اپنی مذہبی ضرورتیں آسانی سے پوری کرتے رہیں۔ ان کے مذہبی ادارے محفوظ رہیں اور ترقی کے لیے آزاد ہوں۔ اس طرح سیکولر اسٹیٹ صحیح سیکولرزم کہلائے گی اور اینٹی مذہب ہونے کی بدنامی سے محفوظ رہے گی۔ لہٰذا اوقاف کا تحفظ صرف مسلم نقطۂ نظر سے ہی نہیں بلکہ سیکولرزم کی کامیابی اور نیک نامی کے لحاظ سے بھی وقت کا اہم اور زیادہ قابلِ توجہ مسئلہ ہے۔

ہمارے لیے یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ جمہوریہ ہند نے اوقاف کو وہ اہمیت دی ہے جو مسلمانوں کے پرسنل لا کو حاصل ہونی چاہیے، لیکن خطرناک صورت یہ ہے کہ صوبائی حکومتوں کے طرزِ عمل میں یکسانیت نہیں ہے، حالانکہ اوقاف کے مسئلہ میں اسلامی حکم سب ہی کے لیے یکساں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی شعار ہونے کی حیثیت سے اوقاف کے متعلق انڈین یونین کی ہر ایک حکومت کا طرزِ عمل یکساں ہو۔

گذشتہ بیس سال میں جمعیۃ علماء ہند نے جو جدوجہد کی اس کا یہ اثر ضرور مرتب ہوا کہ انڈین یونین کے بہت سے صوبوں میں مسلم اوقاف کے لیے قانون وضع کر دیے گئے، لیکن صوبائی حکومتوں کے مختلف طرزِ عمل کا نتیجہ یہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ بعض صوبوں میں وہ ایکٹ اپنے منشا اور مقصد کے لحاظ سے قطعاً ناکام ہے۔

مثلاً صوبہ یوپی میں جو ایکٹ اس وقت کارفرما ہے جب تک اس کی بنیادی خامیاں دور نہ کردی جائیں وہ اپنے منشا کو پورا نہیں کرسکتا۔

جمعیۃ علماء ہند کے گذشتہ اجلاس میں ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی کہ وہ ترمیمات مرتب کرے، چنانچہ یہ کمیٹی یوپی کے مسلم وقف ایکٹ میں ترمیمات مرتب کرکے عرصہ ہوا حکومت

یوپی کے ممبران کے حوالہ کرچکی ہے۔

جمعیتہ علماء ہند، صوبہ بہار اور امارات شرعیہ صوبہ بہار کی جدوجہد سے صوبہ بہار کا ایک وقف ایکٹ ۱۹۴۷ء میں منظور ہوچکا ہے اور اس کو ایک حد تک قابل اطمینان بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن صرف دو صوبوں کے وقف ایکٹ کے بہتر ہوجانے سے تمام مسلم اوقاف کی قانونی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے لازمی طور پر یہ ضرورت پوری ہوجاتی ہے کہ ہر ایک صوبہ میں مسلم وقف ایکٹ کی بنیادی دفعات کی نوعیت یکساں ہو تاکہ ہر صوبہ میں مسلمان اپنے جماعتی اور مذہبی کاموں میں اپنے اوقاف سے یکساں طور پر فائدہ حاصل کرسکیں۔

ابھی کہا جاچکا ہے کہ وقف ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اس لیے اس کے بنیادی مقاصد کا اصل الاصول یہ ہے کہ اوقاف کی آمدنی اور اس کے مصارف خالص دینی اور اسلامی احکام وقف کے اندر محدود رہنے چاہئیں اور حکومت یا عمال حکومت میں سے کسی بھی جانب سے اس میں مخالفت نہیں ہونی چاہیے اور اس لیے حکومت کی پوری نگرانی رہتے ہوئے مسلم اوقاف کا نظم اور انتظام ایسے بورڈ کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے جس کے ارکان مسلمان ہوں کیونکہ وہی اسلامی احکام کو صحیح طور پر جان سکتے ہیں۔

جمعیتہ علماء ہند کی وقف کمیٹی نے اسی مقصد کے پیش نظر ایک مسودہ مرتب کیا ہے۔ اگر صوبائی حکومتیں بنیادی طور پر اس مسودہ کو منظور کرلیں تو مسلمانوں کی یہ سب سے بڑی ضرورت انجام پاسکتی ہے لیکن اس کے لیے عام مسلمانوں کو بھی توجہ کی ضرورت ہے اور اس بناء پر کہ کوئی قلیت برادران وطن اور حکومت کے تعاون کے بغیر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں کوئی قانون نہیں بنا سکتی جمعیتہ علماء ہند کو پوری توقع ہے کہ صوبائی حکومتیں اور صوبہ کی اکثریت مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کو محسوس کریں گی۔ تاکہ مسلمان اپنے اوقاف کی طرف سے بھی مطمئن ہوں اور جن مالی مشکلات میں مسلمانوں کے ادارے مبتلا ہیں ان کے حل ہونے کی توقع بھی قائم ہو۔

جمعیتہ علماء ہند نے مولوی سید محمد احمد صاحب کاظمی ممبر پارلیمنٹ کے ذریعہ مسودہ ہند پارلیمنٹ میں پیش کیا ہے، اگر یہ بل پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کرکے ایکٹ بن جاتا ہے تو پھر زیادہ

آسان ہوگا کہ ہر ایک صوبہ کی حکومت مرکزی قانون کی روشنی میں اپنے اسٹیٹ کے لیے قانون بنائے اور اس طرح تمام ملک کے قانون وقف میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔

تاریخ ہند اور نصاب تعلیم

آج ہمارا ملک تاریخ کے ایسے دور اہے پر ہے جہاں سے امن وامان اور خوشحالی اور ترقی کا راستہ شروع ہوتا ہے اور اگر ہمارا قدم صراطِ مستقیم سے لغزش کھا جائے تو ہم ملک کو تباہی و بربادی خلفشار اور فتنہ و فساد کی تاریک خندق میں بھی ڈال سکتے ہیں۔

ہم اگر پیچھے کو دیکھتے ہوئے آگے کو قدم بڑھانا چاہیں گے تو یقیناً ٹھوکر کھائیں گے۔ کیونکہ ہمارا ماضی غلامی کی تاریکیوں سے گھرا ہوا ہے، ہمارا فرض ہے کہ دوربین چشمہ استعمال کرکے ان نتائج کو دیکھیں جو مستقبل میں پیش آنے والے ہیں۔

ملک کی تعمیر یا تخریب کے اصل کشت زار اسکول اور مدرس گاہیں ہیں۔ جہاں کی سرزمین میں اچھے یا بُرے بیج بوئے جاتے ہیں، جو کچھ ماضی میں بویا گیا تھا اس کو آج کاٹا جا رہا ہے اور جو بیج آج ڈالا جائے گا۔ اس کا پھل بھی مستقبل میں ملے گا۔

اگر اس نقطۂ نظر سے ہم کالجوں اور اسکولوں کے نصاب کا جائزہ لیں تو ہمیں افسوس کرنا پڑے گا کہ ہم نے اب تک بہتر مستقبل کے لیے کوئی تخم ریزی نہیں کی بلکہ ہم خاردار درختوں کے وہی تخم دماغوں میں چھڑک رہے ہیں جو ہمیں انگریز نے دیے تھے۔ انگریز اسکولوں اور کالجوں کو ترقی ملک کا کشت زار نہیں بنانا چاہتا تھا، سالہا سال تک غور کرنے کے بعد جب انگریز نے ۱۸۳۰ء میں یہ طے کیا تھا کہ ہندوستانیوں کو جاہل رکھنے کی بجائے کچھ تعلیم دی جائے۔ تو بقول لارڈ میکالے اس کا یہ مقصد قرار دیا گیا تھا کہ

> "ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو انگریز اور اس کی کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نسل اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر دل اور دماغ کے اعتبار سے انگریز ہو"
>
> (تاریخ التعلیم از میجر باسو)

بہر حال انگریز کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہندوستانی نوجوان ان اسکولوں اور کالجوں سے کوئی ذہنی یا دماغی ترقی حاصل کر سکیں، بلکہ صرف وفادار ترجموں کی ایک جماعت تیار کرنی مقصود تھی جو سراسر انگریز کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہو اور وفاداری بھی اس حد تک کہ بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر۔

"ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھا ہوا کوئی ہندو یا مسلمان نوجوان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو" (ہندوستانی مسلمان)

یعنی انگریز کی ایسی وفاداری کو اپنے آبا و اجداد کے عقیدوں سے نفرت پیدا کر دے اور جب انگریز کی مستقل پالیسی یہ تھی کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" تو ظاہر ہے کہ سیاسی میدان میں اس وفاداری کا نتیجہ کیا ہوگا۔

چنانچہ وہ تاریخ جو سر ہنری ایلیٹ یا سٹر کیمس ڈائریکٹر محکمہ تعلیم کے دماغوں کا اختراع تھا، جس میں گذشتہ واقعات نقل نہیں کیے گئے تھے، بلکہ مخصوص مقصد کے لیے کچھ واقعات گھڑے گئے تھے۔ ۱۸۴۹ء سے جس کو ایک سو سال سے زائد ہو گیا ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں رائج ہے۔ جس کے نتائج کا خود ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ہم اپنی تاریخی رواداری، محبت اور پریم کو ختم کر کے ایک دوسرے سے نفرت، عداوت اور حقارت کے جذبات سے ذہنوں کو مسموم اور دماغوں کو مشتعل کر چکے ہیں۔

پس آج آزاد ہند کے ذمہ داران تعلیم کا فرض اولین ہے کہ وہ اس گندگی کو ختم کریں اور دماغوں کی تربیت کے لیے اعلیٰ اخلاق اور تاریخ کے صحیح واقعات بچوں کے سامنے پیش کریں۔

لیکن سخت رنج اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بیشک تعلیم کی جو کتابیں کورس میں داخل کی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا معیار دورِ غلامی کے معیار سے بھی پست ہے۔ تاریخ کے نام سے جو واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ان کو تاریخ کہنا فنِ تاریخ کا مذاق اور اس کی توہین ہے۔

ہم یہ اپیل ہرگز نہیں کرتے کہ آپ کسی فرقہ کے ساتھ محبت اور رواداری پیدا کرنے کے لیے کچھ افسانے وضع کریں، البتہ یہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا کہ نفرت انگیز افسانوں کو آپ تاریخ کا درجہ دے کر انگریزی دور کی پیدا کی ہوئی وحشت اور بربریت کی رسّی دراز

کریں اور وسعت نظر وسعت اخلاق کے بجائے بچوں کے دماغوں کو نفرت و عداوت کے بھدے سانچوں میں ڈھالیں، ہونا یہ چاہیے کہ تاریخ کے واقعات پوری تحقیق و تنقید کے بعد مرتب کیئے جائیں اور ایسے مضامین جن کا تعلق مختلف فرقوں کے جذبات و احساسات اور ان کی روایات سے ہے۔ وہ پوری احتیاط کے ساتھ صحت و صداقت کی ترازو میں تول کر واقف اور تجربہ کار اہل قلم سے مرتب کرائے جائیں۔ اس طرح آپ نونہالان ملک کی ایسی ذہنی اور دماغی تربیت کر سکیں گے جو آپ کے وطن عزیز کو امن وامان اور محبت و رواداری کا گلشن بنا سکے اور آپ کا ملک پھر تہذیب، اعلیٰ اخلاق، پریم و محبت اور آپس کی رواداری کی اس شاندار تاریخ کو دہرا سکے جو اگرچہ اس وقت افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر مستند مورخین اس کو حقیقت قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ کپتان الیگزینڈر ہملٹن نے اپنے سفرنامہ میں عینی شہادت پیش کی ہے۔

" ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے، لیکن اگر تعداد میں دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور اپنے تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں جبکہ ان کی اپنی حکومت تھی منایا کرتے تھے۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیواؤں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ مرنے والے شوہروں کے ساتھ ستی ہوں، پارسی بھی ہیں اور وہ اپنی رسوم، مذہب زرتشت کے بموجب ادا کرتے ہیں عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔"

شہر سورت کے متعلق لکھتا ہے۔

" اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، لیکن ان میں کسی قسم کے جھگڑے ان کے اعتقادات اور طریقۂ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے، ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلاف مذہب کی بناء پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل ہی مفقود ہے۔" (سفرنامہ کپتان الیگزینڈر ہملٹن)

سرتھامس منرو لکھتا ہے۔

"ہندوستانیوں کا طریقہ کاشت کاری بے مثل ہے۔ ان کو صنعت اور دستکاری کے معاملہ میں اعلیٰ استعداد حاصل ہے، ہر ایک قریہ میں ایسے مدارس موجود ہیں جن میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ صنفِ نازک پہ پورا اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس کی عزت و عظمت اور عفت کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اگر ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔"

اگر ہم اسکولوں کے کورس کی اصلاح کر دیں تو بہت جلد یہ تاریخ دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے، لیکن اگر ہم مصنفین کی خوشامد۔ چاپلوسی یا ان سے شخصی اور ذاتی مراسم کو معیار قرار دے کر بلا تحقیق و تنقید کورس کی کتابیں مقرر کرتے رہے۔ تو ملک کا مستقبل بھی اپنے ہاتھوں برباد کریں گے اور نونہالان ملک کے واسطے بھی تباہی، بربادی، وحشت و بربریت کا ترکہ چھوڑیں گے۔

زبان کا مسئلہ

ہمارے ملک کی پارلیمنٹ نے ہندی کو ہندوستان کی سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ بہت سے اداروں کی کوشش یہ ہے کہ ہندی ادب کو مختلف علوم و فنون کا حامل بنایا جائے اور ہندی زبان کو ایسی ترقی یافتہ زبان بنا دیا جائے کہ پندرہ سال کے اندر وہ انگریزی کی جگہ لے سکے۔

مسلمان جو کم و بیش سو برس تک غیر ملکی زبان یعنی انگریزی کو فروغ دینے میں سرگرم عمل رہے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہندی سے نفرت کریں یا اس کو علمی زبان بنانے کی کوششوں میں حصہ نہ لیں، انگریزی بہت سے سمندروں کو پار کر کے ہندوستان پہنچی تھی، لیکن ہندی زبان کسی دوسرے ملک سے نہیں آئی، وہ خود ان کے ملک میں پیدا ہوئی اور بہت سے علاقوں میں خود

مسلمانوں نے اس کی تلقین میں حصہ لیا۔

لیکن اس جدوجہد کے ساتھ اس حیثیت اور اس اہمیت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ جو ہندیونین میں اردو کو حاصل ہے، انصاف اور جمہوری ملک کی جمہوریت کا تقاضا ہے کہ جو تہذیب و ثقافت یا جو کلچر بھی اس کے حدود مملکت میں نشوونما پاچکا ہے اس کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا مساوی طور پر موقع دیا جائے۔

اور اگر کوئی زبان یا کوئی تہذیب اپنی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے جمہوریت کے مزاج سے خاص مناسبت رکھتی ہو تو اس کی ترقی اور حوصلہ افزائی لامحالہ خود جمہوریت کی تائید و تقویت ہوگی۔

اردو زبان کی فطرت جمہوری واقع ہوئی ہے جس طرح انڈین یونین مختلف تہذیبوں اور مختلف فرقوں کے سنبل وریحان کا گلشن ہے۔ ٹھیک اسی طرح اردو یا ہندوستانی زبان گھلتے رنگ برنگ کا خوبصورت گلدستہ ہے۔

اردو کو کسی خاص فرقہ یا مذہب کی زبان قرار دینا نہ صرف یہ کہ اردو اور اس کی تاریخ پر بہت بڑا ظلم ہے، بلکہ تاریخی حقیقت اور خود اپنے مشاہدات پر ظلم وستم کا ایک نقاب ڈال دینا ہے۔

اردو شاہی محلات یا مسلمانوں کے گھروں میں پیدا نہیں ہوئی، بلکہ بازاروں مشترک مجلسوں، مشترک تفریح گاہوں میں اس نے جنم لیا اور ہندو مسلمانوں کے گھروں میں ملک کی مشترک دولت بن کر داخل ہوئی، اس کے جنم داتا، صرف حضرت سلطان الاولیا سلطان نظام الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز نہیں ہیں، بلکہ جس طرح حضرت موصوف نے اس زبان کی تخم پاشی کی اسی طرح ہر دیو، سنبل دیو اور چیتل دیو وغیرہ نے اس کی تخم ریزی میں حصہ لیا۔

آج بھی ہندیونین کے گھروں، بازاروں، تفریح گاہوں اور عام مجالس میں اسی زبان کا سکہ چلتا ہے، یہی زبان انڈین یونین کے شمال وجنوب میں رابطہ اتحاد ہے اور یہی زبان مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں اتصال پیدا کر رہی ہے۔

آج اگر آپ ہندوستان سے باہر جائیں تو جس طرح آپ کے فرقہ وارانہ خدوخال کو مٹا کر

صرف ایک انڈین یا ہندی کا لفظ آپ کے تعارف کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے ایسے ہی اردو زبان آپ سب کی مشترک زبان مانی جاتی ہے اور غیر ملکی شخص اسی اردو کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ بول کر آپ سے انسیت کا اظہار کرتا ہے۔

اردو کی اسی جمہوری فطرت کا یہ اثر ہے کہ باوجودیکہ آج تک کوئی ترقی پذیر سیاسی اور سرکاری اقتدار اس کو نصیب نہیں ہوا، لیکن امریکہ کی قومی جغرافیائی سوسائٹی کی تحقیق کے بموجب انگریزی کے بعد صرف اردو ہی کو یہ مقبولیت حاصل ہے کہ اس کے بولنے والے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آج دنیا کے بین الاقوامی ادب میں اگر ہندوستان کی بہت سی زبانوں میں سے کسی نے نمایاں حیثیت حاصل کی ہے تو وہ صرف اردو اور بنگالی ہے۔ ان دونوں زبانوں کی ادبی اور علمی تصانیف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

بہرحال اس زبان کی عام مقبولیت تاریخی محبوبیت اور ہندو مسلم میل جول کی چلتی پھرتی دلکش تصویر ہونے کی بنا پر ضروری تو یہ تھا کہ مہاتما گاندھی کی تمنا پوری ہوتی اور ہندوستانی کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا جاتا۔

دستور ساز اسمبلی نے اگرچہ اردو کو یہ حیثیت نہیں دی ہے تاہم مقام اطمینان ہے کہ جمہوریہ ہند کے دستور اساسی نے اس کو ملک کی ایک ایسی مادری زبان قرار دیا ہے جو صوبہ جات میں بولی جاتی ہے اور ثانوی حیثیت میں سرکاری زبان بن سکتی ہے۔

لیکن ہم چشم پوشی نہیں کر سکتے، مختلف صوبہ جات کے محکمہائے تعلیم اور سررشتہ تعلیم کے بہت سے افسر اور اسی طرح مختلف محکموں کے کارپرداز مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ اردو کی اہمیت کو ختم کیا جائے اور اس کو کسی صوبہ میں بھی علاقائی زبان نہ رہنے دیا جائے، یہ تعصب کی افسوسناک کوتاہ بینی اور تنگ نظری ہے کہ وہ اردو کو ہندی کا حریف سمجھ کر کوشش کر رہے ہیں کہ اردو کو ملک سے ناپید کر دیا جائے۔

اسکولوں، دفتروں، سڑکوں اور ریلوے کے بورڈوں سے اردو مٹانے کے بعد بھی جب

اطمینان نصیب نہ ہوا تو کوشش یہ کی گئی کہ اردو بولنے والوں کے اعداد شمار کو زبردستی کم کیا جائے یعنی ایک عمل گذرنے کے بعد کوشش کی گئی کہ اس کی دلیل گھڑلی جائے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک حقیقت پر جو آفتاب عالم کی طرح تاباں اور درخشاں ہے ۔ پردہ ڈالنے کی مضحکہ انگیز کوشش کی جارہی ہے ۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آئادجمہوریہ ہند کے موزوں ترین دستور کی تردید کی جارہی ہے اور اس کی بقا اور ترقی کے راستے بھی زبردستی بند کیے جارہے ہیں۔

مرکزی حکومت کے نقطۂ نظر کے خلاف بظاہر اردو کو خالص مسلمانوں کی زبان سمجھ کر اس "معصوم اور بے خطا" کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا جارہا ہے ۔لیکن اگر تعصب کی عینک لگا کر زبان کے مسئلہ پر نظر ڈالی جاتی ہے، تو نہ مسئلہ کی اصل حقیقت سامنے آسکتی ہے اور نہ وطن کی کوئی خدمت انجام پاسکتی ہے ۔

محبانِ وطن کا فرض ہے کہ زبان کے مسئلہ پر صرف لسانی نقطۂ نظر سے غور کریں اور اسی حیثیت کو سامنے رکھ کر مختلف جذبات کا احترام کرتے ہوئے پیچیدگیوں کا حل تلاش کریں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرزِ عمل سے جو زبان کے بارے میں اختیار کیا جارہا ہے ۔کام کو مختصر کیا جارہا ہے یا نئی زبان اور غیر مانوس الفاظ کا بار ڈال کر کام کو مشکل بنایا جارہا ہے اور بالخصوص بچوں کی تعلیم کو (جو زیادہ سے زیادہ سہل اور عام فہم انداز میں ہونی چاہیئے) مشکل اور پیچیدہ بنایا جارہا ہے۔

اس بحرانی کیفیت کے باوجود ہمیں مسرت ہے کہ تاریکیوں میں بھی کچھ روشن ستارے نظر آرہے ہیں اور اکثریت ہی کے افراد میں سے ایک کافی تعداد صاف دماغ انصاف پسند دوستوں کی موجود ہے جنہوں نے اس بحرانی دور میں بھی انصاف کا دامن نہیں چھوڑا،ان کی مسلسل کوشش یہ ہے کہ یہ تاریکی ختم ہو اور حقیقت اپنی تابانیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہو،ہمیں یقین ہے کہ ان کی جد وجہد کامیاب ہوگی ۔کیونکہ زیادہ عرصہ تک حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، بالآخر انصاف اور صداقت ہی کو کامیابی نصیب ہوا کرتی ہے ۔

مخالفین اردو کے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ صرف

تنقید یا وادیلا سے اردو محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اگر آپ فی الواقع اردو کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے آپ کو اپنا کر نا پڑے گا۔ صرف گفتگو کرنے سے زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔ زبان کی اصل زندگی اس کا لٹریچر ہے، اخبارات و رسائل، دارالمطالعے لائبریریاں اور تصنیف و تالیف کے وہ ادارے جو اردو زبان کو زیادہ سے زیادہ علمی جواہر سے مرصع کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ زبان کا اصل سرمایہ ہیں۔ ان کو ترقی دینا ان کی مالی ضرورتوں کو پورا کرنا ہمارا فرض ہے اور اگر ہم اردو زبان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس فریضہ کی انجام دہی میں پورے ایثار سے کام لینا ہوگا۔

کسٹوڈین

اقتدار اعلیٰ اور کارکنان محکمہ یا دوسرے الفاظ میں "منشا قانون" اور قانون پر عمل درآمد میں جو تضاد کسٹوڈین کے محکمہ میں دیکھا جا رہا ہے۔ شاید دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے گی۔

قانون کا منشا واضح ہے، یعنی حکومت ان لوگوں کی جائیدادوں کو اپنے قبضہ اور نگرانی میں رکھنا چاہتی ہے جو پاکستان جا چکے ہیں اور ایسے لوگوں کی جائیدادوں پر پابندی لگانا چاہتی ہے جو پاکستان جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں تاکہ تارکین وطن کے نقصان کے سلسلے میں جو رسہ کشی ہند اور پاکستان میں ہو رہی ہے اس میں توازن پیدا ہو سکے۔ اقتدار اعلیٰ کا منشا اسی حد تک محدود ہے اور جب تک ہندیونین اور پاکستان میں تخلیہ شدہ جائیدادوں کا تصفیہ نہیں ہو جاتا اقتدار اعلیٰ کے منشا کی مخالفت بھی نہیں کی جا سکتی۔

اقتدار اعلیٰ یا قانون یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ مسلمان جو ہندیونین میں رہ رہے ہیں اور ہندیونین کو اپنا "وطن عزیز" سمجھ کر یہی طے کئے ہوئے ہیں کہ اپنے اس آبائی وطن میں ہی اپنی زندگی ختم کریں گے، ان کی جائیدادیں ضبط کی جائیں یا ان کو پریشان کیا جائے۔

لیکن افسوس محکمہ کا عمل اس کے برعکس ہے، محکمہ غالباً یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ استحصال بالجبر اور

مہذب لوٹ کے لیے اس کو قانونی قوت عطا کر دی گئی ہے۔ چنانچہ عموماً ان لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے۔ جن کے دماغ ترکِ وطن کے تصور سے بھی ناآشنا ہیں۔ ان کو کچہریوں میں طلب کیا جاتا ہے اور حرماں نصیبی کی دماغی کوفت کے ساتھ دفاتر کسٹوڈین کے طواف پر ان کو مجبور کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسٹوڈین کے یہاں کا ایک مقدمہ نہ صرف کسی ایک جائیداد کے لیے خطرہ بنتا ہے بلکہ اس شخص کے تمام ہی اقتصادی مفادات خطرہ میں پڑ جاتے ہیں، بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایسے نیک نفس بزرگوں کو کچہریوں کے طواف پر مجبور کیا گیا جو اس جھگڑالو دنیا سے ہمیشہ متنفر رہتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند اس آرڈی ننس کے یوم آغاز سے کوشش کرتی رہی ہے کہ عمل کے وقت یہ آرڈی ننس اپنی حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے اور وہ لوگ اس کے اثر سے محفوظ رہیں جن کو آرڈی ننس کے منشا اور مقصد کے لحاظ سے محفوظ رہنا چاہیے۔ جمعیۃ علماء نے عملی تضاد کے برخلاف بار بار احتجاج کیا اور ضروری نوٹ مرتب کر کر ارباب حل وعقد کو ان تباہ کاریوں کی طرف توجہ دلائی جو اس محکمہ کی لااعتدالی کے باعث پیش آ رہی تھیں۔

اگرچہ خاطر خواہ کامیابی اب تک نہیں ہو سکی، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جمعیۃ علماء کی جدوجہد بے سود نہیں رہی اور ترمیمات اور تبدیلیاں اس آرڈی ننس اور پھر قانون میں یکے بعد دیگرے پیش آ چکی ہیں وہ کسٹوڈین کی مطلق العنانی پر پابندیاں عائد کرتی رہی ہیں اور اس کے مضر اثرات کو نسبتاً کم کرتی رہی ہیں۔ جمعیۃ علماء کی جدوجہد جاری ہے اور ہمیں مسرت ہے کہ مرکزی حکومت کے ہائی کمانڈ کو بھی ہمدردانہ دلچسپی ہے۔ توقع ہے کہ حالات میں اعتدال پیدا ہوگا اور قومی حکومت اس سلسلہ میں ناانصافیوں کی راہیں جلد ہی مسدود کر دے گی۔

مسلمانانِ حیدرآباد سے خطاب

عزیزانِ ملت! تقریباً ۲۹ سال پہلے کوکناڈا جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے آپ کے یہاں حاضری کا موقع ملا تھا، اگر اس کو مستثنیٰ کر دیا جائے، تو میرا یہ عرض کرنا صحیح ہوگا کہ آپ کے

یہاں میری حاضری پہلی مرتبہ ہوئی ہے لیکن اس عدم موجودگی کے باوجود ایک خاص تعلق آپ حضرات سے ہمیشہ رہا ہے۔

پولس ایکشن کے زمانہ میں مختلف ذرائع سے حالات کا علم ہونے پر مصائب اور مشکلات کو رفع کرنے کے لیے جو جدوجہد مرکز میں کی گئی، پھر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بالواسطہ یا بلاواسطہ جو وفود یہاں آتے رہے اور اس المناک دور کے بعد سے اب تک جو تعلق مرکزی جمعیۃ علماء ہند کا آپ حضرات کے ساتھ رہا ہے اور مقامی جمعیۃ علماء نے جو خدمات یہاں انجام دی ہیں ان سب کی بنیاد پر میرا یہ عرض کرنا بےجا نہ ہوگا کہ مجھے اور میرے رفقاء کو ان مشکلات کا پورا اندازہ ہے جو آپ حضرات کو در پیش ہیں۔

میں یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند آخری حد امکان تک امداد و اعانت کو اپنا فرض سمجھتی رہی ہے اور آئندہ بھی ادائے فرض میں کوتاہی نہیں کرے گی۔ رفقاء جمعیۃ علماء ہند کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں اور مصائب و مشکلات کے دفع کرنے میں جو کچھ ان سے ہو سکے۔ وہ اس کو ابدی سعادت تصور کرتے ہیں۔

برادرانِ ملت! جو کچھ گذشتہ سالوں میں ہو چکا وہ گردش زمانہ کا ایک سیلاب تھا جس سے ملک کا کوئی حصہ بھی نہ بچ سکا۔ تاہم گذشتہ حالات کو بہتر بنانے کے لیے ایک اطمینان کی صورت یہ ضرور ہے کہ ہندیونین کے جس وسیع حلقہ میں آپ شامل ہو گئے ہیں۔ اس کا دستور اساسی انصاف اور مساوات کی بنیادوں پر بنایا گیا ہے، وہ فرقہ واریت کے تنگ دائرہ سے بہت بلند ہے اور ہر ایک ہندوستانی کو مساوی حقوق دیتا ہے، لیکن یہ بات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیئے کہ فی الحال اس دستور اساسی کے یہ معنی ہیں کہ ایسے جنگل میں جس کا چپہ چپہ خار دار جھاڑیوں سے پٹا ہوا تھا۔ سرسبز و شاداب چمن لگانے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ لامحالہ محبانِ وطن کو اس صحراء پُرخار کے صاف اور ہموار کرنے میں بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں گی، مگر ہمیں توقع ہے کہ مشکلات حل ہوں گی اور وطن عزیز ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لیے سرسبز و شاداب چمن ثابت ہو کر رہے گا، البتہ خود ہمارا بھی فرض ہے کہ وقت کے تقاضوں کو پہچانیں اور جدوجہد کے وہی راستے اختیار

کریں جو تقاضا وقت کے سامنے ہوں۔

آپ کے اس یقین میں کوئی تذبذب نہ آنا چاہیئے کہ وطن آپ کا ہے اور آپ وطن کے ہیں۔ اس کو گلشن بنانے کا فرض آپ پر بھی ایسا ہی عائد ہوتا ہے جیسا دوسروں پر اور جس طرح وطن عزیز کو گلشن بنانا آپ کا فرض ہے اسی طرح آپ کا یہ واجبی حق بھی ہے کہ وطن آپ کے لیے بھی اسی طرح گلشن ثابت ہو جس طرح دوسروں کے لیے ہے، فطری طور پر آپ کے حقوق بھی ہیں اور یہ بھی آپ کا قدرتی حق ہے کہ جرأت اور صفائی کے ساتھ ان کو حاصل کیا جائے، کیونکہ فرض اور حق دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اس تمام صورتِ حال کے باوجود ہمیں خدائے لایزال کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں کتاب "ہدیٰ" سے نوازا ہے۔ یہ "برہان ساطع یہ نور کامل" یہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ہمارے ہاتھ میں ہے، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے اس نے ہر ایک حالت اور ہر ایک ماحول کے لیے طریق عمل معین فرما دیا ہے اور مختلف حالات جو لیل و نہار کی گردش کی طرح پلٹتے رہتے ہیں اور وہ اسباب و ذرائع جو ان گردشوں کی تخلیق کیا کرتے ہیں۔ ان تمام کو اس صحیفۂ ہدایت میں وضاحت سے بیان فرما دیا گیا ہے، اس مکمل روشنی کی موجودگی میں ہمارے معاملات آسانی سے حل ہو سکتے ہیں

تقاضا انصاف ہے کہ ہم اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہ کریں کہ مرکزی حکومت فرقہ وارانہ معاملات کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے، مگر ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت کے بہت سے کارندے حکومت کی پالیسی اور طریق کار کو اپنائے ہوئے نہیں ہیں اور وہ اپنے اغراض کے تحت مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں ان کا یہ طریق فرقہ وارانہ مسائل ہی میں نہیں، بلکہ ملک کے مسائل میں بھی ان کا یہی طرزِ عمل ہے جو ملک کے عام مفاد سے تعلق رکھتے ہیں جن کا فرقہ واریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ان حقائق کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ ہم جو کچھ کریں یہ سمجھ کر کریں کہ یہ ہمارا ملک ہے اور یہاں کی حکومت ہماری قومی حکومت ہے، بس اس رُخ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ ہمت و جرأت اور حق پژوہی کے ساتھ اپنی جد و جہد میں قائم رہیں، خدا کی مدد ہمیشہ حق کے ساتھ ہے۔

جہاں تک جمعیتہ علماء کا تعلق ہے اس کا معاملہ بالکل صاف ہے وہ جس طرح کل پولیس ایکشن یا تقسیم ہند سے پہلے فرقہ پرستی کی دشمن رہی اور مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتی رہی، اسی طرح پولیس ایکشن اور تقسیم ہند کے بعد بھی اسی دم خم کے ساتھ فرقہ پرستی کی مصیبت کا مقابلہ کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اور اس کے اس جہاد حق کو نہ مسلم فرقہ پرستی روک سکی، نہ ہندو فرقہ پرستی روک سکتی ہے۔

علماء حق کے سامنے صرف حق پسندی اور حق آگاہی ہے، یہی ان کا شعار ہے اور اسی پر ان کی زندگی اور جد و جہد کا مدار ہے۔

ان اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ

خاتمہ کلام

حاضرین کرام! میں نے آپ کا کافی وقت لے لیا۔ میں چند جملوں کی اور اجازت چاہتا ہوں میں آپ حضرات کی توجہات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پھر ایک مرتبہ عرض کرتا ہوں کہ یاس و قنوط مسلمان کے لیے حرام ہے۔ انسان کی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اس کا ہر ایک عمل کشت زار دنیا میں ایک تخم ہے اور استقلال و استقامت اس تخم کی آبیاری کیا کرتے ہیں، بس میرے اس تمام معروضہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے دو عظیم الشان مقصد ہیں (۱) دین و ملت کی حفاظت و ترقی (۲) وطن عزیز کی خدمت اور اس کی حفاظت و ترقی، پہلا مقصد صرف اہل ملت سے متعلق ہے۔ اس کے تمام فرائض آپ کو انجام دینے ہیں، اس کے لیے آپ کے اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت ہے۔

جمعیتہ علماء ہند اس عظیم مقصد کے لیے اپنی خدمات اور اپنا پلیٹ فارم تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہی ہے، مسلمان سیاسی نظریوں کے اختلاف کے باوجود اس پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں اور مذہبی اور نیم مذہبی معاملات میں یک جہتی سے کام کر سکتے ہیں۔ البتہ دوسرے مقصد یعنی وطن عزیز کی حفاظت اور ترقی کے لیے آپ کو اہل وطن کے اشتراک کے ساتھ جد و جہد کرنی ہوگی۔ میں آپ کو کسی خاص جماعت میں شرکت کا حکم نہیں دے سکتا، البتہ یہ ضرور عرض

کروں گا کہ آپ ذاتی مفادات اور ذاتی اغراض سے بالا ہو کر ملک اور اہل ملک کی ترقی کے مقصد کو سامنے رکھیں اور اس یقین کے ساتھ ہمارے ملک میں اب پارلیمنٹری سیاست کے لیے جداگانہ پلیٹ فارم ملک کے لیے بھی اور خود ہمارے لیے بھی حد درجہ مُضر ہے جس مشترک سیاسی جماعت کو آپ اپنے تجربہ اور اپنے خیال کے مطابق اس مقصد سے قریب تر پائیں اس میں شامل ہو جائیں، خدمت ملک آپ کا نصب العین ہو، بلندیٔ حوصلہ اور اولوالعزمانہ جدوجہد آپ کا سرمایہ ہو، وسعت نظر اور عزائم راسخ آپ کا طریق کار ہو، یہ اصول انشاء اللہ العزیز کامیابی کے ضامن ہوں گے اور قلیل تعداد ہونے کے باوجود آپ کی عزت و عظمت کی سطح کو بلند کریں گے۔

برادرانِ محترم! زندگی سعیٔ پیہم کا نام ہے۔ آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو میدانِ عمل میں اتریے اور جدوجہد میں پوری ہمت صرف کر دیجیے۔ پستی ہمت اور بزدلی بدترین مرض ہیں مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر پست ہمت اور بزدل نہیں ہو سکتا۔ ایمان باللہ اور بزدلی ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، مشکلات سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرنا زندہ قوموں کے نزدیک سب سے بڑا جرم اور ناموس ملت کے لیے سب سے بڑی ننگ و عار ہے۔ قرآن حکیم نے حکیمانہ انداز میں اس باعث ننگ بدترین جرم کی مذمت کرتے ہوئے اس کے تمام دلائل کی تردید فرمادی ہے ارشادِ خداوندی ہے۔ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۂ احزاب)

یہ آیہ کریمہ اس حقیقت کو واضح کر رہی ہے کہ اگر موت یا قتل مقدر ہے تو فرار اور گریز سے مقدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، البتہ اگر ابھی موت کا وقت نہیں آیا تو زندگی بہرحال باقی رہے گی، فرار ہو یا نہ ہو، لیکن یہ زندگی چند روزہ ہے۔ اس چند روزہ اور فانی مقصد کے لیے یہ شرم ناک جرم کسی طرح بھی قرینِ عقل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اسی سلسلہ میں ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (سورۂ احزاب)

یعنی آپ فرما دیجیے کہ اگر مشیتِ الٰہی یہ ہے کہ آپ کو بلائی یا کوئی نقصان اور تباہی پہنچے تو تم کو اللہ سے کون بچا سکتا ہے اور اگر ارادہ الٰہی یہ ہے کہ تم پر رحمت ہو تو اس میں کون تبدیلی کر سکتا ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جو ولی اور مددگار ہو۔

بہرحال ہمارا مذہبی ملی اور اخلاقی فرض ہے کہ ہم خدائے واحد ہی کو تمام مشکلات کا حل کرنے والا اور اسی کو کارسازِ حقیقی کو سمجھ کر پورے یقین اور اذعان کے ساتھ اس پر اعتماد اور بھروسہ کریں اور اس نصب العین کے لیے پورے استقلال اور استقامت کے ساتھ سرگرم جدوجہد ہو جائیں۔ اگر ہم نے یہ راہِ عمل اختیار کیا تو نہ صرف دنیاوی کامیابیاں ہمارے قدم چومے گی، بلکہ عالم بالا کی روحانی بشارتیں ہمارے تمام دماغی انتشار کو دور کر کے دنیا میں بھی ہمیں اطمینان و سکون کی زندگی کا موقع دیں گی اور آخرت میں بھی ہماری حیات پر سکون اور پُرسرور ہوگی۔ (انشاء اللہ العزیز)

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (سورۃ حٰمٓ سجدہ)

(یعنی جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر مضبوطی سے قائم ہوگئے (یعنی تمام مشکلات و مصائب کے وقت ان کا یہی عقیدہ کارفرما رہا اور انہوں نے حلِ مشکلات اور دفعِ مصائب کے لیے خدا کی طرف رجوع کیا) تو عالم بالا کی توجہات ان کی طرف منعطف ہوتی ہیں جو ان کو اطمینان دلاتی ہیں کہ خوف و حزن کو دور کرو اور جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ہم تمہارے رفیق ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تم کو آخرت میں وہ تمام نعمتیں میسر ہوں گی جن کی تمہیں خواہش ہوگی اور تمہیں وہاں وہ تمام چیزیں ملیں گی جو تم طلب کرو گے۔ یہ غفور الرحیم کی جانب سے

بطور رہنمائی کے ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کے آخر میں فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

آیہ کریمہ ہدایت کر رہی ہے کہ آپ خود بھی ضبط و تحمل ثبات و استقلال سے کام لیں۔ دوسروں میں بھی ضبط و تحمل پیدا کریں، تحفظ ملت کی صورتیں اختیار کریں اور خداوند عالم سے تقویٰ کرتے رہیں۔ یہی صورتیں ہیں جن سے فوز و فلاح حاصل ہو سکتا ہے۔

آخر میں سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے آپ حضرات کی عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم ہماری نیتوں میں خلوص مقاصد میں بلندی، عزائم میں پختگی عطا فرمائے اور توفیق عمل بیش از بیش نصیب ہو۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا۔ وَاغْفِرْ لَنَا۔ وَارْحَمْنَا۔ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین و علی اٰلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔ کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ کما یحب ربنا ویرضیٰ

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

خطبۂ صدارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علمائے ہند کے انیسویں سالانہ اجلاس میں

—— مؤرخہ ——

۲۲ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء

—— بمقام ——

سورت

پیش فرمایا

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل
علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من
یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ
ورسولہ وصلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم
کما یحب ربنا ویرضی۔

اراکین کرام! نمائندگان محترم اور معزز حاضرین

مجھے اپنی کمزوریوں کا احساس ہے اور سب سے زیادہ اپنی اس کمزوری کا احساس ہے کہ صدارت کے اس منصب جلیل سے میری معذرت ہر مرتبہ رائیگاں جاتی ہے اور مجھے اپنے ضعف اور ناتوانی کے باوجود تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے ـــــ "قہر درویش برجان درویش"

بایں ہمہ ـــــ ہر چہ از دوست مے رسد نیکوست۔

بزرگان ملت

یہ عظیم الشان تاریخی اجتماع جو ہندیونین کے چار کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔ جس میں اہل علم اور صاحب الرائے ہمدردان ملت ملک کے گوشہ گوشہ سے دور دراز سفر کی تکلیف برداشت کر کے تشریف فرما ہوئے ہیں جس طرح اپنی شان وشوکت سے دماغوں کو متاثر کر رہا ہے جس طرح اپنی زیبائش و

آراستگی سے دلوں میں کیف مسرت پیدا کر رہا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لحاظ سے کامیاب ہوا در ملتِ اسلامیہ کا عظیم الشان مفاد اس کے نتیجہ میں نمایاں ہو۔ انجمن آرائی نہ کسی باکار و فعال جماعت کے لیے مطمح نظر ہو سکتی ہے اور نہ اسلام کی مقدس تعلیم اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی اجتماع کا حاصل صرف یہ ہو کہ "نشستند و گفتند و برخاستند"۔

اسلام ہر قول کے لیے فعل کا مطالبہ کرتا ہے اور دامن گفتار کو ہمیشہ کردار کی چولی سے پیوست دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کو ایسے قول سے سخت نفرت ہے۔ جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (سورۃ صف) اصحاب الرائے حضرات دورِ حاضر کی نبض پر ہاتھ رکھ کر شکایتوں اور امراض کی صحیح تشخیص کریں۔ پھر گہرے غور و خوض اور پوری فراست و بصیرت سے امراض و عوارض کا علاج تجویز کریں اور عزم و عمل کی ہم آہنگیوں کے ساتھ ترقی کے راستے تلاش کریں۔ اس طرح ہم مجلس استقبالیہ کے معزز اراکین و کارکنان کی غیر معمولی جانفشانیوں کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور یہی وہ صلہ ہے۔ جو معاونین استقبالیہ کی خدمت میں ہم فخر کے ساتھ پیش کر سکیں گے۔ وفقنا اللہ و ایاکم لما هو احب الیہ و ارضی و انفع لعبادہ کافۃً ۔ امین

برادرانِ ملت ہمارا فرض ہے کہ ماضی کے تجربوں سے مستقبل کے لیے سبق لیں۔ اور حال کے سرمایہ سے استقبال کے لیے توشہ فراہم کریں۔

برادرانِ محترم ہماری ماضی بعید تاریخ کا سب سے روشن باب ہے۔ ماضی قریب دورِ غلامی اور اب نو سال سے آزاد مملکت میں نوزائیدہ جمہوریہ کا تجربہ کر رہے ہیں۔ ہم اس آزاد مملکت میں باعزت شہری بن کر رہیں یا پسماندہ اور از پا افتادہ خود فراموش و معاذ اللہ خدا۔ فراموش بن کر زندگی گزاریں۔ یہ ہمارے فکر صحیح، فراست، بیدار مغزی اور ہمارے عمل اور کردار پر موقوف ہے۔ کوئی بھی صحیح الحواس پس ماندگی کو پسند نہیں کر سکتا۔ ہر ایک سلیم الفطرت پس ماندگی کی ذلت و خواری کو موت سے بدتر سمجھتا ہے

مگر عزیزانِ محترم! جب تک سعی پیہم اور جد و جہد کی روشنی نمایاں نہ ہو۔ پس ماندگی کی تاریکی کو چھانٹا نہیں جا سکتا۔

پس ماندگی ظلمت و تاریکی ہے اور جد و جہد نور اور روشنی جب بھی کوشش اور سعی پیہم کی روشنی دھیمی پڑتی ہے۔ پس ماندگی کی تاریکی اُبھر آتی ہے۔ آپ اگر پس ماندگی کی تاریکی ختم کرنا چاہتے ہیں تو سراطِ مستقیم پر جد و جہد کی روشنی تیز کر دیجئے۔ دنیا کا کام ہو یا دین کا جماعتی ہو یا انفرادی۔ ہر ایک کے لیے قانونِ قدرت یہی ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو اپنی کوشش سے حاصل کرے۔ اللہ رب العالمین کا فضل و احسان اور اس کی بخشش ہے کہ اس نے انسان کو احسن تقویم کا پیکر زیبا عطا فرما کر خلعت خلافت سے نوازا۔ بر و بحر پر اس کے اقتدار اور اس کی عظمت کا جھنڈا لہرا کر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا کی سند عطا فرمائی۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ عمل صالح اور عمدہ کردار سے اس جھنڈے کو سربلند رکھتا ہے یا اپنی بے عملی سے اس کو سرنگوں کر ڈالتا ہے۔

آج اس عظیم الشان اجتماع میں ہمارے غور و فکر کا بنیادی نقطہ یہی ہونا چاہیئے۔ کہ ہمارا عمل اور کردار کیا ہو۔ دینی لحاظ سے جو پستی ہمارے سامنے ہے یا دنیادی پس ماندگی جو موجود ہے یا جس کے دامن گیر ہونے کا خطرہ ہے اس کے رفع کرنے کی تدبیریں کیا ہوں۔ قوت عمل کس طرح متحرک ہو اور جذبات خوابیدہ کس طرح بیدار رہوں۔

سیکولر جمہوریہ اور احساسِ فرض

عزیزانِ محترم! ہندوستان جیسے مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کے گہوارے میں جمہوری نظامِ حکومت کے لیے دو ہی اصول ہو سکتے تھے۔ سب مذہبی یا لامذہبی ہندوستان کے لیے دوسرا اصول یعنی لامذہبی جمہوریہ ہی طے کیا گیا ہے یعنی

ایسا جمہوریہ کہ نہ اس کی دستور ساز و قانون ساز مجالس میں مذہب کے نام پر نمائندگی ہو اور نہ نظام حکومت کسی مذہب یا فرقہ کا جانبدار ہو تمام فرقے اس کی نظر میں صحیح معنی میں یکساں ہوں۔ کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس سے اقلیت اور اکثریت کے نفرت انگیز احساس کو ختم کیا جا سکتا ہے اور یہی ایک صورت ہے جو اقلیتوں کے دماغ سے احساس کمتری دور کر کے ان کو اپنی قابلیتوں کے جوہر دکھانے پر آمادہ اور ان کے افراد کو روشن مستقبل کی توقع دلا کر ترقی کے راستے پر تیز گام کر سکتی ہے۔

لیکن اس صورت میں کسی بھی ملت اور فرقہ کو اپنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت اور ترقی کے لیے سیکولر جمہوریہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا اور اپنی جدو جہد کو اس کی امداد پر موقوف رکھنا، سیکولر جمہوریہ کے بنیادی تصورات سے انحراف ہے اور ایسا غلط اعتماد اور ایسی بے محل توقع ہے کہ اس کے لیے "خواب پریشاں" یا "نقش بر آب" کا لفظ ہی موزوں ہو سکتا ہے۔

بہر حال سیکولر جمہوریہ کو سیاسی لحاظ سے آپ کتنا ہی قابل اطمینان اور باعث مسرت محسوس کریں، مگر یہ اطمینان کبھی بھی نہ ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے علوم، آپ کے مذہب اور آپ کی روایات کی ضمانت کر سکتا ہے۔ اپنے علوم، اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کی حفاظت خود ہمارا اپنا فرض ہے اور اس فرض کو صرف ہمیں ہی انجام دینا ہے۔ سیکولر جمہوریہ کا امانتدار فریضہ صرف یہ ہے کہ وہ ہماری کوشش میں رکاوٹ نہ ڈالے اور ہو سکے تو مناسب حالات میں ترقی کے مواقع پیدا کرتا رہے۔ سعی پیہم بہر حال اہل ملت کا فرض ہے۔ اگر مثال پیش کرنے کی اجازت ہو تو میں سیکولر جمہوریہ کو ایک زرخیز زمین سے تشبیہ دوں گا۔ اس کی خوبی صرف یہ ہے کہ تخم عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتی۔ تخم پاشی اور آبیاری بہر حال کاشتکار کا فرض ہے ملوکیت میں وہ عمل بار آور ہوتا ہے جو خوشنودی شاہ کے لیے ہو۔ جمہوریت میں وفاداری کی یہ جنس ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں وہی عمل بار آور ہوتا ہے جو جمہور اور جمہور کے وطن عزیز کے لیے ہو۔

آج جب کہ گلشن وطن کی از سر نو چمن بندی ہو رہی ہے تو ہر ایک محب وطن کا سب سے پہلا فرض ہے کہ اس "باغ ارم" کو جو ہمیشہ پریم و محبت کا گہوارہ رہا ہے۔ اخلاقی امراض اور لبغض و عداوت کے خس و خاشاک سے پاک کر دے مجھے اجازت دیجئے کہ کسی قدر وضاحت سے عرض کروں کہ جو افتراق اور فرقہ وارانہ منافرت آج پائی جا رہی ہے۔ یہ ان زہریلے جراثیم کا نتیجہ ہے جو انگریز نے خاص قسم کی تعلیم اور اپنی ڈپلومیسیوں سے ہندو اور مسلمانوں کے دماغوں میں پیوست کیے تھے۔

پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے بہت پرانے ممبر سر جان مینارڈ نے خود اقرار کیا تھا کہ:۔ شجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا۔ نیز یہ کہ "ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی"

(ان ہیپی انڈیا مصنفہ لالہ لاجپت رائے)

اقلیت اور اکثریت کا نفرت انگیز احساس جو آج بلائے بے درماں بنا ہوا ہے۔ یہ بھی اسی خارزار کا پھل ہے۔ جس کے بیج انگریز نے جداگانہ نیابت کے نام پر بوئے تھے جب وہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر اپنے سامراج کی عمارت کھڑی کر رہا تھا۔

اب آپ انگریز سے پہلے ہندوستان کی حالت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

سترھویں صدی عیسوی کے مشہور سیاح الیگزینڈر ہملٹن نے ہندوستان کی خوشحالی ہندوستانیوں کے اعلیٰ اخلاق۔ ان کی دیانتداری اور معاملات کی صفائی عوام سے ہمدردی وغیرہ کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ خاص ہندو مسلم معاملات کے متعلق اس کی شہادت پیش کر رہا ہوں۔

سندھ کے پرانے شہر ٹھٹھہ کے متعلق اس نے لکھا تھا "یہاں ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے۔ لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جس طرح پہلے زمانہ میں مناتے تھے جب کہ راج خود ہندوؤں کا

تھا۔ آگے چل کر تحریر ہے۔

صرف بنیوں کے ۸۵ فرقے ہیں اور اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے، لیکن مل جل کر رہتے ہیں۔ پارسی بھی ہیں اور وہ اپنے رسوم مذہب زردشت کے بموجب ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ یادش بخیر۔ خاص اس شہر سورت کے متعلق لکھتا ہے۔

اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات اور طریقہ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے۔ ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح اپنے طریقہ کے متعلق اپنے معبود کی پرستش کرے!

مختصر یہ کہ فرقہ واریت جس کا رقص برہنہ آج ہر ایک امن پسند شہری اور ملک کے ہر ایک خیر خواہ کو پریشان کیے ہوئے ــــــ ہندوستانیوں کی فطرت نہیں ہے، بلکہ ایک سکھایا ہوا سبق ہے جو فراموش بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ تعلیم گاہیں جہاں بقول "سرجان مینارڈ" یہ سبق سب سے پہلے پڑھایا گیا تھا۔ وہ اپنی اصلاح کے لیے آمادہ ہوں اور کم از کم غلط تاریخوں کی تصحیح کر لیں۔

مجھے یہ تسلیم ہے کہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے ختم کر دینے کا فرض پوری اہمیت کے ساتھ اکثریت پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی اقلیت کے دماغ میں فرقہ واریت کے جراثیم اگر زندہ ہیں تو اس میں یہ طاقت ہرگز نہیں کہ وہ جارحانہ اقدام کر سکیں تاہم جب کہ فرقہ واریت ایک مہلک مرض ہے۔ تو اقلیت کا بھی فرض ہے کہ پوری احتیاط سے اپنی نبض ٹٹولے اور کوئی بھی درجہ اس مرض کا موجود ہو تو جلد سے جلد اس سے شفا پانے کی کوشش کرے۔ مرض علاج کے لیے دوسرے مریض کے اچھے ہونے کا انتظار کرنا قطعاً غلط ہے۔

علاوہ ازیں منصب اور موقف کے لحاظ سے بھی ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام تنگ نظریوں سے بالا ہو کر اعلیٰ اخلاق کا نمونہ، عدل و انصاف کا مجسمہ اور تہذیب و

شرافت کا پیکر بن کر دنیا کے سامنے پیش ہو، کیونکہ قدرت نے اس کے فضائل و کمالات کی زلفیں اسی لیے سنواری ہیں کہ یہ شاید خوش جمال بن کر بزم تہذیب و ادب میں نمودار ہو اور اپنی خوش جمالی کے ساتھ دوسروں کو بھی خوش منظر بنا دے کما قال اللہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا تاکہ تم دوسروں کے لیے نمونہ بن سکو۔

کوئی شک نہیں کہ گلشن وطن کو فرقہ واریت کے کانٹوں سے صاف کرنا چھوت چھات یا نسلی اور خاندانی نخوت وغرور کی بدذوقیوں کو فنا کرکے انسانی بھائی چارہ کی ہموار سطح تیار کرنا جہالت اور بے ہنری کے دھبّوں سے پیشانی وطن کو صاف کرنا تمام اہلِ وطن کا مشترک فرض ہے۔ مگر یہ مشترک فرض مسلمان کا مخصوص فرض ہو جاتا ہے اور محض باشندۂ ملک کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ وہ اس ذاتِ اقدس کا دامن سنبھالے ہوئے ہیں جس کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے تمام جہانوں کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا، ایک مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ان اصلاحات کا علمبردار بنے اور اپنی ساری جدوجہد اس اصلاحی انقلاب کو کامیاب بنانے میں صرف کر دے۔

جمعیۃ علمائے ہند کی اہمیت اور اس کی ضرورت

یہ عظیم الشان قومی بلکہ بین الاقوامی فرض کوئی مسلمان تن تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ لامحالہ اس کے لیے ایک سرمایۂ عمل درکار ہے تو دوسری جانب ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو وقت کی نبض شناس دورِ حاضر کے تقاضوں کی شناسا، وطن اور اہلِ وطن کی مزاج دان اور مقاصدِ ملت سے پوری طرح واقف ہو اور اپنے ارادوں اور پاک منصوبوں کی صداقت کے لیے تاریکی کردار بھی پیش کر سکتی ہو۔

میں اس وقت جب کہ اپنی فہم و بصیرت کے بموجب صحیح ترین مشورہ پیش کرنے

کا فرض انجام دے رہا ہوں، ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے جواب سے پہلے ایک سوال آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔

آپ حضرات پورے ہندوستان سے واقف ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا جمعیۃ علماء ہند کے سوا کسی دوسری جماعت کو آپ پہچانتے ہیں جو ان اوصاف سے متصف ہو اور شہادت کے لیے تاریخ کی ناقابل تردید سند اپنے پاس رکھتی ہو۔

خدمات جمعیۃ علماء ہند کی بین الاقوامی حیثیت

عزیزانِ گرامی! اسلام فرقہ وارانہ تنگ نظری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے اصول نسلوں، رنگتوں یا کرۂ زمین کے جغرافیائی خطوط میں محدود نہیں ہیں۔ وہ بین الاقوامی اور ہمہ گیر عالمی اصول کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے داعی اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص قوم یا ملک کے لیے نہیں، بلکہ تمام اقوام اور جملہ طبقات انسانی کے لیے رحمت ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

جمعیۃ علماء ہند جو اسی آفتاب رحمت کی ضیا پاشیوں کی خوشہ چیں اور آئینہ دار ہے اس کی پچاس سالہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کا دامن کبھی بھی فرقہ واریت کے غبار سے گرد آلودہ نہیں ہوا۔ اس کی خدمات اور اس کی عظیم الشان قربانیاں کبھی بھی مفاد پرستی یا قومی عصبیت کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہوئیں۔ اس نے انٹرنیشنل اصول اور بین الاقوامی مفادات۔ بالفاظ دیگر ہمہ گیر انسانیت، انسانی اخوت اور ہمدردی نوع انسان کے اوپر حالات کو پرکھا اور انہیں ہمہ گیر انسانیت نواز مقاصد کے لیے اپنی قربانیاں پیش کیں۔

وہ سینکڑوں ہزاروں علماء جنہوں نے دار و رسن کی عاشقانہ رسم، یا قید و بند کی سنت یوسفی زندہ کی (علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام) کبھی اُن کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ آزادی کے بعد اُن کو جمہوریہ ہند کی صدارت کا خوشگوار فرض

انجام دینا ہوگا یا کسی وزارت کا قلمدان یا کسی سرکاری محکمہ کی قیادت ان کے سپرد ہو گی۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہندوستان اور بیرون ہند کے کروڑوں مظلوم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں اور دیو استبداد کی پامال کردہ قوموں کی ہمدردی فریاد رسی اور ان کی امداد کے لیے کیا۔ کیونکہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مقدس کے مطابق یہ ساری مخلوق اللہ کی عیال اور اس کا کنبہ ہے۔ جس کو اللہ سے محبت ہوگی وہ اس کی مخلوق سے محبت کرے گا۔ جو عشق مولا میں سرشار ہوگا۔ وہ اپنی زندگی اس کی مخلوق کی فلاح و بہبود اور اس کی اصلاح و ترقی کے لیے وقف کر دے گا۔ محبوب رب العالمین آقائے دوجہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے۔

"الخلق عیال اللہ ان احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ" — مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ بیشک اللہ کے یہاں زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے لیے سب سے اچھا ثابت ہو (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بیہقی)

"وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (مصابیح)

(رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا) یا وہ محبت کے متوالے جن کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ ان کا متفقہ فیصلہ ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

آج خدا کے فضل و کرم سے پورے ایشیاء افریقہ اور جزائر مشرق الہند میں نئی زندگی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ یہ خادمان دین متین اپنے رب کے شکر گزار ہیں کہ ان کی اور ان کے بزرگوں کی ڈیڑھ سو سالہ خدمات بار آور ہو رہی ہیں۔ الحمد للہ

برادران عزیز! یہی جمعیۃ علماء ہند آپ کے سامنے ہے۔ روشن مستقبل کا نقشہ پیش کرتے ہوئے دعوت عمل دے رہی ہے۔ آیئے آپ اپنے عمل اور کردار سے اس کو مضبوط بنایئے۔

مستقبل کے متعلق توقعات

حضرات کرام، مجھے شک نہیں اور نہ کسی مسلمان کے لیے اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ "اسلام کا مستقبل روشن ہے" کیونکہ اسلام کسی خاص قوم کا کلچر نہیں، بلکہ وہ ایسے ہمہ گیر اصولوں کا نام ہے جن کو فطرت سلیم اس وقت سے تسلیم کیے ہوئے ہے جب سے انسان نے خداشناسی اور معرفت الٰہی کو نصب العین اور دیانتداری اور مذہبیت کو وظیفہ عمل بنایا۔ "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" موجودہ دنیا لفظاً اسلام سے خواہ کتنا ہی گریز کرے، مگر اسلام کے اصول و نظریات غیر شعوری طور پر اختیار کرتی جا رہی ہے اور جیسے جیسے فلسفہ اور سائنس کی موشگافیاں حقیقت سے قریب ہوتی جائیں گی ان اصولوں کی صداقت و حقانیت نکھرتی جائے گی اور حقیقت پسند انسانوں کی گردنیں اس کے تسلیم کرنے کے لیے جھکتی جائیں گی۔

ان اصولوں کو تسلیم کرانے کے لیے نہ کبھی قوت وحشمت اور تیغ وسنان کی ضرورت پڑی نہ آج ضرورت ہے۔ نور کو نور اور روشنی کو روشنی تسلیم کرانے کے لیے صرف چشم بینا کی ضرورت ہے اور اتنا انصاف درکار ہے جو روز روشن کو شب تار کہنے کی اجازت نہ دے سکے اسی لیے کتاب اللہ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان فرما دیا ہے۔

"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" علمار ملت اس نمائشی اسلام کو تسلیم نہیں کرتے جس کے لیے قلب میں تسلیم و رضا کی گنجائش نہ ہو، مگر وہاں اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے یعنی اسلام کا مستقبل اگر روشن ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ ہم جیسے بدنام کنندگان اسلام کا مستقبل بھی روشن ہو۔

ہم اگر اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں تو شرط یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ سے زیادہ وابستہ ہوں، داعی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی سے سنبھالیں۔ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"

تم ہی سربلند ہوگے۔ بشرطیکہ صاحب ایمان ہو) یہود و نصاریٰ کو ان کے اس تصور نے برباد کیا کہ وہ خواہ کچھ ہوں۔ ان کے اخلاق و اطوار خواہ کیسے ہوں وہ اللہ کے محبوب اور اس کے لڑکے بالے ہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔

مگر کتاب اللہ نے بلا کسی لاگ لپیٹ کے نہایت صفائی سے اعلان فرمایا۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (کیوں نہیں جو برائی کا مرتکب ہوا اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو یہ دوزخ والے ہیں۔ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے) یعنی رنگ و نسل، قبیلہ و خاندان کا کوئی امتیاز نہیں۔ امتیاز اخلاق و کردار کا ہے۔ اسلام کا جامہ پہن کر اگر ایمان و اسلام کی حقیقت بھی اختیار کرتے ہوں تو بیشک سربلندی تمہارا حصہ ہے۔ ورنہ اللہ کو اپنے دین حق کے لیے تمہاری حاجت نہیں۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (اگر تم منہ موڑ دو تو اللہ تمہارے سوا کوئی دوسری قوم بدل دے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے)

حفاظت اسلام کے نعرے بہت بلند کیے جاتے ہیں، مگر اس کے عملی پہلو سے ہم خود گریزاں رہتے ہیں۔ اسلام کوئی مجسمہ نہیں جس کی حفاظت کے لیے لاؤ لشکر کی ضرورت ہو۔ آپ اپنے اندر اسلام سمو لیجیے۔ آپ بھی محفوظ ہو جائیں گے اور اسلام بھی محفوظ ہو جائے گا۔ عمل سے گریز اور زبان پر دعویٰ۔ معاذ اللہ۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (خدا کے نزدیک یہ بہت ہی بغض اور نفرت کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرو نہیں)

تاریخ سابق سے سبق

عزیزانِ ملت! شمع جہاں بھی ہو پروانے خود بخود قربان ہونے کے لیے دوڑتے

ہیں نہ لالچ دلانے کی ضرورت ہوتی ہے نہ ڈرانے دھمکانے کی صرف فطرت کی سلامتی درکار ہوتی ہے اور یہ کہ نورِ شمع بے حجاب ہو۔

بدقسمتی سے آج ہمارے اعمال و اخلاق شمع اسلام کے لیے حجاب بنے ہوئے ہیں ہم اپنے اعمال و اخلاق کو نورِ ایمان کا آئینہ دار بنالیں۔ پروانے خود بخود لپکیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت نہیں رہی، ان کا اقتدار ختم ہوگیا ہے تو ترقی اسلام کے امکانات بھی ختم ہوگئے ہیں، اگر تم ہی بتاؤ کیا کبھی مسلمانوں کے دورِ حکومت میں کبھی عیسائی مشنریوں کی طرح روپے کی بکھیر کی گئی؟ اسلام کو بدنام کرنے والے یورپین مؤرخین کچھ بھی لکھیں مگر تم خود اپنے عقیدہ اور یقین کو ٹٹولو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اسلام محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، شمس الدین التمش، شیر شاہ سوری، بابر و اکبر جہانگیر و عالمگیر کے رعب داب اور ان کے فاتحانہ عزائم سے پھیلا ہے۔ اگر ان کے قومی جھنڈے اشاعت اسلام کے علمبردار ہوتے تو خود ان کے پایۂ تخت اور خاص ان علاقوں میں جو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بار بار پامال ہوتے رہے ہیں۔ غیر مسلموں کی غیر معمولی اکثریت باقی نہ رہتی۔

میرٹھ، دہلی، آگرہ۔ قنوج۔ متھرا۔ دہلی۔ سہسرام۔ فتح پور سیکری۔ جہاں ان کے کج کلاہوں کی سر بفلک یادگاریں آج بھی شوکتِ عظمت کا مرثیہ پڑھ رہی ہیں اور ان کے مضافات میں کبھی بھی مسلمانوں کو اکثریت نصیب نہیں ہوئی۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان اضلاع میں مسلمانوں کی تعداد دس پندرہ فیصدی سے زیادہ نہیں ہے۔

بے شک خود آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ شیخ ابو علی سندھیؒ متوفی ۴۰۷ھ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ ثم لاہوری متوفی ۴۶۵ھ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ خواجہ غریب نوازؒ معین الدین حسن السجزی اجمیریؒ، شیخ احمد بن یحییٰ منیریؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین دہلویؒ کے انفاس قدسیہ ان کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی بے لوث ہمدردی

خلق خدا جس سے آج تک غیر مسلم بھی متاثر ہیں۔ اشاعت اسلام کا ذریعہ بنی۔ کیونکہ ان بزرگوں کے اعمال و اخلاق شمع اسلام کے لیے حجاب نہیں تھے، بلکہ وہ اس مقدس شمع کے آئینہ دار تھے۔ جن کی طرف حق و صداقت کے پروانے خود بخود دوڑے اور اپنی ارادت و عقیدت کی پونجی ان کے قدموں پر نثار کر دی۔

شہاب الدین غوری کی فاتحانہ تلوار کسی ایک متنفس کے دل کو بھی صداقتِ اسلام کے اعتراف کے لیے نہیں جھکا سکی ہوگی۔ مگر اسی بادشاہ کا معاصر فقیر بے نوا جن کو ہم خواجہ غریب نواز کہتے ہیں، جو شہاب الدین غوری کی فتح کردہ دہلی میں نہیں، پرتھوی راج کی ہندوانہ راج دھانی (دہلی) میں غوری سے تقریباً بیس سال پہلے آچکا تھا۔ وہ بغیر کسی فوجی طمطراق کے فقیرانہ شان میں دہلی سے روانہ ہو کر اجمیر پہنچتا ہے۔ تو خواجہ غریب نواز کے کسی معتقد کی نہیں۔ اسلام کے کسی گرویدہ اور حلقہ بگوش کی نہیں، بلکہ اسلام کے مخالف مسٹر آرنلڈ مصنف پریچنگ آف اسلام کی تحقیق یہ ہے کہ صرف اس ایک سفر میں اسلام کے اس سچے نمونے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق۔ ہمدردی خلق خدا کے پیکر اور انس و محبت کے اس چشمۂ شیریں کی غریب نوازی سے متاثر ہو کر سات سو خاندان شمع اسلام کے پروانے بنتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ خود آپ کے صوبہ گجرات میں نویں صدی ہجری کے شروع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے ختم تک تقریباً دو سو برس اولوالعزم مسلمان بادشاہ حکومت کرتے رہے۔ ان کی نیک نفسی ملک پرور ی۔ عدل و انصاف اور داد و دہش بھی تاریخ کی مشہور حقیقت ہے، لیکن آپ ہی بتایئے کہ اسلام کے داعی اور مبلغ یہ شاہان گجرات تھے یا نہروالہ کے مشائخ کبار مثلاً شیخ حسام الدین عثمان بن داؤد ملتانیؒ متوفی ۶۳۶ھ، شیخ یعقوب بن مولا خواجگیؒ متوفی ۸۶۰ھ احمد آباد کے قطب طریقت گنج بخش شیخ احمد کھٹوؒ متوفی ۸۴۹ھ ان کے شاگرد رشید خلیفہ سید برہان الدین عبداللہ نبیرہ مخدوم جہانیاںؒ متوفی ۸۵۰ھ، شیخ عبدالفتاح عسکریؒ شارح مثنوی۔ شیخ کبیر الدین ناگوریؒ متوفی ۸۵۸ھ سید علی بن عبدالرحیم رفاعیؒ متوفی ۸۵۸ھ علامہ وجیہہ الدین علویؒ، شیخ علی

مہائمیؒ مولانا محمد بن طاہرؒ، شیخ محمد غوث گوالیاریؒ، بھروچ کے سید کمال الدین قزوینیؒ متوفی ۹۸۱ھ غالباً ہے، سید شرف الدین مشہدیؒ متوفی ۸۰۸ھ بڑودہ کے سید یحیٰ بن علی ترمذیؒ متوفی ۸۵۰ھ علامہ کمال الدین دہلویؒ (ہمشیرزادہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) متوفی ۷۸۶ھ (دھار) نوساری کے شیخ نصیر بن جمالؒ متوفی ۸۵۱ھ رانڈیر کے شیخ نورالدین محمد بن علیؒ۔ آپ کے خاص شہر سورت کے سید محمد بن عبداللہ حضرمیؒ متوفی ۱۰۳۰ھ شیخ جعفر علی حضرمیؒ ۱۰۶۴ھ خواجہ جمال الدین خوارزمیؒ متوفی ۱۰۱۶ھ رحمہم اللہ و قدس اسرارہم جیسے علماء اور مشائخ کے چشمۂ فیض سے تشنہ لبان صداقت سیراب ہوئے اور ان کے مقدس چراغ دانوں سے شمع اسلام کی کرنیں پھوٹیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں کے اقتدار سے بسا اوقات ان بزرگوں کو اپنے اصلاحی کاموں میں سہولتیں میسر آئیں مگر اس سے بھی زیادہ درست بات یہ ہے کہ ان بزرگوں سے عزم اور ان کے بلند حوصلے مادی اقتدار کے تار پود سے قطعاً بے نیاز تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے وہ تھے جو ذی اقتدار سلاطین اور ان کے وزراء سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

انہیں میں مولانا محمد بن طاہر شہیدؒ کے استاذ محترم شیخ علی متقی رحمہ اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے وزیر با تدبیر نے دعوت کے لیے بے حد اصرار کیا۔ جب اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے دعوت منظور کر لی۔ مگر اس شرط پر کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا اور جو چاہوں گا کھاؤں گا اور جب چاہوں گا اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔ وزیر کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس نے منظوری کو غنیمت سمجھا اور شرائط کے مضمرات کی طرف وہ توجہ بھی نہ کر سکا۔

حضرت شیخ تشریف لے گئے تو شاہانہ قالینوں اور غالیچوں کو چھوڑ کر دروازہ کے قریب زمین پر بیٹھ گئے۔ کھانا چنا گیا تو اپنے تھیلے میں سے روٹی نکال کر کھائی۔ اور

السلام علیکم کہ کر واپس تشریف لے آئے۔ جب یہی شیخ گجرات تشریف لائے تھے، تو سلطان محمود کا زمانہ تھا۔ اس کو زیارت کا شوق ہوا۔ بے حد اصرار کے بعد تشریف لے گئے واپسی کے وقت بادشاہ نے ایک کروڑ تنگہ (جو اس وقت گجرات کا سکہ رائج الوقت تھا) نذر کیے۔ آپ نے یہ پوری رقم قاضی عبداللہ سندھی رحمہ اللہ کے حوالہ کر دی اور دامن جھاڑ کر روانہ ہو گئے۔ یہی قاضی صاحب تھے جن کی رعایت سے آپ نے بادشاہ کی درخواست منظور فرمائی تھی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سیئر اور تواریخ کے صفحات میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ منشا یہ ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اپنے نصب العین میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار سے کوئی فائدہ پہنچا تو وہ ایک اتفاقی امر تھا کیونکہ یہ بزرگ نہ اپنے بلند ارادوں کی تکمیل کے لیے اس تارِ عنکبوت کے محتاج تھے نہ اسلام کا آبِ حیات جاں آفرینی اور روح پروری کے لیے جام جمشید اور دبدبۂ سکندری کا محتاج ہے کہ حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اقتدار کے بھوکے بادشاہ اور وزراء اپنی سیاسی اغراض کے لیے ان گلیم پوش بادشاہوں کے دامنوں سے وابستہ رہا کرتے تھے اور ان کی ہمہ گیر مقبولیت سے اپنے سیاسی مقاصد پورے کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے مطالعہ کے ساتھ اس زمانہ کے سیاسی آثار چڑھاؤ پر نظر ڈال لیجئے۔ تصدیق کے لیے بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

حضرات! مضمون کسی قدر طویل ہو گیا ہے، مگر یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ اسلام اپنی مقبولیت اپنی کشش اور اپنی دلچسپی میں نہ کسی وقت شان و شوکت اور قوت و اقتدار کا محتاج ہوا تھا نہ آج محتاج ہے۔ تمام مثالوں کو چھوڑ کر خود سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فَدَتْہُ اَرواحنا کی مثال لے لیجئے۔ جس وقت آپ نے ضلالت اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں شمع توحید روشن کی تو کیا آپ کسی ملک کے فرمانروا تھے؟ کیا کوئی مادی اقتدار آپ کے زیرِ نگیں تھا؟ معاذ اللہ کچھ بھی نہیں۔ ارض بطحا کے اُس دریتیم کے پاس جو کچھ تھا وہ صدق و اخلاص تھا، عزم محکم تھا۔ اعتماد علی اللہ تھا۔

مختصر یہ کہ یہی موتی اگر آپ اپنے دامن ایمان میں ٹانک لیں تو اسلام کے مستقبل کے ساتھ آپ کا مستقبل بھی روشن ہوجائے گا۔ ؎

مصلحت دید من آں است کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

عزیزانِ ملت! یہی پیغام ہے جمعیۃ علماء ہند کا یہی اس کا نصب العین ہے۔ اور اسی مرکزی نقطہ پر جمعیۃ علماء ہند اپنے عملی پروگرام کی عمارت تعمیر کر رہی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اپنی اصلاح۔ اپنے قبیلہ اور عشیرہ کی اصلاح بچوں اور رجالوں کی اخلاقی تربیت۔ احکام شریعت کی پابندی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں دین کی اطاعت۔ پڑوسیوں اور اہل شہر کے حقوق۔ خدمت خلق کے صحیح راستے حب وطن کے صحیح فرائض کی انجام دہی جو انفرادی طور پر بھی آپ کے روشن مستقبل کی ضمانتیں ہیں اور اجتماعی لحاظ سے بھی تعمیر ملت کی بنیاد اور منزل کامیابی کی شاہراہیں ہیں۔

مسئلہ تعلیم اس کی اہمیت اور جمعیۃ علماء ہند کا صحیح احساس

محترم حضرات! برطانوی دورِ غلامی میں مسئلہ تعلیم اگرچہ ثانوی درجہ کا تطرانداز مسئلہ رہا، کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کی قائم کردہ حکومت تجارتی اغراض کے لیے تھی۔ ہندوستانیوں کی تعلیم و ترقی پر روپیہ خرچ کرنا تجارتی نقطۂ نظر سے خسارہ تھا جس کے لیے قدرتی طور پر نہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر تیار ہو سکتے تھے، نہ وہ منتظم جن کے ہاتھ میں کاروبار اور نظامِ حکومت کی باگ ڈور تھی وہ تیار تھے۔

چنانچہ جنگ پلاسی سے صرف ساٹھ سال بعد ۱۸۲۳ء میں منصف مزاج انگریزوں کو اعتراف کرنا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیے ہیں۔ ہماری

فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی علمی ترقی کے تمام ذرائع ہٹا دیے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہوتے جا رہے ہیں اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار مٹتی جا رہی ہے (یادداشت مرتب کردہ ایم۔ الفنسٹن اور آنر یبل ایف وارڈن ۱۹۲۴ء بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل صہ ۱۴۶ طبع پنجم)

پھر خاص حالات جو خود کمپنی کے مفاد کو خطرہ میں ڈال رہے تھے۔ ان سے متاثر ہو کر کافی بحث و تمحیص کے بعد صرف کاسٹنگ وورٹ کی اکثریت سے ۱۸۳۵ء میں تعلیم رائج کرنے کی تجویز منظور کی گئی تو جیسا کہ اس کمپنی کے چیئرمین "لارڈ میکالے" نے اپنے کاسٹنگ وورٹ کی وجہ بتاتے ہوئے رپورٹ میں لکھا تھا تعلیم کا مقصد یہ تھا۔

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور ذہن کے اعتبار سے انگریزی ہو۔"

بہرحال دفتری ضرورت پوری کرنے کے لیے محدود درجہ میں جو تعلیم رائج کی گئی جس کے نتیجہ میں برطانیہ کے آخری دور تک ۹ فیصدی سے زیادہ ہندوستانی تعلیم یافتہ نہیں ہو سکے۔ اس محدود درجہ کی تعلیم کا بھی جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ۳۵ سال بعد تقریباً ۱۸۷۰ء میں بنگال کے مشہور آئی۔ سی۔ ایس۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی مشہور تصنیف میں تحریر کیا ہے۔

"ہمارے اینگلو انڈین اسکولوں سے کوئی نوجوان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔"

تقریباً ساٹھ سال بعد ہمارے مشہور قومی شاعر اکبر الہ آبادی نے فرمایا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور آج باوجودیکہ اصلاحات کے نعرے بلند ہیں اور کوششیں ہو رہی ہیں مگر

کالجوں اور یونیورسٹیوں کی حالت محتاج بیان نہیں۔ ہر ایک کو شکوہ ہے کہ یہاں نہ تہذیب و اخلاق ہے نہ نظم و ضبط۔ نہ تجسس حال ہے نہ فکر مستقبل۔

ے چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہر حال سوا سو برس کا تجربہ ہمیں سبق دے رہا ہے کہ مسئلہ تعلیم بالخصوص ابتدائی تعلیم کا مسئلہ وہی بنیادی مسئلہ ہے جس کی اصلاح کے بغیر نہ ملک کی تعمیر صحیح ہو سکتی ہے اور نہ بقائے ملت و حفاظت دین کی کوئی اطمینان بخش شکل پیدا ہو سکتی ہے۔

پس اگر جمہوریہ ہند اپنی ترقی کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ اُس کا ہر ایک باشندہ تعلیم یافتہ ہو اور اس لیے وہ قانونی طور پر ہر بچہ کے لیے کم از کم ابتدائی تعلیم کو لازم گردانتا ہے تو جس طرح مختلف الخیال فرقوں کے اطمینان کے لیے ضروری ہے کہ لازمی تعلیم کا کورس کسی بھی فرقہ کا رنگ اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ ایسے ہی اسلام جیسے ہمہ گیر مذہب کے لیے جو مہد سے لحد تک زندگی کے ہر شعبہ اور ہر لمحہ کے لیے خاص احکام رکھتا ہے ضروری ہوتا ہے کہ مسلمان قومی و دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا فرض پوری بیداری اور ذمہ داری کے ساتھ محسوس کریں اور صرف اپنے اعتماد پر ایسا ہمہ گیر نظام قائم کریں جو اسلامی تعلیمات کے بقاء و حفاظت کا ذمہ دار ہو سکے اور جس وقت بچہ کے سادہ دل و دماغ پر سرکاری اسکولوں میں دنیاوی تعلیمات کے نقش کندہ کیے جائیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نظام کے ماتحت مکاتب و مدارس میں اسلامی عقائد و اخلاق کے رنگ بھی بھرے جاتے رہیں تاکہ بچہ جس طرح دنیاوی تعلیم حاصل کر کے ملک کی تعمیر میں اپنا فرض صحیح طور سے انجام دے سکے ایسے ہی وہ ہمارے نظام تعلیم سے بہرہ ور ہو کر حسن معاشرت، تہذیب و ادب بہتر اخلاق اور جذبات خدا پرستی کا بھی امانت دار بن سکے تاکہ ہمارے ملک کی مادی تعمیر اخلاقی اور روحانی تعمیر سے ہم آہنگ رہے اور آنے والی نسلیں جس طرح ترقی پذیر محب وطن ثابت ہوں ایسے ہی وہ تہذیب اخلاق ترقی روحانیت اور حفاظت دین و ملت کی بھی علمبردار بن سکیں۔

دینی تعلیمی کنونشن بمبئی، دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی تربیتی مرکز

وہ عظیم الشان دینی تعلیمی کنونشن جو گذشتہ سال بمبئی میں منعقد کیا گیا تھا، وہ جمعیتہ علماء ہند کے اسی احساس کا نتیجہ تھا جس کو کسی ایک مکتبۂ خیال کے مسلمانوں نے نہیں، بلکہ جملہ مکاتب خیال کے مسلمانوں نے وقت کا سب سے بڑا مطالبہ تسلیم کیا اور اسی احساس کے ساتھ اس کنونشن میں شرکت کرکے اس کی کامیابی کو چار چاند لگائے۔ اسی کے نتیجہ میں دینی تعلیمی بورڈ قائم کیا گیا تاکہ کنونشن کی تجاویز کو عملی جامہ پہنائے۔ چنانچہ اس کا مرکزی دفتر اور اس کی متعدد صوبائی شاخیں دینی تعلیم کے آسان طریقوں اور دینی ماحول اور بچوں اور بڑوں میں دینی ذوق پیدا کرنے کی مختلف صورتوں کا تجربہ کر رہی ہیں۔ جد و جہد کا سلسلہ سرگرمی سے جاری رہا تو ان شاء اللہ، کامیابی یقینی ہے۔

اسی دینی تعلیمی کنونشن کی ایک تجویز پر عمل کرتے ہوئے جمعیتہ علماء ہند نے اسی ماہ (ربیع الاول) کی یکم کو دہلی کی مشہور تاریخی مسجد "زینت المساجد" عرف گھٹا مسجد میں دینی تعلیمی تربیتی مرکز قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ :۔

ایسے امام تیار کیے جائیں جو شہروں، قصبات، دیہات بالخصوص پس ماندہ دیہات میں بچوں کو محدود وقت میں دینی تعلیم دے سکیں۔ ان کی دینی تربیت کر سکیں اور بڑوں میں دینی ماحول اور دینی ذوق پیدا کر سکیں۔

پیشوایانِ مذاہب کا احترام

فرقہ واریت کے نہایت کڑوے پھل کا جو بار بار ہمارے جذبات و احساسات کے کام و دہن کو تلخ کرتے رہتے ہیں وہ نفرت انگیز اور گستاخانہ مضامین جو پیشوایانِ مذاہب کی شان میں شائع ہوئے جن کا سلسلہ تقریباً تین سال سے کچھ ایسی ترتیب سے

قائم ہے کہ بجا طور پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پشت پر کوئی سازش کام کر رہی ہے۔
انسانیت، شرافت، سچائی اور خدا پرستی وغیرہ اگر ایسے اوصاف و فضائل ہیں کہ جن کی قدر بلا لحاظ فرقہ و مذہب ہر ایک انصاف پسند کو کرنی چاہیے تو یقیناً وہ برگزیدہ انسان بھی قابلِ قدر اور واجب الاحترام ہیں جنہوں نے ان اوصاف و صفات کی تعلیم دی اور اعلیٰ اخلاق کے نمونے پیش کر کے تاریخ انسانیت کے دامن کو جوہر نگار بنا دیا۔ ان کی تعظیم و تکریم لازم ہے اور ان کی توہین نہ کسی ایک فرقہ بلکہ پوری نوع انسان پوری انسانیت اور انسانی شرافت و عظمت پر ظلم ہے۔
مگر افسوس۔ فرقہ واریت کا زہر قوتِ فکر کو اس درجہ معطل اور مفلوج کر چکا ہے کہ اس صریح اور واضح بات کو بھی بار بار چیلنج کیا جاتا ہے اور تحریر یا تقریر کے ذریعہ ایسی باتیں عمل میں لائی جاتی ہیں کہ ان پر تہذیب و شرافت جس قدر ماتم کرے کم ہے۔
مسلمان جو تمام برگزیدہ انسانوں کے احترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں جب وہ اس ذاتِ اقدس کے بارے میں جس نے تمام پاکبازوں کی حفاظتِ ناموس کا درس دیا اور کسی بھی خطۂ ملک یا انسانی گروہ میں جو بھی خدا کا برگزیدہ بندہ ہو اس کے احترام کو ایمان مسلم کا جزو لازم بتایا۔ جب خاص اُس معلّم شرافت و انسانیت کے بارے میں گستاخانہ حرکتیں دیکھتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کا احساس شدید ہوتا ہے اور وہ ایک روح فرسا اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ان کی اس انسانیت نواز بے چینی کا جواب نہایت تلخ اور درد انگیز ہوتا ہے۔ خصوصاً حالیہ واقعہ میں جس عمل اور ردِ عمل کا ظہور رہا وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے سبق آموز ہے، بلکہ حکومت کے لیے بھی خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ بے شک یہ اغراض پرستی کہ تحفظ و ناموس مقدس کو سیاسی اغراض یا ذاتی مقصد کا آلہ کار بنا کر مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا جائے اور زبان پر ماتم اور دل میں تجارتی مفاد سیاسی مقصد پنہاں ہو، نہایت شرمناک اور مستحق صد ہزار نفرت ہے۔
لیکن حالیہ واقعہ میں جس طرح فرقہ پرستوں نے چیرہ دستیوں سے کام لیا اور خصوصاً

یوپی اور مدھیہ پردیش کی فضا مکدر کر کے مختلف مقامات پر جس طرح سے شدید سے شدید تر جانی اور مالی نقصان پہنچایا یہ ایسی وحشت و بربریت ہے جس کو کوئی انصاف پسند اور آیئن دوست برداشت نہیں کر سکتا۔

بہر حال اس تکلیف دہ اور افسوسناک صورتِ حال کے پیش نظر شرافت پسند بہی خواہانِ ملک کا یہ مطالبہ نہایت مضبوط اور بہت معقول ہے کہ حکومت جلد سے جلد کوئی ایسا قانون بنائے جس سے "لا اینڈ آرڈر" کی موجودہ بے بسی ختم ہو۔ اس قسم کی شرمناک ناگفتہ بہ حرکتوں کا انسداد ہو اور پیشوایان مذاہب کا احترام جو تمام انسانوں کا مشترک فرض ہے محفوظ رہے۔

عزیزانِ ملت ! اس موقع پر اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ ملک کے محبوب رہنما پنڈت نہرو کو ان کے حقیقت پسندانہ طرزِ عمل پر مبارک باد پیش کروں اس قابل قدر رہنما نے جس طرح اس نفرت انگیز ماحول کے خلاف فوری قدم اٹھایا اور دہلی کی مشہور تاریخی تقریر کے ذریعہ جس طرح فرقہ پرستوں کے مذموم عزائم کا خاتمہ کیا وہ آپ کی انسانیت نوازی اور انصاف پسندی کی کھلی دلیل ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ایسے قانون کی ضرورت کا بھی اظہار کر دیا جس کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کچھ عرصہ پہلے تجویز منظور کر چکی ہے۔

ہمارا فرض ایسا قانون وضع کرنا۔ واضعان قانون کا فرض ہے اور جیسا کہ جمہوریہ ہند کے وزیر اعظم نے اعلان کیا ہے ہمیں توقع ہے کہ پہلی فرصت میں ایسا قانون وضع کر کے یہ فرض ادا کر دیا جائے گا، لیکن اس کے ساتھ خود ہم پر جو فرض عائد ہوتا ہے۔ ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم ایک لمحہ کے لیے اس سے غفلت برتیں قانون کا کام صرف یہ ہے کہ وہ جرم کرنے والوں کو سزا دے دے، لیکن محرکات جرم کو ختم کر دینا قانون کا کام نہیں، قانون چور کو چوری کی سزا دے سکتا ہے، لیکن اس کے دل سے چوری کے رجحانات ختم نہیں کر سکتا۔ ان رجحانات کو ختم کرنے کے لیے لامحالہ اصلاح اور تربیت کا فرض ان کو انجام دینا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خَیْرَ اُمَّۃٍ فرمایا اور جن کا فرض

یہ قرار دیا۔

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (اچھی باتیں بتاتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں)

حامیانِ ملت

اس کو انجام دینے کے لیے ایک ایسے ادارہ "نشر واشاعت" کی شدید ضرورت ہے۔ جو انسانیت کے ان محسنوں کے حالات ان کے کمالات ان کی جلیل القدر خدمات اور نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ان کی عظیم الشان قربانیوں اور ان کے پیغاموں کی مختلف زبانوں میں ایسے وسیع پیمانے پر شائع کرے کہ ملک کے جس گوشہ میں بھی کوئی سننے والا اور سمجھنے والا ہو وہ اس سے بہرہ اندوز ہو سکے۔

جب تک آپ نشر واشاعت۔ تبلیغ اور افہام و تفہیم کے ذریعے دماغوں کو متاثر نہ کریں گے۔ محض وضع قانون سے اس جرم کے رجحانات کو ختم نہیں کر سکتے۔

اہل علم۔ اصحاب قلم اپنی صلاحیتیں ایسے مفید اور مختصر کتابچوں کی تصنیف و تالیف میں صرف کریں۔ یہ ادارہ ان کی اشاعت کا فرض انجام دے گا اور ہر ایک ہمدرد ملت کا فرض ہوگا کہ وہ ان کتابچوں کو زیادہ سے زیادہ خرید کر عوام تک پہنچائے اور اصلاح و ارشاد کا مقدس فرض انجام دے۔

جمعیۃ علماء ہند کا ادارہ نشر واشاعت اس سلسلہ میں متعدد قیمتی رسالے اور کتابچے شائع کر چکا ہے۔ مگر جب تک اصحاب استطاعت اور ہمدردانِ ملت اپنے فرض کو محسوس کرتے ہوئے اس کے ساتھ تعاون نہ کریں گے اس ادارہ کی فیض رسانی اور افادیت کا دائرہ خاطر خواہ وسعت نہیں اختیار نہیں کر سکے گا۔

اس ادارہ کو کامیاب بنا کر ہم اس فرض کو انجام دے سکیں گے جو حدود وطن میں ہم پر عائد ہوتا ہے۔ مگر جو دعوت عمومی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی ہے جس کا مخاطب کسی ملک یا خطہ کو نہیں بلکہ پوری نوع انسان کو گردانا گیا ہے۔ وہ ایک ایسے ادارۂ نشر واشاعت کا مطالبہ کرتی ہے جس کا پیمانہ ہمارے اس ادارہ سے بہت

زیادہ وسیع ہو اور جس کا دامن پوری دنیا کے ہر ایک سمجھنے والے انسان تک دراز ہو سکے۔

بے شک جمیعتہ علمار ہند کے موجودہ وسائل و ذرائع اس عظیم الشان ادارہ کا تحمل نہیں کر سکتے۔ لیکن جمیعتہ علمار ہند اس عظیم الشان مقصد کے لیے عالمِ اسلام کو متوجہ کرے۔ الدال علی الخیر کفاعلہ کا اجرِ عظیم اور مشورہ خیر کی فضیلت عظمیٰ ضرور حاصل کر سکتی ہے کہا جاتا ہے کہ "در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" لہٰذا ہمیں سب سے پہلی فرصت میں اس کارِ خیر کو انجام دینے کی سبیل پیدا کرنی چاہیے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔

ایک قابلِ توجہ پہلو | اس مسئلہ کا ایک اور پہلو حکومت اور مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ، جغرافیہ اور شہریت جیسے مضامین جو پرائمری تعلیم کے لیے لازمی مضامین ہیں اگر ان کو سیکولرازم کے صحیح جذبے کے ساتھ مرتب کیا جائے۔ تب بھی ایک خاص فرقہ کے پیشواؤں ان کی یادگاروں و شہریت کے سلسلے میں ان کے طریقہ زندگی اور معاشرت کا ذکر تو آجاتا ہے، کیونکہ وہ اتفاق سے ہندوستانی تھے۔ لیکن مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی وغیرہ یعنی وہ فرقے جن کے پیشوا اتفاق سے ہندوستانی نہیں تھے۔ نہ اُن کے سوانح حیات تاریخ ہند کے تذکرہ میں لائے جاتے ہیں نہ ان کی متبرک یادگاروں مقاماتِ مقدسہ اور ان کے طرزِ معاشرت سے جغرافیہ یا شہریت کے سلسلہ میں بحث ہوتی ہے۔

یہ یک طرفہ رجحان جو اتفاق سے قدرتی اسباب بھی رکھتا ہے۔ فرقہ وارانہ شکل اختیار کر لیتا ہے جس کا کم از کم اثر یہ ہے کہ اقلیتی فرقوں کے بچے خود اپنی تاریخ سے جاہل رہ جاتے ہیں اس خرابی کو دور کرنے کے لیے جس طرح حکومت بالخصوص ٹکسٹ بک کمیٹیوں کے ارکان کو توجہ کرنی ضروری ہے۔ ایسے ہی ہمارے ادارہ نشر و اشاعت اور ہماری تعلیمی انجمنوں کا بھی فرض ہے کہ جس طرح وہ بڑوں کی معلومات کے لیے کتابچے مرتب کریں۔ ایسے ہی بلالحاظ

مذہب وملت ہر ایک بچے کے سامنے بھی ایسے دلچسپ رسالے پیش کریں جن سے وہ تمام بھی فرقوں کے پیشواؤں کو جان سکیں اور ان کے احترام کے لیے ابتداہی سے ان کے ذہن ودماغ میں گنجائش پیدا ہو سکے۔

حکومت سے تعاون کی توقع اس سلسلے میں ہمیں حکومت سے یہ تعاون حاصل کرنا چاہیے کہ ان کتابوں اور رسالوں کو جو ہر ایک علاقائی زبان میں ہوں۔ ان بے شمار لائبریریوں میں داخل کرائے جو ترقیاتی اسکیموں کے تحت گاؤں گاؤں اور بہت سے اسکولوں کے حلقوں میں قائم کی جا رہی ہیں۔ اس طرح ہم وطن عزیز کو فرقہ داریت کے زہریلے جراثیم سے ہمیشہ کے لیے پاک کر سکیں اور باہمی اعتماد و تعاون۔ رواداری اور میل جول کی خوشگوار تاریخ دوبارہ دہرا سکیں گے۔

اقتصادی مسائل

انگریز کے زمانہ کی تباہ شدہ اقتصادی حالت اب تک نہیں سنبھل سکی۔ چنانچہ ایک پنجسالہ اسکیم کی کامیابی اور ترقیاتی تجاویز پر اربوں روپیہ خرچ کر چکنے کے باوجود آج بھی نہ صرف یہ کہ کسی ترقی یافتہ ملک کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کی آمدنی کا تناسب کہیں ایک اور بیس اور کہیں ایک اور پچاس کا درجہ رکھتا ہے، بلکہ تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ گریجوایٹ اور اونچی ڈگریوں کے تعلیم یافتہ آج بھی لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اور ماہی بے آب کی طرح تلاش روزگار میں بیتاب ہیں اور اپنی پریشان حالی سے بسااوقات ملک کو پریشانیوں میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔

پورے ملک اور ملک کے ہر ایک فرقہ کے لیے افسوس ناک اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ کنبہ پروری اور قبیلہ پروری تقریباً ہر ایک محکمہ میں کارفرما ہے جو عموماً حقداروں کو محروم اور قبیلہ داروں کو کامیاب بناتی رہتی ہے۔

یہ افسوسناک پہلو مسلمان نوجوانوں کے حق میں اور بھی زیادہ نازک صورت اختیار کرلیتاہے۔کیونکہ یہاں قبیلہ پرودری کے بعد فرقہ پروری اپنا جلوہ دکھاتی ہے اور مسلمان نوجوانوں کے لیے محرومی کامل کا فیصلہ صادر کردیتی ہے۔

تقررات کی رپورٹیں جو ہمارے سامنے وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں، اس افراتفری اور مسلمانوں کے حق میں محرومی کا کامل ثبوت ہیں۔

میں احتجاجی ذہنیت کا حامی نہیں ہوں نہ موجودہ حالات میں احتجاج کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ البتہ عملی تدبیریں اختیار کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ ہمیں کسی بہتر صورت سے اس فرض کو انجام دینا چاہیے خصوصاً وہ راستے ضرور اختیار کرنے چاہئیں جن پر چل کر ترقیاتی اسکیموں کے لیے اپنی افادیت ثابت کرسکیں اور ان اسکیموں سے فائدہ اٹھاسکیں کیونکہ درحقیقت یہی اسکیمیں ہیں جو ملک اور باشندگان ملک کی اقتصادی بدحالی کو خوشحالی سے بدل سکتی ہیں۔ غالباً مسلمانوں کو اپنی اس خوش قسمتی کا احساس نہیں ہے کہ صنعت وحرفت کے سلسلہ میں برطانوی دور کی تقریباً دوسو سالہ سفاکیوں اور تباہ کن پالیسیوں اور موجودہ دور میں مشینوں اور کلوں کی فراوانی کے باوجود یہ میدان اب تک ان کے ہاتھ میں ہے اور گھریلو صنعتوں کے سلسلہ میں ان کو غیر معمولی اکثریت اب تک حاصل ہے مسلمان کاروباری دیانتداری اور بلند حوصلگی کے ساتھ ان ترقیاتی تجویزوں میں حصہ لیں، تو نہ صرف یہ کہ اپنے زخموں پر مرہم رکھ سکیں گے، بلکہ وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں قابل فخر حصہ لے سکیں گے۔

البتہ نظم وضبط، باہمی تعاون اس سلسلہ میں پہلی شرط ہے کیونکہ اس جمہوری دور میں افراد کا اعتماد نہیں کیا جاتا، بلکہ سوسائٹیوں اور انجمنوں کے ذریعہ افراد کی اکائی بنائی جاتی ہے اور ان اکائیوں کو امداد کے چشموں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

میں اس مختصر تحریر میں کوئی پروگرام نہیں پیش کرسکتا۔ البتہ یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند جو تعمیر ملت کے ساتھ اپنے آزاد کرائے ہوئے وطن عزیز کی تعمیر بھی اپنا ایک فرض سمجھتی ہے خود یا دوسری جماعتوں کے تعاون سے یا اگر مناسب ہو تو دینی کنونشن

کی طرح کسی ایسے ہی کنونیشن سے رہنمائی کا فرض انجام دے اور تمام ماتحت جماعتیں پوری تن دہی سے اس فرض کی انجام دہی میں حصّہ لیں۔

واللہ الموفق وھو المعین خاتمِ کلام پر آنے والے انتخاب کے متعلق بھی چند جملے عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ بے شک برطانوی دور میں انتخاب چند مشورہ دینے والوں کی تبدیلی کا نام تھا۔ مگر آج جمہوریہ ہند میں انتخاب کی تشکیل حکومت کے متعلق آخری فیصلہ کا نام ہے۔ اس فیصلہ کے صادر کرنے میں مسلم اقلیت کو ایک خاص مقام اور خاص اہمیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور اس فیصلہ کن موقع پر حب وطن، ملکی احساس اور بیدار مغزی کا پورا ثبوت دیں۔

کچھ ناعاقبت اندیش مسلمانوں کو اس میدان سے کنارہ کشی کا مشورہ دینے لگتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کچھ واقعات بھی ایسے ہیں جن کی تلخیاں اس مشورہ کی تائید کرنے لگتی ہیں، لیکن مسلمانوں کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مشورہ نہیں، بلکہ سیاسی خودکشی کی فرمائش ہے۔ مسلمانوں کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ خود اپنی اہمیت محسوس کریں اور برادرانِ وطن کو اپنی ضرورت محسوس کرائیں۔ یہ کنارہ کشی نہ مسلمانوں کی فتح ہو سکتی ہے نہ کسی صحیح قوم پرور جماعت کی۔ البتہ فرقہ پرستوں کی جیت ضروری ہوگی جو ہر طرح مرعوب اور متاثر کر کے مسلمانوں کو میدان سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس موقع پر حکومت اور ملک کی قوم پرور جماعتوں کا بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایک اقلیت کے اُس مقام اور اُس حیثیت کو تسلیم کرنے کا عملی ثبوت دیں جو قدرتی طور پر ہند یونین کے گلدستہ میں اُس کو حاصل ہے۔

ہند یونین کی سب سے بڑی ذمہ دار جماعت یعنی انڈین نیشنل کانگریس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے اور جب کہ انتخابات شخصی اور انفرادی حیثیت میں نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ آزاد امیدواری غیر اصولی عمل تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ انتخابات پارٹیوں اور جماعتوں کے سیاسی نظریات۔ اساسی طریقہ کار اور ان کے مینی فسٹو کے زیر اثر ہوتے

ہیں تو انتخابات لڑنے والی پارٹیوں کا یہ بھی فرض ہوجاتا ہے کہ وہ اقلیتوں کو ایسا موقع ضرور دیں کہ زیادہ نہیں تو کم از کم وہ اپنے تناسب کے مطابق نشستیں حاصل کرسکیں۔

پنڈت نہرو کی انصاف پسندی، انسانیت نواز ہمدردی اور ان کے فکر دوراندیش سے یہ توقع رکھنا بجا ہے کہ وہ نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ تجارت، ملازمت، اقتصادی منصوبوں اور ترقی کی اسکیموں غرض ہر شعبہ میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہر ایک اقلیت کے متعلق ریاستی حکومتوں کو عملی اقدامات کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ دلائیں اور اسٹیٹ گورنمنٹوں سے بھی یہ توقع رکھنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ بھی اپنی اپنی حکومت کے کردار کے لیے پنڈت جی کی شخصیت کو نمونہ بنائیں۔ اس صورت سے وہ گلشن ہند کے ہر ایک خیابان کو سرسبز رکھ سکتے ہیں اور اسی صورت سے ہندیونین کا یہ چمن سدا بہار بن سکتا ہے۔

بزرگانِ ملت اور برادرانِ محترم | میں آپ حضرات کا کافی وقت لے چکا ہوں اور کوشش اقتصار کے باوجود دامن کلام کسی قدر طویل ہوگیا ہے۔ اب ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں گفتار سے زیادہ کردار کی توفیق دے، ہماری نیتوں میں اخلاص پیدا کرے ہمیں بیش از بیش ملک وملت کی بہترین خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور ہم ناکاروں کو ان باکار بندوں میں شامل فرمادے جن کے متعلق پختہ وعدہ ہے۔

"وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ" واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ابد الاٰبادین ودھر الداھرین۔
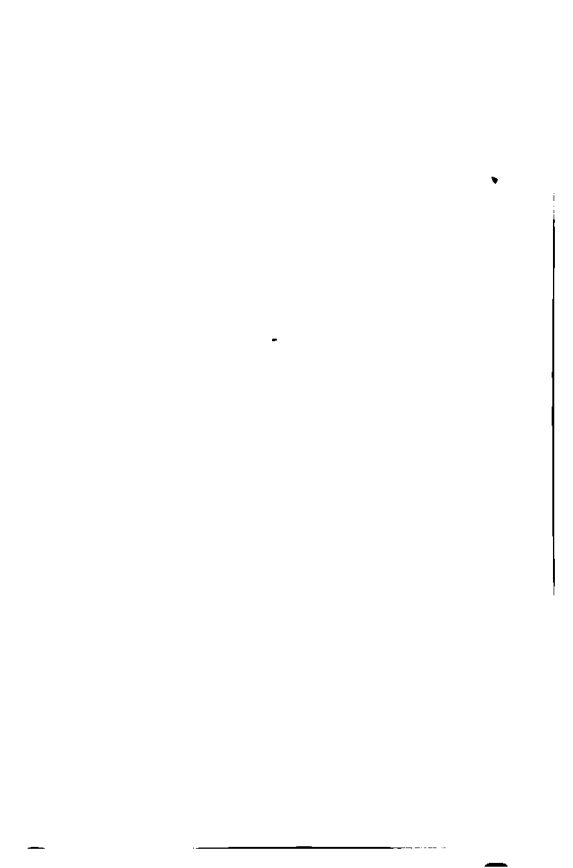
صدر مصر اور

جمہوریہ مصر کو تاریخی پیغام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علماء ہند کے انیسویں سالانہ اجلاس کے اختتام پر

۲۲ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء

—— بمقام ——

سورت

پیش فرمایا

جمعیۃ علماء ہند کے انیسویں (۱۹) اجلاس عام کے خاتمہ پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کے ارشادات

مصر اور صدر جمہوریہ مصر کو پیغام۔ عمل صالح کی تفسیر ترقی علم کا معیار اور اس کے پاکیزہ اصول

تحریک آزادی کا مقصد۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ابتدائی حالت اور پھر عروج و ترقی کا نقشہ اس آیت کریمہ میں کھینچا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (سورہ انفال)

اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے کمزور تھے ملک میں تمہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تم کو اچک لیں گے۔ پس ٹھکانا دیا تم کو اللہ تعالیٰ نے اور تمہیں اپنی نصرت اور امداد سے قوت بخشی اور پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا کہ شاید تم شکرگزار بن جاؤ۔

یعنی ابتدا میں حالت یہ تھی کہ گنتی میں چند، دولت یا حکومت کے اقتدار سے تہی دست، حد درجہ کمزور، یہ کمزوری یہاں تک تھی کہ خوف رہتا کہ دشمن تم کو اس طرح اچک لے گا۔

جیسا باز چڑیا کو اچک لیتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان دیکھو۔ سب سے پہلے یہ کہ تم کو ایک ٹھکانہ اور رہائش پکڑنے کی جگہ دے دی یعنی مدینہ طیبہ میں قیام کی سہولتیں عطا فرمائیں اس کو پناہ گاہ بنایا۔ پھر بدر وغیرہ کے موقعوں پر تمہاری مدد فرمائی۔ اپنی نصرت اور غیبی کمک کے ذریعہ یہ دوسرا انعام ہوا اور تیسرا احسان یہ کہ عمدہ عمدہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا۔ زرخیز علاقے تم کو عطا کئے جس سے غذائی مشکلات حل ہوگئیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے تین احسانات ہیں، جن سے اس مٹھی بھر جماعت کو استقلال نصیب ہوا۔ اس کے بعد دوسری آیت میں مزید احسانات کا وعدہ ہے۔ یعنی یہ وعدہ ہے کہ ایسا اقتدار عطا ہوگا جس سے پوری دنیا میں تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دنیا عزت و احترام کرتے ہوئے پیغام حق کے سننے پر مجبور ہو۔ ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (سورۂ نور ۷۶)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل صالح کئے۔ ان کو دنیا میں اس طرح خلافت عطا کرے گا جیسے ان کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ جو پہلے گزر چکے ہیں اور ان کے اس دین کو اقتدار بخشے گا جس کو اس نے تمہارے لیے پسند کیا ہے اور خوف و ہراس کے بعد امن و اطمینان عطا فرمائے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱) جس طرح پہلوں کو دنیا میں خلافت (اقتدار اعلیٰ یا بادشاہت) عطا ہوئی تھی کہ تم کو بھی اقتدار اعلیٰ عطا ہوگا۔

(۲) جو دین تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ یعنی دین اسلام اس کو اقتدار حاصل ہوگا اور اس کا کلمہ بلند ہوگا اور سارے عالم میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

(۳) خوف و ہراس کے بدلے میں تمہارا رعب داب قائم ہوگا۔ تمہاری دھاک دنیا میں بیٹھے گی تم کسی سے نہ ڈرو گے۔ دنیا تم سے خوف کھاتی رہے گی۔

محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی ہے۔ ایمان اور عمل صالح۔ عمل صالح وہی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور حیات میں پیش فرمایا۔ اور دنیا کو دکھایا کہ وحشت و بربریت کی پس ماندگیوں میں پڑی ہوئی قوم اس طرح تہذیب و تمدن بلند کردار، اور اقتدار اعلیٰ کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچتی ہے۔

محترم بزرگو! عمل صالح کے لیے ہمیں کسی تفتیش و تحقیق کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اور آپ کی سنت مبارکہ عمل صالح ہے اور دنیا شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اس عمل صالح پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرماتا رہا۔ اسی ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔ بحر اٹلانٹک سے بحر پاسفک تک سائبیریا سے ریگستان افریقہ تک اقتدار مسلم کے جھنڈے لہراتے رہے خود اس ہندوستان میں جو مرکز اسلام سے ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ آٹھ سو برس تک اقتدار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں رہی۔

یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کا یہی وہ عمل صالح تھا جس کی بدولت یہ عزت حاصل ہوئی تھی۔

محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ نے جس طرح عروج و ترقی کے اصول بتائے تھے یہ ضمانت بھی دے دی تھی کہ جب تک یہ اعمال صالحہ باقی رہیں گے۔ عروج میں زوال نہیں آسکتا، لیکن اگر تمہارے اعمال بدل جاتے ہیں تو زوال یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (سورہ انفال ع ۷)

(کوئی نعمت جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بدلتا جب تک

وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کریں۔)

محترم بزرگو! ہم نے آہستہ آہستہ عمل صالح کو چھوڑا، غیروں کی راہ اختیار کی جب ہم نے اپنی بدقسمتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو، آپ کی سنتوں اور آپ کے طریقوں کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل وانعام کے اس سایہ کو اٹھالیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں عطا فرمایا تھا۔

محترم بزرگو! ہمارا اقتدار طفیل تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کا — ہم نے یہ مقدس دامن چھوڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔ آزادی کی بجائے غلامی ہمارے سر آپڑی آج بھی اگر ہم اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ وہی عمل صالح اور ایمان واذعان جس پر پہلے اقتدار مسلم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس کو اختیار کریں۔ ہماری عزت وحرمت کی گری ہوئی عمارت پھر سر بفلک ہو جائے گی ——————

محترم بزرگو! کچھ عرصہ ہوا ہندوستان میں آزادی کی تحریک شروع ہوتی تھی، یہی زمانہ تھا کہ خلافت کی تحریک بھی چلی تھی، مسلمانوں نے دونوں تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، ناسمجھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے ترکوں کی شہنشاہیت بحال کرنے کے لیے تحریک میں حصہ لیا تھا، مگر اسی وقت تحریک خلافت کے لیڈر مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور ہمارے محترم رہنما شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے بار بار فرمایا تھا کہ ہمارا بڑا مقصد ہندوستان آزاد کرانا ہے۔

ہم فقط خلافت کی آزادی نہیں چاہتے، بلکہ تمام مظلوم اقوام کی آزادی چاہتے ہیں کیونکہ ہندوستان کی غلامی نے پورے ایشیا کو غلام بنا رکھا ہے۔ یہ اگر آزاد ہوتا ہے تو پورا ایشیا زندہ ہو جاتا ہے —————— جب میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا میں تھا تو وہاں تین ہزار سیاسی قیدیوں میں نصف کے قریب جرمنی تھے۔ باقی نصف میں دوسرے ممالک کے قیدی تھے۔ ان میں چالیس آدمی مصر کے بھی تھے۔ یہ مصری

دوست کہا کرتے تھے کہ اگر ہندوستان سے انگریزوں کا اقتدار ختم ہوجائے تو پھر ہم انگریز کو بحر قلزم میں دھکیل دیں۔ اب تو صورت یہ ہے کہ اگر ہم کچھ بھی سر اٹھاتے ہیں تو انگریز ہندوستان سے اتنی فوجیں لے آتا ہے کہ ان کی گنتی بھی مشکل ہوتی ہے۔

یہ ہندوستان ہی تھا جس کی غلامی کی بدولت انگریز برما۔ چین۔ ملایا۔ جاوا۔ سماترا۔ نیپال افغانستان۔ ایران۔ مصر۔ افریقہ۔ عدن۔ سوڈان۔ بحر ابیض کے کناروں پر واقع تمام ممالک پر چھایا ہوا تھا۔

ترکوں کا جنگی بیڑا۔ دنیا میں سب سے بڑا تھا جب ابراہیم پاشا امیر البحر تھا تو دھوکا دے کر ترکوں کا بیڑہ تباہ کیا گیا۔

یہ تمام باتیں تحریک آزادی کے زمانہ میں بار بار بتائی گئیں مگر اس وقت بہت سے لوگ ان کے سمجھنے سے قاصر رہے۔ آج ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان آزاد ہوا، تو انڈونیشیا، برما، چین، نیپال وغیرہ تمام ممالک سے انگریزی اقتدار ختم ہوگیا۔ نہر سویز مصر کی حدود میں ہے۔ مصر کی سرزمین پر ہے۔ لامحالہ مصر کی ہے۔ لاکھوں مصریوں کی جانیں اس کی تیاری میں قربان ہوئی ہیں، مگر انگریز نے اس نہر پر اس طرح قبضہ کر رکھا تھا کہ اس کا اس کا تصور بھی مشکل تھا کہ انگریز کی اس گرفت سے یہ نہر نجات پا سکتی ہے۔

ہندوستان آزاد ہوا تو مصریوں کو بھی جوش آیا۔ اللہ تعالیٰ کرنل ناصر صدر جمہوریہ مصر کی ہر طرح مدد فرمائے۔ اس کو یہ ہمت ہوئی کہ نہر سویز پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

ہم کرنل ناصر کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے۔

چند مکروہات پر تنبیہہ

میرے بھائیو!

ہمیں جو کچھ فخر حاصل ہوا جو کچھ ہمارے پاس فخر باقی ہے وہ سب صدقہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ آپ کے دامن سے وابستہ ہونے کا اور آپ کے طور و طریق پر عمل کرنے کا حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی طفیل ہے کہ مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ" فرمایا تھا۔ یعنی قلیل اور اتنے قلیل کہ لوگ ان کو اس طرح اچک لیں جیسے باز چڑیا کو اچک لیتا ہے۔ ان کو عظیم الشان سلطنتیں بخشیں۔ قلت کے بجائے ان کو کثرت سے نوازا۔ "نیویارک ٹائمز" نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ستر کروڑ ہے اور میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اسی کروڑ ہے۔

بہرحال یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا، آپ سے محبت کا اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کا مگر افسوس آج محبتِ رسول اور محبتِ اسلام کے دعوے تو بہت ہیں مگر عمل کا یہ حال کہ ان کے طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں جو نہ صرف مسلمان بلکہ پورے اسلام کے دشمن ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کے طور و طریق پر عمل کیا جائے اور جو قدم بھی اُٹھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر ہو۔ مگر کیا یہی اتباعِ سنت ہے اور کیا اسلام کا طریقہ یہی ہے کہ اس دینی جلسہ میں بھی تالیاں بجائی جا رہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے۔ انما التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیاں بجانا عورتوں کا طریقہ بتایا ہے۔ مردوں کو تسبیح کی ہدایت فرمائی ہے یعنی جب کوئی تعجب انگیز اچھی بات دیکھی جائے تو سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ اللہ اکبر بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن تالیاں بجانا قطعاً بے محل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مخالف ہے۔ ناظمِ اعلیٰ صاحب نے تنبیہ بھی کی، مگر عملاً تنبیہ کی قولاً نہیں۔ یعنی آپ نے تکبیر کے نعرے بلند کرائے، منشا یہی تھا کہ تالیوں کی بجائے تکبیر کے نعرے ہوں، مگر آپ حضرات نہیں سمجھے۔

اس اجلاس میں فوٹو لینے کی بھی کوشش کی گئی۔ جب میں نے سختی سے منع کیا۔ تب فوٹو گرافر رُکا۔

مجلس استقبالیہ کے اراکین کو اجازت ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔ فوٹو لے کر وہ آپ لوگوں کے ہاتھ بیچیں گے۔ آپ فوٹو مکانوں میں لگاتے ہیں۔ تصویر کھینچنا اس کا فروخت کرنا۔ اس کو لگانا سب منع ہے۔ مگر اس ممنوع کا ایسا رواج ہوگیا ہے کہ یہ بتانا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ ممنوع ہے۔

میرے بزرگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ ڈاڑھی بڑھائیں مونچھیں کٹائیں۔ ڈاڑھی مسلمانوں کا شعار ہے۔ مگر اچھے اچھے مسلمان اس شعار کو خود اپنے ہاتھوں پامال کرتے رہتے ہیں۔ ان کو یہ گناہ گناہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔

(حالانکہ معمولی گناہ کی بھی عادت ڈال لی جائے تو علماء کا متفقہ قول ہے کہ وہ معمولی کبیرہ بن جاتا ہے۔)

میرے بزرگو! اصل ترقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اگر آپ دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑتے ہیں اور آپ کا اتباع سے منہ موڑتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ آپ سے نہیں ہے۔ وعدوں کا مدار ایمان اور عمل صالح ہے۔

اسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں عمل کرنے کی چیز ہے۔ اسلام پر عمل کیجئے اسلام بھی محفوظ رہے گا اور آپ بھی زندہ ہو جائیں گے۔

میرے بزرگو! اللہ کے ذکر سے غفلت نہ برتو، جہاں تک ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ یہی ذریعۂ نجات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما من شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ (ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز عذاب سے نجات دلانے والی نہیں ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اکثروا ذکر اللہ حتی یقال انہ لمجنون او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ مجنوں کہنے لگیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از عشق غیر حق　　علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ جو بھی اچھا کام کروگے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَمَن یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا الخ یعنی ذرہ برابر خیر بھی سامنے آئے گا اور اگر ذرہ برابر شر ہو تو وہ بھی سامنے آئے گا۔ بس اللہ کے ذکر کی مشق یہاں تک بڑھاؤ کہ مرنے کے وقت بے اختیار اللہ کا ذکر جاری ہو جائے۔

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ رب سے جوڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

اس کے بعد آپ نے عجیب و غریب نہایت جامع الفاظ اور پُر درد لہجہ میں جمعیۃ علماء ہند کی ترقی خدام جمعیۃ کے لیے اخلاص۔ اسلام اور دین کی حفاظت و ترقی اور ملک و ملت کی ترقی کے اور تمام حاضرین اور سب مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

۱۲ ½ بجے جلسہ عام بخیر و خوبی ختم ہوا۔

(والحمد للہ)

افادات
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ
مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم
خطیب جامع مسجد نور
گوجرانوالہ
درس قرآن پاک کا نہایت ہی مفید سلسلہ
معالم العرفان فی دروس القرآن
مرتب ، الحاج لعل دین صاحب ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) شالامار۔ لاہور
اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو عوام کے ذہن کے قریب کرنے کے لیے بیشمار کوششیں کی گئی ہیں اور ہو رہی ہیں، دروس القرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ ہلکے پھلکے رواں دواں آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر ضروری مسائل کی توضیح ضروریات وقت زمانہ و ماحول کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج۔ قرآن کریم کی آیات سے، اور پھر صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرام، ائمہ کرام اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توجیہات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور ادیان باطلہ اور نظامات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رد، اس دروس القرآن کا خاص امتیاز ہے۔
سورۃ فاتحہ طبع سوم -/۱۵ روپے
پارہ ۳۰ مکمل طبع دوم -/۶۰ "
حصہ دوم پارہ ۲ تا مکمل سورۃ بقرہ طبع اول -/۷۰ "
حصہ چہارم سورۃ نساء مکمل طبع اول -/۱۱۰ "
حصہ ششم سورۃ انعام مکمل طبع اول -/۱۳۰ "
پارہ ۲۹ مکمل طبع دوم -/۵۰ روپے
حصہ اول پارہ ۱ مکمل طبع دوم -/۵۰ "
حصہ سوم سورۃ آل عمران مکمل طبع اول -/۱۰۰ "
حصہ پنجم سورۃ مائدہ مکمل طبع اول -/۱۲۵ "
حصہ ہفتم سورۃ اعراف مکمل طبع اول زیر طبع
ناشر
مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ

طبع سیزدہم

نماز مسنون (خورد)

مع

اذکار و ادعیہ مسنونہ

مرتب

حضرت مولانا عبدالحمید سواتی دام مجدہم

پاکٹ سائز کے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل بابرکت رسالہ جو چھوٹے بچوں کی نماز کی تعلیم کیلیے مرتب کیا گیا ہے، لیکن بڑے حضرات نے بھی اس سے خوب فائدہ اٹھایا ہے، اور اٹھا سکتے ہیں نماز کے بنیادی ارکان واجبات سنن و مستحبات کا ذکر، اور مستند حوالہ جات کے ساتھ نماز کے ضروری مسائل کے علاوہ اذکار وادعیہ جن کا یاد کرنا ہر ایک مسلمان کیلیے ضروری اور مناسب ہے ساتھ ہی چالیس ۴۰ احادیث مبارکہ جو عقاید کی اصلاح اور ضروری اعمال سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی درج کر دی گئی ہیں، جمعہ و عیدین کے ضروری خطبات بھی درج کر دیے ہیں الغرض کہ بچوں کے لیے اور بڑے حضرات کے لیے بھی ایک گرانقدر تحفہ ہے جس کے آٹھ ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، اب طبع نہم عمدہ کتابت و نفیس طباعت کے ساتھ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے طبع کرائی ہے۔ قیمت ۳ روپے

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
محلہ فاروق گنج، گوجرانوالہ

تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر مدظلہ

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تسکین الصدور	۶۰/۔ روپے	شوق حدیث	۱۲/۔ روپے
تبرید النواظر	۱۵/۔ ″	انکارِ حدیث کے نتائج	۱۳/۵۰ ″
صرف ایک اسلام	۱۴/۔ ″	عمدۃ الاثاث	۱۰/۔ ″
ازالۃ الریب	۶۰/۔ ″	بابِ جنت	۱۲/۔ ″
گلدستہ توحید	۱۰/۔ ″	احسن الکلام	زیرِ طبع
دل کا سرور	۱۲/۔ ″	مقامِ ابی حنیفہؒ	″ ″
عباراتِ اکابر	۱۵/۔ ″	طائفہ منصورہ	″ ″
الکلام المفید	۵۵/۔ ″	راہِ سنت	″ ″
اظہار العیب	۲۵/۔ ″	آئینۂ محمدیؐ	″ ″
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	۵/۔ ″	سماعِ الموتیٰ	″ ″
اتمام البرہان اوّل	۱۲/۔ ″	تفریح الخواطر	″ ″
اتمام البرہان دوم، سوم	۱۶/۔ ″	تبلیغِ اسلام	″ ″
اتمام البرہان چہارم	۱۲/۔ ″	اخفاء الذکر	″ ″
ملا علی القاری اور مسئلہ علمِ غیب	۳/۔ ″	چراغ کی روشنی	″ ″
الشہاب المبین	۹/۔ ″	عیسائیت کا پس منظر	″ ″
چالیس دعائیں	۱/۵۰ ″	بانیٔ دارالعلوم دیوبند	″ ″
مسئلہ قربانی	۵/۔ ″	راہِ ہدایت	″ ″
تنقیدِ متین	۴/۔ ″	حلیۃ المسلمین	″ ″
حکم الذکر بالجہر	۱۵/۔ ″	مودودی کا ایک غلط فتویٰ	″ ″
المسلک المنصور	۴/۵۰ ″	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	″ ″